آموزش

جون سنہ ۱۹۴۸ء
اردو کانفرنس نمبر



A Plan of
MUSLIM EDUCATIONAL REFORM

by

F. K. KHAN DURRANI

A complete and scientific solution of a baffling problem. A Nation becomes what its education makes it. Adoption of the Plan unfolded in this book is essential for the building up of a healthy Muslim National life in this country . . . . .

PRICE Rs. 4/8

Sh. GHULAM ALI & SONS
LAHORE

تعلیمی ماہ نامہ

آموزش

لاہور

مدیرِ "آموزش" کی تسلیم کے ساتھ

مدیر:
بشیر ہاشمی

جون ۱۹۴۸ء
جلد: ۱
شمارہ: ۲

ناشر:
کتاب منزل
لاہور
قیمت فی پرچہ ۱۰ آنے

سالانہ چندہ
پاکستان کے لیے: ۶ روپے
غیر ممالک کے لیے: ۸ روپے

رموز

آموزشش کے اس نمبر میں پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس کی رودادِ پیش کی جا رہی ہے۔ یہ کانفرنس گزشتہ مارچ کی ۲۶، ۲۷، ۲۸ تاریخ کو انتہائی اہتمام کے ساتھ منعقد ہوئی۔ پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے میسور جیسے دُور افتادہ مقامات سے بھی مندوب اس اہم اجتماع میں شریک ہوئے۔ پاکستان کی مرکزی اور صوبائی نمائندگیاں بھی اس جلسے کا مخصوص پہلو تھیں۔ زعما و عمائد انتہائی شوق سے شریک ہوئے۔ تین دن تک یہاں رہی خطبات و مقالات، مباحث و تجاویز، ادب و تنقید، تحقیق و تبصرہ، مظاہرہ و نمائش اور شعر و سخن کا بازار گرم رہا۔ گویا اُردو زبان کا "یوم القیام" منایا جا رہا تھا۔

اس اجتماع کا نتیجہ کیا رہا۔ یہ ابھی عملی طور پر دیکھنا باقی ہے۔ حصول مقصد کے آثار کچھ کچھ نظر آ رہے ہیں، جس سے اُمید بندھ رہی ہے اور یقین بڑھ رہا ہے کہ کانفرنس اپنے مقاصد میں بہت حد تک کامیاب رہی۔ اس کے ہنگامی جلسوں نے ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ اب اربابِ کار کے مخلصانہ سعی و عمل سے مقاصدِ کانفرنس کے بہت جلد پورا ہونے کا امکان ہے۔

× × × × ×

پاکستان کے درونی ربط و اتحاد اور بین صوبائی اشتراکِ عمل اور رواداری تعلق کے لیے ایک مشترکہ زبان کی ضرورت و اہمیت محتاجِ بیان نہیں اور اس ضمن میں اُردو کے حقوق خاص توجہ کے قابل ہیں۔ صوبائی زبانوں میں اس وقت کوئی زبان ایسی نہیں، جو سارے پاکستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہو۔ اُردو پاکستان کے کسی صوبے کی زبان نہیں۔ لیکن پاکستان جس قوم کی خداداد سلطنت ہے، اسی قوم نے محنت و جانکاہی سے اس پودے کی آبیاری کر کے اسے پروان چڑھایا ہے۔ یہ اسی قوم کی تخلیق اور ملکیت ہے،

توپھر کیوں نہ یہ زبان اس قوم کے آزاد ملک کی ملکی زبان ہو۔ اس قوم کا ہر فرد اسے بول اور سمجھ سکتا ہے اور یہ اس قوم کی خوش نصیبی ہے کہ اسے اپنے آزاد ملک کی تشکیل پر ایک مشترک زبان کی خاطر عرصۂ انتظار طے نہیں کرنا پڑا فیضِ قدرت سے اس کے پاس مشترکہ قومی و ملکی فرائض انجام دینے کے قابل زبانِ اُردو موجود ہے جو اسی قوم کی تخلیق اور اسی کی تربیت یافتہ ہے اور ہر طرح اس کی اپنی زبان ہے۔

ایک ایسی مشترک زبان کی موجودگی میں اس زبان سے اعراض کرکے کسی نئی زبان کا جو صوبائی زبانوں کے اختلاط سے پیدا ہو، ایک لمبے عرصے کے لیے منتظر رہنا، دانشمندی نہیں، خود فریبی ہے۔ قوم و ملک کی متحدہ ترقی و مفاد کو معرضِ التوا میں ڈالنا ہے اور خلاقِ اقوام والسنہ کی احسان فراموشی اور کفرانِ نعمت ہے جس کا نتیجہ خسرانِ عظیم کے سوا کچھ نہیں۔

ملک میں بد قسمتی سے ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جو کسی مخفی غرض کی بنا پر اِس قسم کے کفرانِ نعمت اور طغیانِ مہلک کے درپے ہیں اور ایسی تدابیر اختیار کر رہے ہیں کہ کسی طرح یہ زہر پھیلے اور یہ ملک اور قوم اپنے اس عظیم الشان اتحادی حربے کے مفاد سے محروم رہ جائے۔ بیدار مغز اربابِ اقتدار ایسے بدخواہوں کی ریشہ دوانیوں اور کارگزاریوں سے ناواقف نہیں ہیں۔ اُن کی تحریکیں ناکام، اُن کی اُمیدیں مایوس اور اُن کی تدبیریں خائب و خاسر رہیں گی۔

اُردو یہاں کے تمام مسلمانوں کی اپنی زبان ہے اور صرف یہی زبان ان مسلمانوں کی دولتِ خداداد پاکستان کی ملکی زبان بننے کی حقدار ہے اور مقامِ شکر ہے کہ اُردو کی اس حق رسی کا اعلان قائدِ اعظم نے فرما دیا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس کے مقاصد و مطالبات کی تکمیل تو شاید کچھ عرصہ لے۔ اس کا ایک فوری فائدہ ہماری نظر میں یہ ہوا کہ اُس نے اس اہم اور نازک وقت میں جب کہ ملکی زبان کے تقرر اور ترویج کا فیصلہ ہو رہا ہے اور چند خود فریب، فریب دہ حرکات کے مرتکب ہو رہے ہیں، اپنے جلسوں کے ذریعے اُردو زبان کے ملکی و ملی حقوق، اُس کی سیاسی عظمت، علمی شوکت اور ادبی وقار کو نمایاں کرکے عوام و خواص میں اُردو کے لیے یک گونہ بے تابی و بیداری پیدا

کر دی ہے۔

× × × × ×

کانفرنس کے انعقاد کی غرض و غایت یہ تھی کہ ملک کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر نظام حکومت اور تعلیمات میں اُردو کی حیثیت کو بلند کرنے کی تدابیر سوچی جائیں۔ اس کے مقاصد واضح طور پہ مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ اُردو کو یونیورسٹی کے مضامین میں بلند ترین جگہ دینا ۲۔ اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے سوال پر بحث ۳۔ اُردو کی سرکاری حیثیت کو بلند کرنے کا مسئلہ ۴۔ اُردو کے نصاب پر غور ۵۔ اُردو کی ترویج و ترقی کے وسائل سوچنا اور ۶۔ عام ادبی رجحانات کا جائزہ۔

تین دن میں کوئی گیارہ اجلاس منعقد ہوئے۔ خطبات، تجاویز کے علاوہ، ساٹھ کے قریب گرانقدر مقالے پڑھے گئے۔ کانفرنس نے حکومت و جامعہ پاکستان سے بہت ضروری مطالبے کیے۔ اہم مطالبے یہ تھے:۔

۱۔ ملک میں اُردو کو وہ تمام حقوق اور مواقع دیے جائیں، جو اس وقت انگریزی کو حاصل ہیں۔ ۲۔ اُردو کو ذریعۂ تعلیم و امتحان قرار دیا جائے۔ ۳۔ اُردو کو دسویں جماعت تک لازمی اور ایف اے اور بی اے میں انتخابی مضمون کی حیثیت دی جائے۔ ۴۔ ایم اے (اُردو) جاری کیا جائے۔ ۵۔ اُردو کو یونیورسٹی کی دفتری زبان قرار دیا جائے۔ ۶۔ اُردو کو تمام دفتروں، عدالتوں اور حکومت کے تمام دوسرے اداروں کی زبان بنانے کی خاطر جلد از جلد محکمۂ اُردو قائم کیا جائے۔ ۷۔ جلد دو علمی ادارے ـــ دارالترجمہ اور دارالتصنیف قائم کیے جائیں۔ ۸۔ اُردو انسائیکلوپیڈیا کی تدوین کا اہتمام کیا جائے۔ ۹۔ اُردو رسم الخط اور ٹائپ کی اصلاح کے لیے ایک کمیٹی کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

اِن مطالبات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو ضروری اور فوری توجہ کے قابل نہ ہو۔ رکاوٹیں پیدا کرنے کے لیے تو ہزاروں مشکلات کے بہانے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر اربابِ اقتدار عزم بالجزم کر لیں، تو تمام دقتیں دُور ہو سکتی ہیں اور جلد ہی تمام مقاصد پُورے ہو سکتے ہیں۔

اب تک ہمارے ملک میں اجنبی زبان رائج رہی ہے۔ ہمارا ہر کام اسی کے ذریعے انجام پاتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ ہم آپس میں بھی جب گفتگو کرتے ہیں، تو اس غیر زبان میں کرتے ہیں۔ ہماری غلامانہ حیثیت کو قائم رکھنے کے لیے جہاں اور زنجیریں تھیں، ان میں سے ایک کڑی زنجیر یہ بھی تھی۔ حصولِ آزادی کے ساتھ ساتھ اس بندھن سے بھی چھٹکارے کا مطالبہ فضول اور بے معنی نہیں ہے۔ بلکہ بہت اہم اور ضروری ہے۔ آزاد قوم کا حق ہے کہ اس کے ملک میں اس کی اپنی زبان کو فروغ حاصل ہو اس کا ہر کام اسی کے ذریعے انجام پائے۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھے، پرایا سہارا چھوڑ دے۔ ایسے دھوکے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ جس سے اس کا دل و دماغ اس کا اپنا نہ رہے۔ پرایا ہو جائے۔ اردو کو اب انگریزی کی جگہ ملنی چاہیے۔

× × × × ×

اردو کو ذریعۂ تعلیم و امتحان قرار دینے کے لیے صرف فرمان واجب الاذعان کی ضرورت ہے۔ تعلیم و امتحان کے ہر شعبہ و فن میں تمام امور سرانجام دینے کے سامان مہیا ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ جن شعبوں میں مصطلحات کی دشواری کا پُرزور دعویٰ کیا جاتا ہے، ان شعبوں کے ارباب کار بھی اگر مخلصانہ التفات سے مصروفِ عمل ہوں، تو جلد از جلد انھیں اپنی راہِ عمل سے دشواری کی یہ موہوم سد ہٹتی ہوئی نظر آئے گی۔ مصطلحات کی دشواری اس قدر اہم نہیں کہ اس کے باعث اردو کو تعلیم و امتحان کا ذریعہ قرار نہ دیا جائے۔ جب تک جچی تلی اور مسلّمہ اصطلاحات میسر نہ ہوں۔ بدیسی اصطلاحات سے کام لیا جا سکتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ صرف اصطلاحات کے بہانے سے اپنی قومی زبان میں تعلیم دینے کے اقدام میں تاخیر کی جائے۔ اکثر و بیشتر انگریزی اصطلاحات کے اردو تراجم جامعۂ عثمانیہ جیسے اداروں میں نہایت مفید رواج پا چکے ہیں۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ سب نوخیز و نوساختہ مصطلحات منجھ منجھ کر مناسب صورتیں خود بخود پیدا کر لیں گی اور اردو زبان کا صحیح جزو بن جائیں گی اور جس وقت تک ہمارا نیا طبقہ تعلیم کو تکمیل تک پہنچائے گا، ان اردو مصطلحات کا رواج اس قدر عام ہو چکا ہوگا کہ وہ غرابت و منافرت جو ان میں ہم "قدیم عالموں" کو نظر آتی ہیں، "جدید عالموں" کے لیے کافور ہو جائیں گی۔ بلکہ "جدید عالم"

ان نئی اُردو اصطلاحوں سے اسی قدر مانوس ہوں گے، جس قدر ہم انگریزی اصطلاحوں سے اس وقت مانوس ہیں۔ اصطلاحی دقت کا بہانہ طلبہ کے نقطۂ نگاہ سے نہیں، بلکہ معلم کے نقطۂ نگاہ سے ہے معلم اپنی قوتِ اظہار کو اسی ترازو میں تول کر پیش از وقت دقت محسوس کر رہا ہے۔ طلبہ تو جس طرح انگریزی اصطلاحیں سیکھ کر اُن سے واقف و مانوس ہوئے، اسی طرح اُردو اصطلاحوں سے بھی واقف و مانوس ہو جائیں گے۔ معلمین کو بھی اس انقلابی وقت میں اپنے اندر انقلابِ عظیم پیدا کرنا چاہیے۔ آزادی کی خاطر جان لڑانا ان کا بھی فرض ہے۔ انھیں رات دن محنت و مشقت سے اُردو میں اپنی قوتِ اظہار کو استوار کرنے کی کوششوں میں اخلاص کے ساتھ مصروف ہو جانا چاہیے۔ بجائے اس کے کہ مصطلحات کی دقتوں کا احساس پھیلا کر اپنی قومی زبان کے اہم رواج کی راہ میں حائل ہوں اور آزادی کی خوشگوار فضا میں غیر زبان کے عقیدت کیش ہو کر غلامانہ ذہنیت کا ایک مہلک عنصر قائم رکھیں۔

دفتروں، عدالتوں اور حکومت کے دیگر اداروں میں بھی اُردو کے اجرا کے متعلق صرف جھجک ہی ہے، ورنہ اگر فرائض عاید ہوں، تو چند دنوں میں کام سہل و رواں ہو جانے کی توقع ہے۔ اِن اداروں میں بھی مروجہ انگریزی اصطلاحات وطرز و روش سے مانوس عادات کا رُخ اُردو کی طرف بدلنے میں بعض کارکنوں کی "کم ہمتی اور کم مائگی" اِس اہم کام کو بحث بنا کر معرضِ التوا میں ڈالنے کی خواہاں ہے۔ لیکن ان معدودے چند معترضین کی خاطر یہ زوروں پر آیا ہوا سیلِ انقلاب تھم نہیں سکتا۔ دفاتر کے تمام کام نپٹانے کے لیے اُردو اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ کمربستہ ہے۔ فرمانروائی کا اشارہ ہونے پر دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ اُردو کے ذریعہ تعلیم و امتحان اور دفتری زبان بن جانے کے سلسلے میں اب صرف حکومت کے قطعی احکام کی بیتابانہ انتظار ہے۔

× × × × ×

اُردو کی تعلیم اور دفاتر جامعہ میں اُردو کی ترویج کے متعلق مطالبات بھی بہت اہم ہیں، بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ جامعۂ پنجاب، جو اُردو کانفرنس کا باعث ہوئی، اس کے شایانِ شان یہ ہے کہ فوری طور پر

۸ آموزش

اپنے ہر ادارے میں اور ہر قسم کی تعلیم میں انگریزی کی جگہ اُردو کے رواج کے احکامات و ہدایات جاری کر دے۔ اس کے لیے پس و پیش کرنا اور اس اہم کام کو معرضِ التوا میں ڈالنا گویا اس سلسلے میں اپنا حقِ تقدم کسی دُوسرے کو بخشنا ہے۔ اُردو کانفرنس بیٹھک جامعۂ پنجاب کا ایک مستحسن اقدام اور ضرورت کا بروقت احساس ہے۔ لیکن احساس کے بعد عمل میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ احساس کے ساتھ فوری عمل مستحسن ہے اور اسی فوری عمل کی توقعات جامعۂ مغربی پنجاب سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ یہ دیکھ کر بہت اطمینان ہو رہا ہے کہ جامعہ نے ایم اے "اُردُو" کے اجرا کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کے نصاب پر غور و خوض کے ساتھ ساتھ یہ اہتمام کیا جا رہا ہے کہ سنہ ۱۹۵ء میں اس کا پہلا امتحان ہو۔ یہ ہمت افزا اقدام ہے اور توقع ہے کہ نئے تعلیمی سال کے اندر اندر جامعہ کی ساری مشینری اُردو کے سانچے میں ڈھل جائے گی اور باقی تمام جماعتوں اور امتحانوں میں بھی اُردو کو ایک مکمل اور لازمی مضمون کی حیثیت اور درجہ مل جائے گا۔

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس کا افتتاحی اجلاس ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو ساڑھے دس بجے صبح یونیورسٹی ہال میں شروع ہوا۔ ہال کی دیواروں پر یونیورسٹی کے ملحقہ کالجوں کے تعلیمی جھنڈے آویزاں تھے۔ عام پبلک کے علاوہ ادیبوں، شاعروں، مصنفوں اور تعلیمی ماہروں اور عمائد شہر کی ایک بہت بڑی تعداد جلسہ گاہ میں موجود تھی۔ پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت کالجوں سے منتخب شدہ ستائیس مندوب اور تعلیمی اور ادبی انجمنوں کے چھبیس مندوب اور اردو کے ماہ ناموں کے گیارہ، تمام مقامی روزناموں کے ایڈیٹر، ان کے علاوہ مقامی ادبا و شعرا میں سے ساٹھ منتخب شدہ نمائندے اپنی اپنی جماعتوں اور طبقوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ان میں سے ہر جماعت اور طبقہ اپنے اپنے مخصوص نشانات سے ممتاز تھا۔ باوجود اس کے کہ سفر کی مشکلات حوصلہ شکن تھیں۔ بہاولپور اور بلوچستان سے بھی معزز نمائندے کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔ وائس پرنسپل پنجاب یونیورسٹی کے فیلو، مجلس منتظمہ کے ارکان اور ہونے والی نشستوں کے صدر اور دیگر ممتاز مہمان موجود تھے۔

آنریبل سردار عبدالرب نشتر، وزیر مواصلات حکومت پاکستان اس کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے خاص طور پر کراچی سے تشریف لائے۔ ان کے علاوہ راجہ غضنفر علی خاں رکن (نوآبادکاری مہاجرین) حکومتِ پاکستان نے بھی شرکت کی۔

کانفرنس کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا۔ قاری محمد یوسف صاحب نے نہایت خوش الحانی سے سورہ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد شیخ عبدالقادر مدظلہ نے جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:

تقریر شیخ عبدالقادر صاحب

"قیامِ پاکستان کے بعد زبان پاکستان کے سلسلے میں پہلی کانفرنس کے اجلاس کے افتتاح کا جو اعزاز آپ نے مجھے بخشا ہے۔ بحیثیت اُردو کے دیرینہ خادم کے میں اس کے لیے ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔

ہمدردانِ اُردو کا اس کثیر تعداد میں مجتمع ہونا۔ اُردو زبان کے ہر دل عزیز ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ ہمارے صدرِ محترم ڈاکٹر صاحب بالقابہ ایسی کئی اُردو کانفرنسوں اور اجلاسوں کی صدارت کر چکے ہیں۔ وقت کے تقاضے کے پیشِ نظر موجودہ کانفرنس کئی لحاظ سے اُن تمام پر فوقیت رکھتی ہے۔ اگر اس کانفرنس کا نام پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس کے علاوہ کچھ اور تجویز کرنا مقصود ہوتا، تو یقیناً "مجروح اُردو کانفرنس" سے زیادہ موزوں اور مناسب کوئی دوسرا نام نہیں مل سکتا تھا۔ اگر ماضی قریب کے پُرآشوب دور پر نظر ڈالیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اُردو زبان کو ایسے ایسے کاری زخم لگے ہیں کہ یہ خطاب کچھ ناموزوں نہیں ہوگا اور ہم یہ اُمید کرنے میں حق بجانب ہیں کہ موجودہ تبدیل شدہ حالات میں پاکستان کی فضا اس کے لیے ضرور سازگار ثابت ہوگی۔ اس نظریے کی تقویت کے سلسلے میں آپ حضرات کی توجہ رہنمائے قوم، اپنے محبوب لیڈر، قائدِ اعظم محمد علی جناح، گورنر جنرل پاکستان کی حالیہ تقریر (مشرقی بنگال) کی طرف منعطف کرنی چاہتا ہُوں۔ اس تقریر میں اُنھوں نے صاف اور غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ ملک کی سرکاری زبان اُردو ہوگی اور مبصرین کی رائے ہے کہ وہ دن دُور نہیں، جب ہمیں اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی ہوگی۔ مشرقی بنگال میں زبان کا جھگڑا تو چند بنگامہ پسندوں نے کھڑا کیا ہے۔ گو میں مشرقی بنگال کے مقامی حالات سے کچھ زیادہ باخبر نہیں ہُوں، تاہم یہ ضرور کہوں گا کہ وہاں کے حالات ایسے نہیں، جیسے پروپاگنڈا کرنے والے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اُردو کے قومی زبان ہونے کا فیصلہ تو آج سے سو برس پہلے ہو چکا اور یہ اس زبان کے کمال کا اعتراف تھا کہ غیروں نے بھی تسلیم کیا کہ صرف یہی ہندوستان کی قومی زبان بن سکتی ہے۔ ۱۵ اگست سے قبل اگر اُردو کے خلاف کوئی آواز اُٹھتی تھی، تو سارے ملک کے مسلمان (شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کے) اس کی حمایت میں سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ بنگالی مسلمان بھی اس حمایت و مدافعت میں اپنے دوسرے بھائیوں سے پیچھے نہیں رہتے تھے۔ لیکن آج قیام و آزادیِ پاکستان کے بعد، پاکستانی بنگال سے اُردو کے خلاف آواز بلند ہوتی ہے اور اس کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لینے والے آج بظاہر اس کی مخالفت پہ کمربستہ دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آپ کو یقین کرنا چاہیے کہ یہ صرف چند اہلِ غرض حضرات کی پیدا کردہ

تحریک ہے۔ عوام اُن کے ساتھ نہیں۔ بنگالی مسلمان آج بھی اُردو کے اسی طرح حامی ہیں، جیسے آٹھ ماہ قبل تھے۔ یہ مصنوعی تحریک اور شور و شغب انشاء اللہ عارضی ثابت ہوگا۔ دوسرے ملک کی تقسیم کے بعد ملک کے اِن دو حصّوں کے نام پاکستان اور ہندوستان ہونے چاہییں تھے۔ نہ کہ انڈیا اور پاکستان، کیونکہ انڈیا تو متحدہ ہند کا نام تھا۔ (اس موقع پر سردار عبدالرب نشتر وزیر رسل و رسائل حکومتِ پاکستان نے قطع کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تو اس وقت بھی اس بات پر زور دیا تھا کہ انڈیا استعمال نہیں کرنا چاہیے، البتہ ہندوستان مناسب ہے۔) اس پر شیخ صاحب نے فرمایا کہ حکومت کو اس بارے میں اب دوبارہ آواز بلند کرنی چاہیے۔ سردار صاحب صرف کانفرنس میں شمولیت کی غرض سے ڈھاکہ کراچی سے آئے ہیں اور یہ اُن کی زبان کے مسئلے سے ہمدردی اور دلچسپی پر دال ہے۔ میں آج سردار صاحب سے یہ بات پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ نشتر آپ کا تخلص ہے یا "وصف"۔ میری رائے میں آپ کی اس جگہ موجودگی ہمارے لیے ہر لحاظ سے تسکین دہ ہے۔ مخالفین کے قلوب کے لیے آپ نشتر ہیں اور ہمارے مجروح دلوں کے لیے مرہم۔

پنجاب یونیورسٹی کا وقت کے ضروری مسئلے کی اہمیت کا بر وقت احساس کرنا ہمارے لیے باعثِ صد اطمینان اور وائس چانسلر صاحب فیلوز اور عملہ کے لیے لائق مبارکباد ہے۔ اس پُر آشوب و پرفتن زمانے میں ہمارے دیرینہ کرمفرما اور جواں ہمت رہنما، ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی موجودگی ہمارے حوصلوں کو استقامت اور شکستہ دلوں کو تقویت بخشتی ہے۔ آپ نے تقسیمِ ہند سے قبل اور اس کے بعد تمام ملک کے دورے کیے۔ جلسے منعقد کر کے جا بجا شاخیں قائم کیں۔ گویا مخالفین کے درپردہ عزائم کا سدِ باب کیا۔ ان کی مساعی جمیلہ کا ثبوت وہ مرکزی ادارہ (انجمن ترقیِ اُردو) ہے، جو اس وقت مہاجر کے روپ میں اس ملک سے نکل کر آپ کے پاس آیا ہے۔ حکومتِ پاکستان لائق تحسین ہے کہ جہاں اُس نے دیگر پناہ گزینوں کو آباد کیا ہے، وہاں اس بے کس اور بے یار و مددگار کو بھی اپنے سایۂ عاطفت میں نشو و نما پانے کے لیے ایک مسکن دیا اور دوسری سہولتیں بہم پہنچائیں۔ اس اجلاس میں بابائے اردو کی موجودگی بحیثیت صدر، ہمدردانِ اُردو کے لیے باعثِ اطمینان و مسرت ہوگی اور انشاء اللہ العزیز

بتائیدِ ایزدی مخالفین کی پیہم اور سر توڑ مخالفت کے باوجود ہم ان ناسازگار حالات سے گزر کر کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔"

شیخ صاحب کے بعد سردار عبدالرب نشتر وزیر مواصلات حکومتِ پاکستان نے تقریر کی۔ آپ نے فرمایا:۔

تقریر سردار عبدالرب نشتر وزیر مواصلات حکومت پاکستان

"میں کانفرنس میں شرکت کی غرض سے کراچی سے حاضر ہوا ہوں۔ تاکہ میں آپ سے عرف یہ عرض کرسکوں کہ آپ کی حکومت کو زبان کے مسئلے گہری دلچسپی ہے اور اسے اس کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہے۔ ورنہ ایسے ایسے ادبا و فضلا کی موجودگی میں تقریر کرنا توگستاخی کے مترادف ہوگا۔ میرے پاس کچھ ایسا سرمایۂ ادب بھی نہیں، جو میں پیش کرسکوں۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ عرض کرنے پر مجبور ہوں۔

ابھی ابھی قاری صاحب نے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت میں آپ کو علم و بیان سے روشناس کرایا۔ خلق الانسان علمہ البیان۔ تخلیق کے بعد جو انسان پر احسان ہوا۔ وہ تعلیم بیان ہے۔ گویا بیان کی بڑی اہمیت ہے۔ بیان زبان۔ کے بغیر نہیں۔ لہٰذا انسان کے لیے زبان سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اسی سے اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو عروج نصیب ہوتا ہے۔ جو قوم زبان کو ترقی نہیں دیتی۔ وہ پست رہتی ہے اُردو ہماری زبان ہے اور اس کے بغیر ہمارے لیے کسی قسم کی ترقی ممکن نہیں۔

آپ نے زبردست قربانیوں سے ایک حکومت اور ایک قوم پیدا کی ہے۔ ایسے موافق ماحول اور سازگار حالات ہی میں قومی زبان کو پنپنے کا موقع ملتا ہے۔ ماضی قریب میں نہ صرف پہلی حکومت کی شدید مخالفت کی گئی بلکہ مشترکہ اتحاد و ارتباط کی پیدا شدہ نشانی اُردو کو زبان سے الگ کرنے کی مسلسل اور پیہم کوششیں کی گئیں۔

اس وقت ہمارے کانوں میں پیہم یہ صدائیں پہنچ رہی ہیں کہ موجودہ دور جمہوریت کا ہے۔ جیسی

اکثریت کے فیصلے پر سب کچھ موقوف ہے۔ لہٰذا پاکستان کی اکثریت جو زبان استعمال کر رہی ہے، اُسی کو سرکاری زبان کا درجہ ملنا چاہیے۔ اُردو زبان کی اس مخالفت میں بھی پیش پیش وہی مولوی فضل الحق صاحب ہیں، جو ایک سال قبل اس کی حمایت میں بھی پیش پیش تھے۔ جس طرح اجلاسِ لاہور میں قرار دادِ پاکستان کے محرک بھی یہی تھے اور بعد میں پاکستان کی مخالفت میں سرگرم بھی رہے۔ اسی طرح کل تک اُردو کی حمایت میں بھی آگے آگے تھے، مگر اب مخالفت میں بھی نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے، جو حشر اُن کی مخالفتِ پاکستان کا ہوا، وہی حشر اُن کی مخالفتِ اُردو کا ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ میں آپ پر واضح کر دوں کہ قومی زبان کا فیصلہ محض اس بنا پر نہیں کیا جاتا کہ کونسی زبان اکثریت کی بول چال کی زبان ہے۔ فرانسیسی زبان ساری دُنیا کی ڈپلومیٹک لنگوا فرینکا ہے۔ حالانکہ فرانسیسی دنیا کی سب سے کثیر التعداد قوم نہیں۔

قومی زبان میں کچھ بنیادی صلاحیتیں اور خصوصیتیں ہونی لازمی ہیں۔ اُردو میں وہ سب خوبیاں اور خصوصیتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ خاص طور پر لائقِ التفات بات یہ ہے کہ جہاں جہاں جس حد اور درجے تک اُردو مروّج ہے، وہاں مسلمانوں میں اُسی حد اور درجے تک شائستگی، روشن خیالی اور قومی شعور پایا جاتا ہے۔ جہاں اُردو کا رواج کم ہے یا نہیں ہے، وہاں اُسی حد تک شائستگی، روشن خیالی، اور قومی جذبہ مفقود ہے۔ لیکن اس کے برعکس ہندوستان کی تمام صوبجاتی زبانیں ان صفات کی حامل نہیں۔ مثلاً پنجابی، بنگلہ اور پشتو وغیرہ کو لیجیے۔ یہ صرف صوبائی حدود تک ہی محدود ہیں۔ آپ کو فرانسیسی زبان کی بین الاقوامی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، اُن وجوہ پر غور کرنا چاہیے، جس کے باعث اُس کو یہ حیثیت حاصل ہوئی۔ پھر آپ پر اصل حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ اُردو صرف پاکستان میں ہی نہیں، بلکہ تمام ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کے مخالفین خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں، مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ شمال مغربی کوہستان سے لے کر خلیج بنگالہ اور بحرِ ہند کے ساحل تک اس کے سمجھنے والے آپ کو ملیں گے۔

اب جبکہ ہندوستان کا تمام نقشہ ہی بدل چکا ہے۔ انگریزی زبان جو ملک پر آج تک حاوی تھی،

اُس کو بھی بدل جانا چاہیے۔ اس کی جگہ لینے کے لیے اُردو کے سوا کوئی زبان موزوں نہیں۔ صوبائی زبانیں صوبوں میں تو ذریعۂ تعلیم بن سکتی ہیں، مگر مرکزی حیثیت ان کو تفویض نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے بنگالی مسلمان بھائیوں کی ہم سے بیگانگی اور اجنبیت کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اُردو سے بیگانہ اور اجنبی رہے ہیں۔ خود بنگالیوں کے نقطۂ نظر سے بھی اُردو کو ہی تمام پاکستان کی قومی زبان بنانا چاہیے۔ کیونکہ یہی زبان پاکستان کے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب تر لا کر بیگانگی اور اجنبیت کے احساسات کو دور کرے گی۔

قیامِ پاکستان کے جلد بعد تمام صوبوں کے نمائندوں کے اجتماع میں متفقہ طور سے اس بات کا فیصلہ کیا گیا تھا کہ قوم کو ترقی کے لیے اُردو کو مرکزی حیثیت دے کر اس کی ترویج کے لیے ہر ممکن سعی عمل میں لائی جائے۔ اب صرف چند فتنہ پرداز حضرات نے اپنی اغراض کے پیشِ نظر بنگال میں عوام کو گمراہ کرنے کے لیے چولا بدل کر یہ ہنگامہ بپا کیا ہے۔ تاکہ اس طرح آپ کی صفوں میں انتشار پیدا کر کے حکومت کی مشینری میں رکاوٹ پیدا کی جائے۔ فی الحقیقت ان کو خود بھی اپنی کوششوں پر یقین نہیں۔ وہ آپ کی تو کیا، تمام دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنا چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ پانچ کروڑ کی آبادی میں سے چند کالی بھیڑوں جیسے قلاباز ان فتنہ زا حرکات سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکیں گے۔ بھولے بھالے عوام کو گمراہ کرنے والے بہت جلد خود ہی عریاں ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دے۔ تاکہ وہ ملک اور قوم کے حق میں زہرِ ہلاہل نہ بنیں۔ قائدِ اعظم نے زبان کے بارے میں غیر مبہم اور واضح الفاظ میں اپنا یہ فیصلہ صادر فرما دیا ہے کہ ملک کی زبان اُردو ہو گی۔ ہم ان مشکلات سے ناواقف نہیں، جو ہمارے راستے میں حائل ہوں گی۔ وہ لوگ ابھی تک یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان دیرپا اور قائم رہنے والا نہیں۔ مگر یہ اُن کی خوش فہمی ہے۔ یہ پودا ایسا نہیں کہ اس کو بیخ و بُن سے اُکھاڑا جا سکے۔ اتنی زبردست قربانیوں سے سینچے جانے پر اس کی جڑیں تحت الارض، یعنی پاتال تک پہنچ چکی ہیں۔

جب ملک کی تقسیم کا فیصلہ ہُوا، تو ہم نے یہ اعتراض اُٹھایا تھا کہ انڈیا تو متحدہ ملک کا نام تھا۔ چونکہ ملک کی وہ خود ساختہ وحدت برقرار نہیں رہی، اس لیے اس کے صرف ایک حصے کو اسی نام سے

موسوم کرنا جائز نہیں۔ اس سے تمام دنیا کے غلط فہمی اَور دھوکے میں مبتلا ہونے کا احتمال ہی نہیں بلکہ یقین واثق ہے۔ آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ ہم کو اس کا یہ جواب ملا کہ جب پاکستان کا نام ہی ہمارے کانوں میں گونجتا ہے، تو ہم کو ناگفتنی صدمہ پہنچتا ہے۔ لیکن آپ پھر بھی اس کے لیے بضد ہیں تو آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ ہمیں ہمارے ملک کا نام بدلنے پر مجبور کریں۔ آپ حضرات کو اس بارے میں ہمیں معذور خیال کرنا چاہیے۔

پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب لائق صد تحسین ہیں کہ اُنھوں نے اس فتنے کو بروقت بھانپا۔ آپ اُردو کو پناہ گزین اَور مجروح تو کہہ سکتے ہیں، مگر یتیم نہیں کہہ سکتے۔ بابائے اُردو ہم میں موجود ہیں۔ زبان کو ترقی و فروغ دینے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، وُہ آپ کو میسر آچکی ہیں۔ صرف ہمت، بلند حوصلگی اَور عزمِ صمیم کی ضرورت ہے۔ اگر آپ نے ہمت سے کام لیا، تو میدان آپ کے ہاتھ رہے گا۔

اُردو کی پناہ گزینی پر غور کرنے سے قبل آپ کو یہ نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اس دور میں پناہ گزینوں کا معاملہ کتنا اہم ہو گیا ہے۔ کل تک دہلی کی اُردو ٹکسالی تھی۔ قلعہ معلّی کی زبان ضرب المثل تھی۔ پھر لکھنؤ نے بھی ملجا و ماویٰ ہونے کا دعویٰ کیا، مگر زمانے کے انقلاب سے وہی اُردو اپنے حامیوں کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگی۔ سرتیج بہادر جیسے غمگسار بھی خاموشی کے سوا کچھ نہ کر سکے۔ اب وُہی اُردو زمانے کے تھپیڑے کھاتے، جھڑکیاں سہتے، سب دروازوں پر دستک دینے کے بعد دہلی سے پناہ گزینوں کی حیثیت میں پاکستان میں داخل ہوئی ہے۔

کبھی آپ حضرات نے اس امر پر بھی غور کیا کہ اُردو کے ساتھ یہ سلوک کیوں ہوا؟ اسے دربدر پھرنے پر مجبور کیوں کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ اس زبان سے پاکستان میں بسنے والوں کا گہرا رشتہ ہے اَور یہی اُن کی قومی زبان بنے گی۔ بہتر ہے کہ اس کو مٹا دیا جائے۔ اسے فروغ حاصل نہ ہونے دیا جائے۔ تاکہ اس کے علمی ذخیرے تباہ و برباد ہو جائیں اَور پاکستان کے کام نہ آسکیں۔ ان کی تہذیب و تمدن کا نام و نشان مٹ جائے۔ لیکن اُن کو یہ یاد نہیں رہا کہ یہ امانت ہماری جان کے ساتھ ہے

اور ع آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

اِن تمام مشکلات کو آپ کے سامنے واضح کرنے کے بعد، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ منتظمین کانفرنس کو مبارکباد دوں اور آپ نے جو میری عزت افزائی فرمائی، اس کے لیے شکریہ ادا کروں۔

پیغامات

نشتر صاحب کی تقریر کے بعد پروفیسر سید عابد علی نے مندرجہ ذیل حضرات کے پیغامات سنائے:-

آنریبل مسٹر فضل الرحمٰن، وزیر داخلہ پاکستان۔ نواب محمد اسماعیل خاں صاحب، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ و ممبر ہند پارلیمنٹ۔ قاضی محمد عیسےٰ، صدر بلوچستان مسلم لیگ کوئٹہ۔ سردار محمد ابراہیم، صدر آزاد کشمیر گورنمنٹ۔ غلام الدین وانی، وزیر امور داخلہ و تعلیم آزاد کشمیر حکومت۔ ڈاکٹر محی الدین قادری، جامعہ عثمانیہ۔ مرزا بشیر الدین محمود امام جماعت احمدیہ قادیان۔ وائس چانسلر ڈھاکہ یونیورسٹی۔ وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی۔ آنریبل سردار شوکت حیات۔ مس مودی اور مس میکوئین۔ مولوی محمد علی، امیر جماعت احمدیہ۔ صدر انجمن ترقی اردو سرحد۔ ڈاکٹر رضی الدین حیدر آباد۔ سیکرٹری بزم اردو جموں و کشمیر وغیرہم۔

آنریبل مسٹر فضل الرحمٰن کا پیغام درج ذیل ہے:-

آنریبل مسٹر فضل الرحمٰن، وزیر داخلہ پاکستان

"مجھے یہ سن کر مسرت ہوئی کہ پنجاب یونیورسٹی اردو کانفرنس، اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے منعقد ہو رہی ہے کہ نظامِ حکومت اور نظامِ تعلیم میں اردو کی حیثیت کو کسی طرح بلند کیا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو ماضی سے مسلمانوں کے تمدنی تعلق کا بہت بڑا وسیلہ ہے اور ساتھ ہی ساتھ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے مابین ایک ایسا ئل ہے، جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس زبان کے پڑھنے اور سمجھنے والے محض اس برِاعظم میں ہی نہیں، بلکہ باہر کے ملکوں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ لسانی اور ادبی خوبیوں کے اعتبار سے اردو کا شمار دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں ہونے لگا ہے۔

ملک کے بدلے ہوئے حالات کا تقاضا ہے کہ پاکستان اس زبان کے تحفظ اور ترقی کا ضامن ہو۔ پاکستان کی تخلیق جس جذبے نے کی ہے، وہ اس امر کا شاہد ہے کہ مسلمان اپنے تمدنی ورثے کی حفاظت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے ہیں اور اس ورثے کی بہترین قدروں کو سنوارنے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جس تہذیب کے وارث اور نگہبان ہیں، اس میں اتنی وسعت ہے کہ اُردو کے ساتھ صوبائی زبانوں کو بھی دوش بدوش ترقی کا موقع ملے گا۔ اب وہ وقت آگیا ہے، جب عوام اور حکومت کے درمیان کوئی غیر زبان حائل نہیں ہو سکتی اور نہ نظامِ تعلیم پر کسی اجنبی زبان کا بار لادا جاسکتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کانفرنس کی تجاویز اس عملی سمجھ بوجھ کا ثبوت دیں گی، جو پیشِ نظر مسائل کے حل میں معین ہو گی۔"

پیغامات کے بعد ڈاکٹر عمر حیات ملک وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے صدر مجلسِ استقبالیہ کی حیثیت سے اپنا خطبہ پڑھ کر سنایا۔

خطبۂ استقبالیہ

حضرات مندوبین و معزز حاضرین!

مَیں اس خوشگوار فرض کو ادا کرنے میں دلی خوشی محسوس کرتا ہوں کہ یونیورسٹی اُردو کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف آوری پر آپ حضرات کا خیر مقدم کروں۔ پنجاب یونیورسٹی کی تاریخ میں یہ ایک بے مثال موقع ہے کہ ملک کے ہر گوشے سے ماہرینِ علم و ادب اپنی قومی زبان، یعنی، اُردو کی ترقی کے وسائل پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں اور زیادہ خوشی کا مقام یہ ہے کہ یہ موقع ایسے وقت میں آیا ہے، جبکہ قومی زبان کے مسئلے میں کوئی اختلاف رائے باقی نہیں رہا۔ ہمارے اس مقدس وطن میں، جس کو ہم آج پاکستان کے نام سے یاد کر رہے ہیں، اُردو زبان کو عملی اور نظری طور پر قومی اور ملکی زبان تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یہ اتفاقِ رائے خدا کرے کہ پائدار ثابت ہو! اور مَیں ایسا خیال کرتا ہوں کہ ضرور ثابت ہو گا۔ کیونکہ ہمارے وطن کا ہر سمجھ دار شخص اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اُردو زبان ہندوستان کی

ہزار سالہ اسلامی تہذیب کا عزیز ترین ورثہ ہے، جو ہمیں اپنے بزرگوں سے ملا ہے۔ پاکستان کے حصول کی خاطر ہم نے جو بھاری قربانیاں دی ہیں (اور ابھی اور دینی باقی ہیں) ان کی غرض و غایت دینِ اسلام اور اُس کی مقدس روایات اور اس سے اُتر کر اسلامی زبانوں کا اور اُن کی ادبیات کا تحفظ ہے۔ یہ سچ ہے کہ عربی زبان اپنے تقدس کی وجہ سے ہمارے دلوں میں برترین رتبہ رکھتی ہے اور اس کے بعد ہم پر سب سے زیادہ فارسی کے حقوق ہیں، کیونکہ وہ ہماری ہزار سالہ تاریخ اور کلچر کا مخزن ہے۔ لیکن بفضلِ خدا آج ایسی اسلامی سلطنتیں موجود ہیں، جہاں یہ دونوں زبانیں نہایت باوقار حیثیت رکھتی ہیں اور زندہ و سلامت موجود ہیں اور اُن کی پرورش کرنے والے اُن کی ترویج و تربیت میں سرگرم ہیں۔ لیکن اُردو زبان کے لیے صرف ہندوستان ہی (اور اب یہ کہنا چاہیے کہ صرف پاکستان ہی) وہ جگہ ہے جہاں اس کو زندہ و قائم رکھا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے مَیں یہ کہوں گا کہ ہم پاکستانیوں کو اپنے وسائل کا بیشتر سرمایہ اُردو کی حفاظت میں صرف کرنا پڑے گا اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے، تو ہندوستان میں مسلمانوں کی صدیوں کی حکومت کی یادگار سوائے اُردو زبان کے اور کون سی چیز ہے؟ حضرات! آپ جانتے ہیں کہ پاکستان کو لینے میں ہم نے اپنی کیسی کیسی گراں قدر یادگاروں کو ہاتھ سے دے دیا! ہمارے مقدس مقامات، ہمارے فنِ تعمیر کے بہترین نمونے، ہماری قدیم درس گاہیں، ہماری یونیورسٹیاں سب ہم سے چھین لی گئیں۔ لیکن ہم نے بالآخر یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لی کہ آخر یہ سنگ و خشت کی یادگاریں کب تک قائم رہ سکتی ہیں۔ ہمیں اُن چیزوں کی حفاظت کرنی چاہیے، جو ہمیں اُن سے زیادہ عزیز ہیں، اُن سے زیادہ دیرپا ہیں اور جو ہماری قومی زندگی کی کفیل ہیں۔ ان عزیز چیزوں میں اوّلین اور بہترین ہماری اُردو زبان ہے!

حضرات! مَیں اس بات کو نیک فال سمجھتا ہوں کہ یہ سرزمین، یعنی شہرِ لاہور کی خاکِ پاک، جہاں اسلامی تمدن کا سب سے پہلا پرچم گاڑا گیا اور جہاں اسلامی تہذیب نے سب سے پہلے مستقل طور پر اپنا قدم جمایا، ہندوستان کی سرزمین کا وہ خطہ ہے، جس کو سلطان محمودِ اعظم نے فتح کر کے سلطنتِ غزنی میں شامل کیا اور اس شہر کو از سرِ نو آباد کر کے اس کا نام محمود پور رکھا۔ یہی وہ شہر ہے، جہاں اُس عہد میں

فارسی بولنے والے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آ کر آباد ہوئی اور اس کو اپنا وطن سمجھنے لگی۔ یہی وہ لوگ تھے، جن کی فارسی کے ساتھ یہاں کی ہندی زبان کا پیوند لگ کر اردو زبان پیدا ہوئی۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہی وہ مقام ہے جس کو زبانِ اُردو کا مولد و منشا سمجھنا چاہیے۔ غزنوی دور کے بعد جب مسلمانوں کی سلطنت پنجاب سے نکل کر ہندوستان کے باقی حصوں میں پھیلی، تو وہی لوگ، جو یہاں اس نئی زبان کے بولنے والے تھے، اوّل دہلی اور پھر وہاں سے آگے گجرات اور دکن تک اس کو اپنے ساتھ لے گئے۔ گزشتہ چھ سو سال میں اس زبان نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اور ہندوستان کے ہر گوشے سے اس کے بڑے بڑے باکمال شاعر اور ادیب پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں اس بات کو نہ بھولنا چاہیے کہ اُردو نے اپنی زندگی کا سب سے لمبا عرصہ پنجاب ہی میں بسر کیا اور جبکہ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اس کا وجود سخت خطرے میں ہے، اس کی آئندہ زندگی کی اُمیدیں پنجاب ہی کے ساتھ وابستہ نظر آتی ہیں۔

۱۸۵۷ء کے غدر کی مصیبت سے دہلی اور لکھنؤ نے جو صدمے اُٹھائے، ان میں میرے نزدیک سب سے بڑا صدمہ یہ تھا کہ ان شہروں میں اردو کا خاتمہ ہو گیا۔ اس ہنگامے کے بعد جب لاہور صوبۂ پنجاب کا صدر مقام بنا اور دہلی کو اس سے ملحق کیا گیا، تو یہ شہر از سرِ نو علم و ادب کا مرکز بن گیا اور دہلی کے بڑے بڑے باکمال وہاں سے اُٹھ کر یہاں چلے آئے۔ جن میں مولانا آزاد اور مولانا حالی کے نام نامی کا ذکر کیے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔ ان بزرگوں کی کوششوں سے لاہور میں ایک علمی اور ادبی انجمن جس کا نام انجمن پنجاب تھا، قائم کی گئی۔ لاہور بلکہ بیرونِ لاہور کے اکثر سربرآوردہ اور تعلیم یافتہ لوگ اس کے ممبر تھے اور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کو اس کی سرپرستی کا فخر حاصل تھا۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد میں بہت سی باتیں تھیں، جن میں معاشرتی اصلاحات اور لیکچروں اور مشاعروں کے ذریعے سے ادبی ذوق کو پھیلانا، تعلیم کو عام کرنا وغیرہ تھے۔ لیکن سب سے بڑا اور اہم مقصد یہ تھا کہ دیسی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے اور علوم و السنۂ مشرقی کی تحصیل کا شوق لوگوں کو دلایا جائے۔ غدر سے پہلے دہلی کالج کے مقاصد بھی یہی تھے۔ جب غدر میں وہ کالج وہاں ختم ہو گیا، تو انجمن پنجاب کی کوشش سے اسی نمونے اور اسی ترکیب کا ایک کالج لاہور میں کھولا گیا، جس کا نام اورینٹل کالج رکھا گیا، جو آج بھی موجود ہے۔ یہ ۱۸۷۰ء کی بات ہے، جبکہ پنجاب یونیورسٹی ابھی وجود

میں نہیں آئی تھی اور اس کے فرائض انجمن پنجاب ہی ادا کر رہی تھی۔ مثلاً ان مشرقی زبانوں کے طالب علموں کا امتحان لینا اور ان کو سندیں دینا۔ یہ امتحان دیسی زبانوں ہی کے ذریعے لیے جاتے تھے یعنی بیشتر اُردو میں اور کمتر ہندی میں۔ انجمن کے یہ عالی مقاصد ضرور پورے ہو جاتے اور اُردو زبان طلبہ کی بہت بڑی تعداد کے لیے ذریعۂ تعلیم بن جاتی، اگر ملک میں صورتِ حالات دگرگوں نہ ہو جاتی۔ لارڈ میکالے کی تعلیمی رپورٹ جو ۱۸۳۶ء میں لکھی گئی تھی اور جس کی رُو سے ذریعۂ تعلیم انگریزی زبان کو قرار دیا گیا تھا، بعض بنگالی لیڈروں کی کوششوں سے بنگال میں بارآور ہوئی۔ لیکن شمالی ہندوستان میں مدت تک اس کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ بالآخر سرسید احمد خان کے سمجھانے سے جب مسلمانوں نے انگریزی تعلیم کو قبول کر لیا (اور ہندو پہلے ہی اس کو اختیار کر چکے تھے) تو انگریزی زبان ذریعۂ تعلیم بن گئی اور اُردو کی اہمیت یو۔پی اور پنجاب میں بہت کم ہو گئی۔ پنجاب یونیورسٹی اگرچہ انجمن پنجاب ہی کی کوششوں سے بنی تھی، لیکن چونکہ وہ شروع ہی سے انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنا کر چلی تھی، اس لیے رفتہ رفتہ انجمن کے مقاصد معطل ہو کر رہ گئے۔

لیکن پنجاب میں اُردو کی اہمیت کو کم کرنے کی ذمہ داری صرف انگریزی تعلیم پر نہ تھی، بلکہ اس کو ضعف پہنچانے کے اور بھی اسباب پیدا ہو گئے۔ پنجاب یونیورسٹی کے بننے پر ابتدا ہی سے ہندی اور پنجابی بلکہ پشتو اور بنگالی کو بھی اُردو کا ہم پلّہ قرار دیا گیا اور یہ پانچوں دیسی زبانیں ایک دوسرے کی متبادل بنا دی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو فرقہ دارانہ ذہنیت نے ترقی کی اور دوسری طرف صوبائی تعصب بڑھتا گیا۔ جو حصّہ کہ خالصتہً اُردو کا ہونا چاہیے تھا، اس میں پانچ شریک بن گئے۔ پچھلے پچاس برس میں یہ لسانی کشمکش برابر بڑھتی چلی گئی اور یونیورسٹی کی تعلیم میں اُردو کو جو فروغ حاصل ہونا چاہیے تھا، وہ اُسے حاصل نہ ہو سکا۔ ہندو برابر ہندی کی طرف مائل ہوتے گئے، سکھوں نے پنجابی کو اپنا لیا اور خود مسلمانوں میں بھی کثیر تعداد ایسے طالب علموں کی ہو گئی، جو پنجابی کو اُردو کے مقابلے پر آسان سمجھ کر اختیار کرنے لگے تھے لیکن ان تمام نامساعد حالات کے باوجود ان تمام دیسی زبانوں میں اُردو ہی کا پلّہ ہمیشہ بھاری رہا۔

لیکن خدا کا شکر ہے کہ ملک کی تقسیم کی بدولت وہ ناگوار کشمکش ختم ہو گئی ہے اور وہ مشکلات اب باقی نہیں ہیں، جنھوں نے ترقی کا راستہ روک رکھا تھا۔ اُردو کے فروغ اور عروج کے لیے اب فضا بالکل صاف

ہو چکی ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے یونیورسٹی نے اوّلین فرصت میں یہ قدم اُٹھایا ہے کہ آپ صاحبوں کو، جو کہ اُردو زبان اور اُردو ادب کے ماہر ہیں، اس بات کا مشورہ دینے کے لیے یکجا کیا ہے کہ یونیورسٹی کو اب کون سے وسائل اختیار کرنا چاہییں، جن سے اُردو نہ صرف تعلیم کا ذریعہ بن سکے، بلکہ اس کے اندر علوم وفنون کے جملہ ذخیرے جمع کیے جاسکیں اور اس کو ہر لحاظ سے ایک بین الاقوامی زبان بنایا جاسکے۔ میری یہ تمنا ہے کہ آپ حضرات یکدلی اور یک جہتی کے ساتھ اپنی پیاری زبان کا درجہ اُونچا کرنے کے تمام ممکن وسائل پر غور کریں اور یونیورسٹی کی اس بارے میں رہنمائی کریں۔ ہماری یہ انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اس وقت ہمیں صحیح راستہ دکھانے والے ایسے بزرگ موجود ہیں، جن کے دست و بازو کی کوششوں نے اُردو زبان کو عزت و وقار کے بلند پائے پر کھڑا کیا اور جن کی زندگی اس کو پروان چڑھانے میں بسر ہوئی ہے۔ آپ حضرات سمجھ گئے ہوں گے کہ میرا اشارہ مکرم بزرگ جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی طرف ہے، جو عُرفِ عام میں بجا طور پر 'بابائے اُردو' کے لقب سے مشہور ہیں۔ ہماری دُعا ہے کہ خدا ان کو اتنی عمر عطا کرے کہ آگے چل کر وہ 'دادائے اُردو' کہلائیں۔ مجھے اس موقع پر اپنے شہر کے دیرینہ سال بزرگ جناب شیخ سر عبدالقادر کی اُردو نوازی کا ذکر بھی کرنا چاہیے، جن کی ادبی سرگرمیاں پنجاب کے لوگوں میں اُردو ادب کا صحیح مذاق پیدا کرنے میں بہت مؤثر ثابت ہوئی ہیں۔ ہمارے مخدوم مولانا ظفر علی خاں بھی ان بلند پایہ ہستیوں میں سے ہیں، جن پر اہلِ پنجاب کو ناز ہے۔ اُردو صحافت کی جو خدمتگزاری اس صوبے میں گزشتہ پچاس سال میں ہُوئی ہے، اس میں مولانا کا حصّہ سب سے بڑھا ہُوا ہے۔ اُردو نظم و نثر میں وُہ اپنے خاص انداز کے مُوجد و مالک ہیں۔

مجھے کامل اُمید ہے کہ یہ کانفرنس ان بزرگوں کی پُروقار شخصیتوں کے زیرِ اثر پورے طور پر کامیاب ہوگی۔ آخر میں مَیں آپ صاحبوں کی تشریف آوری کا ایک دفعہ پھر شکریہ ادا کرتا ہُوں۔ میری دُعا ہے کہ آپ کی مخلصانہ کوششیں بار آور ثابت ہوں۔

اس کے بعد صدر کانفرنس ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا۔

خطبۂ صدارت

جناب سر شیخ عبدالقادر، وائس چانسلر صاحب، حضرات و خواتین،

اقلیمِ پاکستان میں یہ پہلی اُردو کانفرنس ہے۔ پنجاب یونیورسٹی جس کی سرپرستی میں اس کا انعقاد ہو رہا ہے اور اس کے کارپرداز اور خصوصاً وائس چانسلر ڈاکٹر عمر حیات ملک صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ اُن کی بدولت یہ سعادت پنجاب کو حاصل ہُوئی ہے۔ مَیں تہ دل سے ان صاحبوں کا شکر گزار ہوں کہ اس سعادت میں شرکت کی دعوت دے کر میری عزّت افزائی فرمائی ہے۔

قدرت نے برِّاعظم پاک ہند کا سرملک پنجاب کو بنایا ہے۔ وادیِ سندھ کی قدیم تہذیب کے آثار اسی زمین کے تہوں میں مدفون ہیں۔ قدامت کے غبار میں انسانوں کے غول کے غول کابل و قندھار سے آتے اور ہند کی ماقبلِ تاریخ تمدّن کی بستیاں یہیں بساتے ہیں۔ یہ آریہ نسل کے لوگ تھے، جن کی تہذیب اور مذہب و معاشرت کی تشکیل پنجاب میں ہُوئی۔ رگ وید کے توحیدی نغمے اصل الفاظ اور خاص لہجے میں یہیں گائے گئے۔ قدیم ترین دینی روایات سے اُن کی خُوخصلت کا جو نقشہ تصور میں کھنچتا ہے، وہ سرحدی افاغنہ سے مشابہت رکھتا ہے اور بقول ایک مورّخ کے یہ ہندی آریہ پنجاب میں ہندو نہیں بنے تھے، بلکہ یہ تغیر مدّت بعد برہمنی دور اور برہم ورت یعنی ستلج پار وادیِ جمنا کے علاقے میں واقع ہُوا۔

قومی تہذیب کی عمارت زبان کی بنیادوں پر چُنی جاتی ہے۔ نوآباد آریوں کی بولی کو یہ مرتبہ پنجاب ہی میں حاصل ہُوا۔ پانینی نے سنسکرت کی سب سے پہلی صرف و نحو یہیں مرتّب کی۔

اسی کے قریب (یعنی، پانچویں صدی قبل مسیح) میں داریوش اوّل (اسفندار) نے ملک پنجاب کو سلطنت ایران میں شامل کیا۔ اس فتح کی علمی یادگار خارشتی تحریر تھی، جس سے دیوناگری نے جنم لیا۔ اسی ایرانی تعلّق سے یونانی فاتح سکندرِاعظم نے پنجاب پر فوج کشی کی اور بعد میں پہلے نیم یونانی اور پھر خالص تاتاری قومیں، ہجوم در ہجوم ہندوستان میں داخل ہُوئیں، یعنی، یوچی، گوجر، جاٹ اور آخر میں گورے ہنوں کا سیلاب آیا۔ ان میں یوچی قوم کا کُشان خاندان مشہور ہے۔ جس نے پہلی صدی عیسوی میں پشاور کو تختگاہ بنایا اور ہندوستان کا سال واہن سمت اپنی یادگار چھوڑی۔

اِن یورشوں کے صدیوں بعد باقاعدہ فوج کی پہلی آمد بھی (تاتاری نسل والوں کی) اسی علاقے میں ہُوئی اَور سلاطینِ غزنی نے اِسے اپنی سلطنت کا جُز بنالیا۔ لاہور کو انھیں بادشاہوں نے رونق دی۔ شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجلسِ ارشاد اَور فارسی ادیبوں نے بزمِ سخن یہاں آراستہ کی مسعود سعد سلمان کا دیوان معدوم موہوم سہی، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ ہندی بولیوں سے فارسی آمیزش کی ابتدا پنجاب میں ہوئی اَور یہیں اس مخلوط "ہنداسلامی" تہذیب کا قالب تیار ہُوا، جس میں انگریزوں کے استیلا سے پہلے سارے ہندوستان کی زندگی ڈھلتی رہی۔

تین صدی بعد وسطِ ایشیا سے مغلوں کی جو آندھی چلی، اُس کے جھکڑوں نے لاہور کو بھی برباد کر دیا تھا۔ لیکن تیموری سلاطین کے عہد میں اُسے حیاتِ تازہ حاصل ہُوئی۔ جہانگیر اور اُس کی محبوب ملکہ کے مقبرے، عمارتیں، باغ آج بھی لاہور کے بادشاہی شہر ہونے کے گواہ ہیں۔ بہادر شاہ اوّل کی وفات پر مغلیہ تختِ نشینی کے معرکے انھیں گلی کوچوں میں لڑے گئے، وہ ضعیف ہُوئے، تو یہ ملک ابدالیوں نے دبالیا اَور آگے چل کر انھیں کے بادشاہ زمان شاہ نے لاہور کی گدّی رنجیت سنگھ کو تفویض کی۔ اُس کی آنکھ بند ہوئی، تو انگریز آ دھمکے۔ اُن کے صد سالہ تسلّط اور خون کی تازہ ندیاں بہنے کے بعد اب تین چوتھائی پنجاب پھر پاک ہُوا ہے۔ خدا اسے چمکائے اور جملہ آفتوں سے بچائے۔

یہ سرزمین قدیم سے معرکہ خیز اَور انقلاب انگیز رہی ہے۔ وہ انقلاب بادشاہوں اَور کشور کشاؤں کے انقلاب تھے۔ یہ تازہ انقلاب جس سے آپ کو آزاد مملکت حاصل ہوئی ہے، قومی انقلاب ہے۔ یہ پہلا وقت ہے کہ قوم نے اپنے عزم و استقلال اور ایثار کے بل پر غیروں کے پنجے سے خلاصی حاصل کر کے نئی زندگی اَور آزادی حاصل کی ہے اَور قومی حکومت کی بنیاد ڈالی ہے۔ اب زندگی اپنی ہوگی اور حکومت اپنی حکومت۔ اب تک ہماری زندگی اپنی نہیں تھی محض نقالی تھی۔ دوسروں کے رحم و کرم پر تھی۔ اپنے ہونے کا اطلاق اس پر اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک وہ ہماری اپنی تہذیب اور روایات میں رنگی ہُوئی نہ ہو۔ ہمیں یہ تہذیب اَور روایات اس لیے عزیز ہیں کہ ان میں قومیت کی بوباس ہے۔ ہمیں ان کی قدر اس لیے بھی ہے کہ ان میں قومی ترقی کی بڑی گنجائش اَور زندگی کی تکمیل کے لیے بہت بڑی وسعت ہے۔

اگر ہماری زندگی اس رنگ سے محروم ہے، تو وہ مستعار، مصنوعی، بے رنگ اور بے معنی ہے۔ قومیت کے لیے یک رنگی کی، یکرنگی کے لیے ہم خیالی کی اور ہم خیالی کے لیے ہم لسانی کی ضرورت ہے۔ جہاں زبان ایک نہیں، وہاں خیال کا رنگ ایک نہیں۔ جہاں خیال ایک نہیں، وہاں دل بھی ایک نہیں۔ یہ دِلوں کو جوڑتی اور بیگانوں کو یگانہ بنا دیتی ہے۔ اُردو نے بدرجۂ کمال یہی خدمت انجام دی ہے اور یہ اس کی بڑی کرامات ہے۔

اُردو پنجاب کے لیے کوئی نئی زبان نہیں۔ پنجاب سے اس کا تعلق قدیم سے ہے اور یہ آج سے نہیں، صدیوں سے یہاں رائج ہے اور اگر پنجاب میں اُردو ادب کا جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ ہر عہد میں یہاں اُردو کے ادیب اور شاعر ہوئے ہیں اور اُردو لکھنے پڑھنے کا شوق یہاں ہمیشہ سے رہا ہے۔ آپ کے شاعر مراد (متوفی ۱۲۱۵ھ) اُن پہلے چند حضرات میں سے ہیں، جنھوں نے اُردو کا لفظ زبان کے معنوں میں استعمال کیا۔ اُردو نے اگر یہاں جنم نہیں لیا، تو بھی اس کا بیج یہیں پڑا ہے۔ یہ صدیوں پہلے سے اسی طرح پنجاب کی تہذیبی زبان رہی ہے، جیسی آج کل ہے۔

۱۸۴۹ء سے جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں انگریزی اثر اور تسلط پنجاب میں ہوا، تو اُردو یہاں کی سرکاری زبان ہو گئی اور تھوڑے ہی عرصے بعد یہاں کی تعلیمی زبان قرار پائی۔ سرجان لارنس جنھیں برٹش قوم نے محافظِ ہند کا خطاب عطا کیا تھا، پنجاب کے پہلے گورنر مقرر ہوئے۔ اس نامور مدبر نے اپنی خداداد فراست اور وسیع تجربے سے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ برٹش انڈیا ایک وسیع ملک ہے اور اس کی وسعت روزافزوں ترقی کرے گی۔ یہاں سینکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ایسی حالت میں حکومت کے انتظام میں بڑی دشواری پڑے گی اور ملک کبھی علمی ترقی نہیں کر سکے گا۔ جب حکومت ایک ہے، تو ہندوستان بھر میں ایک ہی زبان رائج ہونی چاہیے اور ہندوستان میں جتنی زبانیں رائج ہیں، اُن میں سب سے زیادہ مقبول عام ہونے اور تمام ہندوستان کی مشترکہ اور علمی زبان بننے کی صلاحیت صرف اُردو زبان میں ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنی ابتدائی رپورٹ پنجاب میں تحریر فرمایا:۔

"فی الحال جو بڑا مقصد ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم اُردو میں دی جائے اور

سب سے پہلا کام یہ ہے کہ عام لوگوں کو ہمارے علوم کے آسان اور ابتدائی اصول انھیں کی زبان میں سکھائے جائیں۔ اس زمانے میں جبکہ ترجموں کا عام چرچا ہے، یہ کام ہونا ممکن ہے۔ صوبۂ پنجاب کے لیے میڈیکل کتابوں کا ذخیرہ قائم کرنے میں حتی الامکان کوشش کی جائے گی۔ جو زبان کہ عام طور پر زیادہ استعمال کی جائے گی، وہ اُردو زبان ہے۔ اس زبان کا استعمال تمام قوموں میں عجلت کے ساتھ پھیلتا جاتا ہے اور یہ زبان لنگوا فرینکا ہے۔"

سر جان لارنس خود بھی اُردو اچھی جانتے تھے چنانچہ جب وہ وائسرائے کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے تو اس تقریب میں ایک بڑا شاندار دربار آگرے میں ہوا۔ اس میں اُنھوں نے تمام حاضرین کے رُو برو اُردو زبان میں تقریر کی۔

اسی زمانے میں سر رابرٹ منٹگمری جوڈیشنل کمشنر نے تمام کمشنروں اور بعض قابل ڈپٹی کمشنروں سے رائے طلب کی کہ پنجاب میں متعدد بولیاں مروج ہیں۔ ان میں سے کون سی زبان اور کس رسم الخط کو عدالتوں میں رائج کیا جائے۔ سب نے اُردو زبان اور فارسی رسم خط رائج کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ سب تجربہ کار اور بے لاگ افسر تھے۔ ان کی رائے تھی کہ پنجابی زبان کو گورمکھی حروف میں رائج کرنا بڑی دشواریوں کا موجب ہوگا اور ایک پولیٹیکل غلطی ہوگی اور خصوصاً سررشتۂ تعلیم کی حالت بالکل ابتر ہو جائے گی۔ ان عہدیداروں نے اپنے تجربے کی بنا پر یہ بیان کیا کہ اُردو زبان تمام صوبے میں سمجھی جاتی ہے۔ ایک ڈپٹی کمشنر نے لکھا کہ یہ زبان جدید نسل کے تعلیمیافتہ اشخاص کی "ورنیکلر" ہوتی جاتی ہے۔ ملتان کے کمشنر نے بیان کیا کہ اُردو کو عملاً کچہری کی زبان بنا لیا گیا ہے۔ نتیجے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تجویز نہایت عمدہ تھی۔ اُردو کچہریوں کی زبان ہے اور تمام کاروبار میں یہی زبان استعمال ہونے لگی ہے۔ ڈیرہ جات کے کمشنر نے لکھا کہ "پنجابی سرکاری دفاتر کے قابل نہیں۔ اُردو ایک اعلیٰ درجے کی زبان سمجھی جاتی ہے جو ترقی اس نے کی ہے، اس میں خلل انداز ہونا نہ چاہیے۔" کرنیل ٹیلر کمشنر پشاور نے اپنی رائے میں لکھا کہ "قسمت پشاور کے ہر سہ اضلاع میں کچہریوں کی زبان اُردو ہونی چاہیے۔ اس زبان نے ضلع کوہاٹ اور پشاور میں بہت ترقی کی ہے اور اس کی ایک آسان بولی ہزارہ میں بولی جاتی ہے۔ پشتو کچہریوں کے قابل نہیں، بہت کم لوگ ہیں، جو پشتو لکھ

سکتے ہیں۔ اگر اس غرض سے لوگوں نے اُسے پڑھنا شروع کیا، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اُردو زیادہ پھیلنے سے رہ جائے گی اور تہذیب اور درستیٔ اخلاق بند ہو جائے گی۔" غرض سب نے اُردو کے حق میں رائے دی اور اس زبان کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔

اِنھیں ایام میں انگریزی تعلیم، جدید خیالات اور نئی نئی آزادی نے ہندوؤں میں قومی احیا کی تحریک پیدا کی۔ جس کا مقصد ماضی کی شاندار قومیت کا خواب اور ویدک مذہب اور ویدک کلچر اور سنسکرت زبان کا فروغ تھا۔ اس تحریک کی بنیاد ماضی کے فخر اور قومی برتری پر تھی۔ یہ آندھی بنگال سے اُٹھی اور وہاں سے بہار اور یوپی میں پہنچی۔ قومیت اور زبان لازم و ملزوم ہیں۔ بہار اور یوپی میں سرکاری اور تعلیمی زبان اُردو تھی۔ نئی قومیت کے مدعی کسی ایسی زبان کو گوارا نہیں کر سکتے تھے، جس میں کچھ بدیسی عنصر بھی ہو۔ حالانکہ اُردو ٹھیٹ ہندوستانی زبان ہے اور اس روشن عہد اور ناقابلِ فراموش تمدن کی یادگار ہے۔ جو ہندو مسلم اتحاد سے وجود میں آیا اور جس نے اس ملک کو ایسی شُستہ، من موہنی، صالح اور ہمہ گیر زبان عطا کی، جس کی کمی صدہا سال سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی مخالفت صریح کفرانِ نعمت تھا۔ تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے اور وہ پرائی بدشگونی کے لیے اپنی ناک کاٹنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ غرض ۱۸۶۷ء میں اُردو کی مخالفت میں الٰہ آباد، بنارس وغیرہ مقامات میں انجمنیں اور سبھائیں قائم ہوئیں۔ اخباروں میں پروپیگنڈا کیا گیا۔ تحریری، تقریری مباحثے ہوئے۔ سرکار میں اُردو کو مدارس، دفاتر اور عدالتوں سے خارج کرنے اور اس کی بجائے ہندی رائج کرنے کی درخواستیں اور یادداشتیں بھیجی گئیں۔ سرسید احمد خاں نے اس جھگڑے کو روکنے کی کوشش کی اور آخری دم تک اس کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس آندھی کا گرد و غبار پنجاب میں بھی پہنچا۔ سنگھ سبھا لاہور نے ایک عرضداشت پنجاب کے لفٹنٹ گورنر سر چارلس ایچیسن کی خدمت میں پیش کی، جس میں یہ استدعا کی گئی تھی کہ سرکاری مدارس میں پنجابی زبان کی تعلیم رائج کی جائے۔ سر چارلس ایچیسن نے اس عرضداشت کا بہت معقول جواب دیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اس صوبے میں جہاں مختلف قومیں آباد ہیں اور بہت سی بولیاں مروج ہیں، طریقۂ تعلیم کو ایسا بنانا ناممکن ہے کہ تمام قوموں کے لوگ اپنی اپنی بولیاں سیکھ سکیں۔ عام تعلیم ضرور اُردو میں ہونی چاہیے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ صوبۂ پنجاب میں ...

کرنا بہت آسان ہے ..... سکھوں کو اُردو کی تعلیم سے مستثنیٰ کرنا، اُن کے حق میں مضر ہوگا۔ یہ لوگ ایک عمدہ، وسیع اور ہر روزہ ترقی پذیر لٹریچر سے محروم رہ جائیں گے اور دنیاوی کاروبار میں اپنے ہم وطنوں کے مقابلے میں نقصان اُٹھائیں گے۔ صاحبو! مجھے اندیشہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر میں تمھاری اس درخواست کو منظور کر لوں، تو میں یقینی نہیں، بلکہ ایک مشتبہ اور مشکوک فائدہ تم کو پہنچاؤں گا اور آئندہ نسل کے لوگ یہ افسوس کریں گے کہ میں نے یہ درخواست کیوں منظور کی"۔

آپ کے صوبے میں تو الحمدللہ اب یہ اختلاف نہیں رہا۔ لیکن پاکستان کے بعض علاقوں میں ابھی تک اس پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اور زبان کے معاملے میں وہ ابھی تک ڈانواں ڈول ہیں۔ مقامی یا مادری زبان ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور زبان بھی ہے، جس کا درجہ مادری یا مقامی زبان سے بڑھ کر ہے اور وہ قومی زبان ہے۔ مقامی بولی ایک خاص رقبے میں محدود ہوتی ہے، اس لیے اُس کا اثر بھی محدود ہوتا ہے۔ قومی زبان کی حدود زیادہ وسیع ہوتی ہیں، اس لیے اس کا حلقۂ اثر بھی وسیع ہوتا ہے۔ مقامی بولی صرف ایک مقام کی ہے۔ قومی زبان ساری قوم کی ہے۔ قومی زبان کے ذریعے قوم کا ہر فرد اپنی آواز ساری قوم تک پہنچا سکتا ہے، مقامی بولی میں یہ قوت اور دم کہاں۔ قومی زبان پوری قوم کے خصائص اور اُس کی روایات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ مقامی بولی صرف ایک جُز کی نمائندگی کرتی ہے اور بس۔ قومی زبان قوم کے شیرازے کو مضبوط کرتی اور اُسے منتشر ہونے سے بچاتی ہے اور قومیت کے ولولے کو زندہ اور تازہ رکھتی ہے۔ اگر اس مسئلے کو گہری نظر سے دیکھا جائے اور اس کی تہ تک پہنچا جائے، تو معلوم ہوگا کہ قومیت اور زبان ایک ہیں، جُدا جُدا نہیں۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ اس آزاد مملکت کے بعض علاقے اس معاملے میں متذبذب ہیں یا حیل حجّت کرتے ہیں۔ وہ قومی زبان کی قوت سے واقف نہیں۔ اُن کی حالت کنویں کے مینڈک کی سی ہے۔ اُنھوں نے سمندر دیکھا ہی نہیں۔ وہ معذور ہیں۔ جس دن دیکھ لیں گے، تو کنواں اگرچہ مفید اور عزیز ہے، اُن کی نظروں سے گر جائے گا۔ ایک موٹی سی مثال عرض کرتا ہوں۔ اگر علامہ اقبال اپنی مقامی زبان میں شعر کہتے، تو کیا اُن کو یہ عام مقبولیت حاصل ہو سکتی تھی؟ کیا وہ اپنی قوم میں ایسی زبردست تحریک پیدا کر سکتے تھے؟ یہ نعمت اور سعادت ہمیں قومی زبان

ہی کی بدولت حاصل ہوئی۔ مَیں ان صاحبوں سے جواب تک قومی زبان کی برکت اَور قوت کے قائل نہیں ایک سیدھی سی بات پوچھتا ہوں۔ کیا گاندھی جی کی زبان ہندی تھی؟ کیا سردار پٹیل ہندی زبان بولتے ہیں؟ کیا مسٹر کھیر وزیر اعظم صوبۂ بمبئی کے وطن میں ہندی بولی جاتی ہے؟ کیا سری گوپال اچاریہ گورنر بنگال کی مادری زبان ہندی ہے؟ یہ نہیں، تو پھر یہ کیوں ہندی کے اس قدر دلدادہ و شیدائی و حامی و سرپرست ہیں، خصوصًا جبکہ ان صاحبوں کی مقامی زبانیں اس جدید ہندی سے ہر اعتبار سے برتر اَور افضل ہیں؟ —— اس لیے کہ وُہ قومی زبان کی حقیقت اَور قوت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ زبان قومیت کی جان ہے۔

حال ہی میں کراچی میں ایک صاحب نے جن کے دل میں اپنے وطن کی محبت ہے، مجھ سے فرمایا کہ اگر اُردو ہمارے صُوبے میں مروّج ہوگئی، تو اس سے ہماری زبان کو نقصان پہنچے گا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ خیال صحیح نہیں، بلکہ اس سے آپ کی زبان کو فائدہ پہنچے گا۔ اُردو نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اس میں مذہب، تاریخ، ادب اور دیگر علوم و فنون کی کتابوں کی جو بہتات ہے، وہ ہماری کسی صُوبائی زبان میں نہیں۔ یہ سارا علمی اَور ادبی ذخیرہ بنا بنایا آپ کی مِلک ہو جائے گا، اَور آپ آسانی سے اپنی زبان میں منتقل کر سکیں گے۔ ویسے آپ کی زبان کو اس درجے تک پہنچنے میں سالہا سال درکار ہوں گے اَور پھر بھی شُبہ ہے کہ اُس درجے تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ اس کے علاوہ اُردو زبان میں حُسنِ بیان اَور ادائے مطلب کے جو نئے نئے اسلوب ہیں، وہ سب آپ کی زبان میں آجائیں گے۔ قطع نظر اس کے، مانا کہ آپ کی زبان اُردو اَور دوسری مقامی بولیوں سے آگے نکل جائے، تو بھی وُہ صُوبائی کی صُوبائی رہے گی، آگے نہیں جا سکتی۔ ہمیں ضرورت ہے، بین صُوبائی اَور بین اقوامی زبان کی۔ یہ حق صرف اُردو کو پہنچتا ہے۔ ایک اَور بات ہے، جو خاص طور پر قابلِ التفات ہے۔ وہ یہ کہ جہاں جہاں جس حد اور جس درجے تک اُردو مروّج ہے، وہاں مسلمانوں میں اسی حد اَور درجے تک شائستگی، روشن خیالی اور قومی شعور پایا جاتا ہے۔ جہاں اُردو کا رواج کم ہے یا نہیں، وہاں اسی حد اور درجے تک شائستگی، روشن خیالی اور قومی جذبہ مفقود ہے۔ یہ زبان ہماری قوم کا آلۂ ترقی پیما ہے۔ تھرمامیٹر کی طرح

اسے الگ کر آپ فوراً معلوم کر سکتے ہیں کہ کون سا علاقہ تہذیب و ترقی میں کس درجے پر ہے۔

لاہور کے بعض ایسے صاحبوں نے جو ان معاملات میں صاحب رائے ہیں، یہ فرمایا کہ زبان جب تک بول چال میں نہ آئے یا جب تک بول چال کی زبان لوگوں میں نہ رائج ہو، اس وقت تک زبان کسی ملک میں صحیح طور سے رواج نہیں پا سکتی۔ کتابی، اخباری یا دفتری زبان کتابوں، اخباروں، دفتروں میں رہ جائے گی، ملک کی زبان نہ ہونے پائے گی۔ وہ لوچ اور لطافت، وہ وسعت و روانی اور وہ خاص خاص لفظ جو بول چال کی زبان میں پائے جاتے ہیں، اخباری اور دفتری زبان میں کہاں۔ یہی بات میرے ایک دوست نے مجھ سے دلّی میں کہی کہ اُردو یُوپی سے یک قلم نکال دی گئی، جو اس کا جنم بھوم ہے، یہی حشر اس کا ہندوستان کے دُوسرے صُوبوں میں ہُوا، جہاں یہ مروّج تھی۔ اب رہا پاکستان، تو وہاں یہ کسی علاقے کی بھی زبان نہیں، اس لیے ان علاقوں میں اس کا پنپنا محال ہے۔ میں نے کہا۔ اس میں شک نہیں کہ اُردو پاکستان کے علاقوں میں بول چال کی زبان نہیں، لیکن یہ علاقے اس سے بیگانے بھی نہیں۔ اس زمانے میں پنجاب نے جو اُردو کی خدمت کی ہے، اس کا اعتراف نہ کرنا حد درجہ ناشکری ہوگی۔ حق یہ ہے کہ اس نے اُردو کوشی اور اُردو نوازی کا وہ کام کیا ہے، جو برِّاعظم پاک ہند کا کوئی صوبہ نہ کر سکا۔ جس کثرت سے اُردو کے اخبار اور رسالے یہاں سے نکلتے ہیں، کہیں اور سے نہیں نکلتے اور کمیت ہی میں نہیں، کیفیت میں بھی دُوسرے سب اخباروں پر سبقت لے گئے ہیں۔ سر شیخ عبدالقادر، مولوی ظفر علی خاں، مہر، میاں بشیر، حمید نظامی جیسے اخبار نویس اور کہاں ہیں۔ نوائے وقت کے بعض مضامین پڑھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی۔ قطع نظر معلومات کے ان کی زبان و بیان کی روانی اور قوت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ اُردو زبان ان کی نہیں ہے۔ یہ تو اس وقت کی باتیں ہیں۔ اس سے بہت پہلے بھی پنجاب کے اُردو اخبار کوہِ نور، پنجابی اخبار، اخبارِ عام اور ان کے بعد رفیقِ ہند، وکیل، وطن، پیسہ اخبار وغیرہ اپنے اپنے زمانے میں بہت مقبول اور با اثر رہے ہیں۔ اس وقت یہاں بہت سے نئے ادیب، شاعر اور انشا پرداز ایسے ہیں کہ جن کے کلام اور افکار کو پڑھ کر مسرت ہوتی ہے۔ ان میں جدت اور تازگی ہے اور یہ ہونہار نوجوان آئندہ اُردو ادب میں نام پیدا کریں گے۔ علاوہ عام ادبی رسالوں کے مثلاً ہمایوں، ادبی دُنیا وغیرہ

جو یادش بخیر مرحوم مخزن کی وزیات ہیں، علمی رسالوں کی طرف بھی توجہ ہو رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں رسالہ "نفسیات" اور نفسیات پر چند کتابیں میری نظر سے گزریں، جو بعض نوجوانوں نے لاہور سے شائع کی ہیں۔ ان میں علمی مطالب مناسب، سادہ اور صاف زبان میں ادا کیے ہیں۔ "اُردو بولو" کی تحریک کچھ عرصے سے پنجاب کے شہروں میں مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ یہ مبارک تحریک ہماری قومی زبان کے حق میں بڑا کام کرے گی۔ آپ میں مولوی محمد شفیع، پروفیسر ڈاکٹر اقبال اور ان کے شاگرد اور اب استاد ڈاکٹر سید عبداللہ جیسے اہلِ تحقیق اور مولوی ظفر علی خاں، پطرس، احمد شجاع، تاج، سالک، عابد علی وغیرہم جیسے ادیب بھی موجود ہیں۔

یہ سب کچھ ہوتے ہوئے ہم کیسے کہیں کہ اُردو پنجاب کی زبان نہیں۔ زبان کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے، نہ اس کی کوئی ذات اور قوم ہوتی ہے اور نہ کوئی وطن ہوتا ہے۔ جو کوئی اس کی تحصیل میں محنت کرتا ہے، اُسے بولتا ہے اور صحت اور فصاحت سے لکھتا ہے، اسی کی زبان ہے اور وہی زبان دان اور اہلِ زبان ہے۔ وہ پودا جسے مولوی محمد حسین آزاد، مولانا حالی، ماسٹر پیارے لال، ارشد گورگانی وغیرہ بزرگوں نے سینچا تھا، آج آپ کی کوششوں سے تناور درخت ہوتا نظر آتا ہے۔ اس پر بھی کہنے والے کا یہ کہنا کہ اہلِ پنجاب کی اصل زبان اُردو نہیں، غلط نہیں ہے۔ لیکن میں اُن سے یہ پوچھتا ہوں۔ کیا عربوں کی آمد سے قبل اہلِ مصر کی زبان عربی تھی؟ کیا عراق و شام اور مراکش اور شمالی افریقہ کے دوسرے علاقوں کے باشندے عربی بولتے تھے؟ لیکن آج ان تمام ممالک کے باشندوں کی مادری زبان عربی ہے۔ اسی طرح ایک دن آنے والا ہے، جب اہلِ پنجاب کی زبان اُردو ہوگی اور یہ ہو کے رہے گا۔ مجھے اور آپ میں سے بہت سوں کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوگا، لیکن میرے اس قول کی تصدیق آپ کی آئندہ نسلیں اپنے عمل سے کریں گی۔

ترقی کی یہ رَو جو اس وقت ہم پنجاب میں دیکھتے ہیں، اس کے سرچشمہ کا سراغ اگر تلاش کیا جائے، تو "انجمن پنجاب" میں ملے گا، جو ۱۸۶۵ء میں قائم ہوئی۔ اُس کا مقصد علوم مشرقی کی تعلیم کا از سرِ نو جاری کرنا اور دیسی زبانوں کے ذریعے سے ملک میں علومِ مفید کی اشاعت تھا۔ اُس نے علوم والسنہ کی تعلیم و ترویج

کے لیے نہایت قابلِ قدر کوشش کی۔ سب سے اوّل اُس نے مدرسۂ علوم مشرقی قائم کیا اور اس کی مسلسل سعی کی بدولت پنجاب کو یونیورسٹی کالج ملا۔ علوم مشرقی کا مدرسہ کالج ہو گیا۔ اس کالج نے مشرقی زبانوں کے مروّج اور مقبول کرنے میں بڑا کام کیا۔ اس سے صرف پنجاب ہی کے نہیں، بلکہ دوسرے علاقوں کے لوگ بھی فیضیاب ہوئے۔ جن اہلِ علم کا یونیورسٹی اور نیٹیل کالج سے تعلیمی یا تدریسی تعلق رہا ہے، ان میں بعض ایسے نامور فاضل گزرے ہیں، جو اپنے علم و فضل اور علمی کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ عزّت کے ساتھ یاد کیے جائیں گے۔ ان میں مولوی محمد حسین آزاد، مولانا فیض الحسن، سر محمد اقبال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کالج کے پرنسپلوں میں ڈاکٹر لائٹنر، سر آرل سٹائن، میکڈانلڈ، سر ٹی ڈبلیو آرنلڈ، مسٹر وُلنر، مولوی محمد شفیع لکشمن سروپ جیسے صاحبِ علم و فضل ہیں اور اب ان کے جانشین پروفیسر ڈاکٹر اقبال اس مسند پر فائز ہیں۔ کالج کے تعلیم یافتہ سابق طلبہ میں بھی ایسے اصحاب کی ایک خاصی جماعت ہے، جو علمی و ادبی دنیا میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ مثلاً مولوی وحید الدین سلیم، مولوی سید ممتاز علی، پیرزادہ محمد حسین، مولوی مقبول احمد مدنی، خلیفہ محمد حسن، مولوی محبوب عالم، مولوی انشاء اللہ خان، مولوی محرم علی، پروفیسر محمود خاں شیرانی، اختر شیرانی، محمد دین فوق، سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر زبید احمد، مولانا عبدالعزیز میمن، ڈاکٹر زبیر، مولوی خلیل الرحمٰن، خان بہادر مولوی محمد شفیع، پروفیسر اقبال، ہیش پرشاد، ان صاحبوں نے علوم و السنہ مشرقی کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کی بھی بڑی خدمت کی ہے۔

یہ سب کچھ جو اب تک پنجاب میں ہوا ہے اور ہو رہا ہے، بہت حوصلہ افزا اور قابلِ تحسین ہے۔ لیکن یہ کافی نہیں۔ آپ کی یہ ساری کوششیں اور سرگرمیاں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتیں، جب تک پنجاب کے مدارس اور کالجوں میں اُردو ذریعۂ تعلیم نہ ہو جائے۔ یہ مسئلہ کوئی نیا نہیں۔ مدّت دراز سے اس پر بحث ہوتی چلی آئی ہے اور اب مزید بحث کی گنجائش نہیں۔ انجمن پنجاب نے جس کا ذکر ابھی کر چکا ہوں، ۱۸۶۵ء میں اپنے ایک جلسے میں مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے ایک یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز کی۔ اس تجویز کے متعلق کئی سال تک سرکار سے مراسلت ہوتی رہی۔ انجمن کا منشا یہ تھا کہ مشرقی زبانوں، یعنی عربی، فارسی، سنسکرت کی تعلیم سے اُردو و ہندی کو تقویت پہنچائی جائے اور ان کے ذریعے سے

علوم و فنون کی انگریزی کتابوں کے ترجمے اپنی زبان میں کرلے اور ان کی اشاعت ملک میں کرے۔

اسی زمانے میں ہماری قوم کے عالی دماغ مصلح (سر) سید احمد خاں نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن کی طرف سے جس کے وہ بانی اور آنریری لائف سیکرٹری تھے، اُردو یونیورسٹی کے قیام کے لیے گورنمنٹ آف انڈیا میں ایک عرضداشت پیش کی، اس کا منشا یہ تھا کہ گورنمنٹ اعلیٰ درجے کی تعلیم عام کا ایسا انتظام کرے کہ جس میں بڑے بڑے علوم اور فنون کی تعلیم دیسی زبان کے ذریعے سے ہوا کرے اور دیسی زبان میں انھیں مضمونوں کا امتحان سالانہ ہوا کرے جن میں کہ اب طالب علم کلکتے کی یونیورسٹی میں انگریزی زبان میں امتحان دیتے ہیں اور جو سندیں اب انگریزی زبان کے طالب علموں کو علم کی مختلف شاخوں میں لیاقت حاصل کرنے کے عوض میں عطا ہوتی ہیں، وہی سندیں اُن طالب علموں کو عطا ہوا کریں، جو انھیں مضمونوں کا دیسی زبان میں امتحان دے کر کامیاب ہوں۔ حاصل یہ کہ خواہ تو ایک اُردو فریق کلکتے کی یونیورسٹی میں قائم کیا جائے یا ممالک مشرقی و مغربی میں ایک یونیورسٹی دیسی زبان کی علیحدہ قائم کی جائے۔"

ان دونوں تجویزوں کا حشر ایک ہی ہوا۔ وہی شبہات اور اعتراضات پیش آئے، جو اب بھی کبھی کبھی بعض انگریزی تعلیم یافتہ اور خاص کر وہ اصحاب، جن کے ہاتھ میں نظامِ تعلیم ہے، کرتے ہیں یعنی یہ کہ ابھی ہماری زبان میں اتنی سکت نہیں کہ جدید علوم کی تعلیم کا بار اُٹھا سکے۔ تعلیمی سامان یعنی علوم و فنون کی کتابیں ہماری زبان میں نہیں، پڑھانے والے کہاں سے آئیں گے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ بالکل وہی بات ہوئی کہ مرغی پہلے تھی یا انڈا۔ جب تک آپ اُردو کے ذریعے سے تعلیم کا آغاز نہیں کریں گے، اس وقت تک نہ کتابیں مہیا ہوں گی اور نہ استاد میسر آئیں گے۔ اسّی سال اسی بحث اور سوچ میں گزر گئے۔ اب اگر تذبذب اور بحث و تکرار کی یہی شان رہی، تو ایک صدی اور گزرنے پر بھی صورت حال جُوں کی تُوں رہے گی اور ہم جہاں تھے، وہیں رہیں گے۔ اس لیے بلاتاخیر اس مہم کو شروع کر دینا چاہیے۔ اس میں زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہیں، خصوصاً جبکہ ہماری رہنمائی کے لیے دو روشن مثالیں موجود ہیں۔ ایک سو سوا سو برس پہلے کی اور ایک زمانہ حال کی۔ پہلی مثال دہلی کالج کی ہے۔ جس میں تمام جدید علوم و فنون کی تعلیم اُردو کے ذریعے سے دی جاتی تھی۔ ابتدا میں ان کے پاس بھی اُردو میں علمی کتابیں نہ تھیں۔ اُستاد انگریزی کتاب کے

مطالب اُردو میں بیان کرتا اور شاگرد یاد داشتیں لکھ لیتے۔ بعد میں مستعد طلبہ اور اساتذہ نے باہمی تعاون سے تقریباً سوا سو کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں۔ اس وقت کے ماہران تعلیم اور افسران سررشتۂ تعلیم نے اس طریقۂ تعلیم کو بہت سراہا۔ مسٹر فریڈرک مواٹ ایم۔ ڈی، ایل ایل بی، فرسٹ فزیشن میڈیکل کالج کلکتہ و سیکرٹری کونسل آف ایجوکیشن بنگال نے اپنی رپورٹ میں دہلی کالج کے مشرقی شعبے کے طلبہ کی استعداد اور قابلیت اور خاص کر ان کی سائنس کی واقفیت کی بہت قابل تحسین الفاظ میں تعریف کی۔ گورنمنٹ مغربی شمالی نے جنرل کمیٹی تعلیم عامہ کی رپورٹ ۱۸۵۳ء پر جو ریزولیوشن لکھا۔ اس میں اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔ "اُردو کے ذریعے سے دہلی کالج میں جو سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کی مسٹر مواٹ نے بہت تعریف کی ہے۔ ہز آنر ایسی تعلیم کی، جو اس ذریعے سے دی جاتی ہے اور خاص کر سائنس کی تعلیم کی بہت قدر کرتے ہیں۔" جب ایک صدی قبل سائنس اور دیگر علوم کی تعلیم اُردو کے ذریعے سے کامیاب ثابت ہُوئی، تو آج ہم اس طریقے کو اختیار کرتے ہُوئے کیوں جھجکتے ہیں۔ حال کی مثال جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن ہے جب اس کے قیام کی تجویز ہو رہی تھی۔ اس وقت بھی وہی پُرانے اور فرسودہ شبہات ظاہر کیے گئے تھے۔ لیکن کام کرنے والوں نے کر کے دکھا دیا اور ثابت کر دیا کہ جو کام اس قدر دشوار سمجھا جاتا تھا، وہ ایسا دشوار نہ تھا۔ سب سے بڑی دشواری اس میں علمی اصطلاحات کی بتائی جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے، دشواری ضرور ہے، مگر نہ ایسی کہ ہم مایوس ہو کر بیٹھ رہیں۔ اس برِ عظیم کی زبانوں میں اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے، جس میں ایک مدتِ دراز سے اصطلاحاتِ علمیہ کے متعلق کام ہوتا چلا آ رہا ہے۔ دہلی کالج نے یہی نہیں کیا کہ ذریعۂ تعلیم اُردو کر دیا اور مختلف علوم و فنون پر کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں۔ اس کی مجلس ترجمہ نے علمی اصطلاحات کے اصول بھی وضع کیے، جو اب بھی کچھ نہ کچھ کام دے سکتے ہیں۔ تقریباً اسی زمانے میں حیدرآباد دکن کے امیر کبیر نواب شمس الامراء کی زیر نگرانی سائنس کی مختلف شاخوں پر چھے رسالے ترجمہ کیے گئے، جو ۱۸۳۹-۴۰ء میں شائع ہُوئے۔ یہ رسالے ریورنڈ چارلس کی تالیف تھے۔ اصطلاحات کے لیے عربی فارسی کے مروجہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور جن اصطلاحات کے لیے عربی فارسی کے لفظ نہیں ملے، وہاں اصل انگریزی الفاظ سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ تقریباً پچھتر سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ

حکومت بنگال نے دیسی زبانوں میں طبّی رسائل کی تالیف کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی۔ اس کمیٹی کے دو ارکان نے مصطلحات کے متعلق اپنی تجویزیں پیش کیں۔ ان میں سے ایک اُس وقت کے فاضل اور ماہر علم اللسان بابو راجندرا لال متر تھے اور دوسرے وہاں کے نامور طبیب مولوی تمیز الدین خان، بابو راجندرا لال متر نے بڑی جامعیت کے ساتھ اصول وضع اصطلات پر بحث کی۔ وہ اپنی زبان میں اصطلاحات کے ترجمے کے بہت بڑے حامی تھے۔ مگر وہ محض لفظی ترجمے کے قائل نہ تھے۔ یہ مکّھی پر مکّھی مارنی ہے بلکہ ترجمے سے الفاظ پیدا ہونے چاہییں، جو اشیا کے لیے علامات کا کام دیں۔ مولوی تمیز الدین خان کی رائے ہے کہ دیسی زبان میں جو اصطلاحات ملیں، وہ ضرور اختیار کر لی جائیں۔ لیکن وہ نئے الفاظ وضع کرنے کے مؤید نہ تھے۔ عربی سنسکرت کے الفاظ وضع کرنے کی بجائے وہ مغربی اصطلاحات اختیار کرنے کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک تجویز رائے سوہن لال منتظم نارمل اسکول پٹنہ نے پیش کی تھی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام ادق اور ثقیل اصطلاحات ترک کر دی جائیں اور ان کی بجائے عام لوگوں کی بول چال کے لفظ اختیار کرکے سائنس کی تعلیم میں آسانی پیدا کی جائے۔ ان صاحبوں نے اپنی اپنی تجویز میں تفصیلی بحث کی ہے اور اپنے اُصولوں کی تائید میں اصطلاحات کی مثالیں پیش کی ہیں۔ نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی نے ایک عالمانہ اور جامع مقالہ وضع اصطلاحات پر لکھا اور ان سب تجویزوں پر مفصل تبصرہ کرنے کے بعد خود وضع اصطلاحات کے اصول قائم کیے۔ اس مقالے میں نواب صاحب مرحوم نے بڑی وسعت اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے اور موضوع کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انجمن پنجاب، پنجاب یونیورسٹی کالج، سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ نے بھی علمی ادبی کتابیں ترجمہ یا تالیف کرکے شائع کیں۔ اگرچہ ان اداروں نے وضعِ اصطلاحات کے کوئی اصول قائم نہیں کیے لیکن بہت سی اصطلاحات ان کی کتابوں میں ایسی آگئی ہیں۔ جو کارآمد ہو سکتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد شائق نے کیمیا پر ایک کتاب لکھی اور بڑی قابلیت سے اصطلاحات وضع کرنے کے اصول قائم کیے۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں انگریزی کیمیاوی سابقوں اور لاحقوں کے مطابق اُردو میں سابقے اور لاحقے معین کرکے اصطلاحات بنانے کا ڈھنگ ڈالا۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے رکن چودھری برکت علی نے بھی اسی ڈھنگ پر اپنے قاعدے متعین

کیے تھے۔ تقریباً ستائیس سال کا عرصہ ہوا، میری درخواست پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے وضع اصطلاحات علمیہ پر بہت اچھا اور دلچسپ مضمون لکھا۔ اُن کی رائے میں یورپی زبانوں یا انگریزی زبان کی اصطلاحات کو بجنسہ اپنی زبان میں اختیار نہیں کرنا چاہیے جس قدر اصطلاحیں ہمیں اپنی قدیم عربی، فارسی اور اُردو زبانوں کی کتابوں میں مل سکتی ہیں، تلاش کر کے لے لی جائیں اور جن اصطلاحات کے لیے لفظ نہ ملیں، وہ خود بنالی جائیں۔ اس کے بعد انجمن ترقیِ اُردو کی فرمائش پر مولوی وحید الدین سلیم نے ایک بہت محققانہ اور جامع کتاب لکھی، جو اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب ہے اور ہمارے ادب میں خاص اور منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ انجمن ترقیِ اردو نے بھی اس سلسلے میں کافی کام کیا ہے۔ اوّل فرہنگ اصطلاحاتِ علمیہ شائع کی۔ اس کے بعد چار جلدیں کیمیا، طبیعیات، معاشیات، عمرانیات، تاریخ اور فلکیات و جغرافیہ پر شائع کیں۔ ان کے علاوہ انجمن نے پیشہ وروں کی اصطلاحات آٹھ جلدوں میں شائع کی ہیں، جو بڑی تحقیق اور محنت سے مرتب کی گئی ہیں۔ یہ زمانہ صنعت و حرفت کا ہے، اس غرض کے لیے بہت کارآمد ہوں گی۔ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد کے دارالترجمہ نے مختلف علوم و فنون پر بکثرت اصطلاحات جمع اور وضع کی ہیں۔ لیکن افسوس کہ اب تک ان کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ البتہ جو کتابیں جامعہ کی طرف سے شائع ہو رہی ہیں، اُن کے آخر میں اصطلاحات درج کر دی گئی ہیں، جن سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

اصطلاحات کے متعلق جو کام ہماری زبان میں ہو چکا ہے۔ اس پر یہ سرسری نظر میں نے اس لیے ڈالی ہے کہ آپ جب یہ کام شروع کریں، تو اسے پیشِ نظر رکھیں کیونکہ اب تک یہ ہوا ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں یہ کام شروع ہوا، تو ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی، پچھلوں کے کام پر نظر نہ ڈالی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جو اصطلاحی لفظ ہماری قدیم کتابوں میں آئے ہیں، وہ تلاش کر کے جمع کیے جائیں اور گزشتہ سوا ڈیڑھ سو برس میں جو کام ہوا ہے، اُسے بہ نظرِ غور دیکھا جائے اور جو کام کے لفظ ملیں، انھیں لے لیا جائے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک لفظ جو پہلے سے مروّج تھا، اس پر نظر نہیں پڑی اور نیا لفظ بنالیا گیا، جو پہلے کے مقابلے میں بھدا اور ناموزوں تھا یا مثلاً معاشیات میں بہت ایسے لفظ ہیں، جن کا تعلق تجارت سے ہے یا بازاروں، منڈیوں اور ساہوکارے میں بولے جاتے ہیں۔ لاعلمی کی وجہ سے نئے

لفظ بنا لیے گئے، تو مقبول نہ ہوں گے۔ ان لفظوں کو وہیں جاکر تلاش کرنا چاہیے، جہاں یہ کام آرہے ہیں۔ اصطلاحات بنانے کا کام ایسے ماہرانِ فن اور قابل ادیبوں کے تعاون سے ہو سکتا ہے، جو اپنے فن اور اپنی زبانوں پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ پہلے سے جو سامان موجود ہے، اُسے مرتب کرنا اور جو کمی ہے، اُسے پورا کرنا ہے۔ البتہ جو اصطلاحیں "انٹرنیشنل" ہیں، وہ ہمیں بجنسہٖ لینی ہوں گی۔ انٹرنیشنل کا لفظ آج کل بہت بری طرح استعمال ہو رہا ہے۔ اس کے برتنے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی دیسی زبانوں میں اصلاحات کے متعلق ایک مجلس بنا رکھی ہے۔ میں بھی اس کا ایک رکن ہوں۔ اس کا آخری جلسہ بنگلور میں گزشتہ ماہ میں ہوا تھا، وہاں بھی یہ بحث آئی۔ نامور سائنس دان سر رامن بھی اس میں شریک تھے۔ فرمانے لگے کہ سب انٹرنیشنل الفاظ ہمیں اپنی زبانوں میں اختیار کر لینے چاہییں۔ میں نے کہا، اس کی تصریح ہونی چاہیے کہ انٹرنیشنل الفاظ کون کون سے ہیں۔ فرمایا کہ ہر لفظ انٹرنیشنل ہے۔ میں نے کہا، تو پھر کوئی لفظ بھی انٹرنیشنل نہیں ہے۔ انٹرنیشنل الفاظ کے انتخاب کے لیے ہمیں چند ایسے فاضل سائنس دان انتخاب کرنے پڑیں گے، جو یورپ کی متعدد زبانوں سے واقف ہوں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ اس وقت تک اپنا کام روکے رکھیں۔ کم سے کم اس شعبے میں جو "آرٹس" کے نام سے موسوم ہے آپ فوراً ذریعۂ تعلیم اُردو کر سکتے ہیں۔ سائنس میں بھی کام چل سکتا ہے۔ فی الحال جہاں اصطلاحات کی مشکل پیش آئے، وہاں انگریزی اصطلاحات سے کام لیا جائے۔ بعد میں نظرِ ثانی ہوتی رہے گی۔ غرض یہ کہ کام کسی حال میں بھی رُکا نہ رہے۔

کسی قوم کو اگر علم سے محروم رکھنا مقصود ہو، تو سہل طریقہ یہ ہے کہ اُسے غیر زبان کے ذریعے سے تعلیم دی جائے۔ ہمارے ملک میں بھی یہی ہوا۔ غیر زبان میں تعلیم دینے سے یہی نہیں ہوتا کہ ذہنی ترقی رُک جاتی، جدت مفقود، قوتِ مشاہدہ کند ہو جاتا اور ذوقِ تحقیق پیدا نہیں ہونے پاتا۔ بلکہ اس کا اخلاق پر بھی بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس تعلیم کا بڑا وصف نقالی ہے، جو بدترین بداخلاقی ہے۔ آدمی انسان سے کھلونا بن جاتا ہے۔ زبان کے ہر ہر لفظ اور جملے میں قومی روایات، تہذیب و تمدن، ذہنی اور روحانی تجربے پیوست ہوتے ہیں۔ قوم کی ذہنیت اور اس کی زبان میں ایک خاص تعلق ہوتا ہے۔ انتہائی تعلیم تک ہر

مضمون انگریزی زبان اور انگریزوں کی لکھی موٹی کتابوں کے ذریعے پڑھنے سے اس قوم کی روایات و اخلاق، تہذیب و تمدن، اس کی زبان کی تلمیحات، تشبیہ و استعارات اور محاورات، جن میں عیسائی مذہب اور تہذیب کا بڑا جزو ہے، ہمارے طلبہ کے دماغ میں رچ جاتے ہیں اور وہ غیر محسوس طور پر اسی رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور ان کا طرزِ فکر اور خیالات کی روش، اُن کے تخیلات اور ذوق اسی رنگ ڈھنگ کے ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی نظر میں ہمارے اخلاق اور ہماری تہذیب، ہمارا تمدن اور ہماری روایات حقیر معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اس نقلی تعلیم نے زیادہ تر نیم مُلا، خام فکر، ہمہ دان و ہیچ مدان، سطحی معلومات کے لوگ پیدا کیے۔ اب اگرچہ بظاہر اس میں کمی ہوتی جاتی ہے، لیکن باطنی اثر اب تک قائم ہے۔

ان حالات کی اصلاح نہایت ضروری ہے اور جلد ہونی چاہیے۔ سب سے مقدم اور اہم کام یہ ہے کہ تمام علوم و فنون حتیٰ کہ انگریزی بھی اپنی زبان کے ذریعہ پڑھائی جائے۔ جیسا کہ دنیا میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ کیا کسی انگریزی یونیورسٹی میں گوئٹے یا خیام پر جرمن یا فارسی زبان میں لیکچر دیے جاتے ہیں؟ کیوں نہ ہم شیکسپیر، شیلی یا دانتے پر اُردو زبان میں لیکچر دیں۔ اس سے ہماری زبان میں وسعت، پختگی اور زور کا اضافہ ہوگا۔ اگر ہم ابتدا سے اس پر کاربند ہوتے، تو اس وقت ہماری زبان کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔ مگر حالات سے مجبور تھے۔ اب آپ آزاد ہیں اور آپ پر پہلی سی پابندیاں نہیں۔ لہٰذا قطعی طور پر یہ فیصلہ کر لیجیے کہ آپ کی تعلیم کا ذریعہ ابتدا سے انتہا تک اُردو ہوگا اور کوئی دوسری زبان نہ ہوگی۔ اس کا درجہ سب سے برتر اور اعلیٰ ہوگا اور وہ کسی کی تابع نہ ہوگی، بلکہ دوسرے تمام شعبے اس کے تابع ہوں گے۔ حکومتِ پاکستان کو سب سے پہلے یہی مہم سر کرنی ہوگی۔ اس غرض کے لیے دارالترجمہ، تصنیف و تالیف کا شعبہ، علمی ادبی تحقیق کے لیے اکیڈمی، وضع اصطلاحات کی مجلس اصلی اور بنیادی کام ہیں۔ بقول اطالوی فلسفی کروچے کے "ترقی ایک نئے دور کے آغاز سے شروع ہوتی ہے"۔ قدرت کی طرف سے آپ کو یہ زرّیں موقع ملا ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہیے اور اس نئے دور کا آغاز تعلیمی اصلاح سے کیجیے۔ ذریعۂ تعلیم کی تبدیلی ہمارے لیے بلاشبہ بہت بڑی اور انقلابی اصلاح ہے۔ لیکن اسی پر قناعت نہ کیجیے ہمیں ابھی

بھی غور کرنا پڑے گا کہ ہمارا موجودہ نظام تعلیم اور ہمارے قومی ادارے اب تک کیوں ناکام رہے اور اب
انھیں کس رنگ میں ڈھالا جائے کہ ہمارے حق میں موجب خیر و برکت ہوں محض نقالی اور تقلید کام نہیں
آئے گی۔ یہ وساوری مال نہیں، جو باہر سے کارخانوں میں بن کر آتا ہے۔ یہ سب کچھ ہمیں خود کرنا ہوگا۔
اس کے لیے بڑے غور و خوض اور ہمت و استقلال کی ضرورت ہوگی۔ یہ ضرور ہے کہ علمی و ادبی تحقیق کے
طور طریقے، میں بہت کچھ مغرب سے لینے پڑیں گے۔ لیکن اس کی روح ہماری اپنی ہوگی۔ مجھے یقین ہے
کہ آپ کے وائس چانسلر جو تعلیم کا وسیع تجربہ اور اخلاقی جرأت رکھتے ہیں اور آپ کے وزیر تعلیم جنھیں ان
خیالات سے کامل ہمدردی ہے، اس کام کے سرانجام دینے میں سعی بلیغ فرمائیں گے۔ پنجاب بلکہ پاکستان
کی تعلیمی تاریخ میں یہ ان کی شاندار یادگار ہوگی۔

حضرات! آپ کے ملک میں لاکھوں کی تعداد میں پناہ گزین آئے ہیں۔ اس میں ہر طبقے ، ہر
حیثیت اور ہر سن و سال کے اشخاص ہیں۔ آپ نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُن کے آنسو پونچھے، اُن
سے ہمدردی کی، اُن کی دل جوئی کی۔ بےگھروں کو گھر اور بھوکوں کو کھانا دیا۔ ان مصیبت کے ماروں کے
ساتھ ایک اور پناہ گزین بھی آیا ہے، جو بہت قابل قدر اور لائق احترام ہے۔ یہ ہماری قومی زبان ہے۔
وہ بھی پناہ گزینوں کی طرح مظلوم ہے۔ اسے بھی دوسروں کی طرح دیس نکالا ملا ہے۔ اب اس نے
آپ کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی ہے۔ یہ آپ کے لیے اجنبی نہیں۔ آپ سے اس کا قدیمی رشتہ ہے۔
پہلے یہاں اور حیثیت سے تھی، اب یہ دوسری حیثیت سے آئی ہے۔ اس کی قدر کیجیے۔ یہ آپ کے بہت
کام آئے گی۔ آپ کی بہت خدمت کرے گی۔ یہ فرقہ واری اور صوبہ واری رشک و حسد کو مٹائے گی۔ نفاق و
افتراق کی آگ کو بجھائے گی۔ دلوں کو ملائے گی اور پاکستان کی رعایا کو یک دل و یک جان کر دے گی۔
اس نے ہمیشہ یہی خدمت انجام دی ہے۔ لیکن افسوس ہندوستان نے اس کی قدر نہ کی۔ ایسی زبان
جو خالص ہندوستانی اور ہندو مسلم تہذیب و اتحاد کی عظیم الشان اور مبارک یادگار ہے۔ اس نے بڑی
بے دردی سے اسے نکالا ہے۔ ہندوستان کا یہی شیوہ رہا ہے۔ بدھ مت والوں کا اور اُن کی زبان پالی کا
ان کے ہاتھوں یہی انجام ہوا۔ ہندوستان اُردو کو شوق سے اپنی حدود سے خارج کر دے۔ لیکن وہ

اُن کے خارج کیے سے خارج نہیں ہوسکتی۔ اس کے قدر دان اب بھی دُنیا میں بہت ہیں۔ وُہ زندہ رہے گی۔ ترقی کرے گی۔ اوجِ کمال پر پہنچے گی اُور برّاعظم پاک ہند ہی کی نہیں، سارے ایشیا کی عام زبان ہو کے رہے گی۔ لیکن ہندوستان کی فردِ جُرم میں ایک اور جُرم کا اضافہ ہوگیا جسے وہ ہزار پردے ڈال کر بھی نہیں چھپا سکتا۔ یہ معمولی جُرم نہیں۔ یہ قتلِ عمد ہے۔ تاریخ کے اوراق پکار پکار کر اس کے قاتلوں پر نفرین کریں گے۔

اے اہلِ پنجاب! آپ کو یاد ہے، ہماری قوم کے مصلحِ اعظم سر سیّد احمد خاں نے آپ کو "زندہ دلانِ پنجاب" کا خطاب دیا۔ یہ خطاب معمولی نہیں ہے۔ آپ کس قدر خوش نصیب ہیں کہ مرحوم نے اس بدنصیب برّاعظم میں صرف آپ کو اس خطاب کا سزاوار سمجھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے دل میں آپ کی کس قدر محبت اُور قدر تھی۔ اگر آپ کے دل میں بھی سیّد مرحوم کی کچھ قدر و محبت ہے تو اس خطاب کی لاج رکھیے اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کیجیے، جو عمر بھر اُردو کی مخالفت کا مردانہ وار مقابلہ کرتا رہا اور مرنے سے چند روز پہلے جبکہ وُہ بسترِ مرگ پر تھا، اُس کی آخری تحریر اُردو کی حمایت میں تھی۔ اب آپ اس کی حمایت کر کے اُس کی رُوح کو خوش کیجیے اور اپنی زندہ دلی کا ثبوت دیجیے۔ اُردو کی حمایت، قوم کی حمایت۔ اُردو کی ترقی، قوم کی ترقی اور اُردو کی زندگی قوم کی زندگی ہے۔

خطبۂ صدارت کے بعد یہ اجلاس برخاست ہُوا۔

مجلسِ مباحث شام کے تین بجے سبجیکٹس کمیٹی (مجلسِ مباحث) کا اجلاس زیرِ صدارت پروفیسر بشیر احمد ہاشمی، پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج، لاہور مینارڈ ہال میں منعقد ہُوا۔ مجلسِ مباحث میں تمام صدر صاحبان، مجلسِ منتظمہ کے ارکان، مندوبین خاص اُور عام مندوب شامل ہُوئے جن کی کل تعداد ۱۵۰ کے قریب تھی۔ اس اجلاس میں وہ تجاویز، جو کمیٹی نے مرتب کی تھیں اور مجلسِ منتظمہ نے منظور کی تھیں، ایک ایک کر کے پیش ہُوئیں اور معمولی ترمیم و اصلاح کے بعد عام اجلاس کے لیے پاس کر دی گئیں۔ البتہ ایک تجویز مسترد کر دی گئی، جس کے الفاظ یہ تھے: "پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت ہر سال اُردو کی تین بہترین علمی و ادبی مطبوعات پر کم از کم پندرہ ہزار روپے انعام دے"۔

خواتین کی مجلس ۲۶ مارچ کو ۴ بجے یونیورسٹی ہال میں خواتین کی مجلس، ڈاکٹر مس خدیجہ بیگم فیروز الدین کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس اجلاس کا افتتاح محترمہ لیڈی عبدالقادر صاحبہ نے کیا۔

اس زنانہ نشست میں اُردو زبان کے متعلق محترم خواتین نے مختلف مقالے پڑھے۔

۸ بجے شب کانفرنس کی مجلس مقالات کی پہلی نشست شیخ سر عبدالقادر کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس موقعے پر مندرجہ ذیل مقالات پڑھے گئے :

۱۔ ڈاکٹر الیف، ایم شجاع، ناموس	اُردو کی ترقی کی ایک ضروری شرط
۲۔ حضرت مولانا ظفر علی خاں	عصرِ حاضر اور اُردو
۳۔ ڈاکٹر ایم، ڈی تاثیر	پاکستان اور اُردو
۴۔ خواجہ محمد شفیع دہلوی	ہجرت اور اُردو
۵۔ پروفیسر محمد موسیٰ کلیم	ادب کی اسلامی قدریں

۲۷ مارچ

۲۷ مارچ کی پہلی نشست، پروفیسر بشیر احمد صاحب ہاشمی کے زیرِ صدارت ۹½ بجے صبح شروع ہوئی۔ اس وقت عام پبلک اور مندوبین کے علاوہ آنریبل خان افتخار حسین خاں آف ممدوٹ وزیر اعظم پنجاب، آنریبل شیخ کرامت علی وزیر تعلیم پنجاب، خان بہادر شیخ محمد شریف صاحب، ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم مغربی پنجاب، ڈاکٹر عمر حیات ملک، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی اور دیگر ممتاز اکابر تشریف فرما تھے۔

اس اجلاس میں مجلس مباحث کی منظور کردہ تجویزیں ایک ایک کر کے زیرِ بحث آئیں اور جزوی ترمیموں کے ساتھ منظور ہوئیں۔

کانفرنس کے اجلاس میں چار نئی تجویزیں بھی صاحب صدر کی اجازت سے پیش ہو کر منظور ہوئیں۔

تجاویز

(الف)

قرار دادیں جو مجلسِ منتظمہ نے مرتب کیں اور ۲۷ مارچ ۱۹۴۸ء کو کانفرنس کے کھلے اجلاس میں منظور ہوئیں :۔

(۱)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی سے مطالبہ کرتی ہے کہ حسبِ امکان جلد از جلد انگریزی کی بجائے اُردو زبان کو ذریعۂ تعلیم و امتحان قرار دیا جائے۔

محرک: خواجہ دل محمد، ایم۔اے، سابق پرنسپل اسلامیہ کالج، لاہور

مؤید: پروفیسر سیّد عابد علی، ایم۔اے، ایل ایل۔بی، پرنسپل دیال سنگھ کالج، لاہور

(۲)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی سے مطالبہ کرتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ چار سال کے عرصے میں اُردو کو وہی مقام دیا جائے جو اس وقت انگریزی کو حاصل ہے اور عبوری دور میں دسویں جماعت تک اُردو کو لازمی مضمون قرار دیا جائے اور ایف، اے اور بی، اے میں اُردو کو انتخابی مضامین (full elective subjects) میں فوراً شامل کر دیا جائے۔

محرک: پروفیسر سیّد عابد علی، ایم۔اے، ایل ایل، بی

مؤید: پروفیسر عبدالغفور، ایم۔اے، ایمرسن کالج، ملتان

(۳)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی سے مطالبہ کرتی ہے کہ ایم۔اے کے امتحان کے لیے اُردو ایک مضمون قرار دیا جائے اور ایم۔اے اُردو کا پہلا امتحان ۱۹۵۰ء میں ہو۔

محرک: صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، ایم۔اے، گورنمنٹ کالج، لاہور

مؤید: پروفیسر سیّد عابد علی، ایم۔اے، ایل ایل۔بی، پرنسپل دیال کالج، لاہور

(۴)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی سے مطالبہ کرتی ہے کہ اُردو زبان کو یونیورسٹی کی دفتری زبان قرار دیا جائے۔ محرک: شمس العلما احسان اللہ خان تاجور، پروفیسر دیال سنگھ کالج، لاہور

مؤید: ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ایم۔اے، پی ایچ ڈی، گورنمنٹ کالج، کیمبل پور

(۵)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ تمام دفتروں، عدالتوں اور حکومت کے دوسرے اداروں میں جملہ کارروائی اُردو میں ہوا کرے اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے حکومت کم از کم عارضی طور پر ایک محکمۂ اُردو قائم کرے، جو تمام محکموں میں جلد از جلد یہ تبدیلی عمل میں لانے کی تدابیر اختیار کرے۔

محرّک: میاں بشیر احمد، بار ایٹ لا، مدیر 'ہمایوں' لاہور

مؤیّد: پروفیسر علم الدین، سالک، ایم۔اے، اسلامیہ کالج، لاہور

(۶)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دسمبر ۱۹۴۸ء تک ایک ایسا کتب خانہ قائم کرے، جس میں اس کتب خانہ کے قیام کے بعد کی تمام اُردو مطبوعات کے دو دو نسخے قانوناً محفوظ کر دیے جائیں۔

محرّک: ڈاکٹر ایم۔ڈی۔ تاثیر، ایم۔اے، پی ایچ ڈی

مؤیّد: پروفیسر علم الدین، سالک، ایم۔اے، اسلامیہ کالج، لاہور

(۷)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی سے مطالبہ کرتی ہے کہ جلد از جلد دو علمی ادارے قائم کیے جائیں۔ جو 'دارالترجمہ' اور 'دارالتصنیف' کے نام سے موسوم ہوں اور جن کی وساطت سے نہ صرف دنیا کی بہترین تصانیف کو اُردو میں منتقل کیا جائے، بلکہ طبعزاد تصنیفات کے لیے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائی جائے

محرّک: ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، اورینٹل کالج، لاہور

مؤیّد: علّامہ علاؤ الدین صدیقی، ایم۔اے، ایل ایل۔بی، سیکرٹری صوبہ مسلم لیگ، مغربی پنجاب

(۸)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی سے مطالبہ کرتی ہے کہ اُردو میں ایک انسائیکلوپیڈیا

کی تدوین کے لیے فوراً عملی تدابیر اختیار کرے اور علوم و فنون کے تمام ماہروں کو تعاون کی دعوت دے۔

محرّک، ڈاکٹر بی۔ اے۔ قریشی، ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، اورینٹل کالج، لاہور

مؤیّد: ڈاکٹر شجاع ناموس، ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، صادقیہ کالج بہاولپور

(۹)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی سے مطالبہ کرتی ہے کہ اُردو رسم الخط اور ٹائپ کی اصلاح اور تکمیل کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی مقرر کرے، جو اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کرنے کے بعد ایک مکمل اور جامع سکیم پیش کرے۔

محرّک: خان بہادر میاں افضل حسین، صدر پبلک سروس کمیشن، مغربی پنجاب

مؤیّد: پروفیسر غلام عباس، ایم۔ اے، پرنسپل گورنمنٹ کالج، ڈیرہ غازی خان

(ب)

قرار دادیں، جو کانفرنس کے کھلے اجلاس میں صاحبِ صدر کی اجازت سے پیش ہو کر منظور ہوئیں:۔

(۱۰)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، مرکزی اور صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ مرکزی اور صوبائی مقابلے کے امتحانوں میں اُردو کو انگریزی کی طرح لازمی مضمون قرار دیا جائے۔

محرّک: ڈاکٹر ایم۔ ڈی۔ تاثیر، ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

مؤیّد: ڈاکٹر تصدق حسین خالد، بار ایٹ لا

(۱۱)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، پنجاب یونیورسٹی سے مطالبہ کرتی ہے کہ آئندہ مختلف جماعتوں کے نصابوں کو ترتیب دیتے وقت عصرِ حاضر کے ادب کو مناسب نمائندگی دی جائے۔

محرّک: جناب وجیہہ الدین ایم اے، نمائندہ حلقۂ اربابِ ذوق، لاہور

مؤیّد: صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، ایم۔ اے، گورنمنٹ کالج، لاہور

(۱۲)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ معلّم اُردو اور معلّم انگریزی کی تنخواہ، حیثیت اور درجے کا موجودہ تفاوت غیر منصفانہ ہے اور گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے یکسر موقوف کر دیا جائے اور معلّم اُردو کو ذمّے دار عہدوں پر متعین کیا جائے۔

محرّک: مولانا غلام محمدؐ، ترنّم، صدر مدرسہ السنہ شرقیہ، لاہور

مؤیّد: ڈاکٹر تصدّق حسین خالد، بار ایٹ لا

(۱۳)

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس، حکومتِ صوبہ سرحد سے سفارش کرتی ہے کہ تمام دفتروں، عدالتوں اور حکومت کے دوسرے اداروں میں جملہ کارروائی اُردو میں ہُوا کرے۔

محرّک: جناب عبدالودود قمرؔ، نمائندہ انجمن ترقی اُردو سرحد، پشاور

مؤیّد: جناب مرتضیٰ اختر جعفری، نمائندہ دائرۂ ادبیہ، پشاور

علمی نمائش

۲½ بجے بعد دوپہر خان بہادر مولوی محمد شفیع نے اُردو کانفرنس کی علمی نمائش کا افتتاح کیا۔ اس موقعے پر آپ نے ایک تقریر کی۔ جس میں اس نمائش کی ضرورت و اہمیت اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور اس کی چند خصوصیات حاضرین کے سامنے پیش کیں۔ آپ کی تقریر کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

خان بہادر مولوی محمد شفیع کی تقریر کا خلاصہ:

اُردو کو اپنی سرکاری و قومی زبان تسلیم کرنے کے بعد اس کے ارتقا کا مرکز پاکستان بن گیا ہے۔ لہٰذا اس کی ترقی و تحفظ کی ذمّے داری ہم اہلِ پاکستان پر عاید ہوتی ہے، جو اہلِ علم اصحاب عرصے سے اس کوشش میں مصروف تھے۔ ان کی کوششیں بحال ہوئیں۔ اس صوبے میں قریباً ایک صدی سے کسی نہ کسی شکل میں درسی و علمی زبان کا درجہ اس زبان کو حاصل ہے۔ وہ وقت اب دُور نہیں کہ یہ زبان اب ابتدائی جماعتوں کے علاوہ اعلیٰ درس گاہوں میں اعلیٰ جماعتوں کے لیے تدریس کا درجہ بھی حاصل کرے گی۔

اس زبان میں دیگر السنہ کی طرح بہت گنجائش موجود ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہماری یہ زبان دوسری زبانوں سے پیچھے نہ رہے، تو آپ کو چاہیے کہ اُسے علمی و فنی کتب کے تراجم کے ذخیرے سے مالا مال کر دیں، تاکہ اس میں وقیق سے دقیق مسائل کو عام فہم اور آسان طرز میں بیان کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ مختلف مروّجہ علوم و فنون سے پہلے خود بہرہ مند ہوں اور پھر یہ کام سرانجام دیں۔ کسی نے ایک رنگریز سے کہا: "یہی رنگ تمہارا پڑوسی استعمال کرتا ہے لیکن جو شوخی اور دلآویزی تمہارے کام میں ہے، اُس میں کہاں"۔ اُس نے جواب دیا۔ "میں رنگ کے ساتھ دماغ بھی ملاتا ہوں"۔ اسی طرح اہلِ زبان اور اہلِ علم، بالخصوص وہ حضرات جن پر اعلیٰ مدارج پر فائز ہونے کے سبب کچھ فرائض ہوتے ہیں، ان کو چاہیے کہ ایک لائحہ عمل تیار کریں اور اُس کے مطابق سب کام کریں۔ اس لحاظ سے ماضی پر ایک نظر ڈالنا بھی مفید رہے گا۔ تاکہ اُس سے اندازہ لگایا جا سکے کہ اسلاف کی کوششیں ہمارے لیے کیا چھوڑ گئی ہیں۔ یا ہم اس میں سے اپنے لیے کیا محفوظ رکھ سکے مجلس منتظمہ نے اس علمی نمائش کا انتظام اسی نقطۂ نظر سے کیا ہے۔ چنانچہ اس نمائش میں دونوں پہلو مدّنظر رکھے گئے ہیں، یعنی مخطوطات اور مطبوعات دونوں کی طرف توجہ کی گئی ہے۔ اس کام کی مشکلات بہت تھیں۔ ایک تو جہاں جہاں ذاتی لائبریریاں تھیں، ان سے استفادہ کرنے کی صورتیں پیدا نہ ہو سکیں۔ دوسرے مشرقی پنجاب میں بہت ذخیرے تباہ ہو گئے۔ کتب خانوں کی اس تباہی سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ پنجاب کے تازہ حوادث کی وجہ سے کچھ کچھ شعور تو پیدا ہو گیا ہے مگر ابھی اس بات کا زیادہ احساس پیدا کرنا ہے کہ پاکستان میں بزرگوں کا سرمایہ ذاتی کتب خانوں سے نکال کر مستند پبلک لائبریریوں میں جمع کرا دیا جائے۔

منتظمین نمائش نے مخطوطات کے حصے میں قرآن شریف کے قدیم نسخے اور رسم الخط کے ارتقا کے اظہار کے لیے نسخ و تعلیق و نستعلیق کے مختلف نمونے جمع کیے ہیں۔ ۱۸۰۰ء سے قبل و بعد کی مطبوعہ کتابیں فراہم کرنے کی خاص کوشش کی گئی ہے۔ قدیم و جدید لٹریچر کی نمائندگی کرنے والی کتابوں کی تعداد ۲۰۰۰ سے زائد ہے۔ اس سلسلے میں ایک چیز غور طلب ہے اور وہ یہ کہ اُنیسویں

صدی کے ابتدائی حصّے میں نستعلیق کا عمدہ ٹائپ موجود تھا، جو اپنی خوبصورتی کے اعتبار سے لائقِ ذکر ہے۔ ۱۸۴۶ء میں لکھنؤ میں غازی الدین حیدر کے زمانے میں ٹائپ کا کارخانہ موجود تھا۔ مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کا چرچا کم ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان ابتدائی ادوار میں اُن کا اپنا کوئی پریس نہیں تھا۔ ٹائپ کی موجودگی میں آدمی لیتھو کی تکالیف اور نقائص سے بچ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی آپ لاہور میں بآسانی کوئی اُردو کی چھپائی فوراً نہیں کرا سکتے۔

نمائش میں نئی اور پُرانی ہر قسم کی مطبوعات موجود ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر آپ کو فیصلہ کرنا ہے کہ ان میں سے کون سا نمونہ ایسا ہے جس کو آگے چل کر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

خان بہادر شفیع صاحب کی تقریر کے بعد پبلک نے نمائش کی سیر کی۔ اس موقع پر بابائے اردو مولوی عبدالحق، سید ہاشمی فرید آبادی اور دوسرے اکابر بھی موجود تھے۔

نمائش پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی بالائی منزل پر عربیک سیکشن (شعبۂ عربی) کے اندر اور باہر کے ملحقہ برآمدوں میں لگائی گئی تھی۔ نمائش گاہ میں داخل ہونے والے دروازے کا نام "بابِ شیرانی" رکھا گیا تھا جس سے پنجاب کے مشہور محقق حافظ محمود خان شیرانی مرحوم کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ حافظ صاحب مرحوم جامعۂ پنجاب کے جلیل القدر پروفیسر تھے۔ اُردو کے حق میں اُنھوں نے وقیع خدمات سرانجام دی تھیں۔ جامعہ کی لائبریری اُن کے احسانِ عظیم کی ممنون ہے۔ قلمی اور مطبوعہ کتابوں کا وہ قیمتی ذخیرہ اور بے بہا سرمایہ جو اُنھوں نے اپنی ساری عمر میں جمع کیا تھا، اسی لائبریری کی قسمت میں آیا۔

نمائش گاہ میں ملک کے اکثر شاعروں، ادیبوں، مصنفوں اور مورخوں کے فوٹو جابجا دیواروں کے ساتھ آویزاں تھے۔ دیکھنے والوں کی سہولت اور رہنمائی کے لیے نمائش کی ترتیب کے نقشے، مختلف شعبوں کے سائن بورڈ اور ہر کتاب، رسالے اور اخبار کے الگ الگ کارڈ بھی موجود تھے۔ جس کے ذریعے ہر چیز کا مختصر تعارف ہو جاتا تھا۔ ہر کتاب، رسالے اور اخبار کے متعلق مجمل کیفیت اور ضروری معلومات دی ہوئی تھیں اور اس کی اہمیت و خصوصیت کے وجوہ بتائے ہوئے تھے۔

نمائش کی غرض و غایت تھی کہ اُردو کے مصنفوں، انشا پردازوں، صحافیوں اور اُردو میں دلچسپی

لکھنے والوں کے لیے ایک ایسا موقع بہم پہنچایا جائے کہ وہ بیک وقت زبانِ اُردو کا جائزہ لے سکیں کہ تصنیف و تالیف اور صحافت میں کیا کچھ ہو چکا ہے اور کیا کچھ ہونا باقی ہے۔ وہ کون سے شعبے ہیں کہ جن کی طرف ابھی تک کسی کی توجہ مبذول نہیں ہوئی اور اُن کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ نیز دامانِ اُردو کی وسعت سب پر آشکارا ہو جائے۔

اگرچہ تقسیم ہند کے اثرات و فسادات کے باعث پاکستان و ہندوستان کے مشہور اداروں، کتب خانوں، ناشروں اور مصنفوں کی طرف سے اس نمائش کے لیے خاطر خواہ اعانت نہ ہو سکی اور اربابِ کار کو بہت حد تک یونیورسٹی لائبریری کی اپنی قلمی اور مطبوعہ کتابوں اور مقامی ناشرین کی کتب پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔ پھر کتابوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ کتابوں کے علاوہ تقریباً چھے سو اُردو اخباروں اور رسالوں کے نمونے بھی پیش کیے گئے تھے۔

نمائش کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر شعبے میں متعلقہ کتب و رسائل قرینے سے لگائے گئے تھے۔ یہ تمام شعبے کوئی پچیس کے قریب تھے اور اُن کی ترتیب یہ تھی:۔

۱۔ قدیم نثرِ اُردو کے نمونے ـــــ یہاں پُرانی نثر دکھانے کے لیے مختلف نسخے، جامِ سرشار، فسانۂ عجائب اور سب رس وغیرہ رکھے تھے۔

۲۔ اسلامیات ـــــ قرآن و حدیث، فقہ کے متعلق کتابیں اس شعبے میں تھیں۔

۳۔ شاعری ـــــ یہاں اُردو کے قدیم و جدید تمام شعرا کے دواوین بیک جا موجود تھے۔

۴۔ اقبالیات ـــــ علامہ اقبال کے کلام اور اُن کے متعلق تمام قسم کی تصانیف کو یہ امتیازی گوشہ دیا گیا تھا۔ اس کو دیکھنے سے پتہ چلتا تھا کہ یہ ہستی کس قدر قابل قدر ادب کی تخلیق کا باعث ہوئی اور اگر اقبال نہ ہوتا، تو اُردو زبان و ادب کو کس قدر بھاری نقصان ہوتا۔

۵۔ تذکرے ـــــ یہاں شعرا اور دیگر مشاہیر کے تذکرے رکھے تھے۔

۶۔ سوانح ـــــ سیر و سوانح اور آپ بیتیاں یہاں جمع تھیں۔

۷۔ تنقیدات ـــــ اس حصے کو دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ اُردو میں تنقیدی کتابوں کی کمی کیا ہیں۔

۸۔ سفرنامے ـــــ یہاں اُردو سفرناموں کے علاوہ عرب وعجم اور یورپ کے سیاحوں کے اُردو تراجم بھی موجود تھے۔

۹۔ مضامین ـــــ شبلی، حالی، آزاد، محمد علی، ظفر علی، کیفی، عبدالماجد وغیرہم کے مقالات و مضامین یہاں جمع تھے۔

۱۰۔ خطبات و مکاتیب ـــــ سرسید، شبلی، حالی، غالب، داغ، عبدالحق، سرشار، عمادالملک، نیاز، جوہر، اقبال اور قائدِاعظم محمد علی جناح وغیرہم کے کارنامے یہاں اکٹھے کیے گئے تھے۔

۱۱۔ افسانوی ادب ـــــ فورٹ ولیم کالج سے لے کر عہدِ حاضر تک کے چیدہ ناول، افسانے، ڈرامے وغیرہ یہاں تھے۔

۱۲۔ تاریخ ـــــ ملکوں، قوموں، تہذیبوں، تحریکوں، صنعتوں، صوبوں اور شہروں کی تاریخ کے متعلق بیش بہا اور نادر کتب اس شعبے میں تھیں۔

۱۳۔ مخطوطات ـــــ یہاں تمام قلمی نوادر جمع تھے: قرآن مجید کے قدیم نسخے، قدیم اُردو نظم و نثر کے نمونے، اکابر کے خطوط، سلاطین کے فرامین، رنگین تصاویر، البم وغیرہ۔ اس شعبے کو دیکھنے سے اسلامی طرزِ تحریر اور رسم الخط کے ارتقا کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی تھی۔

۱۴۔ اخبار و رسائل ـــــ اُردو کے بڑے مراکز اور ہندوستان و پاکستان کے صوبوں، دُور دراز کے اور شہروں کے قدیم و جدید روزانہ، ہفتہ وار اور ماہوار اخبار، جرائد و رسائل سب یہاں جمع تھے۔ اس سے اُردو زبان کی وسعت اور ترقی کا صاف صاف پتہ چلتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اُردو کی نشر و اشاعت کہاں تک ہوئی اور کس نے کی؟

جدید علوم کے متعلق بھی اُردو کی کتابیں فراہم کی گئی تھیں اور ان میں سے بیشتر حصہ دارالترجمہ حیدرآباد دکن کے تراجم کا تھا اور اس میں مندرجۂ ذیل شعبے تھے:۔

۱۵۔ فلسفہ (فلسفے کی کتابوں کے ترجمے)

۱۶۔ نفسیات
۱۷۔ طبیعیات
۱۸۔ انجنیرنگ
۱۹۔ ہندسہ
۲۰۔ اقتصادیات
۲۱۔ طب
۲۲۔ جغرافیہ

ان تراجم نے اصطلاحاتِ علمی کی دقتوں کو بہت حد تک دور کر دیا ہے اور اس حقیقت کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے کہ اُردو زبان تمام علوم وفنون کی تدریس وتعلیم کے لیے ہر طرح قابل ہے۔ جو حضرات اُردو کی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے رہتے ہیں، اُن کے شکوک رفع کرنے کے لیے اِن شعبوں کی کتابیں کافی ہیں۔

ان کے علاوہ مندرجۂ ذیل چند مخصوص گوشے تھے :۔

۲۳۔ سرسید اور اُن کے رفقا —— اس میں سرسید کے اپنے کارناموں کے علاوہ اُن کے رفقا نواب محسن الملک، نذیر احمد، شبلی، حالی، آزاد وغیرہم کے شاہکار رکھے تھے اور یہاں ایک نظر سے معلوم ہوتا تھا کہ سرسیّد نے اُردو کی کس قدر اہم خدمت سرانجام دی تھی۔

۲۴۔ گرد پوشش —— اس حصے میں صرف خوبصورتی، تزئین وآرائش، زیبائش، خوبی طباعت وغیرہ کی بنا پر کتب اکٹھی کی گئی تھیں، جو عصرِ حاضر کی ایک روش ظاہر کرتی تھیں۔ اس شعبے میں مضامین کی نوعیت کا لحاظ نہیں تھا۔

۲۵۔ ٹائپ کے نمونے —— نسخ، تعلیق اور نستعلیق ٹائپ کے نمونے یہاں رکھے تھے۔ ان کتب سے اُردو ٹائپ کے ارتقا کے متعلق گراں قدر معلومات حاصل ہوتی تھیں۔

ناظرین کے مذاکروں سے پتہ چلتا تھا کہ نمائش اپنے مقاصد میں کامیاب رہی ہے اور اُردو کی وسیع دامنی اور علمی وتعلیمی صلاحیت کا سب پر گہرا اثر ہوا ہے۔

خواتین کے زیرِ اہتمام مشاعرہ | ۲½ بجے بعد از دوپہر محترمہ خورشید آرا بیگم نواب صدیق علی خان کی صدارت میں خواتین کا مشاعرہ ہوا۔ اس موقع پر شاعرات نے اپنا کلام سنایا۔

عصرانہ | ۴½ بجے شام پبلشرز یونائیٹڈ نے کانفرنس کے مندوبین کو مسلم ماڈل ہائی اسکول کی

عمارت میں ایک عصرانہ دیا۔ اس موقع پر آنریبل شیخ کرامت علی وزیرِ تعلیم نے ایک تقریر کی۔
شب کی نشست یونیورسٹی ہال میں ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر کی صدارت میں ۸ بجے شروع ہوئی۔
اصحابِ ذیل نے مقالات پڑھے :۔

۱۔ جناب عبدالسلام خورشید، نائب مدیر انقلاب، لاہور	اُردو صحافت کا مستقبل
۲۔ شیخ سر عبدالقادر	کاروانِ ادبِ اُردو کی رفتار میری زندگی میں
۳۔ پروفیسر سید عابد علی عابد	اُردو میں حروفِ تہجی کی غنائی اہمیت
۴۔ میاں بشیر احمد مدیر ہمایوں	ہماری قومی زبان کی داستان
۵۔ میاں عبدالعزیز فلک پیما	فلکیات

۲۸ مارچ

۹½ بجے صبح لا کالج میں بیک وقت تین نشستیں ہوئیں، جن میں مقالات پڑھے گئے۔
ادبی مقالات کی نشست زیرِ صدارت میاں بشیر احمد بار ایٹ لا منعقد ہوئی۔ اس میں مندرجۂ ذیل اصحاب نے اپنے مقالات پڑھے :۔

مولوی صلاح الدین احمد مدیر ادبی دُنیا	تقسیم ملک کا اثر اُردو زبان پر
سید ابو سعید بزمی	اُردو شاعری میں احساسات و کیفیات کی ڈرامائی عکاسی
جناب ریاض احمد	اُردو شاعری روایات کو کھو کر
جناب حسن یحییٰ عندلیب میرٹھی	تقسیم ہند کے اثرات اُردو ادب پر
جناب انجم رومانی	اُردو ٹائپ کی ایک اسکیم
جناب محمد یحییٰ تنہا	اُردو شاعری

علمی مقالات کی نشست زیرِ صدارت خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب منعقد ہوئی۔ اس میں مندرجۂ ذیل حضرات نے مقالات پڑھے۔

ڈاکٹر شجاع منعمی	سائنس کی اصطلاحات
ڈاکٹر آئی لطیف	نفسِ غیر شعوری

ڈاکٹر خان اے رحمان	سائنس کی ترقی میں مسلمانوں کا حصّہ
پروفیسر عبدالحمید	کائنات کا ارتقا
جناب شمشاد عثمانی	اُردو شاعری نفسیات کی روشنی میں
جناب ناظر حسن قدوسی	ریاضی کی تعلیم بذریعہ اُردو

تدریسی مقالات کا اجلاس زیرِ صدارت خواجہ دل محمد صاحب منعقد ہُوا۔ اس میں مندرجۂ ذیل حضرات نے مقالات پڑھے:۔

پروفیسر سلیم خان فارانی	ہمارا نصب العین اور لائحہ عمل
جناب محمد صدیق کلیم	اُردو ادب کی تدریس
حافظ منظور الحق	بچّوں کی نظموں کی تدریس
جناب برکت علی شمیم	"اُردو کی تدریس"
جناب وحیدالدین	زنانہ نصاب
ڈاکٹر اظہر علی	اُردو اور رومن رسم الخط
جناب سیّد صدیق شاہ	اُردو کی تعلیم اور حکومت

۲½ بجے بعد از دوپہر مقالات کی بیک وقت دو نشستیں قائم ہوئیں۔ ایک نشست نمبر ۲ لا کالج میں زیرِ صدارت ڈاکٹر شیخ محمد اقبال منعقد ہُوئی۔

دوسری نشست نمبر ۳ لا کالج میں زیرِ صدارت پروفیسر عابد علی منعقد ہُوئی۔ ان نشستوں میں بھی علمی و ادبی مقالات پڑھے گئے۔

۸ بجے شب ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر کی صدارت میں مجلسِ مشاعرہ منعقد ہوئی، جس میں حضرت ابوالاثر حفیظ جالندھری اور دیگر شعرائے کرام نے اپنے کلام بلاغت نظام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

پنجاب یونیورسٹی اُردو کانفرنس اس مجلسِ مشاعرہ پر ختم ہُوئی۔

سوانح ارتحال

آموزش کے شیوع ہٰذا کی کاپیاں طباعت کے لیے جا رہی تھیں کہ دو افسوسناک سانحات ارتحال کی خبریں ملیں۔

پہلی خبر پرنسپل ہاشمی صاحب کی ہمشیر محترمہ کے سانحہ ارتحال کی ہے۔ محترمہ کچھ دن ہوئے، فالج میں مبتلا ہوئیں۔ معالجے کے لیے پوری کوششیں ہوئیں لیکن اس مرض سے افاقہ نصیب نہ تھا۔ ۱۲ مئی کی صبح کو اس دارِ فانی سے انتقال فرما گئیں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ ہمیں ہاشمی صاحب، اُن کے والد ماجد مدظلہٗ، اُن کے محترم بہنوئی اور دیگر اقارب و متعلقین سے اس صدمہ میں انتہائی ہمدردی ہے۔ دُعا ہے کہ خداوند کریم مرحومہ کو جنّت فردوس میں مقام کریم عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

× × × × ×

دُوسرا افسوسناک سانحہ، ڈاکٹر محمد اقبال پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کی ناگہانی وفات ہے۔ اس محقق عالم و فاضل کی فرقت، حلقۂ علم و ادب کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے اور جامعہ پنجاب اور اُس کے اورینٹل کالج کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم ۶ راگست ۱۸۹۶ء لوجالندھر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول، فیروزپور سے میٹرک کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا۔ انٹرمیڈیٹ کی تعلیم ایم اے او کالج، علیگڈھ میں حاصل کر کے اس کا آخری امتحان ۱۹۱۴ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے پاس کیا اور عربی میں یونیورسٹی میں فرسٹ رہ کر لمسڈن سکالرشپ حاصل کیا۔ بی۔ اے بھی الٰہ آباد یونیورسٹی سے ۱۹۱۶ء میں پاس کیا اور ایم اے اسی یونیورسٹی سے ۱۹۱۸ء میں اوّل درجے میں پاس کیا۔ اسی سال آپ کو گورنمنٹ آف انڈیا ریسرچ سکالرشپ ملا اور آپ انگلستان گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں آپ نے کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پی ایچ ڈی کے لیے آپ کا

تھیسس سلجوقی خاندان کی تاریخ راحۃ الصدور کا تنقیدی ایڈیشن تھا، جو ای ۔ جے ۔ ڈبلیو گب ٹرسٹ نے چھپوایا ۔ بعد میں آپ نے بے شمار تحقیقی مضامین و مقالات لکھے ۔ آپ نے ڈاکٹر کرسٹس کی کتاب کا ترجمہ اُردو میں بعنوان، 'ایران بعہدِ ساسان' کیا ۔ اس کتاب پر پنجاب یونیورسٹی نے آپ کو پانصد روپیہ انعام دیا ۔ آپ ادارہ معارف اسلام کے سیکرٹری بھی رہے ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بھی آپ کے مضامین ہیں ۔ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے بیشتر اجلاسات میں آپ نے شرکت کی اور تحقیقی مقالے پڑھے ۔ اورینٹل کالج میگزین میں آپ کے بیش بہا تحقیقی مضامین مسلسل شائع ہوتے رہے ۔

۱۹۳۵ء میں آپ ایران گئے اور واپس آکر ایران کی ادبی اور تعلیمی سرگرمیوں پر یونیورسٹی میں پانچ لیکچر دیے ۔

۱۹۴۳ء میں آپ نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس منعقدہ بنارس کے عربی و فارسی سیکشن کی صدارت کی ۔

آپ بہت مدت پنجاب یونیورسٹی میں عربی، فارسی کے پروفیسر رہے اور آخر عمر میں آپ یونیورسٹی اورینٹل کالج کے پرنسپل ہو گئے تھے ۔

مرحوم نہایت خلیق، خاموش طبع، شریف اور متین تھے ۔ عربی و فارسی کے ممتاز فاضل تھے ۔ تحقیق و تدقیق میں عمر گزار دی اور اس سلسلے میں انتہائی محنت و کاوش سے کام لیتے تھے ۔ آپ کی وفات سے حلقۂ علم و تحقیق میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے، جو کبھی پورا نہیں ہو گا ۔

ہمیں آپ کے فرزندانِ سعید اور اعزّہ و اقارب سے انتہائی ہمدردی ہے ۔

خداوندِ کریم آپ کو جنّت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و حوصلہ کی توفیق ارزانی کرے ۔ آمین

سلیم فارانی

سرکاری جریدہ کے اعلانات

سررشتہ تعلیم، مغربی پنجاب

صیغہ رجال ——— شعبہ کالج

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجے پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲ مئی ۱۹۴۷ء شمارہ زیڈ ۹۹۹۱	مس نامدار خاں ایم اے (پنجاب) بی اے (آنرز لنڈن)	قائم مقام لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج، لاہور	پی ای ایس درجہ دوم (عملہ فوقانی) قائم مقام	پی ای ایس درجہ دوم مستقل	اعلیٰ لیکچرار گورنمنٹ کالج - لاہور	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
〃	مس محمد جمیل واسطی ایم اے (پنجاب و دہلی) بی اے (کیمبرج) (انگریزی آنرز)	قائم مقام لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خاں جن کی خدمات عاریتہً سندھ مدرسہ کالج کراچی کے لیے حاصل کی گئی ہیں۔	〃	〃	لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خاں جن کی خدمات عاریتہً سندھ مدرسہ کالج کراچی کے لیے حاصل کی گئی ہیں	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	محکمہ تعلیم مغربی پنجاب میں ان کا حق منصب 15.8.47 سے ختم کر دیا گیا ہے بمطابق قاعدہ 3.14 گورنمنٹ سروس رولز پنجاب ضوابط ملازمت سرکاری جلد اول حصہ اول
۲۱ مئی ۱۹۴۷ء شمارہ زیڈ ۹۹۹۲	ڈاکٹر چوہدری سردار محمد ایم ایس سی، بی ٹی، پی ایچ ڈی	لیکچرار گورنمنٹ کالج لاہور	درجہ تحتانی صیغہ رجال (مشاہرہ ۱۵۰/۱۰/۱۹۰-۲۰۰/۱۰-۲۵۰/۱۰-۳۰۰/۱۰-۳۵۰) (شعبہ کالج)	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم قائم مقام	قائم مقام لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
〃	مس صفیہ محمود ایم اے بی ٹی	لیکچرار گورنمنٹ کالج لائل پور	〃	〃	قائم مقام لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لائل پور	〃	〃
〃	شیخ غلام محی الدین ایم اے	لیکچرار گورنمنٹ کالج لائل پور	〃	〃	〃	〃	〃

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	کس درجے سے ترقی ہوئی	کس درجے پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
...۱۹۴۷ء ...ارہ زیڈ ۹۹۹	مرزا انعام علی بیگ ایم-اے، بی-ٹی	لکچرار گورنمنٹ کالج کیمبل پور	درجہ تحتانی صیغہ حال (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰/۱۹۰-۲۰۰-۱۰-۲۵۰-۱۰/۳۰۰-۱۰-۳۵۰) (شعبہ کالج)	پی-ای-ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم قائم مقام	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج، کیمبل پور	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
//	م عبد الغفور ایم-اے، بی-ٹی،	لکچرار ایمرسن کالج ملتان	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ ایمرسن کالج ملتان	//	//
//	م-تاج محمد خیال ایم-اے	لکچرار ایمرسن کالج ملتان جن کی خدمات عاریتہً زمیندارہ کالج گجرات کے لیے حاصل کی گئی ہیں	//	//	//	//	//
//	صوفی غلام مصطفےٰ تبسم ایم-اے، بی-ٹی	لکچرار گورنمنٹ کالج لاہور	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	//	//
//	شبیر احمد قاری ایم-اے، بی-ٹی	//	//	//	//	//	//
//	م-محمد اکبر منیر ایم-اے	لکچرار ایمرسن کالج، ملتان	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ ایمرسن کالج ملتان	//	//
//	م-منصور العزیز منہاس ایم-اے	لکچرار گورنمنٹ کالج کیمبل پور	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور	//	//
//	م محمد حسین بٹ ایم-اے (فارسی و انگریزی) بی-ٹی	لکچرار گورنمنٹ کالج لائل پور	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لائل پور	//	//
//	م-سلطان بخش ایم-اے	لکچرار گورنمنٹ کالج جھنگ	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج جھنگ	//	//
//	م-عبد الرشید ایم-ایس-سی	لکچرار گورنمنٹ کالج لاہور	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	//	//
//	م-نصیر الدین، ایم-اے بی-ٹی	لکچرار یونیورسٹی کالج سرگودھا	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ یونیورسٹی کالج سرگودھا	//	//

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجے سے ترقی ہوئی	کس درجے پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۲ر مئی ۱۹۴۲ء شمارہ سنڈیڈ ۹۹۹۳	خواجہ احمد دین ایم۔اے، بی۔ٹی	لکچرار گورنمنٹ کالج منٹگمری	درجہ تحتانی صیغہ رجال (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰/۱۹۰-۲۰۰-۱۰/۲۵۰-۱۰/۳۰۰-۳۵۰) (شعبہ کالج)	پی۔ای۔ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم قائم مقام	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج منٹگمری	۱۵ر اگست ۱۹۴۲ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
//	م اشفاق علی خاں ایم۔اے	لکچرار گورنمنٹ کالج لاہور	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	//	//
//	ایچ۔اے صوفی بی۔ایس۔سی، ڈی۔پی۔ای	لکچرار گورنمنٹ کالج کیمبل پور (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	//	//
//	ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم۔اے پی۔ایچ۔ڈی۔	لکچرار گورنمنٹ کالج لائل پور	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لائل پور	//	//
//	م۔کرم شاہ۔ایم۔اے	لکچرار ایمرسن کالج، ملتان	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ ایمرسن کالج ملتان	//	//
//	م عبدالحمید ایم۔اے	لکچرار گورنمنٹ کالج لاہور	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	//	//
//	فلائنگ آفیسر کے۔ایم ڈی احمد ایم۔اے، بی ٹی	لکچرار گورنمنٹ کالج لاہور	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	//	//
//	کیپٹن مرزا ممتاز علی بیگ ایم۔ایس۔سی	لکچرار گورنمنٹ کالج کیمبل پور (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	//	//
//	ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم۔اے۔پی۔ایچ ڈی	لکچرار گورنمنٹ کالج کیمبل پور	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور	//	//
//	م۔کرامت حسین ایم۔اے	لکچرار مونٹمورنسی کالج سرگودھا	//	//	قائم مقام لکچرار اعلیٰ مونٹمورنسی کالج سرگودھا	//	//

صیغہ رجال ـــــ شعبۂ اسکول

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۹ اپریل ۱۹۴۸ء شمارہ ۸۵۸۲	س۔ عبدالغفور شاہ (نمبر ۵۹۴۷، مشاہرہ ۹۰-۵-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول چکوال ضلع جہلم	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول شرقپور ضلع شیخوپورہ بمشاہرہ و درجہ سابقہ	یکم جون ۱۹۴۸ء کے بعد جس دن حاضر ہوں۔	شیخ عنایت اللہ کی جگہ، جو صدر معلم کی حیثیت سے تبدیل ہو گئے ہیں۔
۳۰ اپریل ۱۹۴۸ء شمارہ ۸۶۰۴	خ۔ محمد سعید ایم۔اے بی۔ٹی	قائم مقام معلم انگریزی سنٹرل ماڈل اسکول لاہور، مشاہرہ ۹۰-۵-۱۵۰	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول خوشاب، بمشاہرہ و درجہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	م۔ صادق حسین کی جگہ، جو مستعفی ہو گئے ہیں۔
یکم مئی ۱۹۴۸ء شمارہ ۸۶۱۲	م۔ عاشق حسین ایم۔اے، بی۔ٹی	قائم مقام معلم انگریزی سنٹرل ماڈل اسکول لاہور (جو طالع محمد کی رخصت کے ضمن میں کام کرتے ہیں)	قائم مقام ضمیمی معلم انگریزی سنٹرل ماڈل اسکول لاہور درجہ تحتانی سوم صیغہ رجال ۹۰-۵-۱۵۰ میں بمشاہرہ ۱۰۰ روپیہ ماہوار	یکم مئی ۱۹۴۸ء سے	معلم انگریزی کی اسامی پر جو گورنمنٹ ہائی اسکول نوشہرہ سے سنٹرل ماڈل اسکول لاہور کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔
۶ مئی ۱۹۴۸ء شمارہ ۹۱۰۰	م۔ محمد عبداللہ شاکر (مشاہرہ ۵۰/۲۲۰)	نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع کیمبل پور	نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع سیالکوٹ (بمشاہرہ و درجہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ عبدالعظیم چوہان کی جگہ جو تبدیل ہو چکے ہیں۔
؍؍	م۔ عبدالعظیم چوہان بی۔اے (آنرز) ڈی۔پی۔ای	قائم مقام نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی، ضلع سیالکوٹ	قائم مقام نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی، ضلع کیمبل پور (بمشاہرہ و درجہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ عبداللہ شاکر کی جگہ، جو تبدیل ہو چکے ہیں۔
۶ مئی ۱۹۴۸ء شمارہ ۹۱۰۶	م۔ جان محمد (مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلم (ورنیکولر) گورنمنٹ ہائی اسکول پسرور	معلم (ورنیکولر) گورنمنٹ ہائی اسکول رینالہ خورد (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ علی اکبر کی جگہ، جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
؍؍	م۔ علی اکبر (مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلم (ورنیکولر) گورنمنٹ ہائی اسکول رینالہ خورد	معلم (ورنیکولر) گورنمنٹ ہائی اسکول پسرور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ جان محمد کی جگہ، جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۶ مئی ۱۹۴۸ء شمارہ ۹۱۲۴	ن۔ ایم۔ گل (نمبر ۱۹۱۴، مشاہرہ ۵۰-۱۰۰) شعبہ کلاسیکل و ورنیکلر	معلم تربیت جسمانی گورنمنٹ نارمل اسکول، گجرات	نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع جہلم شعبہ کلاسیکل و ورنیکلر میں اپنے سابقہ مشاہرہ و درجہ پر	تاریخ حاضری سے	شیخ اشفاق حسین کی جگہ (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰) جو گورنمنٹ کالج کیمبل پور میں بحیثیت نگران تعلیم جسمانی تبدیل ہو چکے ہیں۔

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
مئی ۱۹۴۸ء شمارہ ۹۱۲۴	س۔ محمد اصغر (نمبر ۲۶۶۳ مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰ شعبہ کلاسیکل ورنیکلر)	معلم تربیت جسمانی گورنمنٹ ہائی اسکول سرگودھا	نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع سرگودھا شعبہ کلاسیکل ورنیکلر میں اپنے سابقہ مشاہرہ و درجہ پر۔	تاریخ حاضری سے	م۔ عبدالغنی کی جگہ، جن کا منٹگمری تبادلہ ہو چکا ہے۔
؍؍	م۔ محمد سعید (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰ شعبہ کلاسیکل ورنیکلر)	قائم مقام معلم تربیت جسمانی گورنمنٹ نارمل اسکول لالہ موسیٰ	نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع راولپنڈی شعبہ کلاسیکل ورنیکلر میں اپنے سابقہ مشاہرہ و درجہ پر	تاریخ حاضری سے	مسٹر فرانسیس کی جگہ، جو مشرقی پنجاب تبدیل ہو چکے ہیں۔
؍؍	راؤ منصور علی خاں (نمبر ۲۶۶۴ مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	معلم (ورنیکولر) گورنمنٹ نارمل اسکول، کمالیہ ضلع لائل پور	نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع لاہور شعبہ کلاسیکل ورنیکلر میں اپنے سابقہ مشاہرہ و درجہ پر	تاریخ حاضری سے	چودھری مہرالدین (مشاہرہ ۹۰۔۔۱۵۰) کی جگہ جن کا گورنمنٹ کالج لائل پور میں بحیثیت نگران تربیت جسمانی تقرر ہوا ہے۔
۱۵ مئی ۱۹۴۸ء شمارہ ای۔ ۹۵۱۳	قاضی محمد اسماعیل بی۔ اے، بی۔ ٹی، پی۔ او۔ ٹی (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	قائم مقام معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی اسکول، پاک پٹن	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول، پاک پٹن درجہ تحتانی سوم (۹۰۔۵۔۱۵۰) میں بمشاہرہ ۹۰ روپے ماہوار	نئے فرائض کے چارج سنبھالنے کی تاریخ سے	م۔ محمد شفیع کی جگہ۔ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۵ مئی ۱۹۴۸ء شمارہ ۹۵۵۴	سید محمد یوسف حسین (مشاہرہ ۱۴۰۔۱۰۔۲۲۰)	معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی اسکول، پاک پٹن	معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی اسکول، سیالکوٹ بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	سید نصیب علی شاہ کے سبکدوش ہونے کے باعث ایک موجودہ آسامی کی جگہ
۱۵ مئی ۱۹۴۸ء شمارہ ۹۵۵۶	م۔ محمد حسن ایس وی	معلم (ورنیکولر) گورنمنٹ اسکول کریمینل ٹرائیبز سٹیلمنٹ بیگم پورہ۔ ڈاک خانہ باغبانپورہ لاہور۔ (مشاہرہ ۵۰۔۳۔۸۰۔۴۔۱۰۰۔۵۔۱۲۵)	معلم (ورنیکولر) گورنمنٹ ہائی اسکول کوٹ ادو۔ درجہ تحتانی سوم شعبہ کلاسیکل ورنیکلر (۵۰۔۳۔۸۰/۴۔۔۱۰۰) اپنی سابقہ تنخواہ ۶۲ روپے ماہوار پر ایک سال کے عرصۂ آزمائش پر	تاریخ حاضری سے	م۔ غلام رسول ایس۔ وی کی فوتیدگی سے خالی شدہ معلم ورنیکولر کی ایک موجودہ اسامی کی جگہ

علان ارہ	نام	منصب	کس وجہ سے ترقی ہوئی	کس وجہ پر تعین ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۹۴۷ء ارہ ۹۹	م-عبید اللہ ایم-اے بی-ٹی	مہتمم مدارس ضلع گجرات (جو ۱۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ریٹائر ہو چکے ہیں)-	پی-ای-ایس-درجہ دوم سب پر دیشنل	پی-ای-ایس درجہ دوم مستقل	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
”	م-سکندر خاں بی-اے-بی-ٹی	مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ حال ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع ملتان	پی-ای-ایس درجہ دوم قائم مقام	”	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
”	چودھری برکت علی بی-اے-بی ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول اکال گڑھ (جو ۱۶ مئی ۱۹۴۸ء کو ریٹائر ہو گئے ہیں)-	”	”	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	”
”	م-محمد اسلم بی-اے-بی-ٹی	مہتمم مدارس ضلع کیمبل پور	”	”	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	”
”	م-کریم بخش بی-اے بی ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول مظفر گڑھ	”	”	”	”
”	چودھری عبد المجید بی-اے-بی-ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول ریناله خورد حال صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول سرگودھا	”	”	”	”
”	چودھری بشیر حسین ضیائی ایم-اے، بی-ٹی	صدر معلم گورنمنٹ نارمل اسکول گکھڑ	”	”	”	”
”	م-عبد الرحیم خاں بی-اے	مہتمم مدارس ضلع جہلم	”	”	”	”
”	م-عبد الغفور بٹ ایم-اے، بی-ٹی	مہتمم مدارس ضلع منٹگمری	”	”	”	”
”	م-رسول بخش بی-اے، بی-ٹی	مہتمم مدارس ضلع ڈیرہ غازی خاں	”	”	”	”
ارمئی ۱۹۴۸ء شمارہ ۹۹۹۵	م-امام الدین ایم-اے بی-ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول عیسیٰ خیل	درجہ تحتانی اوّل شعبہ رجال مشاہرہ ۲۳۰- ۱۰-۲۷۰/۱۰-۳۰۰	پی-ای-ایس درجہ دوم قائم مقام	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	کس درجے سے ترقی ہوئی	کس درجے پر تعین ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
مئی ۱۹۴۶ء شمارہ ۹۹۹۵	میر عبدالرشید ایم۔اے، بی۔ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول میانوالی حال صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول جہلم	درجہ تحتانی اوّل شعبہ رجال مشاہرہ ۱۳۰-۱۰-۲۷۰-۱۰/۱-۳۰۰	پی۔ای۔ایس درجہ دوم قائمقام	۱۵ اگست ۱۹۴۵ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
//	صوفی محبوب الٰہی ایم۔اے	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول گوجرانوالہ	//	//	//	//
//	م۔محمد اکرام بی۔اے بی۔ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول قصور (جو یکم فروری ۱۹۴۶ء سے ریٹائر ہو گئے ہیں)۔	//	//	//	//
//	م۔خورشید احمد خاں ایم۔اے، بی۔ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی و نارمل اسکول شاہ پور حال صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول رینالہ خورد	//	//	//	//
//	س۔خورشید حسن بی۔اے، بی۔ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول پاک پٹن	//	//	//	//
//	م۔سلطان محمود ایم۔اے، بی۔ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول نوشہرہ	//	//	//	//
//	لیفٹیننٹ سکندر خاں بی۔اے، بی۔ٹی	صدر معلم گورنمنٹ نارمل اسکول لالہ موسیٰ (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)۔	//	//	//	//
//	مفتی عبدالرشید بی۔اے، بی۔ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول جنڈیالہ	//	//	//	//
//	م۔محمد اسماعیل بی۔اے، بی۔ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی اسکول سرگودھا حال صدر معلم گورنمنٹ ہائی و نارمل اسکول شاہ پور صدر	//	//	یکم فروری ۱۹۴۶ء سے	//

صیغہ نسواں

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ و تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۷ مئی ۴۸ء شمارہ -۳ ۹۲۲۵	زبیدہ بیگم علی محمد بی اے بی ٹی (تاریخ جغرافیہ) مشاہرہ ۷۰-۱۵۰	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، جو برجی گارڈنز لاہور	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول منڈی بہاؤالدین (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	شمشادہ عریانی کی جگہ، جو گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل ہائی اسکول جھنگ میں ایک موجودہ اسامی کی جگہ تبدیل ہو چکی ہیں۔
۸ مئی ۴۸ء شمارہ -۳ ۹۲۶۶	ایم۔ آر۔ چودھری بی اے بی ٹی (نمبر ۶۴ مشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول منڈی بہاؤالدین	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، جونے منڈی لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
۱۰ مئی ۴۸ء شمارہ -۳ ۹۳۱۷	زہرہ ممتاز جے اے وی (نمبر ۱ مشاہرہ ۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ لیڈی اینڈرسن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سیالکوٹ (رخصتی)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، گجرات بمشاہرہ سابقہ (رخصتی)	یکم جون ۴۸ء سے	بیت الحمید شاہ جے اے وی (۹۳ مشاہرہ ۷۰-۱۵۰) نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول گجرات کی فوتیدگی سے خالی شدہ جگہ
″	مجیدہ بیگم جے اے وی (نمبر ۳۴۲ مشاہرہ ۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول گوجرانوالہ	نائب معلمہ لیڈی اینڈرسن گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول سیالکوٹ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	زہرہ ممتاز کی جگہ جن کا تبادلہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول گجرات ہو چکا ہے۔
۱۳ مئی ۴۸ء شمارہ -۳ ۹۴۳۷	دختر طفیل محمد بی اے بی ٹی (نمبر ۱۸ مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل اسکول راولپنڈی	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول سرگودھا (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
۱۴ مئی ۴۸ء شمارہ -۳ ۹۴۶۸	اختر جہاں ضیاؤالحق بی۔ اے، بی۔ ٹی	—	قائم مقام نائب منتظمہ مدارس ضلع گجرات درجہ تحتانی دوم شعبہ نسواں مشاہرہ ۱۵۰-۱۰-۱۹۰-۱۰-۲۲۰	یکم مئی ۱۹۴۸ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
۱۴ مئی ۴۸ء شمارہ -۳ ۹۴۶۵	زبیدہ بٹ۔ بی۔ اے جے۔ اے۔ وی۔ (نمبر ۲۶۴ مشاہرہ ۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول گوجرانوالہ	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول میانوالی (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	تبادلہ مع اسامی

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	تبادلہ و تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
ارمئی ۴۸ء شمارہ-۳ ۹۴۷۰	آنسہ بسم اللہ گیلانی بی۔اے، بی۔ٹی (نمبر۹) مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، سیالکوٹ	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول گوجرانوالہ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	تبادلہ مع اسامی
ارمئی ۴۸ء شمارہ-۳ ۹۶۸۹	ممتاز محل۔ بی۔اے بی۔ٹی (مشاہرہ ۷۰- ۱۵۰)	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل اسکول جھنگ	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، ملتان (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	گورنمنٹ پنجاب کے نئے حکم ۲۷۸۲ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۴۷ء کے مطابق منظور شدہ درجہ (مشاہرہ ۷۰-۱۵۰) کی ایک زائد اسامی کی جگہ
۱۹رمئی ۴۸ء شمارہ-۳ ۹۷۷۵	تحسین فاطمہ۔ ایس وی (نمبر ۱۶۵) مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ (ورنیکولر) گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول کیمبل پور	معلمہ (ورنیکولر) گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، لائل پور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	زبیدہ بیگم کی جگہ، جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	زبیدہ بیگم۔ ایس۔وی ایچ۔پی۔یو (نمبر ۲ مشاہرہ ۱۴۰-۲۲۰)	معلمہ (ورنیکولر) گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، لائل پور	معلمہ ورنیکولر گورنمنٹ گرلز اسکول، پنڈی گھیپ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	رشیدہ بیگم کی جگہ، جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	رشیدہ بیگم۔ ایس وی (نمبر ۱۳ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ (ورنیکولر) گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، پنڈی گھیپ	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول کیمبل پور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	تحسین فاطمہ کی جگہ، جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۹رمئی ۴۸ء شمارہ-۳ ۹۷۸۷	حمیدہ ملک۔ بی۔اے بی۔ٹی (تاریخ جغرافیہ)	—	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل اسکول راولپنڈی درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (۷۰-۱۵۰) میں بمشاہرہ ۹۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	آنسہ طفیل محمد کی جگہ، جن کا تبادلہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول سرگودھا میں ایک موجودہ اسامی پر ہو چکا ہے۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ و تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۹/مئی ۱۹۴۸ء شمارہ - ۳ ۹۷۸۲	مسعودہ ابراہیم بی اے بی ٹی (تاریخ جغرافیہ)	—	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، چوبرجی گارڈنز لاہور درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (۷۰-۱۵۰) میں بمشاہرہ ۹۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	زبیدہ بیگم علی محمد کی جگہ، جن کا تبادلہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول منڈی بہاؤالدین میں ایک موجود اسامی پر ہو چکا ہے۔
۱۹/مئی ۱۹۴۸ء شمارہ - ۳ ۹۷۸۴	حمیدہ عبداللہ بی اے بی ٹی (بشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول منٹگمری (رخصتی)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول قصور (بشاہرہ سابقہ)	۱۵/جولائی ۱۹۴۶ء سے	تبادلہ مع اسامی حمیدہ عبداللہ کا حق منصب حال ہی میں گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول قصور سے گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول ڈیرہ غازی خاں کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔ اب وہ ڈیرہ غازی خاں میں اپنے منصب پر حاضر ہونگی۔
۲۰/مئی ۱۹۴۸ء شمارہ - ۳ ۹۸۸۵	مس - ایم - فیسلبوس بی - اے - بی ٹی (بمشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، فیروز پور روڈ، لاہور	لکچرار کوئین میری کالج لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	مس - کے گھوش کی جگہ، جو مشرقی پنجاب چلی گئی ہیں۔
۲۲/مئی ۱۹۴۸ء شمارہ - ۳ ۱۰۰۴۶	مزمل - ایس - وی (نمبر ۱۳ مشاہرہ ۱۴۰-۲۲۰)	معلمہ (ورنیکولر) گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، پسرور	معلمہ (ورنیکولر) گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول پنڈی گھیپ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	شریمتی ودیاوتی کی جگہ، جو مشرقی پنجاب چلی گئی ہیں۔
۰/مئی ۱۹۴۸ء شمارہ - ۳ ۹۲۲۳	شریف بیگم ایس وی	معلمہ (ورنیکولر) گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول جلال پور جٹاں جو گورنمنٹ ہائی اسکول سیالکوٹ کی طرف تبدیل ہو چکی ہیں۔	درجہ دوم تحتانی صیغہ نسواں شعبہ کلاسیکل ورنیکولر (۳۵-۳-۵۰) میں مستقل کر دی گئی ہیں۔	یکم اپریل ۱۹۴۵ء سے	—
۱۹/مئی ۱۹۴۸ء شمارہ - ۳ ۹۷۶۶	سکندرا سلطانہ بی اے بی ٹی (پرائیویٹ) (مشاہرہ ۷۰-۱۵۰)	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، خانیوال	یکم مئی ۱۹۴۸ء قبل دوپہر سے ان کی خدمات کی ضرورت نہیں رہی۔		

صیغہ دفاتر

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ وتقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
یکم مئی ۴۸ء شمارہ Z۔ ۸۷۸۴	م۔ محمد شریف (مشاہرہ ۸۰۔۱۵۰)	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی ڈویژن	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع کیمبل پور۔	تاریخ حاضری سے	ایم مشتاق احمد کی جگہ، جن کا تبادلہ ہوچکا ہے۔
//	م۔ روشن دین (مشاہرہ ۸۰۔۱۵۰)	قائم مقام اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی ڈویژن	قائم مقام اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی ڈویژن	تاریخ حاضری سے	م۔ محمد شریف کی جگہ، جن کا تبادلہ ہوچکا ہے اور ایم معراج الدین کے حق منصب کے ماتحت جو دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی کی طرف اس حکم کے مطابق منتقل کر دیا گیا ہے۔
//	م۔ مشتاق احمد (مشاہرہ ۸۰۔۱۵۰)	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع کیمبل پور	قائم مقام اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی ڈویژن	تاریخ حاضری سے	م۔ روشن دین کی جگہ جن کا تبادلہ ہوچکا ہے، اور چودھری فضل احمد کے حق منصب کے ماتحت
۱۴ مئی ۴۸ء شمارہ Z۔ ۹۵۱۹	م۔ شوکت علی (مشاہرہ ۵۰۔۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر گورنمنٹ کالج (زنانہ) لائل پور	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع منٹگمری	تاریخ حاضری سے	م۔ اللہ بخش کی جگہ، جن کا تبادلہ ہوچکا ہے۔
	م۔ اللہ بخش (مشاہرہ ۵۰۔۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع منٹگمری	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر گورنمنٹ کالج (زنانہ) لائل پور۔	تاریخ حاضری سے	م۔ شوکت علی کی جگہ جن کا تبادلہ ہوچکا ہے۔

ہائی کلاسز کے لیے بہترین تعلیمی کتب

ہائی کلاسز کے طلبہ کی سہولت اور اُن کی تعلیمی ضروریات کو پُورا کرنے کے لیے ہم نے مندرجہ ذیل کتب قابل اور تجربہ کار اساتذہ سے تیار کرائی ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات پاس کر لینا از حد آسان و سہل ہو جاتا ہے۔ موجودہ سلیبس کے عین مطابق تمام ضروری فارمولے، اسباق اور مضامین عام سُلجھی ہُوئی زبان میں پیش کر کے طلبہ کو عام کتب سے نجات دلائی گئی ہے۔ ہر ایک کتاب ہزارہا قیمتی مشوروں اور طریقہائے حل سوالات سے بھر پور ہے جس طرح مشکل الفاظ کے لیے ڈکشنری قابل اُستاد کا کام دیتی ہے۔ اسی طرح طلبہ کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے یہ کتب ہمدرد اور لائق رہنما ثابت ہوتی ہیں۔ آج ہی طلبہ کے لیے رائج فرمائیے *

نیو میٹرک میتھمیٹکس۔ مصنفہ ترمذی۔ (حل شدہ) .. قیمت ۲ روپیہ ۱۲ر
نیو سٹائل انگلش گریمر۔ کمپوزیشن و ٹرانسلیشن۔ مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر خواجہ عبدالحی ۳ روپے
نیو سٹائل انگلش پیپر اے (A) .. .. .. قیمت ۲ روپے ۸ر
نیو سٹائل انگلش پیپر بی (B) .. .. .. قیمت ۲ روپے ۸ر
تاج محل جیوگریفی۔ سوالاً جواباً .. .. .. قیمت ۲ روپے ۸ر
تاج محل تاریخ ہندوستان (سوالاً جواباً) .. .. قیمت ۲ روپے ۸ر
تاج محل تاریخ انگلستان (سوالاً جواباً) زیر طبع .. قیمت ۲ روپے ۸ر
انگلش کنورسیشن فار انڈین سٹوڈنٹس .. .. .. قیمت ۱ روپیہ ۱۲ر
رموز ترجمہ فارسی (دُوسرا ایڈیشن) .. .. .. قیمت ۱ روپیہ ۸ر
مفید اُردو کمپوزیشن مع گریمر۔ محمد شفیع ہیڈ ماسٹر (چودھواں ایڈیشن) ۲ روپے ۸ر
مفید میٹریکولیشن پرشین گریمر۔ قاری غلام الدین صاحب دری ایم اے جلد اوّل (تیسرا ایڈیشن) ۱ روپیہ ۸ر

تعلیمی کتب کی مکمل فہرست مفت طلب فرمائیے

شیخ غلام علی اینڈ سنز، ایجوکیشنل پبلشرز، کشمیری بازار، لاہور

آموزش

جولائی سنہ ۱۹۴۸ء

تعلیمی ماہ نامہ

آموزش

لاہور

سابق مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر دہلی

مدیر:

بشیر ہاشمی

ناشر:

کتاب منزل

لاہور

قیمت فی پرچہ: ۱۰ آنے

جولائی سنہ ۱۹۴۸ء

جلد: ۱

شمارہ: ۳

سالانہ چندہ

پاکستان کے لیے: ۶ روپے

غیر ممالک کے لیے: ۸ روپے

Postage
will be
paid
by
addressee

Business Reply Card

LAHORE G.P.O.
PERMIT No. 720

No postage
stamp
necessary
if posted
in Pakistan

To

Kitab Manzil,
PUBLISHERS,
KASHMIRI BAZAR,
LAHORE.

رموز

نئے حالات کے تعلیمی تقاضے

سال کے سال ہر مدرسے کی زندگی میں چند روز ایسے بھی آتے ہیں، جو بظاہر عمارت کی صفائی اور عام آراستگی اور نمائش کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ لیکن جس کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ مدرسے کی اصلی حالت کو نظر ظاہر سے پوشیدہ رکھا جائے۔ اِن مواقع کا نام اصطلاحی زبان میں انسپکٹر صاحب یا ڈپٹی صاحب کا معائنہ ہوتا ہے۔ اس مبارک تقریب پر مدرسے کی صفائی، چارٹوں کا تیار کرنا، تصاویر کو آویزاں کرنا، کتبے تیار کرانا اور اُنھیں موزوں مقامات پر نصب کرنا، سُرخ رنگ کے کپڑے پر سنہری پنّی سے "اے آمدنت باعثِ آبادیِ ما" لکھوانا۔ اس مستقل قصیدے کا جو ہر مدرسے میں موجود رہتا ہے، حسب ضرورت تشریف لانے والے انسپکٹر صاحب کے نامِ نامی کے مطابق موزوں کرنا اور اسی قبیل کے بہت سے کام کیے جاتے ہیں۔

انسپکٹر صاحب تشریف لاتے ہیں۔ حاکمانہ انداز سے گرد و پیش کا ملاحظہ فرماتے ہیں۔ عمارت کی صفائی، صحن میں چھوٹے سے چمن کی روش بندی، استقبال کے انتظامات، عام پذیرائی کے اسلوب پر اظہار خوشنودی فرماتے ہیں۔ معائنہ شروع ہوتا ہے۔ رجسٹروں کی چھان بین ہوتی ہے۔ جماعتوں کی تعلیمی ترقی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ گزشتہ امتحانات کے نتائج کی روشنی میں مدرّسین کی کارکردگی پر رائے قائم کی جاتی ہے اور عموماً یہ سب کچھ ایک یا دو روز میں ختم ہو جاتا ہے۔ انسپکٹر صاحب دُوسرے تیسرے روز مع اپنے عملے کے تشریف لے جاتے ہیں اور پھر وہی مدرسہ اور وہی پُرانے دستور، تصاویر غائب، چارٹ حفاظت سے گودام کی کوٹھری

میں محفوظ، کتنے اَور سُرخ کپڑا صندوق میں بند، ماسٹر صاحبان اپنی کرسیوں پر متمکن، معمولات برپا، نمائش ختم اَور زندگی کے آثار بہت حد تک مفقود ہے نے وہ سُرور و شور، نہ جوش و خروش۔

یہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ جَو فروشی اَور گندم نمائی کیوں؟ اگر تفصیلات پیش کی گئیں، تو جواب طویل ہوجائے گا۔ مدرسے کی تمام کائنات یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح طلبہ امتحان میں پاس ہوجائیں اَور ماسٹر صاحبان کی سالانہ ترقیاں مسدود نہ ہوں۔ سچ پُوچھیے، تو یہ تماشا پُرانے دَور کی یادگار ہے۔ جب ہر شے کا انحصار صاحب کی خوشنودی پر تھا اَور صاحب ہمیں اَور ہماری ضروریات کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتے تھے۔ زبان سے ناواقفیت، نقطۂ نظر میں اختلاف، اقدارِ تعلیمی میں تفاوت یا اَور جو کچھ بھی وجوہ ہوں، جو سامنے ہوتا، اُس سے متاثر ہوجاتے۔ ماسٹر صاحبان کی ترقی اَور تنزّل کا انحصار صاحب کی خوشنودی اَور اُن کے گماشتوں کی پسندیدگی پر ہوتا تھا۔ صاحب کے بعد ہمارے صاحب نُما بھائی بھی اسی نہج پر چلتے رہے لیکن اب ضرورت ہے کہ حالات کی مطابقت میں مدرّسین اور انسپکٹر صاحبان دونوں اپنا نقطۂ نگاہ اور اقدارِ معائنہ بدل دیں اَور یہ سمجھ لیں کہ مقصود کارِ صرف تدریس مضامین ہی نہیں، بلکہ نئی نسل کی تعلیم و تربیت ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ آج سے دس پندرہ سال کے اندر اندر ملّت کے مطالبات کتنے وسیع اَور سنگین ہوجائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے ہاتھوں تعلیم و تربیت پائے ہُوئے لوگ، ہماری آج کی کوتاہیوں اَور خامیوں کے باعث اس وقت کے تقاضوں سے عہدہ برآ نہ ہوسکیں۔

مجلس ترمیمِ نصاب کا خطبۂ صدارت

۲۵ رمئی ۱۹۴۸ء کو میاں افضل حسین صاحب نے مغربی پنجاب کی مجلس ترمیمِ نصاب کا افتتاح کیا۔ ایک پُر مغز اَور بصیرت افروز تقریر کے دوران میں قابل مقرر نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ موجودہ نظامِ تعلیم کے نقائص پر روشنی ڈالی اَور ارشاد فرمایا کہ اراکینِ مجلس نے آنے والی نسلوں کی ذہنی تربیت کے قواعد منضبط کرنے کا اہم ذمّہ اُٹھایا ہے۔ اُنھیں چاہیے کہ سابقہ تجربوں کی روشنی

میں ایسا نصابِ تعلیم مرتب کریں، جو اعلیٰ ترین تعلیمی مقاصد کا حامل ہو اور ہماری نئی پود کے لیے بہ غایت مفید ہو۔

مشاہدے کی بنا پر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ بچوں کے ذہن میں غیر مرئی چیزوں کے مقابلے میں مرئی چیزوں کی تفہیم کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے۔ اس نفسیاتی حقیقت کے مدِ نظر، ترقی یافتہ اقوام نے کئی ایسے امدادی آلات ایجاد کیے، جو تعلیمِ طفلاں کے لیے ازحد مفید ثابت ہوئے ہیں۔ گراموفون، ریڈیو، بولتی تصویریں، صوتی آلات اور اس قبیل کی کئی اور چیزیں یورپ کی درس گاہوں میں کثرت سے استعمال کی جاتی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ جدید نصاب کی ترتیب میں ان اُمور کو پیشِ نظر رکھیں۔ میاں افضل حسین صاحب نے فرمایا کہ اگر اُن کا بس چلتا، تو درسی نصاب کی تجویز سے پہلے وہ سینما مشین، تعلیمی ریکارڈ اور فلمیں بنانے کا منصوبہ تیار کرتے۔

مغربی قوموں کے مقابلے میں مشرقی قومیں ابتدا سے نسبتاً زیادہ جذباتی اور روحانیت کی دلدادہ رہی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مشرق میں ہمیشہ فلسفہ، مابعد الطبیعات اور اس نوعیت کے دیگر علوم کو فروغ حاصل ہوتا رہا۔ مغربی قوموں نے اپنی حکمتِ عملی سے پہلے اپنی دنیا سنبھالی اور ان علوم پر اپنی ساری توجہ صرف کی، جو اُن کے اپنے حصولِ مدعا کے لیے زیادہ مفید تھے۔ سائنس کے میدان میں اُنھوں نے بیش از بیش ترقیاں کیں اور عیش و آرام کے ساتھ ساتھ اپنی بقا اور بالیدگی کی راہیں نکالیں۔ آج دُنیا اُن کی فراست کی قائل ہے اور اُنھیں لائقِ احترام تصور کرتی ہے۔ ہم نے اب تک اس شعبۂ زندگی کی طرف بقدرِ ضرورت توجہ نہیں کی اور اس کوتاہی کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

سیاسی محکومی نے ہماری ترقی کی راہیں آج تک مسدود رکھیں۔ لیکن اب ہم نے اپنی ملی زندگی کے ایک نئے دور میں قدم رکھا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی پچھلی فروگزاشتوں کا تدارک کریں اور دُنیا کی سربرآوردہ قوموں کے دوش بدوش چلنے کی کوشش میں کسی قسم کی کوتاہی کا جرم ہم سے سرزد نہ ہو۔ فاضل مقرر نے ہماری قومی زندگی کے اس اہم پہلو کا لحاظ رکھتے ہوئے، تلقین فرمائی کہ

ہمارے نوخیز طالب علم میں سائنس سے دلچسپی پیدا کرنے کی ہر ممکن صورت نکالی جائے اور اس شعبۂ علم کو ابتدائی مدارج ہی سے نصاب میں شامل کیا جائے۔ مذہب اور سائنس کے درمیان رقابت کا تصوّر ایک لغو اور فرسودہ خیال ہے جس کی بنیاد آیاتِ قرآنی کی غلط تاویل اور ارشاداتِ نبیؐ کی ناقص ترجمانی پر رہی ہے۔ اسلام نے ہر علم کی ترغیب دلائی اور بالخصوص رموزِ قدرت کو دریافت کرنے کی دعوت دی۔ سائنس کے انکشافات موحّد کے دین کی عظمت کو بڑھاتے ہیں اور اس حیثیت سے بھی ہمارے بچّوں اور بالغوں کے لیے اس کا علم ضروری ہے۔

ہمارے مدرسوں کے اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ علوم میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ دنیا کے سارے علوم آپس میں ایک دوسرے سے ربط رکھتے ہیں۔ ان میں باہمی تصادم کی کہیں گنجائش نہیں۔ تعلیم و تدریس کے سلسلے میں اس نکتے کو ہمیشہ متصوّر رکھا جائے۔ تاکہ تحصیلِ علم کے راستے میں رکاوٹیں پیدا نہ ہوں اور آپس کے اُلجھاؤ سے مقصدِ تعلیم فوت نہ ہونے پائے۔ باہمی تعاون سے بہت سی گتھیاں سلجھ سکتی ہیں اور اسی طرزِ عمل سے تعلیم کی سو فیصدی کامیابی کا یقین ہو سکتا ہے۔ مقرر نے اراکینِ مجلس کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی مبذول کرائی۔

غرض خطبۂ صدارت بہت ہی سبق آموز ثابت ہوا اور ہمیں اُمید ہے کہ اراکینِ مجلس میاں افضل حسین صاحب کی ان بیش بہا ہدایات پر کاربند رہتے ہُوئے، ایک ایسا نصاب مرتب کریں گے، جو ہمارے لیے ہر حیثیت سے مفید، موزوں اور مناسب ہوگا۔

ایم۔اے اُردو کورس

بحمداللہ پنجاب یونیورسٹی نے سالِ آئندہ سے ایم۔اے اُردو کورس کھولنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور ضمنی کارروائیاں بھی ختم ہو چکی ہیں۔ ہمارا تعلیمی نظام اس کورس کی عدم موجودگی میں نامکمل سا تھا۔ طالب علموں کو اُردو زبان سے ابتدائی جماعتوں میں روشناس کرانے کے انتظامات تو پہلے ہی سے تھے۔ لیکن صحیح ادبی مذاق کی نشوونما کے لیے کوئی بیرونی تحریک کارفرما نہیں تھی۔ تقریباً

دس سال تک یہ تجویز یونیورسٹی کے زیرِ غور رہی لیکن مختلف دشواریوں کی بنا پر کوئی عملی اقدام نہ ہو سکا تھا۔ دورِ حاضر کے سیاسی انقلابات کے ضمن میں اُردو کو ہماری قومی زبان بننے کا امتیازی درجہ حاصل ہوگیا ہے، جس کی بنا پر اس کی ترویج و اشاعت کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ شدید ہو چلی ہے۔ یونیورسٹی نے اس امر کو محسوس کرتے ہوئے بڑی آمادگی کے ساتھ اس کورس کے افتتاح سے ایک دیرینہ ضرورت پوری کر ڈالی ہے۔

بہرکیف ایک بات قابلِ ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایم اے کا تعلیمی معیار کافی بلند ہوگا اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ اس کورس میں شریک ہونے سے پہلے طالبِ علم کے لیے ضروری ہے کہ اُردو ادب کے ساتھ تھوڑا بہت شغف حاصل کر لے اور اس کے مختلف شعبوں اور ہر شعبے کی نوعیّت سے کسی حد تک واقف ہو۔ تاکہ یونیورسٹی کی اس اعلیٰ ترین جماعت میں تحصیلِ علم اس کے لیے جوئے شیر کا لانا نہ بن جائے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر چاہیے تھا کہ انٹرمیڈیٹ اور بی، اے کے نصابِ تعلیم میں بھی اُردو شامل کر لی جاتی۔ یونیورسٹی نے غالباً اس مسئلے کو مستقبل پر اُٹھا رکھا ہے۔ لیکن اس کے یہی معنی ہوئے کہ ایک ایسی عمارت زیرِ تعمیر ہے، جس کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یونیورسٹی کی توجہ بہت جلد اس اہم فروگزاشت کی طرف منعطف ہوگی۔

ایم اے کر لینے کے بعد چاہیے کہ طالبِ علم میں ادب کا صحیح مذاق، نظر کی وسعت اور نقد و تبصرہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ یہی اعلیٰ تعلیم کا نصب العین ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اساتذہ کے انتخاب اور تقرر میں نہایت احتیاط اور پیش بینی سے کام لینا ہوگا۔ ہمیں توقع ہے کہ تعلیم و تدریس کا کام ایسے حضرات کے سپرد کیا جائے گا، جو زبان پر پوری دسترس اور ادب پر کامل عبور رکھتے ہوں۔

اس کورس کا تفصیلی نصاب یونیورسٹی نے شائع کر دیا ہے۔ ہم اجمالی طور پر اتنا بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ امتحان کے سات پرچے رکھے گئے ہیں، جن میں سے چھے اُردو نثر، نظم، تاریخ زبان و ادب، تنقید، لسانیات، علم معانی و بیان پر مشتمل ہیں اور ایک عربی اور فارسی پر۔

مصر کا تعلیمی نظام

از

عبدالسّلام خورشید

مصر کے مشہور ادیب، ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ ایک سحر بیان ادبی مقرر ہیں۔ جب کبھی کسی علمی اُور ادبی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے، مُنہ سے پھُول جھڑتے ہیں۔ وہ حسین و جمیل الفاظ سے کھیلتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے ہیں۔ الفاظ میں موسیقی کا سا تسلسل اور ہم آہنگی نظر آتی ہے اور سامع علم و عرفان کی ایک بے پناہ بارش سے مسحور ہُوا جاتا ہے۔ یہی نابینا ادیب مصر میں تعلیمات کا ماہر ہے۔ جامعۂ مصریہ کے کلیۃ الآداب کی پرنسپلی کے علاوہ وزارتِ معارف کے شعبۂ ثقافہ عامہ کے ڈائرکٹر رہے ہیں اور مصر کی تعلیمی زندگی میں بہت بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔

۱۹۳۸ء کی بات ہے۔ مصر کی وزارتِ معارف نے ان سے فرمائش کی کہ مصر کے لیے ایک نئے نظامِ تعلیم کا خاکہ بنائیں۔ آپ نے "مستقبل الثقافہ فی مصر" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس نے علمی، ادبی اور تعلیمی حلقوں میں تہلکہ پیدا کر دیا۔ آپ نے تعلیم کے ثقافتی پس منظر کو اجاگر کرتے ہُوئے بتایا کہ مصر مشرقی بحیرۂ رُوم کا حصہ ہے۔ اس پر بحیرۂ رُوم کی ثقافت کا نمایاں اثر ہے اور ہندوستان اور چین سے کہیں زیادہ مصر کا تعلق یونان اُور اٹلی سے ہے۔ ہمیں ایک نئے نظامِ تعلیم کی بنیاد رکھتے ہُوئے، اس تاریخی حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ آپ نے لکھا۔ ایک طرف ہماری زبان کا تعلق یونان سے ہے اُور دوسری طرف ایرانی زبان سے۔ اس لیے ہماری اعلیٰ تعلیم میں فارسی اُور یونانی زبانوں کو داخل کرنا چاہیے۔

مصر میں مشرق و مغرب کے رجحانات کے امتزاج کا ذکر کرتے ہُوئے ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے لکھا۔ مصر کی آب و ہوا معتدل ہے۔ اس لیے مصری عوام کا مزاج بھی معتدل ہے اور یہاں مشرق و مغرب

کی کشمکش میں بھی ایک اعتدال قائم رہا ہے۔ ترکیہ نے اسلامی عدالتوں کو ختم کر دیا۔ لیکن مصر میں اسلامی اور مغربی دونوں قسم کی عدالتیں موجود ہیں۔ ترکیہ نے اسلامی تعلیم کا قلع قمع کر دیا۔ لیکن مصر نے جامعۂ ازہر کو زندہ رکھا اور جامعۂ مصریہ بھی قائم کر دی، جو آج تک ایک دوسرے پر اثر انداز ہو رہی ہیں اور یہ اثر اتنا نمایاں ہے کہ جامعۂ ازہر کی اعلیٰ جماعتوں میں جامعۂ مصریہ کے فارغ التعلیم علماء اساتذہ مقرر ہیں۔

مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں دریائے نیل کے مشرق میں جامعۂ ازہر کی عظیم الشان عمارات میں دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے، پندرہ ہزار سے زائد طلبہ عربی زبان اور اسلامیات کی تعلیم سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ انھیں چودہ پندرہ سو چھوٹے بڑے اساتذہ تعلیم دیتے ہیں۔ ہر سال اوقاف سے پچاس لاکھ کی آمدنی ہوتی ہے اور اخراجات باون لاکھ کے قریب ہوتے ہیں۔ نقصان کی تلافی حکومت کی طرف سے ہوتی ہے۔

دریائے نیل کے مغرب میں ایک حسین وجمیل اور پُرفضا مقام "الجیزہ" میں جامعۂ مصریہ کی خوبصورت عمارات میں ساڑھے آٹھ ہزار کے قریب مسلمان، قبطی اور یہودی لڑکے اور مختلف مذاہب کی پیرو تقریباً سات آٹھ سو لڑکیاں جدید علوم کی تعلیم پاتی ہیں۔ مرکزی ادارے کی عمارت اور دوسرے کالجوں پر لاکھوں پاؤنڈ صرف ہوئے۔ ہال کی وسعت کا اندازہ اس چیز سے کیجیے کہ یہاں پانچ ہزار بڑی مخملیں کرسیاں بچھی ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ مشرق کی بہترین یونیورسٹی ہے

نیل کے ایک طرف مشرق کا دور دورہ ہے اور دوسری جانب مشرق اور مغرب ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو رہے ہیں۔ ازہر کی تعلیم خالص مشرقی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے اور طلبہ کا لباس دیکھیے، تو وہ بھی سراپا مشرقی ہے۔ اُدھر جامعۂ مصریہ کی تعلیم مغربی معیار کی ہے۔ اس کے طلبہ کا لباس بھی مغربی ہے۔ ہاں ترکی ٹوپی مشرق و مغرب کے امتزاج کے لیے ایک کڑی کا کام دیتی ہے

جامعۂ ازہر | جامعۂ ازہر ایک ہزار سال پُرانی یونیورسٹی ہے۔ مدت سے یہ پُرانی روش پر

چلی آرہی تھی۔ اساتذہ لکڑی کے تختوں پر بیٹھ کر سامنے کتابیں رکھتے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیتے۔ عام طور پر لغتِ عامیہ میں تعلیم دیتے۔ شیخ الجامعہ حضرت مصطفیٰ المراغی (مرحوم) نے جب دیکھا کہ دنیا کے ہر ادارے میں ایک انقلابی لہر دوڑ رہی ہے۔ ہر چیز میں بنیادی تغیرات رونما ہو رہے ہیں۔ لیکن ازہر ابھی تک اپنی پرانی ڈگر پر چل رہا ہے، تو اُنھوں نے جامعۂ ازہر کے طریقِ تعلیم کو بدلنے کے لیے آواز بلند کی۔ قدامت پسند بدک اُٹھے۔ کچھ نے ناک بھوں چڑھائی۔ لیکن شیخ الجامعہ کی شروع کی ہوئی تحریک کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ کیونکہ ملک بھر میں بادشاہ کے بعد یہی شخصیت سب سے زیادہ واجب الاحترام سمجھی جاتی ہے۔ شیخ الجامعہ مصطفےٰ المراغی کی تحریک کامیاب ہوئی۔ جامعۂ ازہر کے نظام کی کایا پلٹ گئی۔ پرانے طور طریقے ختم ہو گئے۔ تمام کمروں میں جدید قسم کی کرسیاں رکھی گئیں۔ پروفیسر کتاب سے پڑھانے کی جگہ لیکچر دینے لگے۔ آج کل یہاں قریش کے لہجے میں نہایت فصیح و بلیغ زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔

جامعۂ ازہر کا ماحول بدلنے کے لیے کیمبرج اور آکسفورڈ کی طرز پر "مدینۃ الازہر" کے نام سے ایک تعلیمی شہر کے قیام کی تجویز ہوئی۔ دراستہ اور عباسیہ کے درمیان میلوں تک پھیلی ہوئی زمین اس کام کے لیے منتخب ہوئی۔ یہاں پرانی عمارتیں مسمار کر کے جامعۂ ازہر کے مرکزی ادارہ ماتحت درس گاہوں اور اقامت خانوں کی تعمیر پر لاکھوں روپے صرف ہو رہے ہیں اور غالباً ۱۹۵۵ء تک یہ کام مکمل ہو جائے گا۔

جامعۂ ازہر کے ماتحت کئی کالج اور سکول قائم ہیں۔ مصر میں کالج کو "کلیۃ" اور سکول کو "معہد" کہتے ہیں۔ مشہور کلیے یہ ہیں:-

(ا) کلیۃ اصول الدین: اس کلیہ میں فلسفہ، توحید، وعظ و ارشاد، تاریخ اور دوسرے دینی اصول کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان علوم کے الگ الگ شعبے قائم ہیں۔ جن کے باقاعدہ صدر اور نائبین مقرر ہیں۔

(ب) کلیۃ الشریعہ: اس میں فقہ، تفسیر، حدیث، احکام قرآن اور اسی قسم کے دوسرے علوم

کی تعلیم کا بندوبست موجود ہے۔

(ج) كلية اللغة العربية: اس ادارے میں صرف ونحو، بلاغت وادب اور معانی و بدائع اور بیان کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(د) القسم العام: یہ ادارہ وہ ہے، جہاں طرزِ تعلیم ایک ہزار سال پہلے کا ہے اور اسے دیکھ کر عہدِ فاطمین کا ازہر یاد آجاتا ہے۔ یہ ادارہ ازہر کی مسجد "جامع ازہر" میں قائم ہے۔ یہاں عجیب منظر ہوتا ہے۔ ایک بڑے تخت پر بوڑھے اساتذہ اور مشائخ بیٹھے ہوتے ہیں۔ سامنے آٹھ سال سے اسّی سال کی عمر تک کے بچے، جوان اور بوڑھے جانوروں کی کھالوں پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ یہاں آپ کو لائق سے لائق اور جاہل سے جاہل علما مل سکتے ہیں۔ امتحان کی کوئی پابندی نہیں چاہئیں تو امتحان دے دیں۔ ورنہ آپ کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ یہاں مصر کے نوکر پیشہ اور تاجر لوگ بھی آکر عربی کی کچھ تعلیم حاصل کر لیتے ہیں۔ مصر کے باہر سے آنے والے جن لوگوں کو عربی کا بہت کم علم ہوتا ہے، انھیں کچھ عرصہ یہیں گزارنا پڑتا ہے۔ ہمارے یاں کے بعض لوگ جب قاہرہ پہنچ کر ازہر دیکھنا چاہتے ہیں، تو ٹرام یا بس والا انھیں "جامعۂ ازہر" یعنی ازہر کی مسجد سمجھ کر قسم العام میں لے جاتا ہے اور ہمارے لوگ اسی کو جامعۂ ازہر سمجھ کر اس سے متنفّر ہو جاتے ہیں۔

ازہر کے معاہد (سکول) قاہرہ کے علاوہ اسکندریہ، اسیوط، زقازیق، طنطا، القنا اور شبین الکوم میں قائم ہیں اور مرکزی ادارے سے ان کا باقاعدہ الحاق ہے۔

جامعۂ ازہر میں داخلے اور تعلیم کے لیے کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ حتّٰی کہ نصاب کی کتب بھی مفت ملتی ہیں۔ اقامت خانے کو رُواق کہا جاتا ہے۔ قاہرہ میں تقریبًا ہر ملک کے لیے رُواق قائم ہیں اور ان میں رہنے کے لیے کوئی کرایہ نہیں لیا جاتا۔

ہر ملک کے طلبہ کو پانچ روپے سے ساٹھ روپے ماہانہ تک وظیفے (الجرایا) ملتے ہیں۔ ان کا سرمایہ اُس ملک کے مصر میں موجود اوقاف سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے اوقاف نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان یا پاکستان کے طلبہ کو پانچ روپے ماہانہ سے زیادہ وظیفہ

نہیں دیا جاتا اُور ہمارے ہاں کے طالب علم کو اپنی خوراک وغیرہ پر پچاس روپے کے قریب صرف کرنے پڑتے ہیں ۔

جامعۂ ازہر میں داخلے کے لیے مصریوں پر یہ پابندی ہے کہ وہ حافظِ قرآن ہوں غیر مصری اگر انشاء اُور گفتگو میں کامیاب نکل آئیں، تو اُنھیں داخل کر لیا جاتا ہے، ورنہ کچھ عرصہ قسم العام میں رہنا پڑتا ہے ۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ جامعۂ ازہر دُنیا کی کسی یونیورسٹی کی عربی ڈگری کو نہ تسلیم کرتا ہے اور نہ اُسے کوئی اہمیت دیتا ہے ۔

ازہر کے اساتذہ اور طلبہ کو لازمی طور پر ایک خاص لباس پہننا پڑتا ہے ۔ ہر طالب علم "جلباب" نامی ایک لمبا چوڑا کُرتا پہنتا ہے، جو ٹخنوں تک آتا ہے۔ اس کے اُوپر "قفطان" کے نام سے ایک طویل چغہ پہننا پڑتا ہے ۔ قفطان کے اُوپر کمر سے ایک ریشمی چادر باندھی جاتی ہے ۔ سر پر ایک ہلکی سی پگڑی ۔ اس کے بیچ میں ایک لال ٹوپی اُور ٹوپی پر ایک سیاہ یا نیلا پھندنا ۔ باہر کے طلبہ زیادہ تر ذاتی لباس میں آتے ہیں ۔ کمرۂ جماعت میں داخل ہونے پر یہ لباس پہن لیتے ہیں اور جاتے وقت اس لباس کو اُتار کر کسی الماری میں بند کر دیتے ہیں ۔

تعلیم کا طریقہ سمجھنے کے لیے ہمیں یہ بات مدِنظر رکھنی چاہیے کہ وہاں تفسیر، حدیث، لغت اُور فقہ وغیرہ کے لیے الگ الگ شعبے مقرر ہیں ۔ ہر شعبے میں پروفیسروں کی ایک خاص تعداد ہوتی ہے، جن کا ایک صدر ہوتا ہے اُور ایک نائب صدر ۔ ہر شعبے کے اساتذہ کی جماعت کو ہیئت العلماء کہتے ہیں ۔ ہر ہیئت العلماء سال بھر میں اپنے موضوع کے بارے میں نئے خیالات اُور نئی معلومات کی حامل ایک کتاب شائع کرتی ہے، جس میں اس موضوع پر قدیم وجدید کتابوں کی فہرست بھی موجود ہوتی ہے، تاکہ طالب علم اگر اس موضوع کے کسی پہلو پر مزید معلومات حاصل کرنا چاہے، تو ان کتابوں کا مطالعہ کرلے ۔ ہیئت العلماء کی سالانہ کتاب ہر طالب علم کو مفت دی جاتی ہے اُور اسے "مذکّرات" کہا جاتا ہے ۔

پروفیسر طلبہ کو کہتے ہیں کہ وہ مذکّرات کے فلاں حصّے کا مطالعہ کریں ۔ دوسرے دن اسی پر

لیکچر ہوتا ہے۔ پھر بحث ہوتی ہے۔ اگر طالب علم بحث کے دوران میں کوئی نئی بات پیش کریں، تو اُسے آئندہ سال کے مذکرات میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح طلبہ میں اجتہادانہ فکر کا شوق تیزی سے بڑھتا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مذکرات کو غیر طالب علم لوگ حاصل نہیں کر سکتے۔

امتحانات دو حصّوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ اوّل تحریری، دوم تقریری یا "شفوی"۔ چونکہ مصری اپنی زبان آسانی سے بول سکتے ہیں، اس لیے اُن کے لیے شفوی سے کہیں زیادہ تحریری امتحان مشکل ہوتا ہے۔ چونکہ غیر مصریوں کے لیے اوّلین ضرورت یہ ہوتی ہے کہ وہ عربی میں بات چیت کر سکیں، اس لیے اُن کے لیے شفوی امتحان زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

شفوی امتحان کا طریقہ بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ چھے پروفیسروں کا ایک بورڈ یا "لجنہ" بیٹھتا ہے۔ ان میں سے ایک صدر ہوتا ہے۔ لجنہ کا صدر یا "رئیس" طالب علم سے کہتا ہے:۔

> "اے شیخ فاضل۔ تھوڑے سے وقت کے لیے فرض کر لو کہ تم ہمارے اُستاد ہو اور ہم تمھارے شاگرد ہیں۔ بس یُوں سمجھو کہ ہم بچّے ہیں اور تمہیں ہم لوگوں کو فقہ کا فلاں مسئلہ، تفسیر کا فلاں پہلو، ادب کی وُہ فصل اور فلاں ادیب کا یہ نظریہ بہت واضح طور پر سمجھانا ہے"۔

سب سوالوں کا جواب عربی میں دینا پڑتا ہے اور سوالات کی بوچھاڑ ہوتی رہتی ہے اور ایک ہی طالب علم کا امتحان کئی کئی گھنٹے تک ہوتا رہتا ہے۔ یہ امتحان عالم کی ڈگری کے لیے ہوتا ہے، جسے ازہر میں "شہادۃ العالمیہ" کہتے ہیں۔ غیر مصریوں کے لیے تین ڈگریاں ہوتی ہیں۔ شہادۃ الاجازۃ، شہادۃ الاہلیۃ اور شہادۃ العالمیہ۔ ہر ڈگری کے لیے چار سال کا عرصہ صرف کرنا پڑتا ہے، گویا شہادۃ العالمیہ کے لیے عمر کے بارہ سال صرف کرنے پڑتے ہیں۔

مصری ڈگریوں کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ ہائی سکول کی تعلیم کے بعد چار سال کی پڑھائی سے "الشہادۃ العالیہ" کی ڈگری ملتی ہے۔ کسی خاص مضمون میں مکمل تعلیم کے سلسلے میں "الشہادۃ التخصص" ملتی ہے۔ اس میں مضمون کے اعتبار سے دو سال سے پانچ سال تک کا عرصہ لگتا ہے۔ سب سے

آسان تخصص وعظ و ارشاد کا ہے۔ اس میں دو سال لگتے ہیں اور طالب علم کسی مسجد کا خطیب بن سکتا ہے اور سب سے مشکل تخصص بلاغت و ادب کا ہوتا ہے، جس کے لیے پانچ سال کی تعلیم ضروری ہے اور امتحان اتنا مشکل ہوتا ہے کہ اسے آج تک کسی غیر مصری نے پاس نہیں کیا۔ سب سے بڑی سند "شہادۃ العالمیۃ المصریہ" کی ہے، جسے پاس کرنے والے پروفیسر مقرر ہو سکتے ہیں۔

عصرِ حاضر کے تقاضوں سے مجبور ہو کر انگریزی، فرانسیسی، فارسی، ترکی اور جاپانی زبانوں کی معمولی تعلیم کا بندوبست بھی موجود ہے۔

جامعۂ مصریہ

جدید علوم کی یونیورسٹی جامعۂ مصریہ آج سے تقریباً تیس برس پہلے شاہ فواد اوّل نے قائم کی تھی۔ اس کے اہم کالجوں یعنی کلیات کے نام ملاحظہ ہوں۔

کلیۃ الآداب	Arts College
کلیۃ الحقوق	Law College
کلیۃ الزراعۃ	Agricultural College
کلیۃ الطب	Medical College
کلیۃ التجارۃ	Commerce College
کلیۃ الصیدلہ	Medical College (Surgery)
کلیۃ العلوم	Fine Art College
کلیۃ ارکان الحرب	Military Training College
کلیۃ الفنون	Industrial College

ہمارے ہاں کے کالجوں کی طرح جامعۂ مصریہ کے کالجوں کے بھی اپنے مجلّے نکلتے ہیں۔

ذریعۂ تعلیم عربی ہے۔ عربی ادب کی اعلیٰ تعلیم کا خاص انتظام ہے اور مشرق و مغرب کی کئی اور زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مثلاً انگریزی، فرانسیسی، جرمن، یونانی، اطالوی، سریانی، عبرانی، حبشی،

ترکی، فارسی اور اُردو۔ جامعۂ مصریہ کے چانسلر کو رئیس اعلیٰ کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں اس عہدے پر ہمیشہ گورنر فائز ہوتا ہے۔ لیکن مصر میں یہ اعزاز وزیر معارف کو دیا جاتا ہے۔ وائس چانسلر کو "مدیر الجامعہ" کہتے ہیں۔ پرنسپل کو "عمید" کہا جاتا ہے۔ پروفیسروں کے چار درجے ہیں۔ اوّل، الاستاذ۔ دوم، مساعد الاستاذ۔ سوم، المدرس۔ چہارم، المحاضر (لیکچرر) اور ریسرچ سکالر کو "معید" کہا جاتا ہے۔

دلچسپی کے لیے دوسری اصطلاحات کا ترجمہ بھی ملاحظہ کیجیے:۔

السنة الاولیٰ	First year
السنة الثانیہ	Second year
السنة الثالثہ	Third year
السنة الرابعہ	Fourth year
شهادة الليسانس	B.A.
شهادة الماجستير	M.A.
الدكتوراه فی الفلسفہ	Ph.D.
الدكتوراه فی الادب	D. Litt
مع الامتیاز	Hons.
رتبة الشرف	First Division
رتبة الجید	Second Division

جامعۂ مصریہ میں داخلے کی فیس اوسطاً پچیس روپے ماہانہ ہوتی ہے۔

اس یونیورسٹی کے اساتذہ میں مصر کے مشہور ادبا، مورخین و فلاسفہ شامل ہیں۔ جن میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، مصطفےٰ باشا عبدالرزاق اور ڈاکٹر منصور بک فہمی جیسی بڑی بڑی شخصیتوں کا نام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ تینوں اب یہاں سے ریٹائر ہوچکے ہیں۔ اس وقت پروفیسروں میں

احمد امین، ڈاکٹر عبدالوہاب، عزام بک، عبدالحمید العبادی، ابراہیم مصطفےٰ، محمد عوض محمد اور ڈاکٹر ابراہیم پاشا نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۹۳۷ء میں پروفیسر محمد حسن الاعظمی (اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں اور آج کل کراچی میں آل پاکستان عربک سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری ہیں) نے جامعۂ مصریہ کے کلیۃ الآداب کے پرنسپل سے درخواست کی کہ اُردو کی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے۔ بہت مشکل سے فیصلہ ہُوا کہ اُردو کو ایک اختیاری مضمون کی حیثیت دی جائے، یعنی، اس کے نمبر نہ شمار ہوں۔ ڈیڑھ سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ آخری مسلسل کوشش کے بعد ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو پارلیمنٹ نے اُردو کو دوسری مشرقی زبانوں کے برابر درجہ دیا اور شاہِ فاروق نے ایک فرمانِ خاص کے ذریعے اُردو کو یہ درجہ دیا۔ تین سال کا نصاب مقرر ہُوا اور پہلے اور تیسرے سال امتحان قرار پایا۔ نیز اُردو صرف وہی لوگ پڑھ سکتے ہیں، جو عربی اور فارسی دونوں سے واقف ہوں۔ سب سے پہلے جس طالب علم نے اُردو کے امتحان میں کامیابی حاصل کی، اس کا نام محمد حسن زیات تھا اور وہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا سیکرٹری تھا۔ پروفیسر اعظمی اُردو کے پروفیسر تھے اور نصاب میں کلامِ اقبال و غالب اور ہندوستانی نثر نگاروں کے چیدہ چیدہ شاہکار شامل تھے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آج کل اس خدمت پر کون مامور ہے۔

دوسرے تعلیمی ادارے

الجامعہ الامریکیہ کے نام سے امریکہ نے اپنے خرچ پر ایک یونیورسٹی قائم کر رکھی ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ یہاں شام، لبنان اور فلسطین کے وہ عرب اور مصر کے وہ قبطی طلبہ تعلیم پاتے ہیں، جو بعد میں امریکہ جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

کلیۂ دارالعلوم العلیا کا سارا خرچ حکومتِ مصر برداشت کرتی ہے۔ تعلیم، قیام و طعام بلکہ کتابیں تک مفت دی جاتی ہیں۔ دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ازہر کے

معاہد سے فارغ شدہ طلبہ کو یہاں داخل کیا جاتا ہے اور نصاب سات برس کا ہے۔ اس ادارے کا ایک دلچسپ قاعدہ یہ ہے کہ جو طالب علم ایک بار فیل ہو جائے، اُسے خارج کر دیا جائے۔ اساتذہ میں مصر کے مشہور شاعر علامہ علی جارم بک نمایاں ہیں۔

حکومت نے چند سال پہلے گارڈن سٹی (جاردن سیتی) میں لڑکیوں کے لیے ایک ادارہ قائم کیا، جس کا نام معہد التربیۃ للبنات رکھا گیا۔ اس میں اُمورِ خانہ داری، بچوں کی تربیت، آدابِ محفل، اچھی عادات واطوار اور پڑھائی لکھائی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس کی ہیڈ مسٹرس کو الناظرہ کہتے ہیں۔

خوش نویسی کی تعلیم کے لیے قاہرہ کے ایک حصہ عباسیہ میں کلیۃ تحسین الخطوط قائم ہے۔ جس کے نصاب کی مدت چار سال ہے اور چھ قسم کے خط سکھائے جاتے ہیں۔ (۱) النسخ (جس میں عربی کتابیں چھپتی ہیں)۔ (۲) الثلث (طغروں کا خط)۔ (۳) الرقعۃ (خط وکتابت کے لیے) (۴) الدیوانی (شکستہ خط)۔ (۵) الفارسی (نستعلیق)۔ (۶) الکوفی (سیدھی لکیروں والا خط)۔ اساتذہ میں السید ابراہیم الخطاط اور الاستاذ حسنی الخطاط نمایاں ہیں۔

اصلاحیۃ الاحداث۔ یہ ادارہ الجیزہ میں قائم ہے اور اس کی شاخیں قناطر، خیریہ اور طرہ وغیرہ میں قائم ہیں اور مقصد یہ ہے کہ یتیم اور غریب بچوں کو کوئی نہ کوئی کام سکھا کر گداگری سے بچایا جائے۔ آٹھ دس سال کی تعلیم کا انتظام ہے۔ بعض علوم اور صنعتوں کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کو عموماً سرکاری ملازمت مل جاتی ہے۔ قاہرہ کے ادارے میں تیرہ سو لڑکے اور آٹھ سو لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ سال میں چار مہینے کے لیے سب طلبہ اسکندریہ میں ساحل پر خیمے تان کر رہتے ہیں۔ عظیم الشان جشن ہوتا ہے اور طلبہ کی بنائی ہوئی اشیاء کی نمائش ہوتی ہے۔

مندرجۂ بالا کے علاوہ مصر میں بے شمار معہد اور مدارس قائم ہیں۔ حکومت کے ماتحت کام کرنے والے اداروں کو امیریۃ اور آزاد اداروں کو حرۃ کہتے ہیں۔ پرائمری کو الشہادۃ الاولیہ، مڈل کو الشہادۃ الابتدائیہ اور میٹریکولیشن کو بکالوریا کہتے ہیں۔

مصر میں تعلیم یافتہ آبادی کا تناسب تقریباً پینتیس فی صدی ہے۔ جامعۂ ازہر اور کلیہ دارالعلوم العلیہ کے سوا باقی ہر ادارے میں تعلیم مخلوط ہوتی ہے اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، حکومت تعلیم میں بہت دلچسپی لیتی ہے۔ زیادہ تر تعلیم مفت حاصل کی جا سکتی ہے تعلیم یافتہ آبادی کا تناسب بھی اسی وجہ سے بڑھا ہوا ہے۔

چند اعداد و شمار

مصر میں ابتدائی اور ثانوی مدارس کی تعداد سات ہزار چار سو پندرہ ہے۔ ان میں ساڑھے تیرہ لاکھ سے زیادہ بچے تعلیم پاتے ہیں۔ کالجوں کی تعداد پچپن ہے، جن میں طلبہ کی تعداد بیس ہزار کے قریب ہے۔ جامعۂ مصریہ میں ۸۳۹۶ لڑکے اور ۱۳۱۷ لڑکیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ کلیۃ دارالعلوم العلیہ میں دو ہزار سے زائد لڑکے اور چونسٹھ لڑکیاں داخل ہیں۔ بیرونی ملکوں کے سکولوں اور کالجوں کی تعداد ۳۲۲ ہے اور ان میں طلبہ کی تعداد ستر ہزار کے قریب ہے۔

ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں اس وقت ساڑھے چودہ لاکھ کے قریب طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ آبادی کے ملک میں یہ اعداد و شمار بہت حوصلہ افزا ہیں۔

خطبۂ افتتاحیہ مجلسِ ترمیمِ نصاب

از

میاں افضل حسین

خواتین و حضرات!

میں اس حقیقت سے باخبر ہُوں کہ آپ جس اہم کام میں مصروف ہونے والے ہیں، اس سے کسی حیثیت سے وابستہ ہونا، بہت بڑی عزّت کا باعث ہے اور مَیں اعتراف کرتا ہوں کہ جس وقت ڈائرکٹر صاحب سررشتۂ تعلیم نے مجھے آپ کے اجلاس کی کارروائی کے افتتاح کی دعوت دی، تو مجھے بے انتہا حیرت ہُوئی۔ یقین کیجیے۔ میں نے اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی کہ مجھے اپنی زندگی کے کسی حصّے میں اس پیچیدہ فن کی تربیت حاصل کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، جسے 'پڈگوگی' کہتے ہیں اور نہ مَیں نے کبھی کسی سکول میں تدریس کے دشوار فرائض ادا کیے ہیں۔ میں نے مسٹر شریف سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں بچّے کی نفسیات سے قطعاً بے خبر ہوں اور مَیں نے اپنے بچوں کی تعلیم میں بھی صرف اسی قدر دلچسپی لی ہے، جو ایک عام باپ کا شیوہ ہوتا ہے۔ مَیں نے یہ بھی عرض کیا کہ میں سکول کی تعلیم کے مسائل کا علم نہیں رکھتا اور میرے موجودہ ذہنی زاویۂ نگاہ اور میری سکول کے زمانے کی ذہنیت کے درمیان کوئی نصف صدی کا خلا حائل ہے۔ لیکن مسٹر شریف نے ایک مدرّس یا یوں کہنا چاہیے کہ ایک ڈائرکٹر کی طرح میرے اعتراضات کو رد کر دیا اور مجھے بتایا کہ مَیں ایک تعلیمی ادارے کے اندر خاصے لمبے آزمائشی زمانے کے دوران میں وہ مخصوص تربیت حاصل کر چکا ہوں اور ان کی رائے اور اطمینان کے مطابق وہ تمام ضروری اوصاف مجھ میں پیدا ہو چکے ہیں، جو مجھے تفویض ہونے والے کام کے لیے مطلوب ہیں۔ مجھے بالکل معلوم نہیں کہ وہ اوصاف کیا ہیں۔ لیکن شریف صاحب کو یقین ہے کہ

مجھ میں ابھی تک اپنا سبق یاد کرنے، ایک نئے کام میں اپنے آپ کو لگانے اور متضاد دعوؤں کے درمیان توازن قائم رکھنے کی قابلیت موجود ہے۔ ایک نئی قائم شدہ سلطنت میں ہر شخص کو اطاعت سیکھنی پڑتی ہے۔ چنانچہ آپ کے ڈائرکٹر صاحب کے حکم کی اطاعت ہی ہے جس کی وجہ سے مَیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

انسانی سرگرمی کے دو شعبے ایسے ہیں، جن پر باخبر، کم خبر اور قطعی بے خبر حلقوں کی طرف سے متواتر اور بے دردانہ تنقید ہوتی رہی ہے۔ وہ دو شعبے ہیں، سیاسیات اور تعلیمات۔ کوئی شخص کتنا ہی ذہین و باخبر ہو۔ لیکن عوارض جسمانی کی حالت میں ضرور ڈاکٹر سے مشورہ کرے گا۔ عمارت بنانی ہو، تو انجنیر کے پاس جائے گا۔ کسی قانونی عدالت میں مقدمہ لڑنا ہو، تو کسی وکیل کی خدمات حاصل کرے گا۔ لیکن سیاسیات اور تعلیمات کا حال بالکل دُوسرا ہے۔ ان دائروں میں ہر فرد بلا لحاظ قابلیت و تجربہ نہ صرف رائے قائم کرنے کی اہلیت کا دعوے دار ہے، بلکہ اپنی رائے کا اظہار ایسے جوش و خروش سے کرتا ہے، گویا اس موضوع پر اسی کے خیالات صحیح ہیں۔ سیاسیات میں آپ اسے روحِ جمہوریت قرار دے لیجیے۔ اس لیے کہ کم از کم نظریہ کے اعتبار سے تو ہر ووٹر سے یہی توقع رکھی جاتی ہے کہ اس کے بعض قطعی سیاسی عقائد ہوں گے اور وُہ انہی سیاسی عقائد کی روشنی میں اپنا ووٹ دے گا۔ لیکن تعلیمات کے دائرے میں قوتِ تنقید کے استعمال کی یہی غیر محدود آزادی اس امر کی ذمّہ دار ہے کہ ہر پلیٹ فارم کا مقرر اور ہر اخبار کا مضمون نگار اندھا دُھند ہمارے نظامِ تعلیم کو ناکارہ و مردود قرار دے رہا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ ہمیشہ تدریس میں مصروف ہیں، وُہ بھی اس شور و شغب سے متاثر ہو کر اپنے آپ میں کیڑے ڈال رہے ہیں۔ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر شریف نے نہایت چالاکی سے کام لے کر سکول کی تعلیم کے پہلے آٹھ سال کی مدّت کا نصاب تجویز کرنے کے لیے ان تمام لوگوں کو جمع کر دیا ہے، جو کبھی مدرّس تھے، جو اب مدرّس ہیں اور جو کبھی مدرّس نہ تھے۔ عام انسانی احساس یہی ہے کہ "بُود" ہمیشہ "ہست" سے بہتر سمجھا جانا چاہیے۔ "جدید ترین" نہ حال ہے، نہ مستقبل، بلکہ صرف ماضی ہے۔ یہاں ملازمت سے سبکدوش شدہ

مدرسوں کو حال پر اور مدرسین حال کو ماضی پر تنقید کرنے کا موقع ملے گا اور قومی کارکنوں کو اس نصاب کی ذمہ داری میں حصہ لینے کا موقع حاصل ہوگا، جو آپ کے غور و فکر کے بعد نمودار ہونے والا ہے۔ مسٹر شریف کو اُمید ہے کہ اس طرزِ عمل سے تخریبی تنقید کا ہتھیار کُند ہو جائے گا۔

خواتین و حضرات! میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ نہ کوئی نظامِ تعلیم بُرا ہے اور نہ کوئی ایسا نظامِ تعلیم پیدا کیا جا سکتا ہے، جس میں کوئی بھی کمی نہ ہو۔

خواتین و حضرات! میں جانتا ہوں کہ جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے، وہ آسان نہیں۔ آپ کو ایک ایسے سفر کا پروگرام بنانا ہے، جس کے مرحلے بھی آپ کو معلوم ہوں گے اور منزلِ مقصود بھی۔ لیکن آپ یہ بالکل نہیں جانتے کہ اس سفر میں کون سی سواری کام آئے گی۔ آپ کو ایک عمارت کا خاکہ تیار کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ لیکن آپ کو معماروں اور کاریگروں کی قابلیتوں اور عمارت سازی کے مسالے کی نوعیت کا کوئی علم نہیں۔

غور کیجیے، تو یہ بات نہایت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ انسان نے اپنی مادّی ضروریات کی تکمیل، اپنی آسائش کے حصول اور اپنی مسرتوں میں اضافے کے لیے تو سائنس کے اکتشافات سے استفادہ کرنے میں بڑی ترقی کی ہے۔ لیکن اپنی سریع ذہنی ترقی یا تعلیم کے ذرائع دریافت کرنے میں ان وسائل سے بہت ہی کم فائدہ اُٹھایا ہے۔ مثلاً ہم نے رسل و رسائل کے طریقوں کے ارتقاء میں کئی منزلیں طے کی ہیں۔ پیدل سفر کیا۔ سواری کے جانوروں سے کام لیا۔ پہیے دار گاڑیوں کو جانوروں سے کھچوایا۔ پھر بائیسکل، بھاپ اور موٹر کی سواریاں اور ہوائی جہاز بنائے۔ دوسرے لفظوں میں یُوں کہنا چاہیے کہ تین میل فی گھنٹہ یا شاید دس میل فی دن سے لے کر ہم چار سو میل فی گھنٹہ اور شاید دس ہزار میل فی دن کے پیمانے تک ترقی کر چکے ہیں۔ گویا ہم اپنے ذرائع نقل و حمل کو ایک سو سے لے کر ایک ہزار گنا بہتر سرعت سے کام میں لا رہے ہیں۔ لیکن دوسری طرف اسی زمانے کے اندر ہم اپنے نظامِ تعلیم کے معاملے میں زبانی جمع خرچ سے آگے بڑھ کر زبانی جمع خرچ اور زیادہ سے زیادہ مطبوعہ کتابوں تک ترقی کر سکے ہیں۔ علی العموم تعلیم میں آلاتی (میکینکل) امداد سے اب تک بہت ہی

کم کام لیا گیا ہے اور پاکستان میں تو سرے سے لیا ہی نہیں گیا۔ اب ایک مقابلہ کیجیے۔ انسان کے قدیم ترین فنون میں سے دو زراعت اور تعلیم ہیں اور دونوں میں ہمارے طور طریقے نہایت قدیم اور فرسودہ ہیں۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ دوسرے ملکوں میں زراعت کے متعلق کیا کچھ کیا جا رہا ہے۔ آلاتی عمل ایسے مرحلے پر پہنچ چکا ہے کہ ٹریکٹر اور اس کے متعلقہ آلات کی مدد سے کپاس کی کاشت کی جاتی ہے۔ شعلہ افگن آلہ جڑوں کو جلانے میں کام دیتا ہے۔ ہوائی جہازوں سے کپاس کے کھیتوں پر جراثیم کُش دوائیں چھڑکی جاتی ہیں اور کپاس فصل پک جانے سے ایک ہفتہ پہلے "سایناماِیڈ" کا ایک مرکب استعمال کیا جاتا ہے، جس سے پتے خود بخود جھڑ جاتے ہیں۔ پتوں کے جھڑ جانے کے بعد کپاس چننے کی مشین چلادی جاتی ہے، جو ایک گھنٹے میں ایک ہزار پاؤنڈ کپاس اُتار کے رکھ دیتی ہے اور یاد رکھیے کہ ایک گھنٹے میں ایک آدمی پندرہ پاؤنڈ سے زیادہ کپاس نہیں چن سکتا۔ یہ مشین دن بھر بھی کام کرتی ہے اور رات کو پیشانی کے لیپ روشن کر کے اس سے برابر کام لیا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف امریکہ میں بھی جہاں زندگی میں تمام دائروں کے اندر سائنسی عوامل سے کام لینے میں بہت ترقی ہوئی ہے اور تعلیم میں ریڈیو اور فلم سے خاصا کام لیا جا رہا ہے۔ تعلیم کو "آلاتی" بنانے میں کچھ زیادہ ترقی نہیں کی گئی۔

میں اب آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ مثلاً دس سال کے ایک بچے کا پروگرام سائنٹیفک نظامِ تعلیم میں کیا ہوگا۔ میرے نزدیک وہ بچہ اپنی ڈائری میں یوں لکھے گا:۔

صبح ساڑھے چھے بجے ایک بس میں سوار ہو کر سکول پہنچا۔ بیس منٹ ورزش جسمانی پر صرف کیے۔ جس میں مکّہ بازی اور ہوائی بندوق کے ساتھ فوجی ڈرل بھی شامل تھی۔ پھر تیرنے کے حوض میں کود کر غسل کیا اور سکول کی صاف ستھری وردی پہنی۔ اس کام پر مزید بیس منٹ صرف ہوئے۔ پھر پندرہ منٹ تک گراموفون پر تلاوتِ قرآن مجید کا سبق لیا۔ اس کے بعد سینما کی مشین سے پندرہ منٹ تک مغربی پنجاب کی نہروں کے جغرافیے پر سبق حاصل کیا۔ پھر پندرہ منٹ تک ایک بولتی ہوئی فلم سے آکسیجن کی تیاری اور اُس کے خواص کا علم حاصل کیا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد

پنتالیس منٹ تک سائنس کی لیبارٹری میں عملی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد دودھ کا ایک گلاس پیتے ہوئے، دس منٹ تک پاکستان ریڈیو سے ایک اخلاقی ڈراما سُنا۔پنتالیس منٹ ریاضی کی کلاس میں بیٹھا۔مطالعہ اور تلفظ پر دس منٹ گراموفون کا سبق لیا۔پھر اس سبق کو ایک صوتی آلہ پر دُہرایا۔معلوم ہوا کہ میرا تلفظ ناقص ہے۔چنانچہ اسی سبق کو دو دفعہ دُہرانے کا حکم ملا۔بیس منٹ اس میں صرف ہوئے۔اس کے بعد سینما سے یہ سبق لیا کہ اکبر بادشاہ کے عہد میں لاہور کی زندگی کا کیا حال تھا۔ذہانت، حافظہ اور الفاظ سازی کے کھیلوں میں پنتالیس منٹ مصروف رہا۔ہمارے اُستاد بھی ہمارے ساتھ ان کھیلوں میں شریک رہے۔گھر پر کرنے کو یہ کام ملا کہ پنسل سے اس ہوائی جہاز کا خاکہ تیار کروں، جو میں سکول کی ورکشاپ میں خود بنا رہا ہوں۔اس کے علاوہ تیتریاں جمع کرنے کا کام بھی دیا گیا۔

خواتین و حضرات! کیا آپ کے نزدیک نصاب کی تجویز سے پہلے ان طریقوں کے متعلق معلومات فراہم کرنا مناسب نہ ہوگا، جو ہم آئندہ پاکستان کی تعلیم میں اختیار کرنے والے ہیں؟ اگر میرا اختیار ہوتا، تو میں درسی نصاب کی تجویز سے پہلے گراموفون، سینما مشین، تعلیمی ریکارڈ اور فلمیں بنانے کا منصوبہ تیار کرتا۔

تعلیم میں سائنٹیفک آلات کی امداد کے ساتھ ہی ساتھ عمدگی کار کا معیار اور اس معیار کے حصول کا طریق مدرسین کی نوعیت پر منحصر ہے، جو آپ کو اس کام کے لیے مہیا کرنے ہوں گے۔ ہمیں اب تک یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کس نمونے کے مدرس ہوں گے، جن کے ہاتھوں میں آپ کا تیار کردہ درسی نصاب سپرد کیا جائے گا۔

مکرر گزارش ہے کہ جس نصاب سے آپ کا سابقہ پڑے گا، وہ بے حد گوناگوں ہوگا۔ آپ کے پاس ایسے گھر کا ایک بچّہ بھی آئے گا، جس میں اس کے ذہنی ارتقا کے لیے مناسب ماحول موجود ہوگا۔ پھر ایک ایسے گھر کا بچّہ بھی ہوگا، جس کی فضا ذہنی ترقی کے لیے نہایت ناموافق ہوگی۔ گویا آپ گوناگوں اور متنوع قسم کا مسالہ ان معماروں کے سپرد کریں گے، جن کی قابلیت کے متعلق

آپ کو کوئی علم نہیں اور جو اوزار ان معماروں کو مہیا کیے جائیں گے، ان کو بھی آپ بالکل نہیں جانتے۔

اس کیفیت میں آپ کو انھیں حالات پر اکتفا کرنا پڑے گا، جن میں پاکستان کے دیہاتوں اور شہری باشندوں کی زندگی بسر ہو رہی ہے۔ آپ کو ایک ایسا نصاب تیار کرنا ہے، جو کم تنخواہ پانے والے مدرسین ایسے سکولوں میں پڑھائیں گے، جن میں کافی سامان نہ ہوگا۔ درسی نصاب اگر حقیقت پر مبنی ہوگا، تو انھیں حالات کو پیشِ نظر رکھ کر بنایا جائے گا۔ لیکن پھر بھی آپ کو کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے منصوبوں کی ایسی تشکیل کریں کہ بدلے ہوئے حالات میں ان میں ارتقا کی گنجائش رہے اور یہ اُمید رکھیے کہ حالات میں بہت سُرعت سے خوش گوار تغیر پیدا ہو جائے گا۔ ممکن ہے، ہم اپنے اس اجلاس کی کارروائی کے آخر میں یہ سفارش کر دیں کہ مجلس ترمیم نصاب کو مستقل کر دیا جائے۔ تاکہ وہ ہمیشہ ملک کی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ نصاب کی ترمیم برابر کرتی جائے۔

تعلیم میں ہمارا نصب العین

کسی مجلسی تنظیم کی عظمت بالآخر اپنے افراد کی جسمانی، ذہنی اور اخلاقی حیثیت ہی پر منحصر ہوتی ہے اور چونکہ ابتدائی تربیت سے ان اوصاف میں بہتر اضافہ کیا جا سکتا ہے، اس لیے آپ میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ حتی الامکان قلیل سے قلیل مدت کے اندر اپنے زیادہ سے زیادہ شہریوں میں ان ذمہ داریوں کا صحیح احساس پیدا کر دیں، جو ان پر ایک آزاد مسلم حکومت کے شہری ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتی ہیں۔ ان امور کا یقینی بندوبست کرنا ہمارا فرض ہونا چاہیے کہ ہماری سلطنت کا ہر شہری جسمانی اعتبار سے مضبوط ہو۔ کافی علم سے بہرہ ور ہو۔ مؤثر طریق پر سوچ سکے۔ اپنے خیالات وضاحت اور درستی سے ظاہر کر سکے۔ صحیح فیصلے کر سکے اور زندگی سے حظ اُٹھا سکے۔ صرف ایسا ہی فرد اس قابل ہوگا کہ اپنی ذمہ داریوں کو مفید اور دیانت دارانہ طریق پر پورا کر سکے اور مکمل زندگی بسر کر سکے۔

پہلے آٹھ سالوں میں نصاب کی اہمیت

آپ جو نصاب تیار کرنے والے ہیں، ان کی اہمیت دوگونہ ہے۔

اس مرحلے پر جو تعلیم دی جاتی ہے، وہ ایک ایسی بنیاد ہے، جس پر ٹیکنیکل اور پروفیشنل اعلےٰ تعلیم کے قصر تعمیر کیے جانے والے ہیں۔ اس کے علاوہ اس مرحلے پر تعلیم زیادہ سے زیادہ طلبہ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایک ایسا نصاب درسی تیار کرنے کی انتہائی کوشش کی جائے، جو تعلیم حاصل کرنے والے بچّوں کو بہتر سے بہتر فائدہ پہنچا سکے۔

عُمر اور علم

عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ سمجھنے اور سیکھنے کی اہلیت میں اور عمر میں گہرا تعلق ہے۔ مثال کے طور پر اندازہ کیا گیا ہے کہ الجبرا چودہ سال کی عمر کے ان طلبہ کو سکھایا جا سکتا ہے، جو کسی قدر اعلیٰ ذہنی قابلیت رکھتے ہوں۔ لیکن آج کل اس کی تعلیم ایسے انداز سے دی جاتی ہے کہ اس عمر کے طلبہ میں سے نصف کے لیے کم و بیش بے معنی ہوتی ہے۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ اس لیے ہمارے نصابوں کی تجویز کے وقت سمجھنے کی اہلیت اور عمر کا معاملہ ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اگر ایک خاص مرحلے پر کسی مضمون میں فیل ہونے والے طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہو، تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جس عمر کے طلبہ کے لیے ہم نے وہ خاص معیار مقرر کیا ہے، اس کی ذہنی اہلیت و صلاحیت کو بالکل پیش نظر نہیں رکھا؟ یا شاید کسی خاص مضمون کی تدریس میں ہم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ ایک خاص عمر کے طلبہ کے لیے مناسب ہی نہیں۔ یہ ایک ایسا نکتہ ہے، جس پر ہمارے موجودہ حالات میں بہت زیادہ تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ پاکستان جیسے گرم ملک میں سرد آب و ہوا رکھنے والے ملکوں کی نسبت ذہنی پختگی کی منزل جلد تر آ جاتی ہے، اس لیے ہمارے بچّوں کو اپنے ہم عمر یورپی بچّوں سے زیادہ ذہین ہونا چاہیے۔ لیکن بہر حال یہ ایک مفروضہ ہے، جو تجربی ثبوت کا محتاج ہے۔

یہ ممکن ہے کہ بعض مضامین ابتدائی مرحلے پر کسی دوسرے مضمون کی نسبت زیادہ خوبی اور عمدگی سے سکھائے جا سکیں۔ اس لیے مراحل کے مطابق درسی نصاب تجویز کرتے وقت یہ مسئلہ ذہن میں ضرور رکھنا چاہیے۔

جو لوگ بچّوں کے لیے تعلیمی پالیسی کی رہنمائی کرتے ہیں، وہ اکثر (ہماری طرح) ایسے ہوتے ہیں، جن کا بچپن گزرے ہوئے بہت مدّت ہوئی ہے۔ لہٰذا ان کے لیے یہ امر قریباً ناممکن ہوتا ہے کہ گزرے ہوئے زمانے پر نظر ڈال کر بچّے کے ذہن کو سمجھ سکیں یا دوسرے الفاظ میں اشیا کو بچّے کے نقطۂ نگاہ سے دیکھ سکیں۔ تاہم اگر مدرس بچّوں کی نفسیات کا مطالعہ وسعت اور احتیاط سے کریں، تو اس مسئلے کو صحیح روشنی میں سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ گو اس حالت میں یہ امر مشتبہ ہے کہ وہ بچّے کے ذہن تک پوری رسائی حاصل کر سکیں گے۔ بعض لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ "بچّہ چونکہ انسان کا باپ" ہوتا ہے، اس لیے اس کو جلد از جلد انسان بنانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن یہ بچّے کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔ یہ بات اچھی تعلیم کے مفاد کے خلاف ہے کہ بچّے کو ان مسائل میں اُلجھا دیا جائے، جو اس کی عمر سے بالا ہوں۔ اگر تعلیم سے بہترین نتائج حاصل کرنے کی خواہش ہے، تو اُسے ہیبت ناک نہیں، بلکہ مسرت بخش اور زیادہ سے زیادہ دلکش و دلفریب بنانا چاہیے۔

کون سے معیار حاصل کرنے ہیں :-

آپ کے سامنے شاید سب سے زیادہ مشکل کام یہ ہے کہ ہر درسی مضمون میں ہر مرحلے پر یا تعلیم کے آٹھ سالوں میں کون سے معیاروں کو نصب العین قرار دیا جائے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ معیاروں تک پہنچنا بہت سے لوازم پر منحصر ہے۔ غالباً سب سے اہم لازمہ یہ ہے کہ بچّے کی اصلی و فطری ذہانت کیسی ہے۔ بچّے کا ماحول کیسا ہے اور اس میں یہ سوال بھی شامل ہیں کہ والدین اور دوسرے افرادِ خاندان کی تعلیم کس درجے کی ہے۔ کنبے کی معاشرتی حیثیت کیا ہے۔ والدین کی آمدنی کیا ہے۔ ان کے وسائل کیا ہیں۔ وہ دیہاتی ہیں یا شہری۔ پھر یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ بچّے کو غذا کیسی ملتی ہے۔ سکول میں یہ دیکھنا لازم ہو گا کہ تعلیم کا سامان کیسا ہے اور مدرس کی قابلیت کا کیا حال ہے۔ بچّے کے ماحول کا کوئی ایک جزو بھی اس کے پورے زاویۂ نگاہ میں عظیم تفاوت پیدا کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ایسے بچّے کو صفائی سکھانے میں کیا کامیابی

ہوسکتی ہے، جب اپنی کلاس کے کمرے میں پھٹی پرانی اور میلی چٹائی پر، بلکہ ناصاف اور گندے فرش پر بیٹھنا پڑتا ہو۔ پھر غور کیجیے کہ کسی گھر میں ریڈیو سٹ کا ہونا بچّے کے لیے کس قدر عظیم فائدے کا موجب ہوسکتا ہے۔

ایک عملی مفروضے کے طور پر شاید آپ انہی معیاروں کو نصب العین بنائیں، جو اسی عمر کے بچّے دوسرے ملکوں میں حاصل کر لیتے ہیں۔ مختلف سب کمیٹیوں کے لیے یہ کام بہت دلچسپ ہوگا کہ وہ برطانیہ، امریکہ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، رُوس اور جاپان کے سکولوں کے معیاروں کا موازنہ کریں اور انھیں پر اپنے معیاروں کی بنیادیں رکھیں۔

ہوسکتا ہے کہ آپ مدرسین کی تعداد اور نوعیت، سکولوں کی بے سروسامانی اور تعلیم کے عام پست معیار کے باعث پیشِ نظر معیاروں تک سالہا سال میں بھی نہ پہنچ سکیں۔ لیکن بہرحال ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے سامنے معیار بلند ہی رکھیں۔

الگ الگ محکمے

بدقسمتی سے ہمارے نظامِ تعلیم کے تمام مرحلوں پر وہ چیز پائی جاتی ہے، جسے "محکمانہ ذہنیت" کہنا چاہیے۔ مثلاً سائنس کا مدرّس اپنے مضمون کو تمام دوسرے درسی مضامین سے الگ ایک مستقل چیز سمجھتا ہے۔ تاریخ کا مدرّس ناموں اور تاریخوں پر بہت زیادہ زور دے گا اور اس بات کو بالکل نظرانداز کر دے گا کہ طالب علم تاریخ کے سوالات کا جواب لکھتے وقت زبان کیسی لکھتا ہے۔ اسی طرح جغرافیے کا مدرّس اپنے علم پر خاص زور دے گا اور اس کو دوسرے درسی مضامین سے ملانے سے بالکل بے پروا رہے گا۔ اس رجحان کی وجہ سے مدرّس اور طلبہ دونوں یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ درسی مضامین اینٹوں کا ایک ڈھیر ہے۔ جس میں ہر اینٹ دوسروں سے اپنی بالکل الگ حیثیت رکھتی ہے۔ اس طرح علم "تجربات کے جزیروں" میں بٹ جاتا ہے۔ جو نہ ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں، نہ کوئی نتائج پیدا کرتے ہیں۔

خواتین وحضرات! آپ لوگ دس سب کمیٹیوں میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ میں آپ سے استدعا

کرتا ہوں کہ اپنے کام میں "الگ الگ محکموں" کی سپرٹ ہرگز پیدا نہ ہونے دیجیے۔جس جس عمر کے بچّوں سے آپ کا تعلق ہے۔اس میں نہ علم کے کسی ایک شعبے کی جامع تربیت پیشِ نظر ہے۔نہ اس کے دو تین اہم شعبوں کی طرف خاص توجہ کرنا مقصود ہے۔بلکہ ہر شعبے کی قدر کے تناسب سے سب شعبوں پر متوجہ ہونا ہوگا۔

نصاب کا اشتراکِ عمل

بچّہ ایک مستقل وحدت رکھتا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک وقت میں اُسے مؤرّخ بنا لیا جائے اور دوسرے موقع پر ریاضی داں میں بدل دیا جائے۔اسی طرح "علم" بھی ایک وحدت ہی ہے۔بچّے کا ارتقا ایک مسلسل چیز ہے۔وہ کوئی برتن نہیں ہے کہ اُسے، ایک وقت میں ایک چیز سے بھر لیں اور دوسرے، وقت اس میں کوئی اور شے ڈال دیں۔اس لیے دو پہلوؤں میں نصاب درسی کے اشتراکِ عمل کی ضرورت ہے۔ایک تو وہ اشتراک ہے، جسے بعض اوقات "اُفقی اشتراک" کہتے ہیں، یعنی ایک ہی معیار میں مختلف درسی مضامین میں اشتراک، پھر ایک "عمودی اشتراک" ہوتا ہے، جو معیاروں اور معیاروں اور عمر بہ عمر میں ہونا چاہیے۔ہمیں اپنے درسی نصابوں کی ترتیب اس طرح کرنی چاہیے، جس سے ایک "ہم آہنگ کُل" پیدا ہو جائے، یعنی ایک درخت ہو، جس کی شاخیں مختلف بلندیوں سے پھوٹ کر مختلف اطراف میں پھیلی ہوئی ہوں لیکن ان کے درمیان ایک زندہ اتحاد ہو۔ہر شاخ دوسری شاخوں سے فائدہ اُٹھائے اور ان کو فائدہ پہنچائے۔

میری تجویز یہ ہے کہ سب کمیٹیاں آپس میں پورا ربط ضبط قائم رکھیں اور ایک مکمّل اور سالم نصاب پیدا کرنے کی غرض سے مشترک اجلاس منعقد کیا کریں۔خاص کر سائنس اور مذہب کی سب کمیٹیوں کے لیے یہ ارتباط بہت اہم ہوگا۔

سائنس اور مذہب

ایک زمانہ تھا، جب مذہب کے شیدائی سائنس کو تخلیق شیطانی قرار دیتے تھے گیلیلیو کو مجبور کیا گیا کہ وہ برسرِ عام حلف اُٹھا کر اس علمی حقیقت کی تردید کرے کہ بعض سیارے سورج کے

گرد گھومتے ہیں اور زمین اپنے محور کے گرد گھومتی ہے۔ آکسفورڈ کا پادری ولبر فورس، ڈارون کے نظریہ ارتقائے انسانی کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ اس نے ایک مباحثہ کے دوران میں سوال کر دیا کہ آیا ڈارون اپنے باپ کی طرف سے بندر کی نسل سے ہے یا ماں کی طرف سے؟ بعض امریکن ریاستوں میں نظریۂ ارتقا کی تعلیم قطعاً ممنوع تھی۔

لیکن مسلمان کبھی اس قسم کی لغویت میں مبتلا نہیں ہوئے۔ قرآنِ حکیم نے بار بار مظاہر قدرت، لیل و نہار، انجم و سماوات، بارش اور نباتات، تخلیق حیات اور ارتقائے حیات، جنینِ انسانی کی تشکیل اور جنس کے ارتقا کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لیکن بے حد تعجب کا مقام ہے کہ ہمارے ہاں کے بعض لوگوں نے بھی اکثر سائنس کو منافیِ دین سمجھا اور اس کے مطالعہ کی ہمت افزائی نہیں کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان تمام جدید سائنسی علوم میں پیچھے رہ گئے۔ ہمیں اس ضائع شدہ وقت کی تلافی کرنی ہے۔ سائنس ہر طالب علم اور طالبہ کے لیے لازمی مضمون ہونا چاہیے۔ اس کی تعلیم ابتدائی جماعتوں ہی سے شروع ہو جانی چاہیے اور بلند معیار تک پہنچنے کی کوئی کوشش اٹھا نہ رکھنی چاہیے۔

ہربرٹ سپنسر نے بالکل سچ کہا تھا کہ "سائنس بے دینی نہیں، بلکہ اس کو حاصل نہ کرنا بے دینی ہے۔ سائنس میں انہماک عملی عبادت ہے۔ کیونکہ سائنس سے جن اشیا کا مطالعہ کیا جاتا ہے، ان کی قدر اور ضمناً ان کی علّت کا بھی اعتراف کیا جاتا ہے۔" آگے چل کر سپنسر لکھتا ہے۔ "صرف سائنس ہی ہے، جو اپنی ذات کا اور اسرارِ ہستی سے ہمارے تعلق کا صحیح تصور بخشتی ہے۔ سائنس ہمیں وہ وہ سب کچھ بتاتی ہے، جس کا علم حاصل ہو سکتا ہے اور ہمیں ان حدود تک بھی لے جاتی ہے، جن کے آگے ہمیں کوئی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔" ہکسلے نے کہا ہے کہ سچی سائنس اور سچا مذہب دونوں جڑواں بہن بھائی ہیں۔ ان کو ایک دوسرے سے الگ کرنا دونوں کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ سائنس اسی تناسب سے ترقی کرے گی، جس تناسب سے اس میں مذہبیت ہوگی اور مذہب اسی تناسب سے ترقی کرے گا، جس تناسب سے اس کی بنیادوں میں سائنٹیفک گہرائی اور استواری ہوگی۔

دینی تعلیم | ہمارے سکولوں میں اخلاقی اور دینی تعلیم کی ضرورت اتنی شدید ہے کہ اس کے بیان کی

حاجت نہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ جب تک تعلیم کے ہر درجے میں ان اُمور کو شامل نہ کیا جائے گا، جن میں اقدار اور فیصلوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، تعلیم ہرگز اپنے نصب العین تک نہ پہنچ سکے گی۔ ہر درجے پر بچّے کو اخلاقی اور مادّی دونوں معنوں میں "نیک و بد" کا امتیاز دلانا ضروری ہے، ورنہ اس کا نتیجہ "جزوی اندھے پن" کی شکل میں برآمد ہوگا۔

انسان بحیثیت ایک فرد اور انسان بحیثیت ایک حیوان میں مسلسل کشمکش جاری ہے۔ بچّے کو ان کشمکشوں کے حل کا طریقہ سکھانا اور اوصافِ مجلسی پر زور دینا بے انتہا ضروری ہے۔

لیکن اس راہ میں ایک بڑا خطرہ بھی درپیش ہے۔ بعض اوقات دینی تعلیم کو بنیادی عقائد کی تعلیم سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو ممکن ہے متبائن ہوں۔ اس قسم کے متبائن عقائد سے اجتناب کرنا چاہیے۔ دینی تعلیم کی سب کمیٹی کا کام بہت اہم اور دشوار ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وسیع بنیادوں پر نیک نیتی سے کام لیا گیا، تو موزوں نصاب ضرور تیار ہوگا۔

درسی نصاب اور تعلیمی آزادی

اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ناقابلِ تبدیل نصاب تعلیم و تدریس پر مہلک اثر ڈالتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی سب کو تسلیم ہے کہ کسی قسم کے نصاب کی تعیین کے بغیر معیاروں کی یک آہنگی اور تعلیمی ترقی کی نگرانی ممکن نہیں اور یہ امر قومی نظامِ تعلیم میں بے حد ضروری ہے۔ شاید مدرّسین کی ایک عظیم اکثریت کے نزدیک نہ اس مسئلے کی کوئی اہمیت ہے اور نہ وہ بغاوت کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ باقی رہے، وہ چند افراد، جو نصاب معیّنہ کے حدود کو توڑنا چاہتے ہیں، تو وُہ ہر حال میں اس کا کوئی نہ کوئی ڈھب نکال ہی لیں گے۔ تاہم کوشش ضرور کرنی چاہیے کہ آپ کا بنایا ہُوا نصاب بہت زیادہ جامد اور ساکن نہ ہو، بلکہ اس میں ایسی لچک ہونی چاہیے کہ کبھی کبھی حدود سے تجاوز کی گنجائش بھی نکل سکے۔

نصاب درسی اور امتحانات

یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ مدرّس کی قابلیتِ کار کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ

امتحانات میں اس کے کتنے شاگرد پاس ہوئے اور پھر امتحان کا معیار نصاب معیّنہ کی بنا پر قائم کیا جاتا ہے۔ تعلیم کے ہر نظام میں یہ امر خطرناک ہے۔ جس چیز کی حیثیت محض تجویز کی ہے، اُسے نصب العین بنا لیا جاتا ہے۔ نصاب گویا ایک "رکاوٹ" بن جاتا ہے۔ جس کو کامیابی کے ساتھ پھاند جانے کی تربیت طالب علموں کو دی جاتی ہے۔ ہمارے ہی ملک پر موقوف نہیں۔ ہر ملک کا یہی حال ہے کہ کلاس کے کمرے میں امتحان کی تیاری ہی کو سب سے بڑا مقصد قرار دیا جاتا ہے۔ روز بروز اور ہفتہ بہ ہفتہ شاگردوں کو اسی بات کی مشق کرائی جاتی ہے کہ امتحان میں سوالات کے جواب کیونکر دینے چاہییں۔ اگر ممکن ہو تو ان خطرات کا سدِّباب کرنا چاہیے۔ میرے نزدیک اس امر کا امکان ہے کہ حقیقی تعلیم کو امتحانات، بلکہ نصاب سے بھی بالا رکھا جائے۔

یہ چند پریشان کن خیالات ہیں، جو ایک "غیر ماہرِ فن" شخص نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیے ہیں۔ چونکہ آپ حضرات مسائلِ تعلیم کا ماہرانہ علم رکھتے ہیں اور دولتِ پاکستان کی ضرورتوں کو بھی کماحقہٗ سمجھتے ہیں، اس لیے مجھے یقین ہے کہ آپ ایک متوازن نصاب کی تدوین میں کامیاب ہوں گے اور اس حقیقت کو مدِّنظر رکھیں گے کہ "علم وسیع ہے اور وقت کم ہے"۔ ہمارا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ بچے کی جسمانی و ذہنی ترقی یک آہنگ ہو۔ ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہو اور وہ ہر قسم کی رکاوٹوں کے بغیر علو و رفعت کی منزل پر پہنچ جائے۔ جہاں یہ ضروری ہے کہ حتی الامکان تعلیم ایک مکمل درجے تک ایک ایسی عملی اساس مہیا کر دے، جس پر ہر فرد اپنی مساعی سے ترقی کا محل تعمیر کر سکے، وہاں اسی تعلیم میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کی موزوں و مناسب بنیاد بھی بے حد ضروری ہے۔

مَیں آپ کی کوششوں کی کامیابی کے لیے دست بہ دُعا ہوں۔

(ترجمہ)

تعلیمِ بالغاں

ایک مُعلّم کے قلم سے

کیا بالغ علم حاصل کر سکتا ہے؟

تعلیمِ بالغاں کی ضرورت اور اہمیت کو دیکھتے ہوئے، ہر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ شخص کی توجہ تعلیمِ بالغاں کے مسئلے کی طرف منعطف ہو چکی ہے۔ لیکن مَیں نے اکثر لوگوں کو تعجب کے لہجے میں کہتے سُنا ہے۔ "کیا واقعی بالغ علم حاصل کر سکتا ہے؟" گویا اس طرح سے بالغوں کی دماغی استعداد پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً یہ اعتراض نتیجہ ہے، اس مسلّمہ اور دیرینہ اعتقاد کا کہ بڈھے طوطے کبھی نہیں پڑھ سکتے۔ اس پرانی کہاوت کا بدترین پہلو یہ ہے کہ ہمارے بالغ متعلّمین بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ پڑھنے لکھنے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ اگر ہمارے کہنے سُننے سے وہ پڑھنا لکھنا شروع بھی کر دیتے ہیں، تو ذرا سی دشواری اور معمولی سی رکاوٹ ان کو بہت جلد شکستہ دل اور مایوس کر دیتی ہے۔ ان مشکلات کی وجہ سے بالغوں کا اُستاد سخت کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ ایک طرف ایک بالکل نئی رسم کی بنیاد ڈال رہا ہے اور دوسری طرف ایک صدیوں کے راسخ عقیدے کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ بالغوں کے اُستاد کا کام نہایت دشوار اور صبر آزما ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے مدد خداوندی اور زمانے کی ہوا کا رُخ اُس کے موافق ہے، اس لیے وہ تمام رکاوٹوں اور دقّتوں کو دُور کر کے اپنا راستہ بناتا اور کامیابی کا جھنڈا لہراتا، ہمت و استقلال کے ساتھ برابر آگے بڑھ رہا ہے۔

ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کیا سچ مچ بڈھے طوطے نہیں پڑھ سکتے اور کیا واقعی وہ دن قریب ہے، جس دن تعلیمِ بالغاں کی تحریک ناکامیاب ہو کر رہ جائے گی؟ یاد رہے کہ ماہرینِ نفسیات نے اِس بارے میں بہت زیادہ چھان بین کی ہے اور وُہ متفقہ طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

بڈھے طوطے پڑھنا لکھنا سیکھ سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی عاقل و بالغ انسان کے متعلق یہ سمجھ لینا کہ اس کا دماغ پختہ ہو جانے کی وجہ سے تعلیم و تدریس کا متحمل نہیں ہو سکتا اور اس کی پختگی کی وجہ سے باقی زندگی میں اُسے ناخواندہ ہی رہنا پڑے گا، بالکل ایسا ہی خیال ہے، جیسے شیخ چلی نے یہ سمجھ کر کہ موت آنے والی ہے، پہلے غسلِ میت کیا، کفن پہنا، نمازِ جنازہ پڑھی اور اس کے بعد نہایت اطمینان سے موت کے انتظار میں قبر میں لیٹ گیا۔ لیکن موت نہ آنی تھی، نہ آئی۔

تھورن ڈائک اور ولیم جیمز جیسے مانے ہُوئے عُلمائے نفسیات نے بالغوں کی دماغی کیفیتوں اور ذہنی قابلیتوں کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اُنھوں نے ثابت کر دیا ہے کہ سنِ بلوغت کو پہنچ جانے کے بعد انسان کے دماغ میں اثر پذیر ہونے اور نشو و نما پانے کی قابلیت بدستور باقی رہتی ہے۔ دُوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بھی انسان علم حاصل کر سکتا ہے۔

تھورن ڈائک نے تقریباً تین سو بالغ دماغوں کو جانچا اور آخر کار اُس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ۷۰ برس کی عمر تک انسانی دماغ خوب ترقی کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ولیم جیمز کی تحقیقات بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ لکھتا ہے، انسان چالیس برس کی عمر تک زندگی کے مختلف شعبوں میں برابر ترقی کرتا رہتا ہے اور چالیس سال کے بعد وُہ اپنے مخصوص فن میں معراجِ کمال کو پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ دونوں علمائے نفسیات متفق ہیں کہ ایک چودہ سال کے بچے اور چالیس سال کے بوڑھے کی دماغی قوتوں اور ذہنی قابلیتوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، بلکہ ایک عاقل و بالغ کا دماغ چودہ سال کے بچے کی نسبت ہر چیز کی باریکیوں اور گہرائیوں کو زیادہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ وُہ لکھتے ہیں، تقریباً پچاس سال کے بعد انسان کا دماغ کمزور ہونا شروع ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی وُہ ۶۵ سال کی عمر تک نہایت آسانی سے پڑھنا لکھنا سیکھ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے چند ایک مثالیں بھی درج کی ہیں اور بتایا ہے کہ بعض ۷۰، ۷۲، ۸۰ سال کے بڈھوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ پڑھنا لکھنا سیکھا ہے۔

اپنے ملک کی حالت کو دیکھتے ہُوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تعلیمِ بالغاں میں بالغوں کی

دماغی حالت رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ ان کے احساسات اور اعتقادات مانع ہیں۔ عمر رسیدہ افراد نے سمجھ رکھا ہے کہ ہم بڈھے طوطے ہیں، اس لیے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھ سکتے۔ بس اسی خیالِ خام اور بیجا وہم کے زیرِ اثر وہ تحصیلِ علم کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ حقیقتاً ان کے احساسات اور پُرانے عقیدوں نے اُنھیں لکیر کا فقیر بنا دیا ہے۔

جن لوگوں نے ہندوستانی زندگی کا تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے، وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمارے ہندوستانی بھائی رسم و رواج کے شدت سے پابند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں کسی نئی رسم کا رواج پانا، چاہے وہ کتنی ہی زیادہ مفید کیوں نہ ہو، ہنسی کھیل نہیں۔ ہماری زبان میں ایک مثل مشہور ہے، "مُردہ بدست زندہ"۔ لیکن ہم اپنے رسم و رواج کے باعث مُردوں کے ہاتھ میں ہے۔ کیا مجال کوئی ایسی بات قبول کریں، جو ہمارے بزرگوں نے نہیں کی۔ لکھنا، پڑھنا سیکھنے کے معاملے میں بھی ہم اپنے بزرگوں کے پابند ہیں۔ جب اُنھوں نے علم حاصل نہیں کیا، تو پھر بھلا ہم کیوں کریں۔ اس طرح سے تحصیلِ علم کے خلاف ہمارے دلوں میں ایک مستقل جذبۂ مخالفت موجود ہے اور یہی وہ شدید رکاوٹ ہے، جو ہمیں اپنے مقصد میں آسانی کے ساتھ کامیاب نہیں ہونے نہیں دیتی۔ ظاہر ہے، ہمارا معلّم جب تک اس خیال کو غلط ثابت نہیں کرے گا، وہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اِن حالات کو دیکھتے ہوئے، ہمارے مبلّغین نے تعلیمِ بالغاں کی تحریک کو بالکل نئے انداز سے شروع کیا ہے۔ وہ کسی پر جبر و تشدد نہیں کرتے، بلکہ نہایت حکمتِ عملی سے بالغوں کو قائل کر لیتے ہیں کہ واقعی پڑھنا لکھنا ضرور سیکھنا چاہیے۔ حقیقتاً اسی حکمتِ عملی پر ہماری تحریک کا دار و مدار ہے۔ ہم کسی بالغ کو مار پیٹ کر یا ناجائز دباؤ ڈال کر پڑھنے لکھنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ برخلاف اس کے ہم بالغ کے دل میں یہ بات پیدا کر دیتے ہیں کہ پڑھنے لکھنے کے بغیر انسان بے دست و پا ہوتا ہے اور زندگی کے کسی شعبے میں ترقی نہیں کر سکتا۔ اس خیال کے پیدا ہو جانے سے وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ پڑھنا لکھنا از حد ضروری ہے، اس لیے ضرور سیکھنا چاہیے۔ آخر کار ہماری بار بار کی بے غرضانہ

درخواستیں اور ہمدردانہ التجائیں اس کے دل و دماغ میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیتی ہیں اور وہ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لیے رضامند ہو جاتا ہے۔

علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جانے کے بعد بالغ از خود علم کے سرچشمے کی تلاش میں نکلتا ہے، یہی وہ وقت ہے، جب اُسے صحیح رہنما کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر اس سنہری موقع پر تعلیم بالغاں کا مبلّغ، علم کے سرچشمے کے متلاشی کی دلی آرزو پوری کرے، تو یقیناً بالغ علم حاصل کر سکتا ہے۔

بالغوں کے دل میں علم کا شوق کیسے پیدا ہو سکتا ہے!

بالغوں کے فطری رجحانوں اور طبعی میلانوں کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل و دماغ پر اندرونی محرکات کی نسبت بیرونی محرکات زیادہ اثر کرتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ بیرونی محرکات، اندرونی محرکات ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

اگر بالغ کے دل میں یہ بات اچھی طرح سے بیٹھ جائے کہ تحصیلِ علم کی مہم میں وہ ایک نہایت کارآمد اور مفید فن سیکھ رہا ہے یا وہ تھوڑی سی تکلیف اُٹھا کر ایک ایسے خزانے کو حاصل کرلے گا، جو ساری عمر اس کے کام آئے گا اور آرام کی زندگی بسر کرنے کے لیے بہترین مواقع بہم پہنچائے گا، تو علم حاصل کرنے کی وُہ ہر ممکن کوشش کرے گا۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بالغ کی ذہنیت کو تبدیل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑی جدّوجہد کی ضرورت ہے۔ لیکن ع ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ ہماری کامیابی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس وقت اَن پڑھ، بالغ، تعلیم یافتہ افراد اور حکومت اس تحریک میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ گویا بالغ افراد ایک حد تک خود علم حاصل کرنے کے لیے رضامند ہیں۔ بالغوں کے اُستاد کا کام محض اس قدر ہے کہ اس شوق کی آگ کو بھڑکائے اور تحصیلِ علم کا ذوق پیدا کرنے کے بعد بالغوں کے لیے ایک ایسا تعلیمی پروگرام مرتّب کرے، جو بالغوں کی ضرورتوں اور دلچسپیوں کے مطابق ہو۔ اگر یہ پروگرام ان کی دلچسپیوں کے مطابق بن گیا، تو وہ خود بخود اس پر عمل کریں گے۔

بالغوں کے تعلیمی پروگرام کو تیار کرتے وقت یہ بات یاد رکھنی نہایت ضروری ہے کہ بالغ شاگرد کو اس کے مفید مطلب تعلیم دی جائے۔ اگر اس کی حاصل کی ہوئی تعلیم گھریلو معاملات، کھیتی باڑی کے کاروبار اور روزمرہ کی زندگی میں عملی فائدہ نہیں پہنچائے گی، تو وہ علم حاصل کرنے میں ہرگز کوشش نہیں کرے گا، بلکہ اس سے کلّی طور پر بدظن ہو جائے گا۔ اگر آپ کی دی ہوئی تعلیم اُس کو روزانہ کی زندگی میں چمکنے اور ترقی کرنے کے مواقع بہم پہنچائے گی، تو وہ دِلی شوق سے علم حاصل کرے گا۔ یہی وہ بیرونی محرکات ہیں، جو اُس کو پڑھنے لکھنے کی طرف مائل کر دیں گے اور آپ اپنی کوششوں کے حوصلہ افزا نتائج دیکھ دیکھ کر پھولے نہ سمائیں گے۔

بالغ کی دلچسپیاں اور شوق

مندرجہ بالا بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بالغوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب ان کے دلی شوق کو برانگیختہ کر کے زیادہ آسانی سے دی جا سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ شوق کیا چیز ہے۔ واضح ہو کہ شوق ایک قسم کی برقی طاقت ہے۔ یہ برقی طاقت انسان میں جدّوجہد کی قوت اور مقابلے کی طاقت پیدا کرتی ہے، مثلاً اگر کسی شخص کے دل میں کسی چیز کو حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، تو وہ کسی نہ کسی طرح اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس بالغوں کے اُستادوں کا فرض ہے کہ وہ بالغوں کے دلوں میں اس برقی طاقت کو بیدار کریں اور اُسے اس قدر مشتعل کریں کہ وہ کسی بیرونی اثر سے ٹھنڈی نہ ہونے پائے۔

بالغوں کی دلچسپیوں اور شوقوں کا جائزہ لینا اساتذہ کا اولین فرض ہے۔ اس بارے میں ہم مختصر طور پر یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا پنجابی دیہاتی عام انسانوں سے مختلف نہیں۔ اس کی ابتدائی ضروریات تقریباً وہی ہیں، جو ہر سیدھے سادے انسان کی ہونی چاہییں۔ ہاں وہ سادگی کا دلدادہ ہے۔ تصنّع اور بناوٹ اس میں نام کو نہیں۔ وہ اندھیرے منہ نہایت مستعدی سے اُٹھتا ہے اور اپنے آلاتِ کشاورزی کو سنبھال کر بیلوں کو ہانکتا ہوا کھیتوں کی طرف چل دیتا ہے۔ صبح سے لے کر شام تک ہل چلا چلا کر اپنا خون پسینہ ایک کر دیتا ہے۔ جب آسمان آرام کرنے کے لیے سیاہ چادر تانتا ہے،

وہ اپنے گھر واپس آتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے دن بھر اس قدر محنت اور مشقت کیوں گوارا کی۔ حکومت کا کوئی قانون اُسے مجبور نہیں کرتا۔ اُسے کسی کا ڈر نہیں۔ پھر آخر کیوں وہ اپنی تمام قوت زمین کو درست کرنے میں صرف کیے ڈالتا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کی کچھ دلچسپیاں اُسے مجبور کرتی ہیں۔ اگر وہ اس طرح محنت نہ کرے، تو اُس کے گھر والوں کے لیے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کو کہاں سے آئے۔ پس یہی بیرونی محرکات ہیں، جن کے اثر سے وہ رات کو رات اور دن کو دن نہیں سمجھتا۔ شدت کی دھوپ میں دن بھر ہل چلاتا ہے اور شام کو خوشی خوشی سیدھے سادے مگر جذبات سے بھرے ہوئے گیت گاتا، میٹھی میٹھی تانیں اُڑاتا، ہل کو دھکیلتا اور مویشیوں کو ہانکتا، اپنے گھر واپس آتا ہے۔

ظاہر ہے، یہ دلچسپی دیہاتی زندگی کا اصلی مقصد ہے۔ اگر علم کو ہم اس دلچسپی سے وابستہ کر دیں، تو وہ خود بخود اس نتیجے پر پہنچ جائے گا کہ لکھنا پڑھنا میری زندگی کا نہایت اہم جزو ہے، اس لیے تحصیلِ علم کے بغیر میں کامیاب اور بامراد زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

ہمارے نزدیک یہی وہ کامیاب طریقہ ہے، جس کے ذریعے دیہاتیوں کے دلوں میں علم حاصل کرنے کا شوق مستقل طور پر پیدا کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ جب تک ہم ہر دیہاتی کے دل میں علم کی اہمیت اور ضرورت کا احساس پیدا نہیں کریں گے، اس وقت تک ہماری کوششیں کبھی کامیاب نہ ہوں گی۔

ہمارا پنجابی دیہاتی عمل پسند انسان ہے، اس لیے جس دن وہ علم حاصل کرنے میں مصروف ہو، اُس دن سے تحصیلِ علم کے فائدے اُسے ایک اور ایک دو کی طرح محسوس ہونے چاہییں۔ موجودہ حالات میں علم اس کے لیے ایک بے معنی چیز ہے۔ کیونکہ یہ بات اس کے دل میں بیٹھ چکی ہے کہ علم حاصل کرنے سے اس کے حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی وہم کو اس کے دل سے نکالنے کے لیے ہم نے تجویز کیا ہے کہ تعلیمِ بالغاں کا پروگرام، بالغوں کی روزانہ زندگی اور دلچسپیوں کو دیکھ کر بنانا چاہیے۔ تاکہ ہر روز سبق پڑھنے کے بعد وہ محسوس کرے کہ واقعی میرا وقت بیکار ضائع

نہیں ہُوا۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ہمارا دیہاتی بھائی شدّت کے ساتھ رسم ورواج کا پابند ہے اور شہریوں کی نسبت اپنے ماحول سے زیادہ محبّت رکھتا ہے۔ وُہ جان کھو دیتا ہے۔ لیکن اپنی آن کو ٹوٹنے نہیں دیتا۔ دیہاتیوں کی اس کیفیت کو دیکھتے ہُوئے، ہم بالغوں کے اُستادوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وُہ اُن کے رسم ورواج کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جوشِ عمل میں وہ اُن کے ساتھ ٹکرا جائیں اور اس طرح سے اپنی کی کرائی محنت پر پانی پھیر دیں۔ یاد رہے اگر بالغوں کے اساتذہ نے اُنھیں اپنا تختۂ مشق بنالیا اور اُن کی جا وبیجا بات پر بے باکانہ نکتہ چینی شروع کردی، تو بے شمار دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اَن پڑھ بالغوں کی ہر بات کو ہمدردی سے سُنا جائے اور دوستانہ مشوروں سے اُن کی اصلاح کی جائے۔ نیز ہر بات میں اُن پر یہ ظاہر کیا جائے کہ ان کی ہر مصیبت اور پیچیدگی علم حاصل کرنے سے دُور ہو سکتی ہے۔

جس قسم کے تعلیمی پروگرام کا خاکہ ہم نے مندرجۂ بالا سطور میں پیش کیا ہے، یہی وُہ تعلیم ہے، جس سے دیہاتیوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ہمارے پس اُفتادہ اور غیر ترقّی یافتہ دیہاتوں کی حالت سدھر سکتی ہے۔ اگر ہمارے معلّمین نے اس راستے سے ہٹ کر کوئی نئی وضع کا پروگرام بنایا، تو اندیشہ ہے کہ تعلیم بالغاں کی تحریک کو شدید نقصان پہنچ جائے۔ کیونکہ ایسی تعلیم جس کا دیہاتی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو گا، دیہاتیوں کے لیے بالکل ایک نئی چیز ہو گی اور وہ اُس کو ہرگز پسند نہیں کریں گے۔ بلکہ کیا تعجب ہے کہ یہ قدامت پرست لوگ اسے "مداخلت فی الدیہات" خیال کر کے کھلم کھلا مخالفت کرنے لگیں اور اس کوتاہ اندیشی کی وجہ سے وہ اجنبیت جو علم اور انسان کے درمیان پیدا ہو گئی ہے، بجائے گھٹنے کے بڑھتی چلی جائے۔

دیہاتیوں کی دلچسپیوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر معاشی مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہر معاملے میں اُن کی دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح کچھ ایسے ذرائع پیدا ہو جائیں، جن کی بدولت اُن کی مشقّت طلب زندگی کسی قدر فارغ البالی اور بےفکری سے بسر ہو۔

معاشی مسائل کے بعد ان کی توجہ دوسرے مسائل کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ گویا اگر ان کو روزی پیدا کرنے کے اُلجھاؤ سے فرصت ملتی ہے، تو وہ اپنا وقت سوشل، اخلاقی اور مذہبی معاملات کی دیکھ بھال پر صرف کرتے ہیں۔ یہ ہے بھی درست، جب تک انسان کو پیٹ بھر اور روٹی نہ ملے، اُسے فروعی باتوں کا خیال کیسے آسکتا ہے۔

جس طرح ایک دیہاتی پہلے معاشی امور اور اس کے بعد دوسرے مسائل میں بتدریج سرگرمیاں دکھاتا ہے، اسی طرح تعلیمِ بالغاں کے اُستادوں کو آگے بڑھنا چاہیئے تاکہ وہ دیہاتی کے ساتھ ساتھ رہیں۔

ہر دیہاتی کی نظروں میں قرض کے مسئلے کو بڑی اہمیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرض کے بارِ گراں نے اس بہادر انسان کی کمر ہمّت کو توڑ ڈالا ہے۔ بالغوں کے معلّم کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلے پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرکے اپنے شاگردوں کی ہمدردی حاصل کرے۔ اس کے علاوہ نجی معاملات کو سلجھانے سے بھی دیہاتی سے میل ملاپ اور محبّت کی پینگیں بڑھ سکتی ہیں۔ دیہاتی اپنے محسن کی دل سے قدر کرتا ہے۔ اگر ہمارے معلّمین دیہاتیوں سے گھل مل جائیں گے اور بیگانگی کا پردہ اُٹھا دیں گے، تو وہ اُن کی ہر بات کی قدر کرے گا۔

بالغوں کے معلّم کی خصوصیات اور مشکلات

بالغوں کی تعلیم کا انحصار زیادہ تر معلّم پر ہے۔ اگر بالغوں کا معلّم تن دہی اور جانفشانی سے کام نہیں کریگا، تو تعلیم بالغاں کی تحریک ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ بالغوں کے معلّموں کو ان کی نفسیات سے بھی پوری طرح واقف ہوجانا چاہیئے، تاکہ وہ اپنے شاگردوں کی طبیعتوں کے میلان کو سمجھ سکیں اور ان کی دلچسپیوں کے موافق تعلیمی پروگرام مرتّب کرسکیں۔ یہاں یہ جتلا دینا نہایت ضروری ہے کہ بالغوں کا معلّم عام اساتذہ سے بہت مختلف ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بالغوں کی تعلیمی جماعت اور بچّوں کی تعلیمی جماعت میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس لیے ہم بالغوں کی تعلیمی جماعت کو نہ تو صحیح معنوں میں تعلیمی جماعت کہہ سکتے ہیں اور نہ بالغوں کے معلّم کو ایک عام معلّم۔ بالغوں کے

گروہ میں جو شخص معلّم کے فرائض انجام دیتا ہے، وُہ انھیں میں سے ایک فرد ہوتا ہے اور اُس کو معلّم محض اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا مبلغ علم ان بالغ افراد سے زیادہ وسیع ہوتا ہے، جو اُس کے گرد وپیش کھوئے ہوئے مواقع کی تلافی کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ اس گروہ کی سب سے بڑی نرالی خصوصیت یہ ہے کہ ہر شخص ایک دُوسرے کی مدد کرنے کے ارادے سے اس گروہ میں شامل ہوتا ہے۔ معلّم اگرچہ ان کی رہنمائی کی خدمت انجام دیتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کو باقی افراد سے برتر یا علٰحدہ خیال نہیں کرتا۔ یہ ہے وہ تعاونی جذبہ، جو بالغوں کی جماعت اور اُن کے معلّم کو مدرسے کے اُستادوں اور جماعتوں سے ممیّز کرتا ہے۔

بالغوں کے معلّم کی خصوصیات میں تعاون اور اتفاق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ نیز اس میں قوم پرستی، ایثار نفس، حُبّ الوطنی اور اخوّت کے جذبات کے علاوہ یہ ملکہ بھی موجود ہونا نہایت ضروری ہے کہ وُہ اپنی بلند شخصیت اور ذاتی فوقیت کو بالغوں کے تعلیمی گروہ میں بالکل بھول جائے اور یہی سمجھتا رہے کہ مجھ میں اور میرے شاگردوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے علاوہ وہ ہر فرد کی دقتوں اور ضرورتوں کو اسی کے نقطۂ نظر سے دیکھے۔ گویا ان کی دقتوں کو اپنی دقت اور اُن کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت سمجھے۔ نیز اُسے اس بات کا پُورا احساس ہو کہ فرداً فرداً ہر شخص اس تعلیمی گروہ میں کس مقصد سے شامل ہُوا ہے اور وہ آرزُو یا دلچسپی جو اُس کو یہاں تک کھینچ لائی ہے، پُوری ہو رہی ہے یا نہیں۔ ہر شخص کی دِلی آرزُو اور دلچسپی معلوم کرنے کے بعد اس کو قائم رکھنا اور ترقی دینا بالغوں کے معلّم کا اہم ترین فرض ہے۔ کیونکہ اگر کسی وجہ سے یہ دلچسپی ختم ہو جائے گی، تو کوئی بالغ اس گروہ میں دوبارہ شامل ہونے کی تکلیف گوارا نہ کرے گا۔

بالغوں کے معلّم کو بہت کافی معلومات عامّہ ہونی چاہییں۔ کیونکہ اس کا فرض کسی کتاب کی چند سطریں پڑھا دینے کے بعد ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کے مقاصد بچّوں کے اُستادوں کی نسبت بہت بلند ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں کی سوئی ہوئی تخلیقی قوتیں بیدار کر کے اُنھیں ترقّی کے راستے دکھاتا ہے۔ اسی سبب سے اکثر اوقات وہ معلّمین جو دیہاتیوں کے مقامی حالات، اندرونی معاملات اور

رسم ورواج سے پُوری طرح واقف نہیں ہوتے، اُنھیں کامیابی کے ساتھ تعلیم نہیں دے سکتے۔ برخلاف اس کے وہ اساتذہ، جو اُن سے شیروشکر ہوجاتے ہیں اور اُن کی ضرورتوں اور دلچسپیوں کو اچھی طرح سمجھنے لگتے ہیں، اپنے مشن میں سو فیصدی کامیاب ہوتے ہیں۔

یہاں یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ تعلیمِ بالغاں کے لیے ہمیں کسی ہمہ صفت موصوف اور جامع علوم اُستاد کی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ بالغوں کا اُستاد عام معلومات اور بالغوں کے درمیان ایک قسم کا رابطہ اور سلسلہ قائم کردے اور وہ خود اس سلسلے کی درمیانی کڑی کے فرائض انجام دے۔

تعلیم بالغاں کیونکر شروع کرنی چاہیے؟

انگریزی میں مثل مشہور ہے، "جو کام عمدگی سے شروع کیا جاتا ہے، وہ آدھا ختم ہوجاتا ہے"۔ ہمیں بالغوں کی تعلیم نہایت عمدگی سے شروع کرنی چاہیے تاکہ آدھی مہم پہلے ہی سے سر ہوجائے۔

تعلیم بالغاں کی تحریک کو کامیاب بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ کہیں تعلیمی مرکز جاری کرنے سے پہلے اس مخصوص علاقے میں خوب دل کھول کر پروپیگنڈا کیا جائے۔ تاکہ ہر شخص کے دل میں اس بات کا احساس پیدا ہوجائے کہ علم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ علم حاصل کیے بغیر انسان دُنیا کا کوئی کام آسانی اور کامیابی کے ساتھ نہیں کرسکتا۔ جب ہر شخص کے دل میں تعلیم کی اہمیت پیدا ہوکر خوش حالی کی اُمیدیں تحصیلِ علم سے وابستہ ہوجائیں، تو معلّم کو اپنا تعلیمی پروگرام بروئے کار لانا چاہیے۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ ہمارا دیہاتی بھائی مداخلتِ بیجا کے مقابلے میں جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ وہ اس قدر تنگ خیال واقع ہُوا ہے کہ کسی نئی چیز کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے پروپیگنڈا کرنے میں بھی بہت زیادہ احتیاط لازم ہے۔ ہمارا خیال ہے، اگر یہ کام مسجدوں میں نماز کے بعد کیا جائے، تو بیش از بیش کامیابی ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ پروپیگنڈے کا

کام ہر دل عزیز سرکاری افسر بھی نہایت عمدگی سے کر سکتے ہیں۔

طریقۂ تعلیم

تعلیمِ بالغاں کے سلسلے میں یہ سوال بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ بالغوں کو تعلیم دینے کے لیے کون سا طریقۂ تعلیم اختیار کیا جائے، جو اُن کی طبیعتوں کے بالکل موافق آئے اور اس سے خاطر خواہ نتائج مرتب ہوں۔ ہم عرض کر چکے ہیں، بالغوں کی جماعت اور مدرسے کی جماعت میں بہت فرق ہوتا ہے، اس لیے بالغوں کو پڑھانے میں ہم وہی طریقے اختیار نہیں کر سکتے، جو عموماً مدرسے کی جماعت میں کرتے ہیں۔ اس بارے میں ہمارا تجربہ یہ ہے کہ شروع شروع میں بالغوں کو فرداً فرداً پڑھانا چاہیے۔ اس طریقۂ تعلیم سے ایک تو بالغ کی کمزوریاں اور خامیاں دوسروں پر ظاہر نہیں ہوتیں۔ دوسرے اُستاد کو اس سے بے تکلف ہونے کا موقع ملتا ہے۔ جب بالغ چل نکلیں، تو پھر معلم اُن کو دوسرے طریقوں سے پڑھا سکتا ہے۔

بالغوں کے نشو و نما پائے ہوئے دماغوں کے لیے استدلالی اور منطقی طریقۂ تعلیم دونوں بہت خوب ہیں۔ لیکن ان کی دلچسپیاں اُنھیں نفسیاتی طریقۂ تعلیم کو پسند کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ چونکہ بالغوں کو تعلیم دیتے وقت معلم کو ان کے جذبات اور احساسات کا ہر دم خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس لیے وہ بھی نفسیاتی طریقۂ تعلیم ہی کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ بالغوں کو پڑھانے کے لیے نفسیاتی طریقۂ تعلیم نہایت موزوں ہے، ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ نفسیاتی طریقۂ تعلیم سے فائدہ کیسے اُٹھایا جا سکتا ہے۔

جب ہم بچّوں کو نیا سبق پڑھاتے ہیں، تو سبق شروع کرنے سے پہلے ہم ان کے دلوں میں ایک نئی چیز حاصل کرنے کا شوق گُدگُداتے ہیں۔ جب ہم دیکھ لیتے ہیں کہ بچّے نیا سبق پڑھنے کے لیے آمادہ ہیں، تو ہم اُنھیں پڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ اُصول تعلیم نفسیاتی طریقۂ تعلیم سے تعلق رکھتا ہے۔ بالغوں کی ذہنیتوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں اس اصول کو کسی قدر تبدیل کرنا پڑے گا۔

کیونکہ بالغوں اور بچوں کی ذہنیتوں اور طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بالغ بچوں کے مقابلے عقل سمجھ رکھتے ہیں اور اپنے نفع نقصان کو بخوبی سمجھتے ہیں۔اس لیے دورانِ تعلیم میں ہمیں بار بار انکی عقل سے اپیل کرنی پڑے گی اور جتلانا پڑے گا کہ دیکھو، اس بات سے تمھیں فلاں فائدہ پہنچے گا۔جب بالغ کے ذہن میں ذاتی فائدے کا خیال بیٹھ جائے گا، تو وہ نہایت شوق سے پڑھنے کے لیے آمادہ ہو جائے گا۔

ماہرینِ نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ جب کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے آمادگی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، تو دماغ، اعضا اور قویٰ خود بخود اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔اگر سوءِ اتفاق سے معلم جذبۂ آمادگی پیدا کرنے میں ناکامیاب رہے، تو متعلم کا دل تحصیلِ علم سے متنفر ہو جاتا ہے اس لیے بالغوں کے معلموں کو ہم مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی انتہائی کوشش اس بات پر صرف کریں کہ بالغوں کے دلوں میں علم حاصل کرنے کی آمادگی برقرار رہے۔

ایک ماہرِ تعلیم کا قول ہے کہ علم ہمیشہ عمل سے حاصل ہوتا ہے۔اس زرّیں مقولے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں تعلیمِ بالغاں کا پروگرام ایسا بنانا چاہیے، جو ہر وقت زیرِ عمل رہے۔بالفاظِ دیگر بالغوں کی تعلیم کا تعلق براہِ راست روزانہ کی زندگی سے ہونا اشد ضروری ہے۔مدرسے کے عام طلبہ کی طرح ہم بالغوں کو گھر پر کرنے کے لیے کچھ کام بھی نہیں دے سکتے۔گھر کے معاملات اور معاشی جدوجہد سے اُنھیں اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ گھر جا کر لکھائی پڑھائی کا کام کر سکیں۔ گویا تعلیمِ بالغاں میں ہمیں زیادہ تر بالغوں کے حافظے اور یادداشت پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔اسی سبب سے ہم بار بار اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ تعلیمِ بالغاں کو بالغوں کی نجی زندگی کے ساتھ منطبق کرنا چاہیے اور اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان کی حاصل کی ہوئی تعلیم کا ہر وقت اعادہ ہوتا رہے۔

آخر میں ہم معلّمین کی رہنمائی کے لیے چند ضروری مشورے پیش کرتے ہیں۔ہمیں امید ہے کہ ان کی مدد سے اُن حضرات کی بہت سی دقتیں دُور ہو جائیں گی، جو تعلیم بالغاں کی مفید تحریک میں دلچسپیاں لے رہے ہیں۔

(۱) بالغوں کو جو کچھ پڑھایا جائے، وہ اس طرح ذہن نشین ہو جائے کہ بے توجہی کے باعث

بالغ مجہول نہ سکیں۔

(۲) متعلّم کی سابقہ اور نئی معلومات میں ایک قسم کا رابطہ پیدا کر دیا جائے۔ اس رابطے میں ایسا تسلسل قائم کر دیا جائے کہ ایک بات یاد آنے سے باقی باتیں خود بخود یاد آتی چلی جائیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی معلّم یہ کیفیت اس وقت تک پیدا نہیں کر سکتا، جب تک کہ وہ متعلّم کی سابقہ معلومات سے پوری طرح واقف نہ ہو۔

(۳) وہ باتیں جو بالغوں کے ذہن نشین کرانی مقصود ہوں، انھیں ایسی عمدگی سے ترتیب دیا جائے کہ ان میں بھی ایک تسلسل اور تعلق پیدا ہو جائے۔ اگر ہم مواد کو ترتیب دینے میں بے احتیاطی کریں گے، تو وہ آسانی سے دماغوں اور ذہنوں میں محفوظ نہیں رہ سکے گا اور نہ ایک چیز یاد آنے سے دوسری چیزیں مسلسل اور باقاعدہ یاد آسکیں گی۔

(۴) ماہرینِ نفسیات نے دریافت کیا ہے کہ انسان کی قوت یادداشت میں بہت کافی ترقی کا مادّہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر اُسے ترقی نہ دی جائے، تو وہ آہستہ آہستہ کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس ترقی کے مادہ سے ہمیں فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ گویا ہمیں زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہیے تاکہ ہماری قوّتِ یادداشت کو بڑھنے کا موقع ملے۔

(۵) جو کچھ پڑھایا جائے، اُسے بار بار دُہرانا چاہیے۔ معلّم کا فرض ہے کہ دُہرانے میں ہر مرتبہ ایک دلچسپ اندازِ بیان اختیار کرے، تاکہ بار بار ایک چیز کو دُہرانے سے بالغ طالب علم گھبرا نہ جائیں۔

(۶) معلّم کے اندازِ بیان میں ایک خاص قسم کی دلچسپی، محبّت، ہمدردی اور خوشی ہونی نہایت ضروری ہے۔ اگر کوئی سبق ان خصوصیات سے محروم ہوگا، تو بالغ بے لطف ہو کر بددل ہو جائیں گے اور ایک مرتبہ بھاگ جانے کے بعد وہ دوبارہ ہاتھ نہیں آئیں گے۔

دینی تعلیم

از

محمد حمید الدین ایم، اے

ہم نے پاکستان حاصل کر لیا ہے۔ اب ہمیں اس کو برقرار رکھنا اور ایک مثالی سلطنت کے درجہ عالی تک پہنچانا ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے، جس سے ہم اپنے اس دعوے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ ہم دنیا کی اُن بلند ترین، سیاسی، معاشرتی اور عسکری روایات کے وارث ہیں، جن کی تعمیر حضرت رسولِ اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔

لیکن سلطنت وہی کچھ بنتی ہے، جو کچھ قوم اُسے بنانا چاہے۔ پاکستان صرف اُسی صورت میں مثالی سلطنت بن سکتی ہے کہ ہم خود ایک مثالی قوم بن جائیں۔ ہمارے بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے فرد کا فرض ہے کہ مثالی انسان بن کر دکھائے۔

ہم اس اعتبار سے بہت خوش قسمت ہیں کہ ہمیں مثالی انسان بننے کے لیے اچھی زندگی کا ضابطہ تلاش کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آسکتی۔ اس زمانے میں کہ عقائد کے شدید اور بے معنی تصادم سے ایک ہنگامہ برپا ہے۔ ہمیں صرف کلامِ الٰہی کی یہ آیت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ۰ اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ کلامِ الٰہی زمان و مکان کی تمام حدود سے ماورا ہے۔

جہاں تک ہماری سلامتی اور سیاسی حیثیت کے تحفظ کا تعلق ہے۔ ہمیں اس ایقان پر قائم رہنا چاہیے کہ دُوَل کے کسی اتحاد یا سیاسی قوت کے کسی نظام میں ہمارے لیے اتنی مستحکم ضمانت موجود نہیں، جتنی کلامِ الٰہی کی اس آیت میں ہے کہ انتم الاعلون ان کنتم مومنین ۰

لیکن ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کی صداقت پر کامل ایمان کیونکر پیدا کیا جائے۔

اور انسانوں کے اندر اس آرزو کو کیونکر بیدار کیا جائے کہ وہ ایسے بن جائیں۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا منشا ہے۔ جہاں اس مسئلے کے حل کے دوسرے طریقے ہیں، وہاں ایک یہ بھی ہے کہ ہم اپنے نظامِ تعلیم میں دینی تدریس کو رائج کر دیں۔ اس سے نہ صرف افراد کے کسی خاص گروہ کی صحیح نشو و نما یقینی ہو جائے گی، بلکہ آئندہ تمام نسلوں میں تمام افراد ترقی حاصل کر سکیں گے۔

لیکن ہمارے سکولوں میں دینی تعلیم کی ترویج ایک نہایت نازک اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ ہمیں اس امر کو ذہن میں رکھنا ہوگا کہ ایک طرف ہمارے نوجوانوں کی صحیح روحانی نشو و نما ہونی چاہیے اور دوسری طرف اس بیسویں صدی کے نظامِ زندگی کی بنیادی ضروریات بھی مدِّنظر رہنی چاہییں۔ اس امر کے پیش نظر میں تجویز کرتا ہوں کہ دینی تعلیم کا درسی نصاب تیار کرتے وقت ذیل کے نکات ضرور ذہن میں رکھے جائیں۔

۱۔ چونکہ دین لازمًا روزمرّہ کی عملی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اسے ہمارے نظامِ تعلیم میں اس طور سے شامل کرنا چاہیے کہ دین ایک جامد اور رسمی ضبط و نظم کی نسبت عام انسانوں کے روزانہ معمول کی چیز بن جائے۔ اس کو دو طریقوں سے عمل میں لایا جا سکتا ہے:۔

(ل) دین کی رسمی تعلیم پر اتنا زور نہ دیا جائے، جتنا طلبہ کی روزانہ زندگی میں اصولِ دین کے عمل درآمد پر اصرار کیا جائے۔

(ب) جہاں تک ممکن ہو، تعلیمِ دین کے نظام کو حضرت رسولِ اکرمؐ اور صحابہؓ کرام کی زندگیوں سے متعلق کر دیا جائے، تاکہ اس کے پیش کرنے کا انداز زیادہ دلآویز اور حقیقی بن جائے۔

۲۔ چونکہ بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی موجود ہے کہ دین دار بننے کے لیے زُہد اور گوشہ گیری ضروری ہے، اس لیے اس بات پر زور دیا جائے کہ اسلام اساسی اصولوں کے ایک ایسے نظام کا نام ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی طبعی قابلیتوں اور اہلیتوں کے نشو و ارتقا کا زیادہ سے زیادہ موقع مہیا ہو جائے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ طلبہ کو آغازِ کار ہی سے اُن آیات و احادیث سے آشنا کر دیا جائے،

جو ان اُمور پر زور دیتی ہیں:

(ا) کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مناسب طور پر استفادہ کرنا، ہرگز قابلِ اعتراض نہیں اور
(ب) ہم میں سے ہر شخص کو یہ حق دیا گیا ہے کہ بہترین انسانوں کی رہنمائی کے منصب کی خواہش کر سکے۔

۳۔ ایک اور مغالطہ یہ ہے کہ دینداری سے مُراد عجائباتِ قدرت کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا اُور سائنس کے جدید کارناموں سے بے خبر رہنا ہے۔ اس مغالطہ کی تردید میں نہایت زور سے یہ بتایا جائے کہ اسلام اس قسم کے رویّے کا ہرگز حامی نہیں، بلکہ وہ نظریاتی علم کے حصول کے ساتھ ہی ساتھ مشاہدے اُور تجربے کی ذہنیت کو ترقی دینے کا سرگرم حامی ہے۔ گویا اسلام عقلی اُور طبیعی علوم کا مخالف ہونے کے بجائے ہر ممکن طریقے سے اُن علوم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

اس مقصد کے لیے طلبہ کو اُن آیات و احادیث سے آشنا کرنا چاہیے۔ جن میں (ا) علم اُور تحصیل و اشاعتِ علم کی فضیلت پر زور دیا گیا ہے اُور (ب) چاند اُور ستاروں، موسم کے تغیرات، کرۂ ارضی اور اس کے اسرار اُور اسی قسم کے دوسرے مظاہرِ فطرت کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۴۔ طلبہ کو سطحی تشکک کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کے سامنے اس حقیقت کے دلائل بیان کرنے چاہییں کہ اسلام صرف چند عقیدوں اُور کتابوں ہی تک محدود نہیں، بلکہ ایک زندہ قوت ہے جو کئی صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ انسانوں کی زندگیوں پر حاوی رہی ہے اُور اُن انسانوں میں سے اکثر صرف اسلام ہی کے احکام پر صحیح طور سے عمل کر کے انسانیت کے بلند ترین مدارج پر فائز ہوئے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے دینی تعلیم کو ایسے سانچے میں ڈھالنا چاہیے جس میں عظیم ترین فرزندان و دخترانِ اسلام کی زندگیوں کے نمایاں واقعات بھی شامل ہوں اُور اس کی ابتدا حضرت رسولِ اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ سے کی جائے۔

۵۔ اگرچہ آٹھویں جماعت تک کے طلبہ کو دین کی رسمی و کتابی تعلیم کچھ زیادہ دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن آٹھویں جماعت کے اواخر میں اُنھیں بعض نہایت ممتاز علما کے ناموں اور اُن کی تصانیف سے ضرور شناسا کر دیا جائے۔ تاکہ جب وہ بڑے ہو کر اسلام کا وسیع مطالعہ کرنے کے خواہشمند ہوں، تو اُن کی رہنمائی کے لیے ایک بنا بنایا نقشہ ان کے پاس پہلے ہی سے موجود ہو۔

۶۔ سرکاری سکولوں میں دینی تعلیم ہر قسم کے تنگ نظرانہ اختلافی اور نزاعی اثرات سے پاک ہونی چاہیے۔ اگر والدین بچے کے زاویۂ نگاہ کو اپنے مطلب کے مطابق بدلنا چاہیں، تو شوق سے خود بدل لیں۔ حکومت کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔

۷۔ (ا) دینی تعلیم کو سکول کے سالوں میں ایک پورے لازمی مضمون کی حیثیت دی جائے، یعنی، اس میں پاس ہونا سالانہ امتحان کے بعد بالائی جماعت میں ترقی پانے کے لیے لازمی قرار دیا جائے۔

(ب) دینیات کے مضمون کے نمبر بھی عام لازمی مضامین کے برابر ہونے چاہییں اور سکول کے ٹائم ٹیبل میں کم سے کم ہفتے میں تین پیریئڈ ضرور دینیات کو دیے جائیں۔

۸۔ جب کسی سکول میں (پہلی سے آٹھویں تک ساری جماعتوں کو شامل کر کے) کسی اقلیت والی قوم کے بچوں کی تعداد پچاس سے زیادہ ہو جائے، تو سکول کے حکّام کو چاہیے کہ ان کی مذہبی تعلیم کا علیحدہ انتظام کر دیں۔

۹۔ اقلیت والی ہر قوم کو اس امر کی آزادی دے دی جائے کہ وہ اپنی مذہبی تعلیم کا ایسا نصاب تجویز کرے، جس میں وہ غیر اختلافی بنیادی عقائد شامل ہوں، جنھیں اس قوم کے تمام طبقات تسلیم کر سکیں۔

(۲)

تجاویزِ مندرجہ بالا کی روشنی میں پاکستان کی اکثریت کے لیے دینی تعلیم کا مفصل نصاب تیار کرنے کی غرض سے ذیل کے عمومی اشارات ذہن میں رکھ لینے چاہییں:۔

پہلی اور دوسری جماعت میں (یعنی پانچویں سے ساتویں تک) بچوں کو دینی تعلیم صرف زبانی اور عملی طریق سے دی جائے
۱ اُنھیں سادہ کہانیوں کی مدد سے بتایا جائے کہ انسان اور اُس کے اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ نیک اور بد (خیر و شر)۔
۲۔ اُنھیں سادہ کہانیوں کی مدد سے بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ نظر نہیں آتا لیکن وہ موجود ہے اور کائنات کے پورے کارخانے کا نگران اور چلانے والا ہے اور انسان کی تقدیر بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔
۳۔ بچوں کو انبیا کے قصّے سُنائے جائیں اور اُنھیں آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور حضرت رسولِ اکرمؐ کی عظیم الشان شخصیتوں سے روشناس کرایا جائے۔
۴۔ دین کے عملی پہلو میں طلبہ کو صفائی اور میلے پن کا فرق بتایا جائے اور وضو کرنے کا طریقہ سکھایا جائے۔
۵۔ بچوں کو چند سادہ کلمات زبانی یاد کرائے جائیں۔ مثلاً اعوذ، بسم اللہ اور کلمہ طیبہ۔
۶۔ طلبہ کو دنوں اور مہینوں کے اسلامی نام سکھائے جائیں۔

۴۔ ا۔ تیسری جماعت سے پانچویں جماعت تک بچوں سے وہ سب کچھ دہرایا جائے، جو وہ اب تک زبانی سیکھ چکے ہیں۔ لیکن اس دفعہ سادہ ترین کتابوں سے مدد لی جائے۔
۲۔ مزید براں طلبہ کو رفتہ رفتہ "یسّرنا القرآن" جیسے قاعدے کی مدد سے عربی پڑھنا سکھایا جائے۔
۳۔ طلبہ کو کبھی کبھی مسجد میں لے جا کر سکھایا جائے کہ نماز کیا شے ہے۔
۴۔ اس تین سال کی مدت کے اواخر میں مندرجۂ ذیل متن طلبہ کو حفظ کرائے جائیں:۔
(ا) سورۂ فاتحہ
(ب) سورۂ اخلاص

(ج) سورۃ الفلق

(د) سورۃ النّاس

(ہ) قرآن کے پارۂ اوّل کی پہلی پانچ آیات

۵۔ سادہ اور دلچسپ کہانیوں کی مدد سے اس بات کو ذہن نشین کرایا جائے کہ انسان جو کرتا ہے، اُسے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے، اُسے اللہ تعالیٰ سُنتا ہے۔ (ان اللہ سمیعٌ بصیرٌ)

۶۔ اس تین سال کی مدّت کے اواخر میں دلچسپ کہانیوں کی مدد سے طلبہ کو "نیّت" کے مفہوم سے آشنا کیا جائے اور مشہور حدیث اِنما الاعمال بالنّیات کی اہمیت کو مناسب طریق پر واضح کیا جائے۔

۷۔ دلچسپ کہانیوں کی مدد سے اخوت اور مساوات کے تصوّرات کی سادہ ترین شکلیں ذہن نشین کرائی جائیں اور انما المومنون اخوۃ کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

۸۔ مندرجۂ بالا تمام تصورات سے بچے کو آشنا کرنے کی غرض سے حتی الامکان سب کہانیاں حضرت رسولِ اکرمؐ اور صحابۂ کرام کی زندگیوں سے اخذ کی جائیں۔ اگر کسی وقت یہ احساس ہو کہ اس مقصد کے لیے بیرونی مفاد کا انتخاب ضروری ہے، تو وہ دوسری عظیم الشان اسلامی شخصیتوں یا انبیائے بنی اسرائیل کی زندگیوں سے حاصل کرلیا جائے۔ بنیادی مقصد یہ ہونا چاہیے کہ بچوں کو نہ صرف حتی الامکان اسلام کی زیادہ سے زیادہ بڑی شخصیتوں سے روشناس کردیا جائے، بلکہ ان کے تازہ اور تخیل پسند شخصیت کا ایک نمونہ مرتسم ہوجائے جو بالآخر عمر بھر کے لیے اُن کو اُسوۂ حسنہ کا کام دے۔

۹۔ اس مرحلے پر بچّوں کو ارکانِ اسلام سے آشنا کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو، اُن کی محسوس عملی مثالیں دی جائیں۔ مثلاً "زکوٰۃ" کی کوئی محسوس مثال دینا شاید دشوار ہو لیکن اس حالت میں بھی "زکوٰۃ" کے بجائے یہ صورت اختیار کی جائے کہ ہر جماعت میں ایک خیرات فنڈ

کھولا جائے اور طلبہ سے کہا جائے کہ اپنے جیب خرچ میں سے اس میں سالانہ یا ششماہی چندہ دیا کریں۔

۱۳۔ چھٹی سے آٹھویں جماعت تک طلبہ کو دینی تعلیم دینے کے لیے بیشتر کی نسبت متنِ کتب کا استعمال زیادہ کر دیا جائے۔ لیکن اس مرحلے پر بھی دین کو روزانہ زندگی کا ایک حصّہ قرار دینے کی بنیادی ذہنیت ترک نہ کی جائے۔ مختلف دینی رسوم وعقائد کی رسمی تعلیم دیتے وقت حتی الامکان عملی مظاہرے کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ جہاں تک ممکن ہو، صرف وہی کلمات اور اعمال و رسوم طلبہ کے علم میں لائے جائیں، جن پر ان کی زندگی میں عمل کیا جا سکے۔ طلبہ کو بے شمار ایسے حقائق بتا دینے کی نسبت جن پر وہ کبھی عمل نہ کر سکیں، یہ ہزار درجے بہتر ہے کہ چند بنیادی اُصولوں کو طلبہ کی روزانہ زندگی کا جزو بنا کر ان کے عمل کی نگرانی کی جائے۔ طلبہ کے اسلامی اصول پر عمل کرانے کے سلسلے میں ایک بات ضرور پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے، جبر و تشدد کے بجائے موعظہ حسنہ اور حکمت سے کام لیا جائے۔

اس مرحلے پر طلبہ کو قرآنِ حکیم کی اُن آیات سے روشناس کرایا جائے، جن کی شانِ نزول کا تعلق ایک طرف حضرتِ رسولِ اکرمؐ کی زندگی کے کسی سادہ پہلو سے ہو اور دوسری طرف ہماری روزانہ زندگی کے کسی عملی یا مجلسی مسئلے سے بھی وابستہ ہو۔ ان آیات کی مدد سے ثابت کیا جائے کہ حضرتِ رسولِ اکرمؐ وہ انسانِ کامل تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالمِ انسانیت کی ہدایت کے لیے منتخب کیا۔ اس تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہمارے طلبہ پاکیزہ زندگی کے ان تمام اصول و اشکال سے آشنا ہو جائیں۔ جن کے تحت ہم انہیں مثالی انسان بنانا چاہتے ہیں اور یہ مقصد محض رسمی نہیں، بلکہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ کے ماتحت اور حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کی روشنی میں ہونا چاہیے۔

اگر اس قسم کی آیات کے انتخاب میں مناسب احتیاط سے کام لیا جائے، تو اُمید ہے کہ ہم غیر محسوس طریق پر اپنے طلبہ کی تعلیم کے لیے ایک بنیادی متن بھی مہیا کر دیں گے، جو

مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل ہوگا:۔

۱۔ قرآنِ مجید کا سادہ ترجمہ

۲۔ تفسیر کے ابتدائی اجزا

۳۔ سیرت اور حدیث کے مبادی

۴۔ فقہ کے مبادی

تجویز یہ ہے کہ چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعت کی دینی تعلیم کے نصاب کو تین تدریجی درسی "قاعدوں" میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر "قاعدے" میں قرآنِ مجید کے چند حصے نقل کیے جائیں۔ ہر حصّے کا شانِ نزول اور مختصر تشریح درج کی جائے۔ ایک دو متعلقہ احادیث شامل کی جائیں۔ حضرت رسولِ اکرمؐ اور صحابہ کرام کی زندگیوں کے ایک دو واقعات بھی اضافہ کر دیے جائیں اور اس تمام مواد سے عمل و اخلاق کے کسی ضابطہ کا استخراج کیا جائے۔

توقع یہ ہے کہ حقوق العباد اور اصولِ معاملات کا اکثر حصہ اس طریق پر طلبہ کے ذہن نشین ہو جائے گا اور اگر کچھ مسائل باقی بھی رہ جائیں، تو بشرطِ ضرورت ان کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک حقوق اللہ اور اصولِ عقائد کا تعلق ہے، میرا خیال یہ ہے کہ ان کی تعلیم بعد کے مرحلوں (یعنی ہائی سکول کلاسوں) پر ملتوی کی جا سکتی ہے۔ چونکہ آٹھویں جماعت کے طالب علم کی عمر کوئی بارہ سال کے قریب ہوگی، اس لیے ظاہر ہے کہ اس میں اتنی ذہنی پختگی نہیں ہو سکتی کہ وہ اُصول قواعد اور حقوق اللہ کی اہمیت کو پُوری طرح سمجھ سکے۔

دینی تعلیم کا ایسا نصاب اپنے طلبہ کو مہیا کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ جس قسم کے مواقع ہماری روزانہ زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر رسولِ اکرمؐ اور صحابہ کرام جو رویہ اختیار کرتے تھے، اس کی پُوری اور حقیقی تصویر طلبہ کے سامنے آ جائے۔ اگر ہم لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کی روشنی میں طلبہ کی عملی رہنمائی کے لیے ایسا مواد مہیا کر دیں، تو یہ ایک بہت نتیجہ خیز کام ہوگا۔

رہا یہ امر کہ ان مجوزہ "قاعدوں" کا مواد کیونکر فراہم کیا جائے، تو خیال یہ ہے کہ اصلاً تو اس میں قرآنِ حکیم ہی کے بعض حصے لیے جائیں، لیکن اس کے علاوہ مندرجۂ ذیل ذرائع سے بھی استفادہ کیا جائے۔

۱۔ تفسیر ابن العباس:۔ جہاں تک قرآنِ مجید کے بعض حصوں کی تفسیر کا تعلق ہے۔

۲۔ صحیحین:۔ جہاں تک حضورؐ کی احادیث اور اُن کے سیاق کا تعلق ہے، یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ گو اسناد کا ذکر علم حدیث کا جزو لاینفک ہے۔ لیکن اس نصاب کی ترتیب میں اس کو حذف کر دینا بہتر ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ اُس راوی کا نام بتا دینا کافی ہوگا، جس نے حضرت رسولِ اکرمؐ سے براہِ راست وہ حدیث سُنی تھی۔

۳۔ مؤطا امام مالک:۔ جہاں تک قواعدِ اعمال و اخلاق کا تعلق ہے جن میں سے ہم اپنے طلبہ کے فائدے کے لیے اخذ کرنا چاہیں۔

۴۔ طبقات ابنِ سعد —— اور

۵۔ سیرت ابنِ ہشام:۔ جہاں تک رسولِ اکرمؐ اور صحابہ کرام کے واقعاتِ زندگی کا تعلق ہے۔

جہاں تک قرآنِ مجید اور احادیث کے اقتباسات کے متن کا تعلق ہے۔ اس کی اصل عربی عبارت ہر حال میں لکھی جائے اور اُس کا اُردو میں ترجمہ کر دیا جائے۔ لیکن ان دونوں مآخذوں کے سوا جو دوسرا مواد لیا جائے۔ اس کا صرف اُردو ترجمہ ہی دینا کافی ہوگا۔

طالب علموں کو یہ نصاب پڑھانے سے ہمارا مطمحِ نظر یہ نہ ہونا چاہیے کہ اُنھیں عالمِ دین بنانا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان میں (۱) ایک تو یہ رغبت پیدا کی جائے کہ وہ ہمیشہ احکامِ اسلام کے مطابق عمل کریں۔ (۲) جب کبھی اُنھیں کسی معاملے میں شبہ پیدا ہو، وہ اسلام کا منشا معلوم کرنے کے لیے بیتاب ہوں۔

(۴)

چونکہ سکولوں کے نصابِ درسی میں دینی تعلیم کی ترویج سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ وہ دیانت دار

اور خدا ترس مسلمانوں کی طرح زمانہ حاضر کی زندگی کے مسائل کا سامنا کر سکیں اور ہمارا مقصد اُن سب کو واعظ و مبلغ بنانا نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں دینی تعلیم دینے والے مدرّسین کے انتخاب میں بے حد احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ ہمیں اس سلسلے میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام کی مثال پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ اُنھوں نے عالمِ انسانیت کے عظیم ترین ہادی ہونے کے باوجود عام انسانوں کی روزمرہ کی زندگی کے حقائق کو کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ قرونِ اولیٰ کی بعد کی تاریخ بھی ایسی شخصیتوں سے بھری پڑی ہے، جو انتہائی زہد و تقویٰ کے ساتھ ہی ساتھ حقیقت بینی کا نہایت صحیح احساس رکھتے تھے اور جنھوں نے طاقتور بادشاہوں اور جرنیلوں کی حیثیت میں حکمرانی اور کشور کشائی کا حق بھی ادا کیا اور اس کے ساتھ ہی عاجز ترین بندگانِ خدا کی خدمت بھی کی۔ یہ ظاہر ہے کہ آج کل کے مُلّا اُن نامور بزرگوں کے جانشین نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ بہت ہی تنگ نظر، بے خبر اور اپنے زاویۂ نگاہ کے اعتبار سے انقطاع پسند واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے ہمیں انسانوں کی ایک نئی جماعت پیدا کرنی ہے، جو جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہٗ کی طرح بیک وقت علمِ دین کے ماہر اور حالاتِ حاضرہ کی معلومات سے بھی بہرہ ور ہوں۔ ایسے ہی افراد ہوں گے، جن کو ہمیں بالآخر اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا کام سپرد کرنا ہے۔

اس دوران میں میری تجویز یہ ہے کہ ہمیں ایک لمحے بھر کے لیے بھی بے کار نہ رہنا چاہیے اور جو مدرّسین بی ٹی یا دوسری ڈگریوں کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کو دینی تعلیم و تدریس کی تربیت دینے کا کام شروع کر دینا چاہیے۔

یہ صحیح ہے کہ اس سے ہمارے ٹریننگ کے اداروں کے عملے پر مزید کام کا بوجھ پڑ جائے گا، لیکن اُمید ہے کہ وہ ادارے ایک شدید قومی ضرورت کو مدّنظر رکھ اُسی خلوص و سرگرمی سے اس مزید کام کو اپنے ذمّے لیں گے، جو آج کل ہمارے تمام قومی اداروں کی شان کے شایاں ہے۔

"اصطلاحی غور و فکر"

"آموزش" کے پہلے نمبر میں ہم نے "اصطلاحی غور و فکر" کے عنوان کے ماتحت اصطلاحی بحث کا فورم جاری کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ اُردو کے دفتری زبان ہو جانے پر انگریزی اصطلاحات کے ترجمے میں جو دقتیں محسوس ہوں گی، انھیں قبل از وقت دُور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس مقصد کے مدِ نظر بہت سی ضروری اصطلاحات کا ترجمہ خود پیش کرنے کے علاوہ ہم نے یہ بھی گزارش کی تھی کہ مختلف دفاتر کے اربابِ متعلقین اصطلاحوں کے سلسلے میں جس قسم کے استفسارات کرنا چاہیں، وہ ہمیں بھیجے جائیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اربابِ علم و دانش کے مشوروں سے اُن کی مشکلات کو حل کریں اور اُن اصطلاحوں کے جچے تُلے، اُردو ترجمے بہم پہنچائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری یہ تجویز قارئینِ "آموزش" کو پسند آئی ہے۔ چنانچہ ہمارے پاس بہت سی انگریزی اصطلاحوں کے متعلق استفسارات روزانہ وصول ہو رہے ہیں اور ان کی تعداد اس قدر بڑھتی جا رہی ہے کہ شاید ہمیں "آموزش" کے اُن چند صفحات میں جو ہم نے اس سلسلے میں مقرر کر رکھے ہیں، اضافہ کرنا پڑے۔ ہم استفسارات کو تاریخِ رسیدہ کے مطابق ترتیب وار ایک رجسٹر میں درج کرتے جا رہے ہیں اور اسی رجسٹر کی ترتیب کے مطابق اُن کے ترجموں کو "آموزش" کے اس شعبے میں شائع کرتے رہا کریں گے۔ ہر استفسار اپنی باری پر زیرِ بحث آئے گا۔ اس لیے مستفسر حضرات سے التماس ہے کہ وہ اپنی باری کا اطمینان سے انتظار کریں۔

چونکہ مستفسر حضرات کے اکثر استفسارات مشترک ہیں، اس لیے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ استفسار کے ساتھ مستفسر کا نام نہ لیا جائے۔

اصطلاحات

1. For Necessary action

یہ ایک دفتری اشارات میں استعمال ہونے والی اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح کے متعلق متعدد ارباب علم نے مختلف ترجمے تجویز کیے ہیں: (۱) ضروری ہدایات کے لیے۔ (۲) ضروری عمل کی خاطر۔ (۳) ضروری احکام کے لیے۔ (۴) مناسب فیصلہ کے لیے۔ (۵) برائے تعمیل ضروری۔ (۶) برائے فرمانِ ضروری۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بچتا ہوا ترجمہ کونسا ہے؟ اس فیصلے سے پیشتر ہمیں اس اصطلاح کی ماہیت معلوم کر لینی چاہیے۔ حقیقت میں یہ اصطلاح دو رُخی ہے۔ کبھی ماتحت سے افسرِ بالا کی طرف احکام حاصل کرنے کی خاطر کاغذ بھیجتے وقت یہ الفاظ لکھے جاتے ہیں۔ کبھی افسرِ بالا کی طرف سے ماتحت کو تعمیل کے لیے اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔ چنانچہ ترجمے میں بھی دونوں صورتیں مدِ نظر رکھی جائیں۔ ان دو صورتوں کے لحاظ سے مندرجۂ ذیل ترجمے مناسب ہوں گے۔

بصورتِ اوّل : **برائے فرمان واجب**

بصورتِ دوم : **برائے تعمیل واجب**

"ضروری" کی بجائے لفظ "واجب" کو ہم نے زیادہ مناسب خیال کیا ہے۔

2. For Compliance.

اس کے لیے بھی مختلف ترجمے موصول ہوئے ہیں: (۱) بجا آوری کی خاطر۔ (۲) اطاعت کے لیے۔ (۳) برائے اطاعت۔ (۴) برائے تعمیل حکم۔ (۵) برائے امتثال امر۔

ان میں سے "برائے امتثال امر" یقیناً زیادہ مناسب ہے۔

3. Draft for approval

یہ الفاظ اُس مسودہ پر افسر کو مخاطب کر کے لکھے جاتے ہیں۔ جس کے متعلق اُن سے منظوری لی اس کے جو ترجمے موصول ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) مسودہ برائے پسندیدگی۔ (۲) اگر منظور

بہ پسند ند۔ (۳) منظوری کے لیے مضمون۔ (۴) منظوری کے لیے خاکہ۔
"خاکہ" اور "مضمون" ڈرافٹ کا مفہوم ادا نہیں کرتے۔ اس کے لیے صحیح لفظ "مسودہ" ہے۔
اس اصطلاح کا ترجمہ "مسودہ بغرضِ منظوری" زیادہ جچتا ہے اور ہم اسی کے حق میں ہیں۔

4. Issue a reminder.

اس سلسلے میں سب کی طرف سے ایک ہی متفقہ ترجمہ پہنچا ہے اور وہ یہ کہ "یاد دہانی کرائی جائے"۔ ہم اس کے مقابلے میں ایک جاذبِ صورت پیش کرتے ہیں۔ "یاد دہانی کرائی جائے" بیشک عام مستعمل ہے۔ لیکن ایسا ترجمہ یقیناً زیادہ موزوں رہے گا۔ جس میں Reminder کے لیے ایک مخصوص لفظ آ جائے۔ Reminder ایک منفرد اصطلاح ہے۔ اس کا ترجمہ "یاد آور" بہت مناسب ہے۔ اس لیے **Issue a reminder.** کے لیے بہترین ترجمہ "یاد آور بھیجا جائے" ہونا چاہیے۔

5. Through Proper Channel.

اس کے لیے بہت سی تجویزیں پہنچی ہیں: (۱) براہِ راست۔ (۲) بطریقِ مناسب۔ (۳) بوسیلۂ مناسب۔ (۴) بواسطۂ موزوں۔ (۵) بجدولِ راست۔ لیکن ہمیں ان میں سے کوئی پسند نہیں۔ ہمارے نزدیک "بطریقِ شائستہ" بہتر ہے۔ (**Proper.** کا جو یہاں مفہوم ہے، اُسے لفظ "شائستہ" خوب طور پر ادا کر سکتا ہے۔ "مناسب و راست" یا "موزوں و صحیح" اس مفہوم تک نہیں پہنچ سکتے۔

6. Sub-committee.

اس کے لیے بعض نے تجویز کیا ہے کہ اُردو میں بھی "سب کمیٹی" ہی تجویز کیا جائے۔ چند کی رائے ہے کہ نہیں، اس کے لیے "ماتحت کمیٹی" یا "چھوٹی کمیٹی" استعمال کیا جائے۔ لیکن ہم اُن صاحب کی تجویز سے متفق ہیں، جو اس کا ترجمہ "ذیلی مجلس" کرتے ہیں۔ اس اصطلاح نے ہمیں ایک بڑے عقدے کو حل کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انگریزی میں مختلف قسم کے الفاظ "سوسائٹی"

(Society)، "ایسوسی ایشن" (Association)، "آرگنائزیشن" (Organisation)، "کمیٹی" (Committee)، "کونسل" (Council)، "باڈی" (Body)، "ڈیپوٹیشن" (Deputation.)، "گروپ" (Group)، "کلب" (Club.) وغیرہ ہیں۔ لیکن ان تمام کا ترجمہ اُردو میں عام طور پر "مجلس" کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنی سہولت کی خاطر ہر ایک کے لیے مخصوص لفظ قرار دے دینا چاہیے۔ تاکہ ایک طرف تو ہمارے ہاں اسی قسم کی وسعتِ الفاظ مدِنظر رہے، جو انگریزی میں ہے اور مختلف صورتیں بھی قائم رہیں۔ چنانچہ ہماری تجویز ہے کہ "سوسائٹی" کے لیے لفظ "معاشرہ" استعمال کیا جائے۔ "ایسوسی ایشن" کے لیے "انجمن"، "آرگنائزیشن" کے لیے "تنظیم"، "کمیٹی" کے لیے "مجلس"، "کونسل کے لیے "شوریٰ"، "باڈی" کے لیے "جماعت"، "ڈیپوٹیشن" کے لیے "وفد"، "گروپ" کے لیے "جمعیت"، اور "کلب" کے لیے "ہیئت"۔

7. Ex-officio

اس کا ترجمہ "بلحاظ منصب" مناسب معلوم ہوتا ہے۔

8. Statistics

اس کے مختلف ترجمے کیے گئے ہیں۔ "تعداد" "جدول تعداد"، "اعداد و شمار" وغیرہ۔ لیکن ہماری نظر میں اس کے لیے "شماریات" بہتر معلوم ہوتا ہے۔

9. Current Account

اس کے لیے "چالو کھاتہ" کے مقابلہ میں "چلت حساب" زیادہ موزوں ہے۔

10. Endorsment

اس کے لیے "رائے" یا "اظہار رائے" زیادہ موزوں ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔ "تصدیق" زیادہ اچھا ہے۔ چونکہ عموماً یہ تصدیق کاغذ کی پشت پر ہوتی ہے۔ اس لیے اس صورت میں "تصدیق ظاہری" بہت موزوں ہوگا۔

سرکاری جریدہ کے اعلانات

سررشتۂ تعلیم، مغربی پنجاب

صیغۂ رجال ــــــ شعبۂ کالج

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجے پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
مورخہ مئی ۱۹۴۸ء شمارہ Z-۱۰۴۹۷	م فیضل احمد اعوان ایم۔ اے	لکچرار گورنمنٹ کالج لاہور	عملہ تحتانی صیغہ رجال (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰-۱۹۰/۲۰۰-۱۰-۲۵۰-۱۰-۳۰۰/۱۰-۳۵۰) شعبۂ کالج	پی۔ ای۔ ایس (عملہ تعلیمی فوقانی) درجہ دوم ۔ قائم مقام	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
〃	م فیضل احمد قریشی ایم۔ اے	لکچرار گورنمنٹ کالج کیمبل پور	〃	〃	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور	〃	〃

صیغۂ رجال ــــــ شعبۂ سکول

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
مورخہ مئی ۱۹۴۸ء شمارہ ۱۰۴۷۲	میر عبدالرحمٰن بی۔ اے	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول ڈیرہ غازی خان	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول ظفروال ضلع سیالکوٹ	تاریخ حاضری سے	م۔ عبدالمجید کی جگہ جن کا تقرر عارضی طور پر گھوڑا گلی میں ہوا ہے۔
〃	م۔ سبز علی بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ٹی	ایک امیدوار	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول ڈیرہ غازی خان۔ درجہ تحتانی سوم (۹۰-۵-۱۵۰) میں بمشاہرہ ۹۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	میر عبدالرحمٰن کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے اور م۔ عبدالمجید کے منصب کے ماتحت جنہیں ظفروال سے ڈیرہ غازی خان میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۹ مئی ۱۹۴۳ء ۱۰۴۷۴-E	م۔ ظہیر الدین۔ ایم۔ اے (عربی۔ انگریزی) بی۔ ٹی (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ	نائب مہتمم مدارس ضلع لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	مرزا فدا حسین کی جگہ جو ابھی خاص فرائض انجام دے رہے ہیں۔ درجہ تحتانی سوم کی ایک اسامی میں جو گورنمنٹ ہائی سکول باغبانپورہ سے منتقل کی گئی ہے۔
"	س محمد تقی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب مہتمم مدارس ضلع جھنگ	نائب مہتمم مدارس ضلع شیخوپورہ (بمشاہرہ سابقہ)	"	م۔ محمد ضمیر عالم کی جگہ جو بعہدہ صدر معلم تبدیل ہو چکے ہیں۔
"	محمد سعید خاں ایم۔ اے بی۔ ٹی (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	نائب مہتمم مدارس ضلع شیخوپورہ	نائب مہتمم مدارس ضلع لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	"	م۔ سرفراز الدین واسطی کی جگہ جو ابھی خاص فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور درجہ تحتانی سوم کی ایک اسامی میں جو گورنمنٹ ہائی سکول تلہ گنگ سے منتقل کی گئی ہے۔
"	م۔ محمد اقبال بی۔ اے۔ بی ٹی (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول باغبانپورہ	نائب مہتمم مدارس ضلع اٹک (بمشاہرہ سابقہ)	"	س۔ واجد حسین کی جگہ جو بعہدہ صدر معلم تبدیل ہو چکے ہیں۔
"	م عبد الحمید خاں بی۔ اے (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول باغبانپورہ	قائم مقام نائب مہتمم مدارس ضلع جھنگ (بمشاہرہ سابقہ)	"	س۔ محمد تقی کی جگہ جو تبدیل ہو چکے ہیں۔
"	م۔ سرفراز علی بی۔ اے بی۔ ٹی (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول شرقپور ضلع شیخوپورہ	قائم مقام نائب مہتمم مدارس ضلع شیخوپورہ (بمشاہرہ سابقہ)	"	م۔ محمد سعید خاں کی جگہ جو تبدیل ہو چکے ہیں۔
"	م۔ محمد شفیع بی۔ ایس سی بی۔ ٹی۔ (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی سنٹرل ماڈل سکول لاہور	قائم مقام نائب مہتمم مدارس ضلع لائل پور (بمشاہرہ سابقہ)	"	م۔ واجد علی کی جگہ جو ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔
۲۹ مئی ۱۹۴۳ء ۱۰۴۸۰-E	م۔ سبحان محمد (مشاہرہ ۱۰۵-۱۴۰)	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول پسرور	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول کمالیہ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ غلام غوث کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	م۔ غلام غوث (مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول کمالیہ	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول پسرور (بمشاہرہ سابقہ)	"	م۔ جان محمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲؍جون ۴۸ء E-۱۰۶۸۷	م۔ محمد مختار صادق بی۔ایس سی۔ بی ٹی (مشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰)	قائم مقام معلم گورنمنٹ نارمل سکول کمالیہ ضلع لائل پور	قائم مقام معلم انگریزی سنٹرل ماڈل اسکول لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ محمد شفیع کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	م۔ غلام جیلانی مخدوم ایم۔اے، ایم۔او۔ایل، بی۔ٹی (بمشاہرہ ۹۰-۵...)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی اسکول چکوال ضلع جہلم	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول باغبانپورہ ضلع لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	″	م۔ عبدالحمید خاں کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	م۔ عبدالوحید بی۔اے، بی ٹی (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول کیمبل پور	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول شرقپور ضلع شیخوپورہ (بمشاہرہ سابقہ)	″	م۔ سرفراز علی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	خواجہ محمد سعید ایم۔اے، بی ٹی (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول کیمبل پور (بمشاہرہ سابقہ)	″	م۔ عبدالوحید کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۲؍جون ۴۸ء E-۱۰۶۸۹	م۔ عبداللہ شاکر (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰-۲۲۰)	نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع کیمبل پور	نگران تعلیم جسمانی گورنمنٹ نارمل اسکول لالہ موسیٰ (بمشاہرہ سابقہ)	″	م۔ محمد سعید کی جگہ جو تبدیل ہو چکے ہیں۔ م۔ عبداللہ شاکر اپنی اسامی ساتھ لے جائیں گے۔
۲؍جون ۴۸ء E-۱۰۶۹۱	م۔ شیر محمد (مشاہرہ ۴۰-۳-۷۰/۴-۴/۸۵-۵-۱۰۵)	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول پتوہیرا سنگھ	معلم اردو اضافی سنٹرل ماڈل سکول لاہور (بمشاہرہ و درجہ سابقہ) ۱۰۵ روپے ماہوار	یکم جولائی ۴۷ء سے	گورنمنٹ ہائی سکول قصور میں ایک پنجابی معلم کی خالی اسامی کی جگہ جو عارضی طور پر یکم جولائی ۴۷ء سے ۱۱؍ستمبر ۴۸ء تک سنٹرل ماڈل سکول لاہور کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔
۳؍جون ۴۸ء E-۱۰۶۹۷	م۔ عبدالرشید (مشاہرہ ۵۰-۵-۱۰۰)	قائم مقام معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول پنڈی گھیب	قائم مقام معلم اردو گورنمنٹ نارمل سکول کمالیہ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	راؤ منصور علی خاں کی جگہ، جو نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع لاہور مقرر ہوئے ہیں۔
۳؍جون ۴۸ء E-۱۰۶۹۹	م۔ محمد سمیع خاں بی۔اے۔ ایس۔اے۔وی۔	عارضی معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول کھوڑہ جو م۔ سجاول خاں کی رخصت کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول کھوڑہ۔ درجہ تحتانی سوم (مشاہرہ ۹۰-۵-۱۵۰) میں بمشاہرہ ۹۰ روپے ماہوار	یکم مئی ۴۸ء قبل دوپہر سے	م۔ مقبول حسین ایم۔اے بی۔ٹی کی جگہ جو اپنی ملازمت پر حاضر نہیں ہوئے۔

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۸ر جون ۱۹۴۷ء ۱۱۱۶۴-ای	م۔ فتح دین (مشاہرہ ۵۰-۴-۸۰/۴-۱۰۰)	معلم السنۂ شرقیہ گورنمنٹ ہائی سکول گجرانوالہ	معلم اُردو اضافی گورنمنٹ ہائی سکول کمالیہ۔ درجہ تحتانی سوم (مشاہرہ ۴۰-۴-۷۰/۴-۸۵/۴-۱۰۵) میں بمشاہرہ سابقہ ۶۱ روپے ماہوار	یکم جولائی ۱۹۴۷ء سے	گورنمنٹ ہائی سکول راجن پور میں معلم اُردو کی ایک موجودہ اسامی کی جگہ جو کہ عارضی طور پر یکم جولائی ۱۹۴۷ء سے ۳۰ر اگست ۱۹۴۷ء تک گورنمنٹ ہائی سکول کمالیہ کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔
۱۱ر جون ۱۹۴۷ء ۱۱۲۰۳-ای	م۔ امیر احمد (مشاہرہ ۱۰۵-۷-۱۴۰)	معلم ڈرائنگ گورنمنٹ ہائی سکول سرسہ	ضمنی معلم ڈرائنگ گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ درجہ تحتانی دوم (مشاہرہ ۱۰۵-۷-۱۴۰) میں بمشاہرہ سابقہ ۱۱۲ روپے ماہوار	یکم اگست ۱۹۴۷ء سے	گورنمنٹ ہائی سکول چونیاں میں معلم پنجابی کی ایک موجودہ آسامی کی جگہ جو کہ عارضی طور پر یکم اگست ۱۹۴۷ء سے ۴ر ستمبر ۱۹۴۷ء تک گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔
۱۱ر جون ۱۹۴۷ء ۱۱۲۰۹-ای	م۔ محمد علی مشاہرہ ۵۰-۴-۸۰/۴-۱۰۰)	ایم۔ ٹی۔ آئی۔ گورنمنٹ ہائی سکول جگادھری	اضافی معلم ڈرائنگ گورنمنٹ ہائی سکول پنڈ دادنخان۔ درجہ تحتانی (مشاہرہ ۴۰-۴-۷۰/۴-۸۵/۴-۱۰۵) میں بمشاہرہ سابقہ ۶۱ روپے ماہوار	یکم اگست ۱۹۴۷ء سے	گورنمنٹ ہائی سکول بھکر میں معلم اُردو کی ایک موجودہ اسامی کی جگہ جو عارضی طور پر یکم اگست ۱۹۴۷ء سے ۴ر ستمبر ۱۹۴۷ء تک گورنمنٹ ہائی سکول پنڈ دادنخاں کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔
۱۳ر جون ۱۹۴۷ء ۱۱۲۸۶-ای	راؤ محمد یونس خاں (درجہ تحتانی مشاہرہ ۹۰-۵-۱۵۰)	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول نارائن گڑھ	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول کمالیہ درجہ تحتانی سوم (مشاہرہ ۹۰-۵-۱۵۰) میں بمشاہرہ سابقہ ۱۱۰ روپے ماہوار	یکم اگست ۱۹۴۷ء سے	گورنمنٹ ہائی سکول کوٹ ادو میں لالہ نونہال کرشن معلم انگریزی کی ایک خالی اسامی کی جگہ جو کہ عارضی طور پر یکم اگست ۱۹۴۷ء سے یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء تک گورنمنٹ ہائی سکول کمالیہ کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔
۱۹ر جون ۱۹۴۷ء [illegible]	[illegible]	قائم مقام معلم اُردو گورنمنٹ ہائی سکول [illegible]ام پور	قائم مقام معلم اُردو گورنمنٹ ہائی سکول راجن پور بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۹ر جون ۱۹۴۸ء E-۱۱۶۶۵	م۔ غوث محمد الیس مکی	ایک اُمیدوار	قائم مقام معلم اُردو گورنمنٹ ہائی سکول جامپور درجہ تحتانی سوم (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/ ۴-۱۰۰) میں بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	م۔ عبدالرحمٰن کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۲ر جون ۱۹۴۸ء E-۱۱۷۹۹	م۔ نذیر احمد فاروقی بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی بی۔ٹی		قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول فتح جنگ ضلع کیمبل پور کو درجہ تحتانی سوم (مشاہرہ ۹۰-۵-۱۵۰) (قائم مقام) سے درجہ تحتانی (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰-۱۹۰/ ۱۰-۲۲۰) (قائم مقام) میں ترقی دی گئی۔	۱۶ر مئی ۱۹۴۸ء قبل دوپہر سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
۲ر جون ۱۹۴۸ء E-۱۰۶۷۶	م۔ عبداللہ شاکر (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)		نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع کیمبل پور کے نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع سیالکوٹ میں تبدیلی کے احکامات منسوخ کیے جاتے ہیں۔	-	-
؍؍	م۔ عبدالعلیم چوہان		نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع سیالکوٹ کے نائب مہتمم مدارس برائے تعلیم جسمانی ضلع کیمبل پور میں تبدیلی کے احکامات منسوخ کیے جاتے ہیں۔	-	-

صیغۂ نسواں

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۵ر مئی ۱۹۴۸ء W-۱۰۲۱۵	آنسہ رسول فاطمہ بربنی بی۔اے۔ ای۔ ٹی۔ سی (بریلی)	-	قائم مقام معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گوجرانوالہ درجہ تحتانی سوم صیغۂ نسواں (مشاہرہ ۷۰-۱۵۰) میں بمشاہرہ ۷۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	مجیدہ بیگم جے۔اے۔وی کی جگہ جو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سیالکوٹ تبدیل ہو چکی ہیں۔
۱۲ر مئی ۱۹۴۸ء W-۱۰۲۲۴	آنسہ صدیقہ شفیع بی۔اے۔ بی ٹی (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ملتان (رخصتی)	نائب معلمہ لیڈی میکلیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور (بمشاہرہ سابقہ)		۱۹ر اپریل ۱۹۴۸ء سے ۲۴ر اپریل ۱۹۴۸ء تک مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰ کی ایک موجودہ اسامی کی جگہ اور بیگم ... ۱۹۴۸ء سے مس نشاط افروز بخش کی جگہ جو تبدیل ہو چکی ہیں۔

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۷ مئی ۱۹۴۸ء ۱۰۳۲۷-W	مس نشاط افروز بخش ایف-اے، جے-اے-وی (نمبر ۱۱ مشاہرہ ۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ لیڈی میکلیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور	نائب معلمہ وکٹوریہ گرلز ہائی سکول لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	یکم مئی ۱۹۴۸ء سے	مس-ایچ-ستنا کی جگہ جو سبکدوش ہو چکی ہیں۔
۲ جون ۱۹۴۸ء ۱۰۷۲۵-W	رفیق النساء ایس وی (نمبر ۴ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شیخوپورہ	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی نارمل سکول، راولپنڈی (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	قمر سلطانہ (نمبر ۲ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰) کی جگہ جو محکمہ امداد باہمی کی طرف تبدیل ہو چکی ہیں۔ قمر سلطانہ کا حق منصب گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ ہی میں رہے گا۔
۳ جون ۱۹۴۸ء ۱۰۸۱۲-W	مبارک بیگم ایس-وی، ایچ-پی-یو (نمبر ۲۱ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز نارمل سکول شرقپور	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شیخوپورہ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	اللہ رکھی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
؍؍	اللہ رکھی-ایس-وی ایچ-پی-یو (نمبر — مشاہرہ ۱۴۰-۲۲۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شیخوپورہ	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز نارمل سکول، شرقپور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	مبارک بیگم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۷ جون ۱۹۴۸ء ۱۰۹۴۴-W	اختر بیگم جے-اے-وی (مشاہرہ ۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز نارمل سکول شرقپور	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ وکٹوریہ گرلز ہائی سکول لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	گورنمنٹ گرلز مڈل سکول لیہ کی طرف سے وکٹوریہ گرلز سکول لاہور میں مشاہرہ ۷۰-۱۵۰ کی ایک منتقل کردہ اسامی کی جگہ۔ گورنمنٹ وکٹوریہ گرلز سکول لاہور میں ایس-وی معلمہ کی خالی اسامی گورنمنٹ گرلز مڈل سکول لیہ کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔
۸ جون ۱۹۴۸ء ۱۱۰۲۸-W	مس-پی-اے ٹیلر (تربیت یافتہ نرس)	—	نرس کوئن میری کالج-لاہور بمشاہرہ ۱۵۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	مسٹر نرنجن ناتھ کے مشرقی پنجاب چلے جانے سے (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰ صیغہ نسواں میں) موجودہ اسامی کی جگہ۔

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۲؍جون ۴۸ء ۱۱۲۹۶-۳	آنسہ۔ سارہ فاطمی ایم۔ اے (انگریزی)	—	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کیمبل پور درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۷۰۔۱۵۰) میں بمشاہرہ ۱۰۰ روپے ماہوار	یکم جون ۱۹۴۸ء قبل دوپہر سے	آنسہ رضیہ یوسف کی جگہ جو گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل سکول جھنگ میں ایک موجودہ آسامی کی جگہ تبدیل ہو چکی ہیں۔
۱۲؍جون ۴۸ء ۱۱۲۹۸-۳	رشیدہ بیگم ایس۔ وی	—	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پنڈی بھٹیاں درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں شعبہ کلاسیکل ورنیکلر (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰)	۵؍مارچ ۱۹۴۸ء سے	شریمتی لاجونتی کی جگہ، جو مشرقی پنجاب چلی گئی ہیں۔
۱۵؍جون ۴۸ء ۱۱۳۹۹-۳	آنسہ۔ زبیدہ یوسف بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (ریاضی) (نمبر ۶۵ مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل سکول منٹگمری	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سیالکوٹ (بمشاہرہ سابقہ)	تعطیلات گرما کے بعد تاریخ حاضری سے	آنسہ۔ بسم اللہ گیلانی کی جگہ جو تبدیل ہو چکی ہیں۔ وہ اپنی اسامی اپنے ساتھ لے جائیں گی۔
	آنسہ۔ روشن آرا عزیز بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (ریاضی)	—	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز نارمل سکول منٹگمری درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۷۰۔۱۵۰) میں بمشاہرہ ۹۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	آنسہ۔ آر۔ ٹی۔ بٹ ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی قائم مقام نائب مہتممہ مدارس ضلع راولپنڈی (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰) کے حق منصب کے ماتحت
۱۹؍جون ۴۸ء ۱۱۶۵۲-۳	مسز ڈی۔ بارے	—	قائم مقام امدادی معلمہ کوئین میری کالج لاہور درجہ تحتانی دوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰) میں بمشاہرہ ۱۵۰ روپے ماہوار	۳۰ جنوری ۴۸ء قبل دوپہر سے	درجہ ۱۵۰/۲۰/۲۲۰ کی ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔ جو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول قصور سے کوئین میری کالج لاہور کی طرف عارضی طور پر منتقل کر دی گئی ہے تاوقتیکہ امدادی محکمہ کی اس اسامی کی جس کی گورنمنٹ سے استدعا کی گئی ہے منظوری آجائے۔
۱۹؍جون ۴۸ء ۱۱۶۷۶-۳	بی بی مریم۔ ایس وی	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول بھکر۔ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں۔ شعبہ کلاسیکل ورنیکلر میں یکم جولائی ۴۷ء سے اپنی ملازمت اور درجہ مشاہرہ میں مستقل کر دی گئی ہیں۔			

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ و تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۹؍جون ۴۸ء ۷۷-۱۱۶۶۶	فہمیدہ بانو۔ ایس۔ وی	—	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں شعبہ کلاسیکل ورنیکلر (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰)	۷؍جون ۴۸ء سے	ہاجرہ بیگم کی جگہ جن کا ۲جون بعد میں ایک موجودہ اسامی کے سلسلے میں تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۱؍جون ۴۸ء ۷۷-۱۱۸۰۸	آنسہ ٹی۔ نیاز علی بی۔ اے بی۔ ٹی (مشاہرہ ۷۰-۱۵۰)	قائم مقام لکچرار کوئن میری کالج۔ لاہور۔ آنسہ جے۔ ایچ۔ سراج دین کی رخصت کے سلسلے میں جو وفات پا گئی ہیں۔	قائم مقام لکچرار کوئن میری کالج لاہور مشاہرہ ۷۰-۵-۹۰-۵-۱۰۰/۵-۱۵۰ میں بمشاہرہ سابقہ	یکم فروری ۴۷ء سے	مسز پی۔ اگروال کے یکم فروری ۴۷ء سے ملازمت ختم کر دی جانے کے باعث مشاہرہ ۷۰-۵-۹۰-۵-۱۰۰/۵-۱۵۰ میں ایک موجودہ اسامی کی جگہ
۲۴؍مئی ۴۸ء ۷۷-۱۰۱۲۷	امیر بیگم۔ ایس۔ وی (نمبر ۶۷۶ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول چیچہ وطنی (آزمائشی)	ان کی ملازمت ختم کر دی گئی ہے۔	۱۵؍مئی ۴۸ء قبل دوپہر سے	-
۱۷؍جون ۴۸ء ۷۷-۱۱۲۳۳	آنسہ محمودہ قاضی جے۔ اے۔ وی (نمبر ۱۵۸۱ مشاہرہ ۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پھالیہ درجہ سوم تحتانی صیغہ نسواں مشاہرہ ۷۰-۵-۹۰-۵-۱۰۰/۵-۱۵۰) سے	قائم مقام صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پھالیہ۔ درجہ تحتانی دوم صیغہ نسواں شعبہ قائم مقام (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰-۱۹۰/۱۰-۲۲۰) میں ترقی دی گئی۔	۸؍فروری ۴۷ء سے	ق۔ احمد کی جگہ جو رخصت پر ہیں۔
۱۵؍جون ۴۸ء ۷۷-۱۱۳۰۲	بیگم ممتاز چیمہ بی۔ اے بی۔ ٹی (نمبر ۱۰۳ مشاہرہ ۷۰-۱۵۰)	قائم مقام صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول شکرگڑھ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۷۰-۵-۹۰-۵-۱۰۰/۵-۱۵۰) سے	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول شکرگڑھ۔ درجہ تحتانی دوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰-۱۹۰/۱۰-۲۲۰) میں ترقی دی گئی۔	نیا عہدہ سنبھالنے کی تاریخ سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ

صیغۂ دفاتر

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۰ مئی ۴۸ء ۱۰۳۶۱	م۔ اللہ بخش (مشاہرہ ۵۰--۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع منٹگمری	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج نسواں لائل پور	تاریخ حاضری سے	م۔ شوکت علی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔ شوکت علی (مشاہرہ ۵۰--۱۰۰)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج نسواں لائل پور	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع لائل پور	تاریخ حاضری سے	م۔ علی محمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے
〃	م۔ علی محمد (مشاہرہ ۵۰--۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع لائل پور	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج منٹگمری	تاریخ حاضری سے	م۔ محمد رفیع کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔ محمد رفیع (مشاہرہ ۵۰--۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج منٹگمری	ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع منٹگمری	تاریخ حاضری سے	م۔ اللہ بخش کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۳ مئی ۴۸ء 2-۱۰۵۱۲	م۔ عزیز الدین (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چکوال (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰-۴--۱۰۰) سے	اعلیٰ محرر دفتر گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل سکول جہلم (قائم مقام) (مشاہرہ ۹-۵--۱۱۰-۵/۱۵۰) میں ترقی ہوئی۔	تاریخ حاضری سے	م۔ قطب الدین کی جگہ جو رخصت پر ہیں۔
〃	م۔ محمد اقبال حسین میٹرک	ایک مہاجر بمراد ۔ ۵/۴۸/۵۱۵۵/۴	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چکوال بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	م۔ عزیز الدین کی جگہ جو قائم مقام اعلیٰ محرر مقرر ہوئے ہیں۔
〃	م۔ محمد رفیق میٹرک	ایک مہاجر	قائم مقام ادنیٰ محرر مہتمم مدارس لاہور ڈویژن بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	یکم اپریل ۴۸ء سے ۳۱ مارچ ۴۹ء تک ایک سال کے لیے نئی منظور شدہ اسامی کی جگہ
〃	م۔ عزیز الرحمٰن میٹرک	ایک مہاجر نمبر ۱۴-۱۱-۴۸ N/۵۶۰۷	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس لاہور ڈویژن بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	〃

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۳۱ مئی ۴۹ء Z-10512	م۔ محمد حفیظ ایف۔ اے	ایک مہاجر نمبر ۱۴۔۱۱۔۴۸ ۸/۷۷۲۶	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کیمبل پور بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
"	م۔ بشیر احمد میٹرک	ایک مہاجر نمبر ۸۴/۴/۷۷۴۴۸ مورخہ ۷ مارچ ۴۸ء	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع کیمبل پور بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار	"	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
۲ جون ۴۸ء Z-10678	م۔ اختر امیر (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج، لاہور	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع لائل پور	"	م۔ احمد سعید کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	م۔ نیاز محمد خاں (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع لاہور	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج لاہور	"	م۔ اختر امیر کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	م۔ احمد سعید (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع لائل پور	ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع لاہور	"	م۔ نیاز محمد خاں کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے اور م۔ عبداللطیف (نمبر ۵۴ مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰) کے حق منصب کے ماتحت جن کا تبادلہ دفتر مہتمم مدارس ضلع لاہور میں ہو چکا ہے۔
۲۱ جون ۴۸ء Z-11803	م۔ اللہ دوایا سنبھل (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	قائم مقام محرر گورنمنٹ ہائی سکول، تونسہ	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع ملتان (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	یکم اپریل ۴۸ء سے ۳۱ مارچ ۴۹ء تک ایک سال کے لیے ایک نئی آسامی کی جگہ
"	م۔ حیات احمد میٹرک	ایک اُمیدوار	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول تونسہ (مشاہرہ ۵۰۔۳۔۸۰/۴۔۱۰۰) میں بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار	"	م۔ اللہ دوایا کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔

آموزش

اگست

رموز

تحلیلِ نفسی

نصابِ اُردو کے بعض اشارے

تعلیمِ بالغاں — ۲
خواندگی کے بعد

ایران کی تعلیمی ترقی

اِصلاحی غور و فکر

[illegible]

تعلیمی ماہ نامہ

آموزش

لاہور

مدیر:

بشیر ہاشمی

مدیر "آموزش" کی تسلیم کے ساتھ

اگست سنہ ۱۹۴۸ء
جلد: ۱
شمارہ: ۴

ناشر:
کتاب منزل
لاہور
قیمت فی پرچہ دس آنے

سالانہ چندہ
پاکستان کے لیے: ۶ روپے
غیر ممالک کے لیے: ۸ روپے

رموز

کوئی سال بھر ہونے کو آیا، ہڑتالوں اور جلوسوں کا زور تھا۔ شخصے مردہ باد اور شخصے زندہ باد کے نعرے عام تھے، اگر بازار میں یا سڑک پر کسی جلوس سے مڈھ بھیڑ نہ ہوتی اور کانوں میں نعروں کی آواز نہ پڑتی تو دل کچھ اداس سا ہو جاتا تھا۔ آزاد ملک اور آزاد قوم کا تصور جلوس اور نعروں کی معرفت تشکیل پا رہا تھا۔ گرفتاریاں، لاٹھی پولس کے حملے اور اسی قسم کے حکومتی شُتر غمزے عام تھے۔ خیر، وُہ وقت گزر گیا۔ اس کے بعد اس سے زیادہ سخت وقت آیا۔ صبر کا امتحان اور استقامت کی آزمائش شروع ہُوئی، وُہ وقت بھی جوں توں کچھ گزر گیا، باقی گزر جائے گا۔ لیکن سُنا ہے آنکھوں کی سوئیاں مُشکل سے نکلتی ہیں۔ یعنی اس قوت کو جو اب تک دُشمن کی تخریب پر صرف ہوتی تھی اور جو تخریبی عمل ہی کی خوگر ہو چلی تھی، ملک و ملّت کی تعمیر پر لگانا ہوگا۔ ہر شخص نازاں ہے کہ پاکستان مل گیا، لیکن یہ کوئی محسوس نہیں کرتا کہ کئی سال تک پاکستان کے معنی صرف اسی قدر ہیں کہ محنت کرو اور دُکھ اُٹھاؤ، ضبط و انتظام کی عادت ڈالو اور راستبازی کو اپنا شعار بناؤ۔ مگر جماعتی مفاد، شخصی منفعت اب بھی پیش نظر ہے۔ ان کا مظاہرہ عام ہے۔ پھر آدمی کبیدہ خاطر نہ ہو تو کیا کرے۔

پاکستان کا دستور و قانون کیا ہوگا؟ عام شہری کی زندگی کس طرح مرتّب ہوگی؟ ہر کس و ناکس کو یہ فکر ہے اور کیوں نہ ہو۔ ملک و ملّت کی بالیدگی اور استواری کا اسی پر انحصار ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ علمائے دین کا فیصلہ اس معاملے میں قطعی ہونا چاہیے۔

کوئی کہتا ہے کہ اساس حکومت کم و بیش یہی رہنا چاہیئے۔ کوئی اسلامی سوشلزم کی توضیح میں مصروف ہے۔ غرض جتنے مُنہ اتنی باتیں غیر سرکاری طور پر دولت مستقبلہ پاکستان کے لیے طرح طرح کے آئین و قوانین وضع کئے جا رہے ہیں۔ مقامی مفکّرین کی ایک جماعت نے، جسے کم و بیش نیم سرکاری سی حیثیت حاصل ہے، ایک نظام کا ڈھانچہ پیش کیا ہے جس کا اوّلین دعوےٰ ہے کہ صرف علمائے دین ہی کو یہ حق پہونچتا ہے اور وہی انفرادی اور ملّی زندگی کے لیے ضبط و آئین مرتّب اور نافذ کرنے کے اہل ہیں۔ جمہور کو بلاواسطہ یہ حق نہیں پہونچتا کہ وُہ اقتدار حکومت کو ترتیب دیں، جو کچھ ہوگا بالواسطہ یعنی علمائے دین کی معرفت، لیکن علمائے دین کی یہ جماعت ہے کہاں؟ جواب ملتا ہے اس وقت موجود نہیں لیکن جلد تیار ہو جائے گی۔ چشم ما روشن دل ماشاد، لیکن نگاہ ماضی آشنا بول اُٹھتی ہے کہ ملوکیت یہ تماشے پہلے بھی کر چکی ہے۔ صدیوں کلیسا نے قیصریت سے احکامات حاصل کیے ہیں اور ان کی تعمیل کی ہے۔ صدیوں پنڈتوں نے راجگی کے طرّۂ سرفرازی کو بلند تر کیا ہے اور اس کے عوض پاپائی گماشتہ اور پنڈت شریک سلطنت رہے ہیں۔ اسلام میں تو ملّا کا کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں۔ قرآن ان کے ذکر سے خالی ہے اور حدیث نے انھیں جانشینان نبوّت نہیں مانا۔ یہ تو عیسائیت اور ہندو مذہب کے ہتھیار ہیں۔ مسلمان کو ان سے کیا سروکار۔ پھر تاریخ عالم کی شہادت یہ ہے کہ کسی دَور میں بھی کلیساؤں اور مندروں کے نمائندے نوع انسانی کے لیے مفید ثابت نہیں ہوئے۔

ہمارا دین کوئی معمّہ نہیں۔ اسلام کا دعوےٰ یہ ہے کہ یہ آسان ترین دین ہے۔ پھر مسلمان کو یہ ضرورت کیوں لاحق ہو کہ اس کے دینی اور دنیوی امور ملّا کی معرفت سرانجام پائیں۔ پاپائی اور پنڈتائی اُصولوں کے ماتحت ملّائی اجارہ داری کیوں قائم کی جائے۔ چار دن نہیں گزرے، غیر منقسم ہندوستان میں ابوالکلام آزاد، کفایت اللہ،

احمد سعید، حفیظ الرحمٰن اور خدا جانے کتنے ناد یان دین متین" ہمیں یہ سبق پڑھا رہے تھے کہ مطالبۂ پاکستان خلاف شرع و خلاف اسلام ہے، سراسر گمراہی ہے۔ کانگریس کی مخالفت دین اسلام سے انحراف اور دنیا میں رسوائی ہے کانگریس اور مشترکہ ہندوستان کے آستان پر جبین و جبّہ سائی میں سعادت دارین ہے۔ لیکن مرد مجاہد محمد علی جناح نے جمہور کو ان "علمائے دین" کی بات نہ سننے دی۔ جبّار و متکبّر اللہ نے ہم کو سرفرازی بخشی یعنی دولت پاکستان اور اس میں مسلمان کو آزادی عطا کی۔

کون ہے جو ابوالکلام آزاد اور کفایت اللہ کے علم اور تبحّر سے انکار کر سکتا ہے؟ کیا یہ علم دین کے آسمان پر سب سے درخشندہ سورج اور چاند نہیں ہیں؟ اب کیسے رہنما کرے کوئی؟ ہمارا جواب ہے، خدا کی کتاب اور اس کے رسول کو۔ ہمارے لیے یہ کافی ہیں۔ ہمیں علما کا سہارا درکار نہیں۔

یہ تصوّر عام ہے کہ مدّرس کے فرائض درس و تدریس پر ختم ہو جاتے ہیں یعنی معیّنہ اوقات پر، منتخب کتابوں کے چند صفحات کا درس دے کر مدّرس اپنی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ تصوّر ناقص ہے۔ مدّرس اور عوام کا یہ عقیدہ اصولی تنگ نظری پر مبنی ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی مبسوط و منضبط قانون مدّرس کی تمام ذمّہ داریوں کی توضیح نہیں کرتا، تو اس امر سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ اجتماعی زندگی کی کامیابی کا دار و مدار صرف ضبط تحریر میں آئے ہوئے قوانین کی پابندی پر منحصر نہیں ہوتا۔ ہر مدّرس کا فرض ہے کہ وہ تدریس کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت کے اہم فرائض بھی اپنے ذمّے لے اور یہ کوشش کرے کہ اس کے حلقۂ درس میں بیٹھنے والا ہر طالب علم آگے چل کر ایک ایسا فرض شناس شہری بن جائے جس کا کردار صحیح ہو جس کا عزم راسخ ہو جس کی نظر بالغ اور جس کے خیالات وسیع ہوں۔

زندگی کی حقیقی اقدار سے طالب علم کو روشناس کرانا اور ان اقدار پر کاربند ہونے کی تلقین کرنا مدرس کا ایک ضروری فرض ہے۔ زندگی کی اقدار زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاتی ہیں اور ان کا صحیح اندازہ معاشرے کی نبض پر انگلیاں جمائے رکھنے سے ہو سکتا ہے۔ ان اقدار کی تشکیل میں زمانے کے تقاضوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ یہ اقدار کسی منجمد ضابطہ کی پابند نہیں رہتیں۔ جمود سے ترقی کا نباہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ترقی محض قدامت پرستی، رجعت پسندی، جدت طرازی یا قانون شکنی سے عبارت ہے۔ ترقی کا عمل دو رویہ ہوتا ہے۔ اس کی رفتار ایک طرف شکست و ریخت کرتی ہے تو دوسری طرف تعمیر کی ضامن بھی ہے۔ ہمارے مدرس آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت کے کفیل ہیں۔ ان کا یہ فرض ہے کہ انتہائی بالغ نظری کے ساتھ معاشرے کا جائزہ لیتے رہیں اور ہر اس رجحان کو جو ترقی میں سدّ راہ ہو، دور کرنے کی کوشش کریں۔ بہت ممکن ہے کہ کسی رسم کے خلاف ان کی صدائے احتجاج اور عملی کارروائی پر مخالفت کی بوچھاڑ شروع ہو جائے، لیکن ان کی ہمت نہ ٹوٹے۔ ان کا حوصلہ پست نہ ہو بلکہ ان کا یقین پہلے سے زیادہ محکم اور ان کا عمل پہلے سے زیادہ پیہم ہوتا جائے۔ نوع انسانی کے خدمت گزاروں کی سبق آموز سوانح حیات اور ان کی صبر آزما زندگیاں ہمارے سامنے ہیں جو ہمیں زندگی کی رزمگاہ میں آگے بڑھایا کریں گی۔

ہمارا فرض ہے کہ اپنے اردگرد کا جائزہ لیں اور نژادِ نو کی کامیابی کے لیے نئی اقدارِ حیات قائم کریں جو مقتضائے زمانہ کے موافق ہوں۔ اسی عقیدے کے ماتحت ہم کوشش کریں گے کہ آموزشش محض پیشہ ورانہ مجلّہ سے کچھ زیادہ ہو یعنی ایسے مضامین اور موضوعات پر بھی اظہار خیالات کرے جن میں حقیقی طور پر اقدار حیات کا جائزہ لیا گیا ہو۔ ——

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

تحلیلِ نفسی

از

عبدُالحی علوی

(۱)

اُردو ادب میں "تحلیل نفسی" اور اس کی متعلقہ اصطلاحات خطرناک حد تک ہر دلعزیز ہو گئی ہیں۔ "جنس" (Sex) کا مسئلہ تحلیل نفسی میں ہر خاص و عام کے لیے دلچسپی کا مرکز بن رہا ہے، اور محض اسی کی بنا پر ہر کس و ناکس اپنے تئیں تحلیل نفسی کا ماہر خیال کرتا ہے، اور اپنے اِدھر اُدھر سے جمع کئے ہوئے غیر مربوط خیالات کا کسی نہ کسی رسالے میں آئے دن اظہار کرتا رہتا ہے۔ یہ ہر دلعزیزی میرے نزدیک اس لیے خطرناک ہے، کہ ان مضامین کے مطالعے سے بہت آدمی گمراہ ہو رہے ہیں۔ تحلیل نفسی ایک خوفناک ہتھیار ہے، جس کا استعمال مکمل علم کے بغیر تباہ کُن ہے۔ مجھے ایک دوست سے ملنے کا اتفاق ہُوا، جو کسی دماغی پریشانی میں مبتلا تھے۔ میرے استفسار پر فرمانے لگے، کہ مَیں تحلیل نفسی کی مدد سے اپنے علاج میں کوشاں ہوں۔ لاکھ انہیں سمجھایا، کہ یہ کوئی پیٹنٹ دوا تو ہے نہیں، جسے دیہاتی حکیم بھی آزادی سے استعمال کر سکیں۔ اس کے لیے سالہا سال کے دقیق مطالعہ اور سب سے بڑھ کر عملی کام کی ضرورت ہے لیکن سطحی مضامین میں اس حد تک کشش ہوتی ہے، کہ اس کے مطالعہ کے بعد ہر شخص اپنے تئیں اس کا ماہر خیال کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ میرے دوست کی نظر سے بھی ایسا مضمون گزر چکا تھا، وہ کیوں اسے اپنے آپ پر استعمال نہ کرتے؟ انجام معلوم، چند سال گزر جانے کے بعد اب بھی وہ تحلیل نفسی کی پیچیدگیوں میں مبتلا ہیں۔

* * *

اس خطرے کے باوجود معلّمین کے لیے تحلیل نفسی کے بُنیادی اصولوں اور ان کی حدّ وسعت سے آگاہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ لیکن اس میں اتنی احتیاط کی ضرورت ہے کہ ان کا یہ علم سطحی نہ ہو، بلکہ تحقیقی یعنی سائنٹیفک ہو، جس میں اس طریقے کے حُسن و قبح اور اس کے محدود استعمال کا صاف صاف ذکر کیا گیا ہو۔ معلّم کسی صورت میں بھی مدرسے میں تحلیل نفسی کی مشق نہیں کر سکتا، لیکن پھر بھی اسے متعدّد انتظامی امور کے سلجھانے اور بچّوں کے غیر معمولی کردار کے سمجھنے اور ان کی جائز خاندانی اور شخصی مشکلات سے آگاہ ہونے کے لیے تحلیل نفسی سے کچھ نہ کچھ واقفیّت ضروری ہے، تاکہ وُہ ان اُصولوں کی مدد سے اپنے متعلمین کی سیرت کی تشکیل کے سلسلے میں ان اُصولوں سے واقف ہو سکے جو لاعلمی میں ہمیشہ متأثّر کرتے رہتے ہیں۔ اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا، کہ اس کا کیا علاج کیا جائے۔ اس مقصد کو ملحوظ رکھتے ہُوئے ہم یہ مضمون خاص طور پر مُعلّمین کے لیے پیش کر رہے ہیں، کہ وُہ اس سے کماحقّہٗ آگاہ ہونے کے بعد مختلف تدریسی و شخصی مشکلات کی تہ تک پہنچ سکیں، لیکن اصلی مضمون سے قبل ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں، کہ اس مضمون کے مطالعے سے تحلیل نفسی پر مہارت کا حصول ممکن نہیں۔ اس کا مقصد محض صحیح حالات کا سمجھنا ہے۔ اور صرف معمولی معمولی نقائص کے اصلاحی طریقوں سے آگاہ ہونا ہے نفسیات کے سالہاسال کے دقیق مطالعہ کے بغیر کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا، کہ وُہ مظلوم متعلّمین کو اپنے تحلیل نفسی کے ادھورے علم کا نشانۂ مشق بناتا پھرے۔ تحلیل نفسی کے مطالعہ کے بعد البتّہ وُہ ہر ایسے طالب علم کو ماہر نفسیات کے سُپرد کر سکتا ہے، جو اس کے خیال میں کسی ذہنی اُلجھن میں مبتلا ہے۔ اور مناسب تدارک نہ کرنے کی وجہ سے روز بروز اس کی حالت خراب ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے واقعات میں وُہ تمام طالبعلم شامل ہیں، جو اپنی گوناگوں شرارتوں سے معلّمین کا ناک میں دم کر دیتے ہیں، یا مجرمانہ زندگی اختیار کر کے سارے سکول کو بدنام کرتے ہیں۔ مدرسے کی خاطر یہ نہایت

ضروری ہے کہ تحلیل نفسی کے چند اصولوں کی مدد سے معلّم ان مشکلات سے آگاہ ہو سکے اور اپنے طالب علموں کی حتی الامکان رہنمائی کر سکے۔ تحلیل نفسی کی مشق کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی شخص کو اس طریقے کی مشق کرنے کا حق اس وقت تک نہیں پہنچتا، جب تک کہ وُہ خود تحلیل نفسی کی مدد سے کسی ماہر کے پاس اپنی ذہنی اُلجھنوں کا اظہار نہ کر چکا ہو۔

تحلیل نفسی کی مختصر تاریخ

"تحلیل نفسی" (Psycho-Analysis) کو بالعموم "نفسیات" کا ایک خاص مسلک قرار دیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تحلیل نفسی بھی ان بے شمار مسائل کے حل میں مصروف ہے، جو ایک مدت سے نفسیات کے موضوع چلے آتے ہیں، لیکن ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہئیے کہ جہاں تک نظریات اور مسائل کے حل تلاش کرنے کا تعلق ہے، تحلیل نفسی اور نفسیات میں بہت کم چیزیں مشترک ہیں، تحلیل نفسی کی ابتدا مریضوں کے علاج سے ہوئی اور اس کے موجد بھی اپنے زمانے کے نامی طبیب تھے۔ جنھیں اپنے دریافت کردہ اُصولوں پر اتنا بھروسہ تھا کہ اُنھوں نے مروّجہ نفسیات کے چشمے سے سیراب ہونا پسند نہ کیا۔ "ماہرین نفسیات" نے اس نئے طریقۂ علاج کو اس لیے اپنایا کہ انھیں خود اپنی مشکلات کا حل اور انسانی فطرت کے بعض پہلوؤں کی تشریح اسی میں نظر آئی۔ نیا طریقۂ علاج دلچسپ بھی تھا اور عجیب بھی۔ باوجود اطبا کی شدید مخالفت کے بعض ذاتی اور پوشیدہ مسائل کے حل کی بنا پر عوام میں ہر دل عزیز ہوتا چلا گیا اور ماہرین نفسیات مجبور ہو گئے کہ اپنی نئی سائنس کی ترقی کے لیے اس نئے طریقۂ علاج سے خوشہ چینی کریں۔ نتیجۃً غیر طبعی کردار کی تشریح کے لیے ماہرین نفسیات بھی مجبور ہو گئے کہ تحلیل نفسی سے استفادہ کریں اور اس کی اصطلاحات کو اپنائیں۔ گزشتہ چند سالوں میں نفسیات کا صرف

بھی ایک شعبہ ایسا ہے جو عوام کے لیے خاص دلچسپی کا باعث بن گیا ہے۔

تحلیل نفسی سے کیا مراد ہے | تحلیل نفسی کے مطالعہ سے بیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سائنس کی تعریف سے اس کی وسعت کا اندازہ لگالیا جائے تحلیل نفسی سے عموماً تین معنے مراد لیے جاتے ہیں :—

۱۔ عصبی امراض کے علاج کا ایسا نیا طریقہ جسے ویانا کے ایک مشہور یہودی طبیب ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) نے رواج دیا۔

۲۔ ایسا طریقہ جس سے نفس انسانی کی گہرائیوں اور اس کے کارناموں سے واقفیت حاصل کی جائے اور اس مقصد کے لیے فرائڈ کے خصوصی طریقے کو استعمال کیا جائے اور

۳۔ نظریات کا ایسا نظام جو مندرجہ بالا ذرائع سے حاصل کیے ہوئے مواد کی تشریح کرے، اگر ہم تاریخی واقعات کو مدنظر رکھیں تو فرائڈ کے مسلک کے علاوہ کسی اور مسلک پر تحلیل نفسی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

تحلیل نفسی کی نشو و نما | تحلیل نفسی کی تاریخ بھی خاصی دلچسپ ہے۔ اس کے مطالعہ سے صرف اس کی نشو و نما کی رفتار ہی کا پتہ نہیں چلتا، بلکہ اس کے اکثر تصورات ساتھ ساتھ ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تحلیل نفسی فرائڈ کی "تخلیق" ہے اور یہ محض اتفاق ہے کہ اس زمانے کے اور مشہور و معروف علما کے عوض اس کی "ایجاد" کا سہرا فرائڈ کے سر رہا۔ گذشتہ صدی کے بعض سرکردہ ماہرین اعصاب (Neurologists) مثلاً شارکو (Charcoe) ژینے (Janet) اور پرنس (Prince) وغیرہ شب و روز ایسے طریقۂ علاج کی دریافت میں مصروف تھے، جس سے عصبی مریضوں کی مدد کی جا سکے۔ عصبی امراض کی دو قسمیں ہیں، ۱/ ایسے امراض جن میں دماغ یا اعصاب میں کوئی ایسا نامیاتی (Organic) نقص پیدا ہو جاتا ہے، جسے ڈاکٹر اپنے بیش قیمت آلات کی مدد سے ملاحظہ

کر سکتے ہیں لیکن عصبی امراض کی دوسری اہم قسم وہ ہے، جن میں بظاہر کوئی ایسا نقص معلوم نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک مریضہ اپنے دائیں بازو کے شل ہو جانے کی شکایت کرتی ہے، ڈاکٹر اس کا طبّی معائنہ کرتا ہے۔ جب اس پر بھی وہ مطمئن نہیں ہوتا تو اس کا ایکس رے لیتا ہے۔ لیکن پھر بھی کوئی ایسا نقص معلوم نہیں ہوتا، جسے اس خاص تکلیف کا باعث قرار دیا جا سکے۔ ڈاکٹر اپنے علم اور تجربہ کو کیوں ادھورا خیال کرے؟ وہ یہ کہہ کر اپنی تسلّی کر لے گا کہ "مریضہ فی الحقیقت کسی نقص میں مبتلا نہیں، صرف وہ اپنے لواحقین کو دھوکا دے رہی ہے"۔ لیکن جب ایسے "فرضی" مریضوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا تو شارکو اور ژینے وغیرہ مجبور ہو گئے کہ اس "فرضی" مرض کا مناسب تدارک کریں، فرائڈ بھی انھیں علما کے آگے زانوئے ادب تہ کر چکے ہیں۔

فرائڈ، موریویا کے قصبے فری برگ میں ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباواجداد یہودی تھے۔ معمولی تعلیم حاصل کرنے کے بعد طبّی تعلیم کی تکمیل کی خاطر ویانا یونیورسٹی میں داخل ہو گئے اور حسن اتّفاق سے انھیں ایسے اُستاد میسّر آئے، جن سے انھیں "تحقیق و تفتیش" کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۸۸۴ء میں مقامی ہسپتال میں نائب طبیب مقرر ہو گئے۔ یہاں انھوں نے چند ادویہ کے بے حس کر دینے کی تاثیر کے متعلّق کچھ تحقیق کی۔ یہ تحقیق ماہرینِ امراضِ چشم کے لیے خاص طور پر مفید ثابت ہوئی اور انھوں نے آنکھ کے عملیات کے لیے انھیں ادویہ سے استفادہ کیا۔ لیکن خود فرائڈ اپنی اس تحقیق سے چنداں مطمئن نہیں تھے، ان کی توجہ عصبی امراض کے علاج پر مرکوز تھی اور وہ چاہتے تھے کہ بیچارے "فرضی" مریضوں کی کچھ مدد کر سکیں جو کافی تعداد میں اپنی شکایات لے کر ہسپتال آتے ہیں۔

۱۸۸۵ء میں وہ پیرس چلے گئے، تاکہ وہ شارکو سے اس سلسلے میں کچھ حاصل کر سکیں۔ شارکو اس زمانے کے سب سے مشہور ماہرِ اعصاب تھے۔ یہاں فرائڈ نے دیکھا کہ شارکو تنویم یعنی ہپناٹزم کی مدد سے ہسٹریا (Hysteria) وغیرہ کا نہایت

کامیابی سے علاج کر رہے ہیں ۔ انھوں نے شارکو کو یہ کہتے بھی سنا کہ تمام عصبی امراض میں مریض کی جنسی زندگی میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نقص ضرور موجود ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ فرائڈ کی توجہ کو سب سے زیادہ ایک اہم واقعہ نے مبذول کیا جس میں شارکو نے تنویم کی مدد سے تندرست انسان میں ہسٹریا کی علامات پیدا کر دیں ۔ فرائڈ کے لیے یہ تجربہ اس لیے بھی دلچسپ تھا کہ جرمنی اور آسٹریا کے اطبا ہسٹریا کو ایسا مرض قرار دیتے تھے جس میں دماغی اور اعصابی ساخت میں کوئی نقص آجاتا ہے لیکن یہاں انھوں نے دیکھا کہ تنویم سے پیدا کیا ہوا مرض محض "خیالات" کا نتیجہ تھا ۔ ویانا واپس آکر فرائڈ نے جب اپنے دوستوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ ہسٹریا کو بغیر دماغی خرابی کے بھی پیدا کیا جاسکتا ہے تو سب نے ان کا مضحکہ اڑایا اور مشورہ دیا کہ آئندہ ایسی باتوں کا کسی سے بھی ذکر نہ کریں ۔

۱۸۸۶ء میں ویانا واپس آتے ہی فرائڈ ہسٹریا اور دوسرے عصبی امراض کے علاج میں مشغول ہو گئے ۔ ان کے علاج کا زیادہ تر دارومدار تنویم ہی پر تھا لیکن یہ طریقہ چنداں مفید ثابت نہ ہوا ۔ کیونکہ اکثر مریضوں پر تنویمی کیفیت طاری نہیں ہوسکتی تھی اور اگر یہ کیفیت طاری ہو بھی جائے تو بھی اکثر حالات میں مریض کی شکایات بالکل رفع نہیں ہوتیں ۔ ان مشکلات پر عبور حاصل کرنے کے لیے فرائڈ نے دوبارہ فرانس کا سفر اختیار کیا لیکن اس دفعہ وہ پیرس کے نینسی سکول (Nancy School) میں گئے جن کا دعوے تھا کہ وہ ہر شخص کو حالتِ تنویم میں لاسکتے ہیں لیکن جب فرائڈ نے بچشم خود نینسی سکول کا ملاحظہ کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ سکول والوں کا یہ دعوے امبالغے سے خالی نہیں نینسی مدرسہ کے سرکردہ اس وقت برن ائیم (Bernheim) تھے ۔ برن ائیم کا ایک تجربہ البتہ خاص طور پر فرائڈ کی دلچسپی کا باعث بنا ۔ انھوں نے ایک شخص پر تنویم کا عمل کیا ۔ جب وہ بے ہوش ہو گیا تو اسے کہا گیا کہ جب گھڑی بارہ

بجائے گی تو یہ فلاں کھڑکی کو کھول دے گا۔ مریض کو بعد میں ہوش میں لایا گیا جب گھڑی نے بارہ بجائے تو اس نے فوراً وہی کھڑکی کھول دی، جس کے لیے اُسے کہا گیا تھا۔ جب اس سے کھڑکی کھولنے کی وجہ پوچھی گئی تو اُس نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔ برن ایم اس کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے۔ وہ مصر تھے کہ مریض انھیں کھڑکی کھولنے کے اصلی سبب سے آگاہ کرے۔ آخر جب مریض سے بار بار کہا گیا تو حافظہ پر زور دیتے ہوئے اُس نے یاد کیا کہ کھڑکی کھولنے کی تاکید خود ڈاکٹر ہی نے کی تھی۔ اس نہایت ہی دلچسپ تجربے سے فرائڈ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کوشش کرنے سے بھولے ہوئے واقعات یاد کیے جا سکتے ہیں۔ انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مریض کا صحیح حالات سے آگاہ نہ کرنا صرف اسی وجہ سے ہے کہ اسے یاد کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جاتا۔ اگر کوشش کی جائے تو مریض اپنے مرض کے پیدا کرنے والے اسباب سے آگاہ کر سکتا ہے۔ مرض کے حقیقی اسباب معلوم کرنے کے لیے مریض کو خوب کریدنا پڑتا ہے، صرف سرسری واقعات پوچھنے سے کام نہیں چلتا۔

اس دوران میں فرائڈ کو اپنے خاندانی طبیب جوزف برائر (Joseph Breyer) کے ہمراہ کام کرنے کا اتفاق ہوا۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی ایجادات میں اتفاقات کا بہت زیادہ حصہ ہوتا ہے، یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ برائر کو ہسٹریا کی ایک مریضہ نے یہ کہا کہ اس کا خیال ہے کہ اگر وہ حالتِ تنویم کے دوران میں اپنے دلی خیالات سے ڈاکٹر کو مطلع کرے تو اُسے کافی آرام ہوگا، جب اس کا تجربہ کیا گیا تو فی الواقع ہسٹریا کی علامات بہت حد تک جاتی رہیں اور مریضہ ہشاش بشاش نظر آنے لگی۔ برائر نے ان اتفاقی معلومات سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ برائر اور فرائڈ دونوں نے اپنے طریقۂ علاج میں مریضہ کے بتائے ہوئے طریقے کو استعمال کرنا شروع کیا اور اس میں کافی حد تک انھیں کامیابی بھی ہوئی۔

اسہال دماغی | اس عجیب وغریب طریقے کا نام اُنھوں نے "علاج بذریعۂ تکلّم" رکھا۔ اور ۱۸۹۳ء اور پھر ۱۸۹۵ء میں اپنے تجربات کو کتابی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کتاب میں اُنھوں نے اس حقیقت پر زور دیا کہ "تکلّم" کے ذریعے سے مریضوں کی دبی ہُوئی جذباتی خواہشات، جن کا اظہار وُہ کسی اَور کے آگے نہیں کر سکتے۔ خارج ہو جاتی ہیں اَور اس اخراج سے طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے اَور خصوصی علامات خود بخود رفع ہو جاتی ہیں دوسرے لفظوں میں یہ نیا طریقہ دماغ کے لیے جلاب کا کام دیتا ہے۔ اس لیے اسے "اسہال دماغی" (Catharsis) کا نام دینا زیادہ موزوں ہے۔ "اسہال دماغی" کا طریقہ شارکو کے طریقے کے بالکل برعکس ہے۔ شارکو حالت تنویم میں اشارات سے کام لے کر ہسٹریا کی علامات پیدا کرتے تھے، لیکن فرائڈ اشارات کی مدد سے انھیں خیالات کو دماغ سے نکال کر علامات کو رفع کیا کرتے تھے۔

فرائڈ کے کارناموں کے سلسلے میں ہمیں ژینے کا نام فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ وُہ اپنے طور پر عصبی امراض کے علاج کی دریافت میں مشغول تھے۔ تقریباً اُسی زمانے میں جب فرائڈ اَور برائر کے مشترکہ تجربات طبّی دُنیا کے سامنے آئے۔ ژینے نے بھی اپنے مخصوص طریقۂ علاج سے اطبا کو آگاہ کیا۔ ان کی تحقیقات کا لبّ لباب یہ ہے کہ تنویم کی مدد سے ہسٹریا کے مریضوں کی یادداشت کو کرید کر علامات رفع کی جا سکتی ہیں۔ فرائڈ اَور ژینے کے طریقوں کا بنیادی فرق یہ ہے کہ ژینے تنویم کو علاج کے لیے ضروری خیال کیا کرتے تھے اَور فرائڈ تنویم کو محض آگاہی واقعات کا ایک ذریعہ قرار دیتے تھے۔ اصل چیز ان کے نزدیک باتوں ہی باتوں میں طبیب کو صحیح حالات سے آگاہ کرنا ہے۔

"تحلیل نفسی" کی طویل تاریخ کو مختصر کرنے کی خاطر* ہمیں ان بے شمار مشکلات کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، جن سے فرائڈ کو دوچار ہونا پڑا۔ قصہ مختصر فرائڈ اور برائر اکٹھے کام نہ کر سکے۔ برائر نے چند وجوہ کی بنا پر اس نئے طریقۂ علاج کا خیال چھوڑ دیا اَور فرائڈ کو

* تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تحلیل نفسی اَور تعبیر خواب" از عبدالحی علوی۔ (ادارۂ دانش و حکمت۔ حیدرآباد، دکن) ۱۹۴۹ء

اکیلے ہی اس میدان کا شہسوار بننے کے لیے رہنے دیا۔

تلازم اختیاری | فرائڈ نے اب اکیلے ہی تنویم اور اسہال دماغی سے کام لینا شروع کر دیا۔ لیکن بہت جلد ہی انھوں نے تنویم کو بھی ترک کر دیا اور صرف تکلم پر زور دیا۔ آپ بیتی سنانے کے دوران میں مریض جب رک جاتے تو فرائڈ ان کی پیشانی کو اپنے ہاتھ سے دبا کر انھیں یقین دلاتے کہ مریض بھولے ہوئے واقعات کو یاد کر سکتے ہیں ——— اور فی الحقیقت اکثر اوقات مریض کو وہ واقعات یاد آجاتے۔ فرائڈ رفتہ رفتہ اس سے بھی ایک قدم آگے چلے گئے وہ مریض کو ویسے ہی اِدھر اُدھر کی باتیں بغیر کسی خاص موضوع کے کرتے دیتے، یعنی جو خیالات بھی مریضوں کے دل میں آتے وہ فرائڈ سے بلا چوں و چرا کہتے جاتے۔ یہ طریقہ تجربی نفسیات کا تقریباً وہی طریقہ ہے، جسے "تلازم اختیاری" (Free Association) کہا جاتا ہے۔ اس طریقے کو استعمال کرنے کی خاطر فرائڈ مریض کو نہایت ہی آرام سے کوچ پر لٹا دیتے۔ جب وہ ہر طرح سے مطمئن ہو جاتا تو اُسے آپ بیتی سنانے کے لیے کہا جاتا اور اس سے وعدہ لے لیا جاتا کہ وہ اپنے تمام خیالات سے معمولی ہوں یا اہم، اچھے ہوں یا نہایت ہی بُرے، سنانے کے قابل ہوں یا نہ ہوں، طبیب کو آگاہ کرتا جائے۔ اس کی صحت کا دارومدار بھی اس پر ہے کہ وہ کس حد تک ایمان داری سے اپنے دلی خیالات کا اظہار کرتا چلا جاتا ہے۔ مریض باتیں شروع کر دیتا، حتیٰ کہ ایسے خیالات کی نوبت آجاتی جو مریض کی پوشیدہ زندگی سے وابستہ ہوتے، یہاں تک فرائڈ ایک حد تک تربیت کا تتبع کر رہے تھے۔ فرق اتنا تھا کہ تربیت کا خیال تھا کہ پیچیدہ واقعات یا اُلجھنیں (Complexes) دماغی انحاد ٹوٹ جانے کی وجہ سے "شعور کی ندی" سے جدا ہو چکے ہیں۔ لیکن فرائڈ کے خیال میں ان اُلجھنوں کو ذہن یا نفس اس لیے باہر نکال دیتا ہے (فراموش کر دیتا ہے) کہ ان کے ساتھ کوئی ناگوار جذبہ پیوستہ ہوتا ہے۔

مختصراً فرائڈ کے نزدیک تمام عصبی امراض کا باعث ایسے بھولے ہوئے واقعات

ہیں جو اپنے ساتھ ناگوار جذبات یا احساسات رکھتے تھے اور اب وُہ اس حد تک فراموش کر دیئے گئے ہیں کہ مریض کے لیے ان کا دوبارہ یاد کرنا نہایت مشکل ہو گیا ہے، بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ مریض خود بھی نہیں چاہتا کہ ان ناگوار واقعات کا اعادہ کر کے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالے۔

مزاحمت اور امتناع | اپنے نظریات کی نشوو نما کی خاطر فرائڈ کو چند تصوّرات قائم کرنے پڑے، اس طاقت کو، جو اپنی غیر معمولی قوّت سے مریض کو "تلازم اختیاری" کے دوران میں چند اہم اور پوشیدہ واقعات بیان نہیں کرنے دیتی، یا دوسرے لفظوں میں ان فراموش شدہ واقعات کے حافظہ یا شعور (Consciousness) میں واپس آنے کے راستے میں مخل ہوتی ہے "مزاحمت" (Resistance) کا نام دیا، لیکن اس عمل یا طریقے کو جس کے باعث کوئی ایک واقعہ کسی خاص حالت کے ماتحت (مثلاً ناگوار احساس کی بنا پر) ذہن سے خارج کر دیا جاتا ہے "امتناع" (Repression) کہتے ہیں۔ تحلیل نفسی میں یہ دونوں اصطلاحات خاص اہمیت رکھتی ہیں اور ہمیں آگے چل کر ان کے کارناموں کا قدرے تفصیل سے ذکر کرنا ہوگا۔ ان اصطلاحات کے مخصوص معنوں کو خوب ذہن نشین کر لیجئے۔ کیونکہ عوام میں اکثر یہی اصطلاحات غلط معنوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ ایک اور اصطلاح کو لیجئے۔ آپ نے اکثر یہ کہتے سنا ہوگا (ہمارے اکثر اُردو رسالوں میں بھی اصطلاح مروّج ہے) کہ فلاں شخص "کمتری کی اُلجھن" (Inferiority complex) کا شکار ہے۔ حقیقت میں اُنھیں کہنا یہ چاہیئے کہ فلاں شخص کسی خاص اُلجھن کی موجودگی کی بنا پر کمتری کا احساس کر رہا ہے، یہ ذہنی اُلجھن جو احساس کمتری کو پیدا کرتی ہے، خود مریض سے پوشیدہ ہوتی ہے، کیونکہ جونہی یہ اُلجھن مریض کے علم میں آجائے احساس کمتری فوراً رفع ہو جائے۔ "ذہنی اُلجھن" کہتے ہی اسے ہیں جو ہمارے علم کے بغیر اپنے کام میں مشغول رہے، یعنی سراسر لاشعور (Unconscious)

سے وابستہ ہو۔ اسی طرح "امتناع" کا استعمال بھی غلط کیا جاتا ہے۔ آپ نے کسی دوست کو یہ کہتے سُنا ہو گا کہ "مَیں نے فلاں روز کے واقعات کو اپنے ذہن سے نکال دیا ہے" لیکن یہاں بھی خوب یاد رکھئے کہ امتناع کا عمل بھی سراسر لاعلمی یعنی لاشعوری میں ہوتا رہتا ہے "وہ امتناع" ہی نہیں جس سے ہم آگاہ ہو سکیں "مزاحمت" کا بھی یہی حال ہے۔ ان اصطلاحات کو ہمیشہ انھیں معنوں میں استعمال کیا جائے گا۔ یعنی انھیں لاشعوری اعمال خیال کیا جائے گا یہ تینوں اصطلاحات "تحلیل نفسی" کی بنیاد ہیں۔

نزاعِ ذہنی فرائڈ کے اس نئے طریقے کو گو اطبّا نے چنداں پسند نہ کیا پھر بھی یہ مستعدی سے اپنی تحقیقات میں مشغول رہے۔ اس زمانے کی ایک اہم تحقیق یہ ہے کہ شعوری نفس کے علاوہ بے شمار واقعات ایسے ہیں جو لاشعوری حصّۂ نفس سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی بعض واقعات موجود بھی ہوتے ہیں اور انسانی کردار کو کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ متأثر بھی کرتے رہتے ہیں، لیکن خود انسان کو ان کی موجودگی کی خبر تک نہیں ہوتی۔ ایسے تمام واقعات کو "لاشعوری" واقعات کہا جاتا ہے۔ لاشعور بھولے ہوئے "آوارہ" واقعات سے پس پردہ کام لیتا ہے۔ کیونکہ "مزاحمت" ان واقعات کو شعور میں واپس نہیں آنے دیتی اور "لاشعور" مجبور ہے، کہ ان واقعات کو شعور میں داخل کرنے کے لیے ان کی نوعیت تبدیل کر دے تاکہ "شعور" کو ان کی اصلیت کی خبر تک نہ ہو سکے، بالفاظ دیگر جب بعض پوشیدہ تجارب کا مقابلہ مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی معیار سے ہوتا ہے تو یہ واقعات اس معیار کے مطابق نہیں اترتے اور انسان کو فیصلہ کرنے میں دقّت پیش آتی ہے کہ وہ کس کا انتخاب کرے۔ اخلاقی معیار پہ عمل کرے یا اپنے تجارب کے آگے سرِ خم کر دے جو بظاہر انتہائی لذّت کا باعث ہوتے ہیں اس لاشعوری کیفیت کا نام "ذہنی نزاع" (Mental conflict) ہے۔ ذہنی نزاع کا نتیجہ عموماً یہی نکلتا ہے کہ ان واقعات کو جو کسی کی پوشیدہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ممتنع (Repressed) کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ واقعات لاشعور میں پہنچ کر انسانی کردار کو متأثر کرنے کے لیے بیتاب

رہتے ہیں اور ایسی صورت اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ مزاحمت ان کے راستے میں حایل نہ ہو۔
اپنے مریضوں کی زندگی کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد فرائڈ نے یہ ثابت کیا کہ لاشعوری (ممنوع) تجارب روزمرّہ کی زندگی کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ لکھنے، پڑھنے اور بولنے کی غلطیاں، جنھیں محض اتفاق کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے حقیقت میں ممنوع تجارب کے تاثر کا نتیجہ ہیں۔ یہی حال ہماری فراموشی کا ہے، بداحتیاطی کے باعث نقصان پہنچنے کے ذمہ دار بھی یہی ہیں۔ فرائڈ نے یہ دل چسپ تجربے اپنی مشہور کتاب (Psycho-Pathology of everyday life) میں عوام کے سامنے پیش کئے، یہ کتاب ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی۔

لاشعوری کا اظہار خواب اور لاشعوری کا آپس میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ خوابوں کو شاہراہ لاشعور" کہنا زیادہ موزوں ہے۔ خوابوں کی دنیا کے متعلق فرائڈ کی "تعبیر خواب" (Interpretation of Dreams) پہلی علمی کتاب ہے جس نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب نے عوام کی توجہ بھی اس دل چسپ مضمون کی طرف مبذول کی۔ خواب کے متعلق انھوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے تمام خواب زمانۂ ماضی کی ان خواہشات سے پیوستہ ہیں جنھیں ہم حالت بیداری میں کسی وجہ سے پورا نہیں کرسکے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواہشات عموماً ایسی ہوتی ہیں جنھیں معاشری اور اخلاقی مجبوری سے دبانا ہی پڑتا ہے۔ ذہنی نزاع کے نتیجے سے ممنوع خواہشات "لاشعوری" سے خواب کی صورت میں تبدیل ہوکر اپنی تسکین کرلیتی ہیں۔

لاشعوری کے اظہار کا ایک خطرناک طریقہ وہ ہے جس میں ممنوع تجارب عصبی امراض کی علامات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یعنی ہر عصبی علامت ان ممنوع خواہشات کا نتیجہ ہے جنھیں تسکین پہنچانے کے عوض شعور سے نکالنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن یہی خواہشات لاشعور میں جاکر اتنی قوی ہوگئیں کہ اب انھوں نے جسمانی علامات کی صورت اختیار کرلی ہے۔ ان علامات کی شناخت اور علاج کی خاطر ہم مجبور ہیں کہ لاشعور

کو کردیں تاکہ ان ممتنع خواہشات پر سے ظلمت کا پردہ اٹھا سکیں اور ان کی اصلیت سے آگاہ ہو سکیں، اخلاقی نقائص بھی علیٰ ہذا القیاس اسی ضمن میں آتے ہیں۔

جنسیت سوال پیدا ہوتا ہے کہ "لاشعور" کس قسم کی خواہشات پر مشتمل ہے جو آزادی سے اپنا اظہار تک نہیں کرسکتا؟ فرائڈ نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ خواہشیں جنسی الاصل ہوتی ہیں۔ پیدائش سے لے کر موت تک انسان کو سب سے زیادہ لذّت پہنچانے والی "جنسی خواہشات" ہی ہوتی ہیں۔ بچے، بوڑھے، جوان، نوجوان، مرد، عورت سب ہی اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود معاشرت میں ان کا علانیہ اظہار ممکن ہے ایسی تمام خواہشات انسان کی "پوشیدہ" زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور کوئی بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا شخص ان سے آگاہ ہو، اخلاقی اور معاشری قوانین کے ساتھ انھیں کا نزاع ہوتا ہے اور ان کی غیر معمولی جذباتی قوّت کے باوجود بھی سوسائٹی کی خاطر انھیں ممتنع ہونا ہی پڑتا ہے "لاشعور" زیادہ تر انھیں جنسی الاصل اور ممتنع خواہشات پر مشتمل ہے۔ بچّوں اور جوانوں کی اس پوشیدہ زندگی سے آگاہ ہونے پر پتہ چلے گا کہ انسان میں ابھی تک کس حد تک حیوانیّت پائی جاتی ہے اور بچّے جنھیں معصوم قرار دیا جاتا ہے کس قدر خوفناک جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پوشیدہ زندگی پر پردہ ہی پڑا رہے تو بہتر ہے ورنہ ہم اپنے بزرگوں کے شخصی حالات سے آگاہ ہو کر خوش نہیں ہوں گے۔

فرائڈ کی شہرت مخالفت کے باوجود فرائڈ کی شہرت زیادہ ہوتی گئی اور حسن اتفاق سے انھیں ویانا کے ڈاکٹر ایڈلر (Adler) اور سوئٹزرلینڈ کے ڈاکٹر ژنگ (Jung) ایسے دوست اور شاگرد مل گئے جنھوں نے تحلیل نفسی کی بنیادیں مستحکم کرنے میں نمایاں حصّہ لیا۔ فرائڈ کو ان دونوں دوستوں پر اس حد تک ناز تھا کہ انھوں نے اپنی نئی قائم کردہ "مجلس تحلیل نفسی" کے کارکن انہی کو بنا دیا، یہ درست ہے کہ یہ رشتہ کچھ زیادہ استوار ثابت نہ ہوسکا اور یکے بعد دیگرے فرائڈ کے دونوں شاگرد ہی اپنے استاد سے علیحدہ ہو کر ایک

نیا مسلک قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، پھر بھی ژنگ اور ایڈلر دونوں ہی نے اس شعبے میں اتنے اہم تجربات سرانجام دیئے کہ تحلیل نفسی اب تک ان سے استفادہ کر رہی ہے گو یہ صحیح ہے کہ تحلیل نفسی سے فرائڈ اور صرف فرائڈ ہی کا مسلک مراد لیا جاتا ہے۔

فرائڈ کی شہرت کچھ اس وجہ سے بھی بڑھ گئی کہ امریکہ کی کلارک یونیورسٹی کے پریذیڈنٹ ڈاکٹر سٹینلے ہال (S. Hall) نے، جو خود بھی اپنے وقت کے مشہور و معروف ماہر نفسیات تھے اور جنھوں نے عالم شباب کے متعلق بہترین واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ فرائڈ کو امریکہ آنے اور تحلیل نفسی کے متعلق چند لکچر دینے کی دعوت دی۔ فرائڈ، ژنگ کے ہمراہ ۱۹۰۹ء میں امریکہ پہنچے اور نئی دنیا کو اس جدید علم سے روشناس کرایا۔ فرائڈ کے یہ لکچر تحلیل نفسی کی تاریخ اور ابتدائی نشو و نما پر کماحقہ، روشنی ڈالتے ہیں، ان کا ایک اور اثر یہ بھی ہوا کہ امریکہ والے ان کے پیرو بن گئے اور انھوں نے، جن میں ڈاکٹر برل (Brill) کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ فرائڈ کی تصنیفات کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے دوسرے ممالک کو اس نئے علم سے روشناس کرایا۔ اس طرح فرائڈ نے امریکہ، انگلستان اور کنیڈا وغیرہ میں اپنے کافی پیرو بنا لیے، جنھوں نے ان کی شہرت کو چار چاند لگانے میں کافی حصّہ لیا ہے۔

نازی پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے سے یہودیوں کو اپنے وطن سے باہر نکلنا پڑا۔ چنانچہ فرائڈ بھی جان بچا کر ویانا سے لندن چلے گئے اور اسی سال یعنی ۱۹۳۹ء میں وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

تحلیل نفسی | تحلیل نفسی کی مختصر تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ کس طرح فرائڈ نے رفتہ رفتہ ایسا طریقۂ علاج دریافت کیا جس کی مدد سے بچپن کے فراموش شدہ جنسی الاصل واقعات کو کرید کرید کر شعور میں واپس لایا جاتا ہے، اس مقصد کے لیے تنویم کے عوض فرائڈ نے اپنے طریقے سے کام لیا۔ چنانچہ تحلیل نفسی میں اب دو طریقے استعمال ہوتے ہیں تعبیر خواب

اور تلازم اختیاری۔

"تلازم اختیاری" کا ذکر تو پہلے کیا جا چکا ہے کہ مریض زندگی کے حالات بلاکم وکاست بیان کرتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ مزاحمت کی وجہ سے اُسے کسی جگہ رُک جانا پڑتا ہے۔ طبیب کا کام یہ ہے کہ اس مزاحمت کو رفع کرے۔ تاکہ مریض کی زندگی کے حالات تمام پہلوؤں سے مکمل ہوسکیں "تعبیر خواب" تحلیل نفسی کا دوسرا طریقہ ہے۔ مریض کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وُہ رات کے وقت جونہی کوئی خواب دیکھے فوراً اُسے قلم بند کرلے۔ ذراسی تاخیر سے خواب کے بھول جانے یا اُسے مکمل طور پر یاد نہ کرنے کا خدشہ ہے۔ مریض اپنے تحریر کردہ خواب کو ڈاکٹر کے آگے بیان کرتا ہے اور اسی کی مدد سے خواب کے ہر جزو کے معنے تلاش کرتا ہے۔ جب خواب کے معنے نکل آئیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لاشعوری واقعات سے پردہ اُٹھ گیا ہے۔ فرائڈ کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ خواب ہمیشہ کسی ایسی خواہش کا نتیجہ ہوتے ہیں جو حالت بیداری میں پوری نہیں ہوسکی تھی اور جو بالعموم جنسی خیالات پر مشتمل تھی۔ یہی خواہش اب خواب کی صورت میں تبدیل ہوکر اپنی اصلی حالت سے بالکل بدل چکی ہے۔ خواب میں اصل واقعات بالکل مختصر ہو جاتے ہیں۔ گفتگو منظر کی صورت میں بدل جاتی ہے اور بعض اوقات محض اشاروں (Symbols) سے کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً پیدائش کو پانی سے۔ موت کو سفر سے اور جنسی خواہشات کو ہوا میں اُڑنے سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ خواب کی اس ہیئت کذائی کو (یعنی اصل خواب جو مریض نے تحریر کیا ہو، یا سُنایا ہو) خواب کا ظاہری مواد کہتے ہیں، لیکن تعبیر کے بعد جب خواب کے اصلی معانی ظاہر ہو جائیں تو اس تعبیر شدہ خواب کو "خواب کا مخفی مواد" کہتے ہیں۔

یہ ہے مختصراً تحلیل نفسی کا طریقہ، جسے اتنا آسان خیال کرنا نہیں چاہئیے کہ ہر آدمی کا تحلیل نفسی پر دل للچا آئے۔ فی الحقیقت یہ طریقہ نہایت ہی دشوار ہے "تعبیر خواب" اور "تلازم اختیاری" کی مدد سے مزاحمت کو مٹانا اور لاشعوری واقعات کو واپس شعور میں لانا

جوئے شیر کے لانے سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ اکثر اوقات ایک ہی خواب کی تعبیر میں کئی ماہ کی محنت شاقہ بیکار ہو جاتی ہے۔

"تحلیل نفسی" کے نظریات کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کئے بغیر ہم آئندہ چند مضامین میں مناسب امثلہ کی مدد سے یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ "تحلیل نفسی" کا ہماری زندگی کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے اور اس علم کو کس طرح ہم روزمرّہ کی مشکلات رفع کرنے میں استعمال کر سکتے ہیں۔ (مسلسل)

نصابِ اُردو کے متعلق اشارات

از

سلیم فارانی

تعلیم کے مقاصد مختلف عالموں نے مختلف زمانوں میں مختلف طور پر بیان کیے ہیں۔ لیکن ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ بچّے کی نشوونما کا کچھ ایسا بندوبست ہو کہ وُہ جسمانی، ذہنی، روحانی، معاشرتی، فنی اور جمالیاتی ترقی کی راہ میں گامزن ہو کر رفتہ رفتہ اس قابل ہو جائے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنی بہتری کی خود تدبیریں اور سامان کر سکے اور اپنے میلانِ طبع کے مطابق اپنی راہِ عمل اختیار کر سکے۔

ان مقاصد کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ بندوبست جنم دن سے شروع ہو لیکن ہمارے ملک میں پرائمری سے پہلے کی تعلیم کا رواج نہیں۔ حالانکہ وُہ خشتِ اوّل ہے اور اس کی اہمیت دیگر ممالک نے بہت عرصے سے محسوس کی ہُوئی ہے اور وہاں پرائمری سے قبل کی تربیت کے لیے باقاعدہ سرکاری تربیت گاہیں ہیں۔

ہمارے ہاں تعلیم کے مندرجۂ بالا مقاصد کو پُورا کرنے کے لیے پرائمری سے اہتمام شروع ہوتا ہے۔ بچّے کی عمر کے ابتدائی پانچ سال معلّم کی نگرانی سے آزاد رہتے ہیں۔ پانچ سال کے بعد سے اس کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ گیارہ سال کی عمر تک وُہ اس ابتدائی منزل کو طے کرتا ہے۔ ملک میں خواندگی کے فروغ کی خاطر یہ ابتدائی تعلیم کم و بیش سب کے لیے لازمی ہے۔ گیارہ بارہ سال کے لڑکے کو چونکہ اس غریب ملک میں معاش کی خاطر زندگی کے میدان میں قدم رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے پرائمری کے اختتام پر بچوں کی کثیر تعداد اپنی تعلیم ختم کر دیتی ہے اور زندگی کے روزمرّہ مشغلوں اور حصولِ معاش

کی سرگرمیوں وغیرہ میں مصروف ہو جاتی ہے۔ بہت کم تعداد شوقِ جدت کے ساتھ راہ تعلیم میں آگے بڑھتی ہے۔ پرائمری سے آگے تین سال کی تعلیم کے بعد ایک منزلِ فراق پھر آتی ہے جہاں بہت سا طبقہ یہ سلسلہ ختم کر بیٹھتا ہے۔ یہ ثانوی تعلیم کا پہلا حصہ ہے اور مڈل کے نام سے مشہور ہے۔ ثانوی تعلیم کے دوسرے حصے میں تعداد اور کم ہو جاتی ہے اور دو سال کے بعد اعلیٰ تعلیم کے دروازے پر بہت ٹھہر جاتے ہیں اور صرف وہی آگے قدم اُٹھاتے ہیں، جو اپنے میلاناتِ طبعی کے مطابق مخصوص شعبوں میں اعلیٰ تعلیم چاہتے ہیں۔

تعلیم کا مقصد، چونکہ عام زندگی کے لیے تیاری ہے، اس لیے اربابِ فکر و اجتہاد نے عام زندگی کا تجزیہ کر کے اس کی تمام ضروریات کا جائزہ لینے کے بعد تعلیم میں مندرجۂ ذیل عناصر نہایت اہم اور ضروری قرار دیے ہیں۔

۱۔ نوشت و خواند اور حساب۔ ۲۔ تحسینِ فکر و عمل۔

۳۔ معلوماتِ عامہ۔ ۴۔ احساسِ خوبی (جمالیاتی احساس)

۵۔ حفظانِ صحت۔

بچوں کو انہی کے حصول میں امداد دینا تعلیم کا اہم کام ہے۔ تاکہ وہ عام زندگی میں کسی قسم کی محتاجی محسوس نہ کریں، بلکہ بہت حد تک خود مختار ہو جائیں۔

ملک و قوم کی بہتری اسی میں ہے کہ اس کے تمام افراد بہبودیِ حیات کی خاطر ان اوصاف سے متصف ہو جائیں۔ اس لیے وُہ تدبیر جس سے سب تعلیم سے مستفید ہوں اور تعلیم کا وُہ دَور جہاں زیادہ سے زیادہ تعداد بچوں کی ہوگی، بہت اہم ہوگا۔ اس لحاظ سے لازمی پرائمری تعلیم اور اس کے بعد مڈل کی اہمیت واضح ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر تعلیمی اسکیم کے اندر ان دو منازل کے تعلیمی اہتمامات مبحث بنتے رہے ہیں۔

چونکہ اب ہمیں تعلیم کی انہی دو منزلوں کے نصاب پر نظرِ ثانی کرنا ہے۔ اس لیے ان دونوں کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے ہمیں نہایت احتیاط سے اقدام کرنا چاہیے،

یعنی پہلے ہر منزل کی خصوصیات، مقاصدِ تعلیم اور ضروریات ذہن نشین کر لینے چاہییں۔ پھر انہی اصولوں کی بنا پر نصاب تجویز کیا جائے۔ ان اوراق میں "اُردو" کے متعلق یہی ایک کوشش کی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کوشش واضعینِ نصاب السنہ کے لیے قابلِ توجہ ہوگی۔ پہلے ابتدائی تعلیم کے متعلق بحث ہوگی، پھر مڈل کے متعلق۔

ابتدائی منزل

(پرائمری)

ابتدائی منزل کی مندرجۂ ذیل خصوصیات ہیں :۔

۱۔ یہ منزل بحیثیت بنیاد کے ہے جس پر آئندہ تعلیم کی عمارت کھڑی ہونی ہے۔

۲۔ اکثر بچوں کی اوّلین و آخرین تعلیمی منزل یہی ہوتی ہے۔

۳۔ اس وقت کی عادات عام طور پر راسخ ہو جاتی ہیں اور ان کا بچے کے مستقبل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

۴۔ شخصیت کی تعمیر بھی یہیں سے ہوتی ہے۔

۵۔ زندگی کے مشغلوں اور معاشی سرگرمیوں کے لیے تیاری کا عرصہ بھی یہی ہوتا ہے۔

۶۔ اجتماعی ہمدردی وانس اور اشتراکِ عمل کے جذبات پیدا کرنے کا زمانہ بھی یہی ہے۔

۷۔ ذہنی قویٰ کی صورتِ ارتقا بھی یہیں سے قائم ہوتی ہے۔

۸۔ جسمانی صحت، درستی اور نشوونما کے لحاظ سے بھی یہی عرصہ اہم ہے۔

اس لیے اس منزل میں جو تعلیم دی جائے۔ اس کے مقاصد ان خصوصیات کے مطابق مندرجہ ذیل ہونے چاہییں :۔

(۱) بنیاد ایسی مستحکم رکھی جائے کہ آئندہ تعلیم میں خامی و نقص پیدا نہ ہونے پائے۔

(۲) اگر کوئی بچہ پرائمری کے بعد تعلیم چھوڑ دے، تو وہ اس قابل ضرور ہو کہ مزید مطالعہ

جاری رکھ سکے اور مزید علمی فوائد خود حاصل کر سکے اور زندگی میں عملی طور پر اپنی بساط کے مطابق کامیاب ہو سکے۔

(۳) بچے میں اچھی اور درست عادات پیدا ہوں، کیونکہ بری اور غلط عادات کا ایک تو بعد میں درست ہونا مشکل ہوگا اور دوسرا "تا ثریا می رود دیوار کج" یہ کجی عمر بھر چلی جائے گی۔

(۴) بچے کے جذبات، احساسات اور خیالات کو درست راہ ارتقا ملے۔ تاکہ وہ قوم و ملک کے لیے مفید شخصیت بنے۔

(۵) زندگی کے ضروری مشغلوں اور معاشی سرگرمیوں کو اچھی طرح نباہنے کے قابل ہو سکے۔

(۶) اجتماعی ہمدردی و انس کے جذبات بچے کے اندر پیدا ہو جائیں اور اسے قدرتی، اقتصادی اور معاشرتی ماحول میں دلچسپی ہو اور وہ صحیح شہریت و مدنیت کا قائل و عامل بنے۔

(۷) ذہنی قوٰی اس قدر نشو و نما پا جائیں کہ بوقتِ ضرورت بچہ اُن سے فائدہ اُٹھا سکے۔

(۸) جسم کی نشو و نما، تربیت اور صحت و حفاظت میں دلچسپی ہو۔

ابتدائی تعلیم کے نصاب کو اس طرح وضع کرنا چاہیے کہ یہ تمام مقاصد پورے ہو سکیں۔ جہاں نصاب کے تمام مضامین کو مجموعی طور پر ان مقاصد کی تکمیل کرنی ہے، وہاں انفرادی طور پر ہر مضمون کو اپنی حیثیت کے مطابق ان مقاصد میں سے ہر ایک مقصد کی تکمیل کے لیے مواد بہم پہنچانا ہے۔ یہی اشتراکِ مضامین کی کڑی ہے۔

اُردو زبان کی اہمیت پر زور دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب تو قومی زبان ہونے کی حیثیت سے یہی ذریعۂ تعلیم، ذریعۂ اظہارِ خیال، ذریعہ خط و کتابت، ذریعۂ معلومات اور ذریعۂ ربط و اتحاد ہو گی۔ اس لیے اس میں مہارتِ تامہ عوام کے لیے لازمی ہے۔ ابتدائی تعلیم میں جہاں آئندہ تعلیم کی بنیاد پڑتی ہے اور جو زندگی کے فرائض سرانجام دینے کی ابتدائی تربیت گاہ ہے۔ اس زبان کا سکھایا جانا ضروری ہے۔

بچوں کے اذہان چونکہ لطیف و نازک ہوتے ہیں، وہ ایک ذریعہ اظہارِ خیال پر

بیک وقت قابو پانے کے لیے کوشاں ہو سکتے ہیں۔ ایک سے زیادہ کے لیے نہیں۔ اس لیے پرائمری میں صرف ایک زبان ہی کی تعلیم ہوگی اور اسی کی مہارت باقی تمام قسم کی علمی ترقیوں اور علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوگی۔

ابتدائی منزل کی خصوصیات اور ابتدائی تعلیم کے مقاصد کے پیشِ نظر ہمیں اُردو زبان کی تعلیم میں جو لائحۂ عمل مدِنظر رکھنا ہوگا۔ وہ قریب قریب مندرجۂ ذیل ہوگا:-

۱۔ اُردو زبان کے پڑھنے۔ لکھنے، بولنے اور سمجھنے میں اس قدر مہارت ہو جائے کہ آئندہ تعلیم کی بنیاد اس پر مستحکم طور پر رکھی جا سکے۔

۲۔ اگر کوئی بچہ پرائمری کے بعد تعلیم چھوڑ دے، تو اُردو زبان میں اس قدر مہارت رکھتا ہو کہ خود مختاری کے ساتھ بوقت ضرورت اور حسب خواہش مزید مطالعہ خود کر سکے اور اپنے معلومات میں اضافہ کر سکے۔

۳۔ درست اور مربوط بولنے، صاف اور صحیح لکھنے، بے عیب اور ہموار پڑھنے، جلد اور بادقت سمجھنے، صحیح اور بر وقت سوچنے کی عادات پیدا ہوں کج گفتاری، کج فہمی، بدخطی، بدخوانی اور بدفکری کی عادات پیدا نہ ہوں۔ ان معیوب عادات والے طلبہ کا اگر آپ جائزہ لیں، تو ان کے ان عیوب کا سبب زیادہ تر ابتدائی منزل میں بے توجہی ہی نظر آئے گی۔

۴۔ اُردو زبان کے ذریعے بہترین خیالات و جذبات، بہترین ادب، خود دار و معتدر نامور شخصیتوں کے کارنامے اور اخلاقی قصے بچے تک پہنچیں تاکہ اس کی حسیات و جذبات مناسب طور پر جمالیاتی نشو و نما حاصل کریں اور وہ اعلیٰ اخلاق کا دلدادہ ہو کر ملک و قوم کے لیے مفید شخصیت بنے۔

۵۔ زندگی کے عام مشاغل اور معاشی کاموں کو جن میں اس زبان کی ضرورت پڑتی ہے، اچھی طرح نباہنے کی قابلیت پیدا ہو۔

۶۔ اُردو زبان کے ذریعے قدرتی، معاشرتی، اقتصادی ماحول کے دلچسپ حالات بچے

تک پہنچیں۔ نیز دیہاتی اور شہری زندگی کے اصلاحی امور کا علم حاصل ہو، تاکہ وہ صحیح شہریت و مدنیت اور سماجی فرائض سے آگاہ ہو جائے۔

۷۔ اس کے تمام ذہنی قویٰ جن کا تعلیمِ زبان سے تعلق ہے، یعنی قوتِ ادراک، قوتِ فہم، قوتِ فکر، قوتِ تمیز، قوتِ حافظہ، قوتِ استدلال، قوتِ خیال، قوتِ تخیل، قوتِ اظہار وغیرہ کی اس معمولی حد تک نشو و نما ہو کہ بچہ اپنے ماحول کا صحیح ادراک کر سکے۔ معاملات سمجھ سکے، سوچ سکے۔ بُرے بھلے میں تمیز کر سکے۔ چیزیں ذہن میں محفوظ رکھ سکے اور بوقتِ ضرورت اپنی یادداشتوں سے کام لے سکے۔ دلائل سے اپنی بساط کے مطابق استنباط کر سکے اور قوت، درستی اور وضاحت کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکے یا جو کہنا ہو کہہ سکے۔

۸۔ اُردو زبان کے ذریعے اسے جسمانی صحت کے اُصولوں سے بھی آشنائی ہو اور یہ شوق پیدا ہو کہ وہ حفظانِ صحت کے متعلق اُردو میں لکھی ہوئی کُتب کا مطالعہ کر کے اپنی صحت کی تدابیر عمل میں لا سکے۔

مندرجۂ بالا لائحۂ عمل میں نمبر ۱، ۲، ۳، ۵، ۷ تو زبان پر قابو پانے کی مختلف شقیں ہیں اور نمبر ۴، ۶، ۸ اُردو کی دوسرے تعلیمی مضامین (تاریخ، جغرافیہ، مدنیت، سائنس، جسمانی بہبود اور عملی کاموں) کے ساتھ اشتراک کی کڑیاں ہیں اور اس اشتراک کی ایک زبردست کڑی یہ بھی ہوگی کہ تمام مضامین کا ذریعۂ تعلیم و امتحان اُردو ہوگا، گویا دوسرے مضامین کے لیے اُردو زبان پر قابو پانا نہایت ضروری ہوگا۔

پرائمری جماعتوں کے لیے اُردو کا نصاب بناتے وقت مندرجۂ بالا لائحۂ عمل کے مطابق یہ دو اہم حصے ملحوظ رکھنے چاہییں۔

(۱) زبان پر قابو پانا اور

(۲) اشتراکِ مضامین یعنی دوسرے مضامینِ تعلیم سے رابطہ

زبان پر قابو پانے کے سلسلے میں اب تک جو حالت رہی ہے، ناگفتہ بہ ہے۔ صحیح بولنے

والے کم ہیں۔ اکثر کی یہ حالت ہے کہ الفاظ کی کمی ہے۔ ترکیبوں کا استعمال بے اُصول اور غلط ہے تلفّظ درست نہیں۔ گفتار میں جھجک سی ہے۔ تحریریں بھونڈی، غیر صاف اور مبہم ہیں۔

زبان پر قابو پانے کے لیے بچّے کو مندرجۂ ذیل چیزیں درکار ہوں گی :۔

مجموعہ الفاظ، گرامر، پڑھنے اور سمجھنے میں مہارت، بولنے میں مہارت، لکھنے میں مہارت،

مجموعۂ الفاظ میں تدریج کی ضرورت ہے۔ ہر تعلیمی سبق میں بچّے کی وسعتِ ذہنی کے مطابق مناسب اضافہ ہوتا چلا جائے اور پانچویں جماعت کے بعد بچّے کے پاس اس قدر مجموعہ الفاظ موجود ہو کہ وہ ہر قسم کے مافی الضمیر کا اظہار آسانی اور درستی سے کر سکے۔ جو کچھ کہنا چاہے صحیح اور بالوضاحت کہہ سکے سارے دو زبان میں ڈھلے ہوئے خیالات کو سمجھ سکے۔ پانچویں جماعت کے اختتام پر تقریباً تین ہزار الفاظ بچّے کو معلوم ہونے چاہییں۔ الفاظ کا اضافہ مندرجۂ ذیل ترتیب سے ہوگا۔

پہلی جماعت :	چار سو الفاظ	
دوسری جماعت :	پانچ سو نئے الفاظ	کُل نو سو الفاظ
تیسری جماعت :	چھے سو 〃 〃	〃 پندرہ سو 〃
چوتھی جماعت :	سات سو 〃 〃	〃 بائیس سو 〃
پانچویں جماعت :	آٹھ سو 〃 〃	〃 تین ہزار 〃

گرامر کے معلومات نہایت ضروری ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر بچے کے ذہن میں ضبط قائم نہیں ہوگا۔ الفاظ کا باہمی ربط، ترکیب جملہ اور افعال کی صحیح صورتیں قائم نہیں ہوں گی۔ اُسے غلط و صحیح میں فرق و امتیاز کا احساس نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ مافی الضمیر اپنے مقصود کے منافی ادا کرے۔ زبان کی صحت و درستی کے لیے گرامر کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ لیکن اس کی تعلیم اس وقت تک نہیں دی جا سکتی۔ جب تک کہ بچّے کے ذہن میں الفاظ کا مجموعہ اور اظہارِ خیال کی قوت پیدا نہ ہو۔ پہلی اور دوسری جماعتوں میں تو بہرحال اس کے شروع کرنے کا امکان نہیں، البتہ تیسری جماعت سے شروع کی جا سکتی ہے۔

گرامر کی تعلیم کا طریق استقرائی ہونا چاہیے، استخراجی نہیں۔ گرامر کے لیے مندرجۂ ذیل ترتیب مفید ثابت ہوگی۔

تیسری جماعت : اسم، فعل، حرف کا تعارف
فاعل، مفعول کا تعارف
واحد، جمع کا تعارف
مذکر، مؤنث کا تعارف

چوتھی جماعت : گزشتہ کا اعادہ
مصدر کا تعارف
اسم، فعل، حرف کی چند آسان اقسام کا تعارف (معرفہ، نکرہ، صفت، ماضی، حال اور مستقبل، جار و عطف)
گردانیں۔ (صرف خانہ پُری کی صورت میں) مثلاً:

وُہ ایک کھاتا ہے
وُہ سب ________
تو ________
تم ________
میں ________
ہم ________

پانچویں جماعت : اعادہ
اسم، فعل، حرف کی مزید آسان اقسام (اسم ضمیر، اسم اشارہ، اسمِ ظرف، مضارع، امر و نہی، اضافت، ندا)
مصادر سے افعال معروف بنانا

گردانیں اور
مرکب اور جملے کا تعارف

جماعتوں میں گرامر کے اسباق کی یہ تدریج مفید رہے گی اور پرائمری کے اختتام پر بچہ تقریباً گرامر کے ہر اہم پہلو سے آشنا ہوگا۔

گرامر کے لیے علیحدہ کتاب مقرر نہیں ہونی چاہیے۔ اردو کی درسی کتاب سے ہی امثلہ انتخاب کرکے استقرائی طریق سے کتابی سبق کے دوران میں سمجھایا جائے۔

پڑھنے اور سمجھنے میں اس قدر مہارت ہونی چاہیے کہ بچہ لکھی ہوئی یا چھپی ہوئی عبارت (نظم و نثر) کو آسانی، درستی اور مناسب لب و لہجہ کے ساتھ، زیرِ لب یا باآواز، سمجھ کر، رواں پڑھ سکے۔

اس کے لیے اسے کتابوں، اخباروں، رسالوں کے علاوہ خطوط، رقعات، رسیدیں، تمسک نامے، دستاویزات، امداریاں وغیرہ، جو اس کی روزمرّہ زندگی کے مشاغل و امور میں شامل ہیں، پڑھنا آجانا چاہیے۔ کتابوں، اخباروں اور رسالوں کی عبارت خوشخط ہوتی ہے۔ لیکن خطوں، رقعوں، رسیدوں، تمسک ناموں، دستاویزوں، منی آرڈروں، امداریوں کی عبارت شکستہ خط میں ہوتی ہے۔ اس لیے خوشخط اور شکستہ دونوں سے بچے کا تعارف ہونا چاہیے۔ اس کے لیے بہتر ہوگا کہ درسی کتب میں ایک کتاب اس قسم کے عام اور سہل شکستہ خط کے نمونوں کی بھی شامل کر لی جائے جس میں ان نمونوں کو ایسی تدریج و ترتیب دی جاسکتی ہے کہ پرائمری کی آخری دو جماعتوں میں مناسب طور پر زیرِ مطالعہ آسکیں۔ یہ چیز بہرحال مفید ثابت ہوگی۔ پیچیدہ قسم کے شکستہ خط چونکہ طلبہ کے ذہنی معیار سے بلند اور ان کی فہم کے لیے بہت دشوار ہوں گے، اس لیے انھیں نظر انداز کر دیا جائے۔

مختلف خطوں کے تعارف کے بعد دوسری ضروری چیز تلفظ ہے جس کی طرف لازمی توجہ درکار ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

غلط تلفظ اور بد خوانی کی قبیح عادت پڑ جاتی ہے جس کی بعد میں اصلاح نہیں ہو سکتی یا بہت دشواری ہوتی ہے۔ قرأت و گفتگو بد تلفظ کے باعث مضحکہ بن جاتی ہے۔ بڑے بڑے پڑھے لکھے جب تلفظ غلط ادا کرتے ہیں، تو سننے والے پر اُن کی قابلیت کا بُرا اثر پڑتا ہے یہ اور بات ہے کہ سننے والے اُنھیں اس غلطی سے آگاہ نہ کریں اور بطورِ احترام اپنے تاثرات کے اظہار سے خاموش رہیں۔ یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ غلط تلفظ کی عادت ہو جانے پر بولنے والے کو صحیح تلفظ نامانوس ہونے کے باعث غلط معلوم ہوتا ہے۔ صحیح تلفظ کی بنیاد بھی ابتدائی منزل ہی میں پڑتی ہے۔ اس اہم چیز کی طرف اساتذہ کو خاص توجہ دینی ہے۔ بچپن کی عادات راسخ ہو جاتی ہیں۔ بچپن میں بچوں میں یہ عادت پیدا کرنا کہ وہ ہر لفظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ بولیں، اُن کے اندر ایک جمالیاتی احساس بھی پیدا کر دیتا ہے اور وہ آئندہ ہر لفظ کے صحیح تلفظ کے شائق و طالب رہتے ہیں۔

صحیح تلفظ، مناسب لب و لہجہ اور رواں خوانی کے اوصاف کی بچوں میں عام طور پر کمی ہوتی ہے۔ نصاب میں ان چیزوں کو اہمیت دینے کی بہت ضرورت ہے۔

بولنے میں مہارت کے لیے ان اوصاف کے علاوہ اسلوب بیان اور صفائی بیان کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے زبانی کام میں مسلسل مشقیں ہونی چاہییں اور بچوں کے لیے بہت سے ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں کہ وہ خود بولیں اور خوب بولیں اور دوسروں کو خوب بولتے ہوئے سنیں اور ان سے گفتگو اور بحث و مذاکرہ کریں۔ مضامین پڑھانا، مکالمے اور چھوٹے چھوٹے ڈرامے کرانا اس سلسلے میں مفید ہوگا۔

لکھنے میں مہارت حاصل کرنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے مندرجہ ذیل ہیں:۔

خوش خطی، سُرعتِ تحریر، فکر و تخلیق، طریقِ انشا،

سب سے پہلی چیز خط ہے۔ اکثر بچوں کا خط خراب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی منزل پر جب کہ وہ لکھنے کی عادت حاصل کر رہا ہوتا ہے، غلط راستے پر پڑ

جاتا ہے۔ اس کے خط کی درستی اور صفائی کی طرف توجہ کم کی جاتی ہے۔ خط کو واضح، صاف، خوش اور رواں بنانے کے لیے ابتدائی تعلیم کے عرصے میں مسلسل مشق کی ضرورت ہے۔ اسی منزل پر یہ باتیں خاص طور پر دیکھنے کی ہیں کہ

۱۔ قلم کی گرفت صحیح ہو۔
۲۔ نشست کا طریق صحیح ہو۔
۳۔ نگاہ مناسب فاصلے پر ہو۔
۴۔ سیاہی اور کاغذ یا تختی صاف تحریر کے مناسب، مناسب جگہ پر ہوں۔
۵۔ ہاتھ کی چال صحیح ہو۔
۶۔ خط عام طور پر نستعلیق طرز میں خوش خط لکھا جائے۔
۷۔ سطریں سیدھی آئیں۔
۸۔ قلم کی موٹائی مناسب ہو۔
۹۔ الفاظ علیحدہ علیحدہ لکھے جائیں۔
۱۰۔ الفاظ کے حروف نمایاں ہوں۔

ایک عام اچھے پڑھے لکھے انسان کا بوقتِ تحریر معائنہ کیجیے۔ ان دس چیزوں میں سے اکثر میں کوتاہی اور قباحتیں نظر آئیں گی اور تجزیہ پر معلوم ہوگا کہ ان غلط راسخ عادتوں کی بنیاد ابتدائی تعلیم کے دوران میں پڑی ہے۔

خط میں بچے کی نشوونما اس قدر ہو جانی چاہیے کہ وہ جلد جلد رواں، مسلسل عبارتیں صفائی اور وضاحت کے ساتھ لکھ سکے۔

سُرعتِ تحریر کا وصف پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ دیر لگا کر، آہستہ آہستہ، یا رُک رُک کر لکھنے میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے اور حاصل کم اور اس کا دماغی نشوونما پر بھی اثر پڑتا ہے اور عموماً یہ دماغی کاہلی کی علامت ہوتی ہے۔ جلد جلد، صاف اور واضح لکھنا بیدار مغزی

اور تیز فہمی کی نشانی ہے۔"جلد جلد" سے مراد وہ ممکن سُرعت ہے، جو اس معیار کے تحول میں آسکتی ہے۔
لکھنے سے صرف "نقالی" ہی مراد نہیں ہونی چاہیے، بلکہ فکر و تخلیق کی عادت ڈالنی چاہیے۔ بچہ خود سوچنے کی کوشش کرے اور مضمون پیدا کرنے کی سعی کرے اور اس کے لیے مناسب مشقیں تجویز کی جائیں اور انشا پردازی کے مبادیات پر عبور کرانا چاہیے، یعنی عام متعارف چیزوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین، کہانیاں اور مکالمے لکھوائے جائیں۔ چوتھی اور پانچویں جماعت کے طلبہ میں یہ ساری چیزیں نہایت آسانی سے ہو سکتی ہیں۔

چونکہ بچے کو مشاغل زندگی کے لیے بھی تیار ہونا ہے، اس لیے ان تمام چیزوں کے لکھنے کی واقفیت ضروری ہے، جو اُسے عام زندگی کے معاملات میں پیش آتی ہیں۔ اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ مندرجۂ ذیل چیزیں کس طرح لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ خطوط: دعوتی، تبریکی، تعزیتی، معاملاتی، خانگی
۲۔ عرضیاں: اُستادوں، افسروں، اداروں کے مہتمموں وغیرہ کے نام
۳۔ پیغام اور راہداریاں۔ ۴۔ منی آرڈر۔
۵۔ کرایہ نامے۔ ۶۔ رسیدیں۔
۷۔ عام کاروباری معاملات کے متعلق رقعے۔
۸۔ عام جانی پہچانی چیزوں کی مختصر کیفیت۔
۹۔ یادداشتیں۔ ۱۰۔ مشاہدات۔
۱۱۔ روزنامچے۔ ۱۲۔ رپورٹیں۔

پڑھنے، بولنے اور لکھنے کی مہارت کے ساتھ ساتھ سمجھ کی تیزی اور معلومات کی زیادتی بھی ہوتی چلی جائے۔ سمجھ کی تیزی تنوع اور اکات اور دلچسپی پر منحصر ہے۔ پڑھنے کا مواد دلچسپ اور متنوع ہونا چاہیے، جو غور و فکر پر آمادہ کرے اور مختلف دماغی قوتوں کی نشو و نما کرے۔ اس ضمن میں بچوں سے کتابیں پڑھوانی چاہییں اور یہ سلسلہ پہلی جماعت سے ہی شروع

ہوجانا چاہیے۔ کیونکہ فہم کی نشو و نما کی ضرورت ابتدائے تعلیم ہی سے ہوتی ہے شروع دن سے سمجھنے کی عادت نہ ڈالنا، گویا بچے میں بے توجہی کی بدعادت پیدا کرنا ہے۔ ضروری ہے کہ کوئی درسی کتاب ہر جماعت میں مقرر ہو۔

بچوں کے لیے "اُردو" کی جو درسی کتاب مقرر کی جائے، اس کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں کو خاص طور پر مدِنظر رکھا جائے:

۱۔ اسباق میں تدریج ہو اور موضوعات بچے کے قریبی ماحول سے شروع ہو کر آہستہ آہستہ وسیع تر ہوتے چلے جائیں اور تمام قسم کے مضامین پر حاوی ہوجائیں۔

۲۔ زبان کا تنوع بھی ہو۔ آسان فقروں سے شروع ہو کر رفتہ رفتہ عام سہل عبارتوں سے گزر کر بول چال کی زبان اور پھر ادبی زبان تک رسائی ہوجائے۔

۳۔ ادب کی مختلف نوعیتوں اور مختلف ادیبوں کے آسان نظم و نثر کے نمونے بھی بچوں کے سامنے پیش کیے جائیں۔ تاکہ انھیں جمالیاتی احساس بھی پیدا ہو اور وہ اپنی زبان کے بہترین کارناموں اور کرداروں سے بھی آشنا ہوجائیں۔ اسلوب بیان کے فرق کو دیکھیں۔ اچھے اسلوب کی پیروی کرنے کے لیے بیتاب ہوں۔

۴۔ معلومات کے اضافے کے لیے مختلف قسم کے موضوعات شامل ہوں۔ مذہبی، اخلاقی، تاریخی، جغرافیائی، ادبی، سائنسی، حفظانِ صحت کے متعلق۔ موالیدِ ثلاثہ (نباتات، حیوانات، جمادات) کے متعلق

اس طرح تنوع بھی ہوگا اور دوسرے مضامین سے اشتراکِ عمل بھی۔ دوسرے مضامین اس زبان کو ذریعہ تعلیم بنائیں گے، تو اُن کا اس زبان سے اشتراکِ عمل ہوجائے گا۔

اس سارے نصاب کو جماعتوں کے لحاظ سے تقسیم کیا جاسکتا ہے اور آسان پہلے اور مشکل بعد میں کے اصول کے مطابق ترتیب دی جاسکتی ہے۔

تقسیم اوقات کے لحاظ سے اُردو کو ہر جماعت میں مندرجۂ ذیل پیریڈ دیے جائیں، تو مفید ہوگا:۔

پہلی جماعت :	۱۵ پیریڈ فی ہفتہ			۹ پیریڈ پڑھائی کے لیے			۶ لکھائی کے لیے					
دوسری جماعت :	۱۲	″	″	″	۶	″	″	″	۶	″	″	
تیسری جماعت :	۱۲	″	″	″	۶	″	″	″	۶	″	″	
چوتھی جماعت :	۱۰	″	″	″	۵	″	″	″	۵	″	″	
پانچویں جماعت :	۱۰	″	″	″	۵	″	″	″	۵	″	″	

مڈل

خصوصیات : ۱۔ مڈل کی تعلیم گیارہ سال سے شروع ہوتی ہے۔ اس وقت بچّے کے اندر ذہنی قوتیں بیدار ہو چکی ہوتی ہیں۔ وہ اپنے ماحول کو زیادہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ سمجھنے اور اس کے اثرات کے ماتحت کام کرنے لگتا ہے۔

۲۔ یہ وُہ منزل ہے، جہاں اُسے ذمّے داریوں کا احساس کرانا ضروری ہے۔ ذرا غلط راستے پر لگ گیا، تو انتہائی بگاڑ کا خطرہ ہوتا ہے۔

۳۔ پرائمری کی تعلیم سے اُسے علم کی مبادیات سے صرف تعارف ہُوا ہوتا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر اُس کے میلانِ طبع، شوق و صلاحیت کی جانچ ہوتی ہے۔

۴۔ اکثر بچّوں کی تعلیم مڈل تک ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اُنھیں اپنے ماحول کے مطابق اِن جدید اور مفید قوتوں اور اوصاف کو بھی پیدا کرنا ہوتا ہے، جو اس عمر کے بچّوں میں پیدا ہو جانے چاہییں، مثلاً اتحاد کار، شرکتِ عمل، خود اعتمادی، خود داری، تحمل، جوشِ عمل ۔

۵۔ زندگی کے مشاغل اور معاشی سرگرمیوں کے لیے اُسے نہ صرف تیار ہی ہونا ہوتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ جدید راہیں سوچنے کا ملکہ بھی پیدا کرنا ہوتا ہے ۔

۶۔ بچّے کے اندر اپنی محدود سوسائٹی سے وسیع تر جمعیت کا احساس پیدا کرنے کا بھی وقت ہے ۔

۷۔ معاشرتی بہبود اور عوام کی رہنمائی کے خصائل پیدا کرنے کا زمانہ بھی ہے ۔

اس لیے اس منزل میں جو تعلیم دی جائے اس کے مقاصد ان خصوصیات کے مطابق مندرجۂ ذیل ہونے چاہییں :۔

۱۔ مزید و متفرق معلومات اور مزید علم حاصل کرنے کے لیے بے تابی ۔

۲۔ ماحول سے زیادہ سے زیادہ واقفیت اور اس کے اثرات کے ماتحت مناسب طور پر عمل پیرا ہونے کی قابلیت ۔

۳۔ اپنی ذمّے داریوں کا علم و احساس اور غلط اقدامات سے بچنے کی قوت ۔

۴۔ اتحاد کار، خود اعتمادی، خودداری، ہمدردی اور تحمل جیسے اوصاف پیدا کرنا ۔

۵۔ خود سوچنے کی صلاحیت اور زندگی کے مشاغل میں دقتوں کا حل سوچنے کی قابلیت ۔

۶۔ قوم و ملک سے محبت کے جذبات اور اُس کی خدمت کا شوق ۔

۷۔ رہنمائی کی اہلیت و صلاحیت ۔

اِن تعلیمی مقاصد کے مطابق اُردو کے تعلیمی لائحۂ عمل تیار کرنے کی صورت حسبِ ذیل ہوگی :۔

۱۔ مطالعہ و انشا میں ان تمام اوصاف کے متعلق جو اس عمر میں پیدا ہونے چاہییں، ذکر و اظہار ۔

۲۔ خود سوچنے کی قوت کی نشو و نما کا سامان ۔

۳۔ مزید علمی شوق کی تخلیق و تحصیل کی تدابیر یعنی اُردو زبان کا مطالعہ، علمی و ادبی زبان کی حیثیت سے ۔ زبان کی مکمل علمی و ادبی رفتار کا تعارف ضروری ہے ۔ کیونکہ مڈل کے بعد بہت سے بچّوں کا تعلیم چھوڑ دینے یا آگے اُردو کو بحیثیتِ مضمونِ تعلیم اختیار

نہ کرنے کا احتمال ہے ۔

(۴) مطالعہ و انشا میں مزید مہارت حاصل کرنے کے لیے مزید مشق ۔

چنانچہ ان نکات کے زیر اثر اُردو کے نصاب میں مندرجۂ ذیل چیزیں ہونی چاہییں ۔

(۱) درسی کتاب ۔ (۲) گرامر ۔

(۳) انشا ۔ (۴) مزید مطالعہ ۔

درسی کتاب: اس میں اُردو زبان و ادب کے مختلف دلچسپ نمونے ہونے چاہییں اور اُن کی ترتیب ایسی ہو کہ اُردو ادب کے ہر دور کے زبان و ادب سے سطحی تعارف ہو جائے۔ اس کے علاوہ مذہب، سائنس، تاریخ، جغرافیہ، حفظانِ صحت سے متعلق مضامین اور ماہرینِ ریاضیات وغیرہ کا مذکور بھی ہو۔ تاکہ اُردو کا مطالعہ بحیثیت علمی و ادبی زبان بھی ہو جائے اور دوسرے مضامین تعلیم سے اشتراکِ عمل بھی ہو جائے۔ نیز دوسرے علوم و فنون کے متعلق دلچسپ معلومات سے اِن علوم کی تحصیل کا شوق بھی پیدا ہو ۔

اس کے علاوہ ان تمام اوصاف و اخلاق کے متعلق مضامین بھی ہوں، جو اس منزل کے طالب علموں میں پیدا ہونے چاہییں ۔ مثلاً اتحادِ عمل، خودداری، تحمل، انفرادی و اجتماعی فرائض، حُبِ ملک و قوم، استقلال، محنت، خود اعتمادی وغیرہ

اس کے علاوہ شہری اور دیہاتی زندگی کی بہتری و بہبود پر بھی مضامین ہوں ۔

گرامر: سابقہ معلومات کے اعادے کے ساتھ اُردو زبان کی ساخت کے تمام نکات پر بچے کو حاوی کر دیا جائے۔ تاکہ زبان کے حسن و قبح اور غلط و درست میں تمیز کرنے اور صحیح زبان بولنے اور لکھنے کی عادت ہو جائے۔ ذہن میں پریشانی اور بے یقینی نہ رہے، بلکہ ضبط و یقین پیدا ہو جائے۔ حد یہ کہ اُردو زبان کے

اجزائے ترکیبی کا کوئی ضروری پہلو نہ رہ جائے۔ کیونکہ اس کے بعد احتمال ہے کہ اکثر طلبہ یا تو تعلیم ہی چھوڑ دیں یا اُردو کو بحیثیت مضمونِ تعلیم آگے اختیار ہی نہ کریں۔

اِنشا: اس میں مضامین، کہانیاں، خطوط وغیرہ لکھائے جائیں۔ لیکن اُن کی نوعیت اب ایسی ہو کہ بچّوں میں خود سوچنے کا ملکہ پیدا ہو اور وہ اپنے خیالات جدّت کے ساتھ پیش کر سکیں اور ان اوصاف کے متعلق جذبات و احساسات کا اظہار کریں جن کا پیدا ہونا اس منزل میں نہایت ضروری ہے۔

عبارتوں اور شعروں کی تشریحات و توضیحات یا اُن کے مطالب بھی لکھنے کو دیے جا سکتے ہیں۔

مزید مطالعہ: لائبریری کی کتابوں، اخباروں، رسالوں، لغتوں اور فہرستوں کا مطالعہ اس غرض سے کہ زبان پر قابو حاصل ہو۔ زبان اور ادب میں دلچسپی پیدا ہو۔ معلومات بڑھیں اور علمی شوق پیدا ہو۔ معلومات کے تنوع کے ساتھ ساتھ میلانِ طبع کا علم ہو اور کوئی نقطۂ نگاہ قائم کرنے میں امداد ملے۔

اُردو زبان پر اظہارِ خیالات اور تحصیلِ علوم کے ذریعے کی حیثیت سے قابو پانے کے لیے اور ذہنی قوٰی کو جلا بخشنے کے لیے ضروری ہے کہ اس زبان کو خُوب پڑھا جائے، خوب لکھا جائے۔ خُوب بولا جائے۔ اسی اصول کے مطابق مڈل کی تین جماعتوں میں جتنا زیادہ سے زیادہ عمل ممکن ہو، کیا جائے۔

تقسیمِ اوقات کے لحاظ سے اُردو کو مڈل کی ہر جماعت میں مندرجۂ ذیل پیریڈ دیے جائیں، تو مفید ہوگا۔

چھٹی جماعت:	۹ پیریڈ فی ہفتہ	۵	پڑھائی کے لیے	۲	لکھائی کے لیے	۱	گرامر کے لیے	۱	مزید مطالعہ کے لیے						
ساتویں جماعت:	۹	″	″	۵	″	″	۲	″	″	۱	″	″	۱	″	″
آٹھویں جماعت:	۹	″	″	۵	″	″	۲	″	″	۱	″	″	۱	″	″

نصاب کے سلسلے میں ایک اور امر خاص توجہ کے قابل ہے، وہ یہ کہ اب ہمارے حالات بالکل بدل چکے ہیں اور ہمیں ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنی تعلیمی روش کو بھی بدلنا ہوگا۔ ہمیں اس نئی تعلیمی روش کی تشکیل میں ملحوظ رکھنا ہوگا کہ

۱۔ ہمارا ملک اب ہندوستان نہیں، پاکستان ہے۔

۲۔ اب ہم غلام نہیں، آزاد ہیں۔

۳۔ ہماری حکومت اب اسلامی روایات کی قدر دان ہے۔

۴۔ ہمیں اب اسلامی جذبے کے ساتھ اپنی قوم کی تعمیر کرنی ہے۔

۵۔ ہمیں اپنے بچوں کے اندر اسلام اور ملّتِ بیضا کے لیے بالعموم اور اپنے ملک کی اسلامی سلطنت اور قومی زبان کے لیے بالخصوص محبت پیدا کرنی ہے۔

۶۔ ہمیں ان عناصر سے احتراز کرنا ہے، جو ہماری قومی و اخلاقی ترقی کے منافی ہیں۔

ان کے علاوہ یہ بھی مدِ نظر رکھنا ہوگا کہ خیالات و جذبات کی یہ تعمیر تعلیم کے روزِ اوّل سے ہی شروع ہوگی۔ چنانچہ پہلی جماعت سے لے کر آٹھویں جماعت تک اردو کے نصاب کے ہر شعبے میں یعنی لکھائی، پڑھائی اور بول چال میں، بلکہ گرامر اور درسی کتاب کے ہر سبق میں پس منظر بھی ہونا چاہیے۔ ہمیں اردو کے پرانے رائج نصاب کے لفظوں، محاوروں، فقروں، مقولوں، خیالوں، مثالوں، کہانیوں، تاریخی واقعوں اور نظموں سے بیگانہ پسندی کے عناصر ہر طرح دور کرنے ہوں گے۔

یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ہم اردو کی تدریس سے دیگر مضامین کی معلومات بہم پہنچاتے میں کس قدر امداد کر سکتے ہیں اور وقت بچا سکتے ہیں۔ نیز کتنا زیادہ سے زیادہ علم تھوڑے سے تھوڑے وقت میں پہنچا سکتے ہیں۔

تعلیمِ بالغاں — ۲

(خواندگی کے بعد)

ایک معلّم کے قلم سے

ہمارا بالغ شاگرد قاعدہ ختم کرچکا ہے۔ گویا اب وہ تھوڑا بہت پڑھ لکھ سکتا ہے اور خواندہ کہلانے کا مستحق ہے۔ اس وقت شاید آپ یہ خیال کریں گے کہ ہمارا مقصد حاصل ہوگیا۔ نہیں نہیں، ابھی ہم منزل تک نہیں پہنچے۔ ہمارا اصل مقصد بالغوں کو محض خواندہ بنانا نہیں تھا۔ اس لیے ہماری کوششیں اسی طرح جاری ہیں۔ حقیقت میں خواندگی کی استعداد کو اس مہم کی تیاری سے تعبیر کرنا چاہیے، جس کو ہم اب شروع کرنے والے ہیں۔ خواندگی کی تحصیل سے ہماری تیاریاں مکمل ہوگئی ہیں اور اب ہم علم کے سرچشمے کی تلاش میں روانہ ہونے کو تیار ہیں۔ یاد رکھیے، خواندگی کی قابلیت پیدا کرنے سے پہلے ہمارا بالغ شاگرد اپنی حالت پر اتنا ہی قانع تھا، جتنا اب ہے۔ ہماری اور اُس کی اصلی ذمہ داریاں اس وقت سے شروع ہوں گی، جب ہم اُسے سرچشمۂ علم سے روشناس کرادیں گے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خواندگی کی قابلیت بہم پہنچانے سے بالغوں کی دماغی کیفیتیں کسی قدر تبدیل ہوگئی ہیں۔ پہلے وہ علم حاصل کرنے کو اپنے لیے ایک ناممکن بات سمجھتا تھا اور اسی سبب سے وہ تحصیلِ علم کی طرف سے بالکل بے پروا تھا۔ لیکن اب وہ اپنے دل و دماغ میں علم حاصل کرنے کی زبردست خواہش محسوس کر رہا ہے۔ پہلے پڑھنا لکھنا سکھانے کے لیے ہمیں اس کے ساتھ دلیل بازیاں کرنی پڑتی تھی۔ اب وہ صورت نہیں رہی۔ کیونکہ وہ علم کی ضرورت اور اہمیت کو اچھی طرح سمجھ چکا ہے۔

ان پڑھ بالغوں کو خواندہ بنانے کے بعد مسئلے کی صورت بالکل بدل گئی ہے۔ اگر اُستادوں کے سامنے پہلے یہ مسئلہ تھا کہ بالغوں کو کم سے کم وقت میں کیونکر خواندہ بنا دیں، تو اس وقت یہ مسئلہ درپیش ہے کہ وہ کس طرح سے علم کے پیاسوں کی پیاس بجھائیں اور کون سا طریقہ اختیار کریں، جس سے خواندگی کی قابلیت برقرار رہے اور ترقی کے قدم باقاعدہ آگے بڑھتے چلے جائیں۔

اس وقت ہمارے بالغ شاگرد کی استعداد یا قابلیت محض ایک ابتدائی قاعدے اور خواندگی کی سند پر مبنی ہے۔ اس کی تھوڑی سی بے پروائی سے یہ تمام محنت بہت جلد برباد ہو سکتی ہے۔ ہمیں اس وقت ایسے طریقے استعمال کرنے چاہییں، جن سے حاصل کی ہوئی قابلیت نہ صرف برقرار رہے، بلکہ اس میں ترقی ہو۔

خواندگی کے دور میں ہم اپنے شاگردوں کو ایسی دوا پلا چکے ہیں، جس نے اُن کی علمی بھوک کو بڑھا دیا ہے۔ اس وقت اُنھیں علمی بھوک لگ رہی ہے۔ اس لیے اُن کو علمی خوراک کی ضرورت ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن کے لیے علمی خوراک مہیا کریں۔ ہم نے خواندہ بالغوں کو لاعلمی کی مصیبت اور ناواقفیت کے بھنور سے نکالا ہے، ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں وہ دوبارہ انہی مصیبتوں میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ آپ یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہوں گے کہ ہر مرض کا دورہ اصل مرض کی نسبت بہت زیادہ خطرناک ہوا کرتا ہے۔

وہ ابتدائی دور نہایت خیر و خوبی کے ساتھ گزر چکا ہے، جس میں ناخواندہ بالغ ایک مفید اوزار کے استعمال کرنے کا ڈھنگ سیکھ رہا تھا۔ اب ہم اس کی پیدا کردہ قابلیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، اپنے اصل مقصد کی طرف آسانی سے متوجہ ہو سکتے ہیں۔ ہم عرض کر چکے ہیں، ہماری تحریک کا اصلی مقصد تحصیلِ علم ہے، خواندگی نہیں۔ اس لیے اب ہمیں تحصیلِ علم کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔

حقیقتاً خواندگی کے بعد ہی باقاعدہ تعلیم شروع ہوتی ہے۔ اس کا سلسلہ ختم نہ ہونے والا

سلسلہ ہے، یہ تمام عمر جاری رہے گا۔ اگر اس سے کوئی خاص مالی یا ظاہری فائدہ نہیں ہوتا، تو نہ سہی، یہ کیا کم ہے کہ انسان اور حیوان میں ایک حدِ فاصل قائم ہو جاتی ہے۔ اے اہلِ وطن! رائے دہندگی اور شہریت کے حقوق مل جانے سے آپ کی ذمّہ داریاں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں اور وُہ اس بات کی مقتضی ہیں کہ آپ اور آپ کے بھائی بند جلد سے جلد بہتر قسم کے شہری بن جائیں، تاکہ جمہوریت کا پُورا پُورا فائدہ اُٹھائیں۔ زمانہ کروٹیں بدل رہا ہے۔ وقت بہت زیادہ تیز رفتاری سے گزر رہا ہے۔ گزشتہ غلطیوں اور کوتاہ اندیشیوں پر افسوس کرنے کی مہلت نہیں رہی۔ جمہوریت کے نفاذ سے ہماری ذمّہ داریاں گوناں گوں اور روزافزوں ہو گئی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنی حکومت کی وفادار رعایا بنیں اور اپنے زاویۂ نگاہ کو بلند رکھ کر ہر چیز کا مطالعہ کریں۔

اس دَورِ جمہوریت میں سب سے زیادہ نقصان ان لوگوں کو پہنچے گا، جو جاہل اور اَن پڑھ ہیں۔ حالات کو دیکھتے ہُوئے، ہمیں زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو جانا چاہیے اور اپنے حقوق کا پُورا فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ جمہوریت غیر تعلیم یافتہ اقوام کو کبھی راس نہیں آتی۔ وقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہمارے اَن پڑھ بھائی خود بخود خواندہ ہونے کی خواہش ظاہر کرتے۔ خیر وہ وقت گزر گیا۔ ملک کے دردمند اور بہی خواہ حضرات نے اپنی بے غرض کوششوں سے ناخواندہ افراد کو خواندہ بنا دیا اور اُن کی توجہ علم حاصل کرنے کی طرف مبذول کرا دی۔ ایسے حضرات جنھوں نے اس مفید تحریک میں حصّہ لیا ہے یقیناً شکریے کے مستحق ہیں۔ اُنھوں نے ایک ایسے کھوئے موقعے کی تلافی کر دی ہے، جس سے ہمارے ملک کی بیشتر آبادی گزشتہ ایام میں فائدہ نہیں اُٹھا سکی تھی۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ کامیابی اِنہی حضرات کی نیک نیتی کا نتیجہ ہے۔

خواندہ ہو جانے کے بعد طبیعتیں علم حاصل کرنے کی طرف مائل ہو چکی ہیں۔ خواندہ بھائیوں کے دلوں میں یہ خواہش ہر لمحہ بڑھ رہی ہے کہ وہ کیونکر علم حاصل کریں اور اپنی زندگی کو بہتر بنائیں۔ کیوں نہ ہو، ہر شخص یہ بات اچھی طرح سمجھ چکا ہے کہ تعلیمِ بالغاں ایک مستقل قومی ضرورت اور شہریت کا ضروری جزو ہے۔

یہی وہ وقت ہے، جس کا انتظار تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس منزل پر پہنچنے کے لیے ہم نے کیا کیا طریقے اور حربے استعمال کیے۔ اب ہمیں پورے جوش اور استقلال کے ساتھ تعلیمِ بالغاں میں مصروف ہو جانا چاہیے اور اپنی کوششیں برابر جاری رکھنی چاہییں۔

ہمارے سامنے اس وقت یہ سوال درپیش ہے کہ کیونکر خواندگی کو پختہ کیا جائے اور کس طریقے سے ترقی کے قدم بڑھائیں کہ ہمارا اصلی مدّعا حاصل ہو جائے۔

بالغوں کی خواندگی کو پختہ کرنے اور اُن کو تعلیم دینے کے مختلف طریقوں پر غور کرنے کے بعد ہم نے مذاکرے کے طریقے کو انتخاب کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ کوئی اور طریقہ ہماری ضروریات کو اس درجہ پورا نہیں کر سکتا۔ ہم مانتے ہیں کہ مذاکرے کا طریقہ کسی قدر طویل اور محنت طلب ہے۔ لیکن اس میں وہ خصوصیات اور خوبیاں ہیں، جو کسی اور طریقے میں نہیں۔ ہر طالب علم زیرِ بحث موضوع میں متفق اور متحد ہو کر عملی حصّہ لیتا ہے۔ فرداً فرداً ہر متعلم کو اپنی قابلیت اور معلومات کے بیباکانہ اظہار کا موقع ملتا ہے۔ سبق میں حصّہ لینے والوں کے بکھرے ہوئے خیالات از خود ترتیب پاتے ہیں۔ اپنے خیالات کو خود سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ غلطیوں کی اصلاح نہایت خوش گوار طریقے سے جاری رہتی ہے۔ نیز معلوماتِ عامّہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

بعض ماہرینِ تعلیم کا خیال ہے، خواندگی کے بعد لکچر دینا زیادہ مفید ہے۔ ہم اس طریقے کے سخت مخالف ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ طریقہ خواندہ بالغوں کے لیے کسی طرح مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ لکچر کے طریقے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ سُننے والے شروع سے لے کر آخر تک پوری طرح متوجہ نہیں رہ سکتے۔ ہر نئی بات پر متعلم کو اپنی ناواقفیت اور جہالت کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی حالت پر خود شرمندگی محسوس کرتا ہے۔ اپنی معلومات کو دُہرانے اور شکوک کو رفع کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ لکچر کو سُن کر اُس کی معلومات میں اضافہ ضرور ہوتا ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ اُن کو اپنے حافظے میں دیر تک محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ انہی کوتاہیوں کو پیشِ نظر رکھ کر ہم نے مباحثے اور مذاکرے کے طریقے کو پسند کیا ہے۔ ہمیں پوری پوری اُمید ہے کہ یہ

طریقۂ خواندگی کے بعد نہایت کامیاب ثابت ہوگا۔

تعلیمِ بالغاں میں ہمیں یہ بات ہر وقت یاد رکھنی چاہیے کہ بالغوں کی تعلیم اصل معنوں میں تعلیم ہے۔ اس کا تعلق سماج اور سوسائٹی کے ان مسائل سے ہونا چاہیے، جو بالغوں کی زندگی کا نچوڑ ہیں۔ گویا بالغوں کی تعلیم کا تعلق حالاتِ امروزہ سے ہونا چاہیے، نہ کہ واقعاتِ فردا سے۔ ایسی تعلیم خواندہ بالغوں کے لیے بالکل بیکار ہے، جو آج کی بجائے کل کام آئے گی۔ یاد رکھیے، ایک بالغ اور عاقل شخص عملی طور پر کام نہ آنے والی تعلیم پر اپنا عزیز وقت کبھی صرف نہیں کرے گا۔

تعلیمِ بالغاں کی تحریک ہمارے اُن پڑھ بھائیوں کے لیے ایک بہترین موقعہ مہیا کرتی ہے، وہ اس وقت زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اس لیے اس عمدہ موقع سے ضرور فائدہ اُٹھائیں گے، ہر وہ طریقہ جو اُن کے ناہموار حالات کو ہموار کرنے کی اُمید دلائے گا، ان کو پسند ہوگا۔ عزیزانِ وطن! یہ ایک حسنِ اتفاق ہے کہ اس وقت تعلیم حاصل کرنے کا سماں بندھ گیا ہے اور ہر بالغ علم حاصل کرنے کے لیے آمادہ نظر آتا ہے۔ ہمیں اس سے سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اَور بالغوں کے لیے ایک ایسا دلچسپ سیدھا سادا اور مفید تعلیمی پروگرام مرتّب کرنا چاہیے کہ نہ صرف عملی طور پر فائدہ مند اَور کارآمد ہو، بلکہ معلوماتِ عامّہ کو بڑھانے اَور زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کرنے کے لیے ایک سچّے رہنما کا کام دے۔

تعلیمی پروگرام کو دلچسپ اَور مفید بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم ایسے موضوعوں کو کام میں لائیں، جو بالغوں کی روزانہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اَور وہ اُن میں حقیقی دلچسپی لیتے ہیں۔ نیز اُن کے متعلق تھوڑی بہت واقفیت اُنھیں پہلے سے حاصل ہے۔

محکمۂ تعلیم کا ارادہ ہے کہ دیہاتوں میں کتب خانے جاری کیے جائیں۔ کتب خانے کھولنے سے محکمۂ تعلیم کا منشا یہ ہے کہ خواندہ بالغ ان سے فائدہ اُٹھائیں۔ اپنے علم اَور معلومات کو بڑھائیں اَور تعلیم بالغاں کے تعلیمی مذاکروں میں زیادہ سرگرمی اَور دلچسپی سے حصّہ لیں۔ ہمارا خیال ہے کہ کتب خانے دیہاتی بھائیوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوں گے۔

کیا تعجب ہے کہ ان کی بدولت دیہاتی زندگی میں ایک انقلاب پیدا ہو جائے۔ فرصت کا وقت جو آج کل لڑائی جھگڑوں، قصّے کہانیوں اور غیر ضروری باتوں میں ضائع ہوتا ہے، مفید کتابوں کے مطالعے میں صرف ہونے لگے۔

کسی کا قول ہے، "انسان کی خوش حالی اور ترقی کا دار و مدار فرصت کے صحیح استعمال پر ہے۔ اسی سے قومیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔"

ایران کی تعلیمی ترقی

از

(مجتبیٰ احمد)

ایران ہمیشہ سے مشرق و مغرب کی کشمکش کا مظہر رہا ہے۔ لیکن ایران نے اپنی مغرب پرستی کے طوفان میں اپنی انفرادیت کو قائم رکھا اور مغرب کی تعلیمات کو احساسِ کمتری کے ساتھ قبول کرنے کے بجائے ان کے صالح اجزا کی ترکیب اپنے ملکی ماحول اور روایات کے ساتھ کی اور اُن کی ہم آہنگی سے ایک جہانِ نَو کی تشکیل کی۔ اس جہانِ نَو کی تشکیل کی ایک جھلک ہمیں ایران کی تعلیمی ترقی میں نظر آتی ہے۔

گو رضا شاہ کی حکومت سے پہلے ہمیں جا بجا علوم و فنون کی نشاطِ ثانیہ کی کوششیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً ۱۸۵۲ء میں دارالفنون کی تنظیم ہوئی۔ ۱۸۷۳ء میں لسانیات کے سکول کی بنیاد رکھی گئی اور ۱۸۷۶ء میں حکومت نے دُوسرا کالج قائم کیا، جس میں یورپین کے علاوہ ایرانی اساتذہ بھی تھے۔ فوجی تعلیم کی طرف حکومت کی توجہ زیادہ تھی۔ چنانچہ اصفہان میں ۱۸۸۳ء میں اور طہران میں ۱۸۸۶ء میں ملٹری کالجوں کی بنیاد رکھی گئی۔ لیکن مجموعی حیثیت سے ایران کی تعلیمی پالیسی بیرونی ممالک کے ہاتھ میں تھی۔ تعلیم کی از سرِ نو تنظیم کی پہلی کوشش ۱۸۹۶ء میں ہوئی۔ قومی درس گاہوں کی ایک کونسل کی بنیاد رکھی گئی، جس کے اراکین ملک کے ممتاز اشخاص تھے۔ اس کونسل نے اس سال دس سکول قائم کیے، جس میں فارسی، عربی، ریاضی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اسی کونسل کی سفارشات کے ماتحت حکومت نے ۱۹۰۰ء میں عمرانیات کے لیے ایک اعلیٰ کالج کی بنیاد رکھی۔

۱۹۰۶ء کے انقلاب کے بعد ایران میں صحیح معنوں میں قومی تعلیم کا ارتقا شروع ہُوا۔ ۱۹۱۱ء کے تعلیمی ایکٹ نے قومی اور پرائیویٹ سکولوں کے درمیان امتیاز قائم کیا۔ اس ایکٹ کی رُو سے غیر ملکی اساتذہ پرائمری سکولوں میں تعلیم دینے کے مجاز نہیں تھے۔ جس کا مقصد دراصل

رُوس کے بڑھتے ہُوئے اثر کو روکنا تھا۔ اس وقت تک پُورے مُلک میں لڑکوں کے لیے ۷۶ سکول تھے، جن میں ۴۴۳۸ طلبہ تعلیم پاتے تھے۔ لڑکیوں کے لیے ۴۷ سکول، جن میں طالبات کی تعداد ۲۱۸۷ تھی۔ اس کے علاوہ دو ثانوی سکول اور تین کالج تھے، جن میں طلبہ کی تعداد علی الترتیب ۱۵۴ اور ۱۵۷ تھی۔

ایران کے تعلیمی ارتقا میں اس کا قومی پہلو بہت اُجاگر ہے۔ حکومت کی کوشش برابر یہ رہی ہے کہ تعلیم اس کے براہِ راست کنٹرول میں ہو، تاکہ غیر ملکی عناصر کہیں بھیس بدل کر قومی تعمیر کو نقصان نہ پہنچائیں۔ غیر سرکاری سکول یوں تو ملک میں اب بھی ہیں لیکن حکومت نے ان پر خاصی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ نصابِ تعلیم کی منظوری خود حکومت کی وزارت تعلیم کرتی ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اساتذہ کا تقرر بھی اس کی سفارشات کے ماتحت ہوتا ہے۔ ۱۹۳۲ء کے بعد سے غیر ملکی پرائمری سکول یکلخت بند کر دیے گئے ہیں اور ثانوی سکولوں کی بھی جانچ حکومت کے افسر وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ آذربائیجان کی درس گاہوں میں حکومت کے خلاف سازش کا پتہ چل جانے کے بعد سے حکومت ان اداروں پر اور بھی سخت نظر رکھتی ہے۔

ایران میں عام تعلیم کے چار مدارج ہیں۔ کنڈرگارٹن، پرائمری، ثانوی اور اعلیٰ۔ کنڈرگارٹن سات برس سے کم عمر کے بچوں کے لیے ہے۔ سات برس کی کم عمر میں بچّے لازمی طور پر پرائمری سکولوں میں داخل ہوتے ہیں۔ مخلوط تعلیم کا رواج اس دور میں عام ہے۔ لیکن لڑکوں اور لڑکیوں کے نصاب میں فرق ہوتا ہے۔ لڑکوں کے لیے قرآن، فارسی، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ اور بہت معمولی عربی لازمی ہے۔ لڑکیوں کے لیے بھی یہی مضامین ہیں لیکن ان کے لیے معیار ہلکا کر دیا گیا ہے۔ اس کے بجائے انھیں ڈرائنگ اور سلائی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پرائمری سکول کے لیے کتابیں خود حکومت اپنی نگرانی میں تیار کراتی ہے اور یہ کتابیں سکولوں میں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ تعلیم کے اس دَور کے لیے کوئی فیس نہیں، بلکہ بسا اوقات تو یونی فارم کے اخراجات کی بھی حکومت ہی کفیل ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سماجی امتیازات کہیں لڑکوں کے دماغ میں

جڑ نہ پکڑیں، جو آئندہ چل کر قوم کے لیے مضر ثابت ہوں۔ پرائمری سکولوں میں امتحانات پر زور نہیں دیا جاتا۔ چھے سال میں لڑکا چھے درجے کرلیتا ہے۔ ساتویں برس جو پرائمری سکولوں کا آخری سال ہوتا ہے، امتحان لیا جاتا ہے۔ یہی امتحان ثانوی سکولوں میں داخلے کا ہوتا ہے۔ اس امتحان کو پاس کیے بغیر نہ کوئی ملازمت مل سکتی ہے اور نہ کسی صنعتی اور حرفتی سکول میں داخلہ ہو سکتا ہے۔

ثانوی تعلیم ایران میں لازمی نہیں ہے۔ پرائمری سرٹیفکیٹ کے بعد لڑکے کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرے۔ ثانوی تعلیم کی مدت چھے سال ہوتی ہے، جس کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ ہو سکتا ہے۔ ثانوی تعلیم کے پہلے تین برسوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے تقریباً یکساں نصاب ہے۔ دونوں کو قرآن، ادب، ریاضی، سائنس، تاریخ وجغرافیے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لڑکوں کو ان مضامین کے علاوہ طبیعیات، کیمیا بھی سیکھنا ہوتا ہے اور اس کے عوض لڑکیوں کے لیے خانگی امور، تربیتِ اطفال اور سلائی کی تعلیم ضروری ہے۔ فرصت کے اوقات میں کھیل، موسیقی اور ڈراموں پر زور دیا جاتا ہے۔ اس نصابِ تعلیم سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ ایرانی تعلیم کا مقصدِ اولیں بہترین شہری افراد تیار کرنا ہے، تاکہ ان کا ملک دُنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش چل سکے۔ لیکن اپنی روح کو ہر قیمت پر برقرار رکھے۔ مغرب سے استفادہ کے باوجود اپنی وحدت برقرار رکھنا ایرانی تعلیم کا طرۂ امتیاز ہے۔ ثانوی تعلیم مفت نہیں ہے۔ لیکن فیس محض معمولی ہے اور زیادہ سے زیادہ طلبہ کی مالی اعانت کی جاتی ہے۔ ثانوی تعلیم کے پہلے تین سال بعد طلبہ اس کے دوسرے حصے میں داخل ہوتے ہیں۔ پہلے حصے کے بعد طلبہ سرکاری ملازمت اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں انھیں چوتھا گریڈ ملتا ہے۔ اسی حصے کے بعد وہ سرکاری ٹیکنیکل سکولوں میں داخلے کے مجاز ہوتے ہیں۔

ثانوی تعلیم کے آخری تین سالوں میں عربی، فارسی، سائنس کے علاوہ کسی بیرونی زبان کا

علم بھی لازمی ہے۔ اس مدت کو ختم کرنے کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ ممکن ہے یا جو شخص سرکاری ملازمت پسند کرے، وہ ملازمت کے تیسرے گریڈ میں لیا جا سکتا ہے۔ ثانوی سرٹیفکیٹ برٹش، امریکن اور فرانسیسی یونیورسٹیوں میں میٹریکولیشن کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ آرٹس اور سائنس کے علاوہ ثانوی معیار کی صنعتی، زراعتی، کمرشیل، پینٹنگ اور مذہبی درس گاہیں بھی ہیں۔ اسی مناسبت سے یونیورسٹی میں بھی مختلف مضامین کے لیے اعلیٰ تعلیم کا نظم ہے۔ لڑکیوں کے متعلق حکومت کا رجحان یہ ہے کہ وہ نرسنگ یا تعلیمی ٹریننگ میں شریک ہوں۔ لیکن جو لڑکیاں عام نصاب میں شریک ہونا چاہتی ہیں، اُن پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ابھی حال میں لڑکیوں کے لیے دو سال کا ایک علیحدہ کورس تیار کیا گیا ہے، جہاں عام مضامین کے علاوہ صنعت و حرفت، تربیتِ اطفال اور اُمورِ خانہ داری کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۵ رفروری ۱۹۳۵ء کا دن ایران کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ رضا شاہ نے اسی دن طہران یونیورسٹی کا سنگِ بنیاد رکھا تھا۔ یہ یادگار دن آج بھی تعلیمی تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یونیورسٹی کی عمارت خاص طور پر وضع کی گئی اور مختلف شعبوں کے لیے علیحدہ علیحدہ خوبصورت اور وسیع عمارات تیار کی گئیں۔ یونیورسٹی کے پانچ شعبے — آرٹس، سائنس، میڈیکل، قانون، صنعت — ہیں اور ہر ایک کو فیکلٹی کی حیثیت حاصل ہے۔ چھٹا شعبہ دینیات اور مذہبیات کا شعبہ ہے، جو حال میں سپہ سالار کی مسجد میں قائم کیا گیا ہے۔ ہر شعبے کی اپنی لائبریری ہے، جس میں کتب بینی کے علاوہ نشر و اشاعت کا کام بھی ہوتا ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ ہر مضمون سے متعلق دنیا کے اچھے اور مشہور مصنّفوں کی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک علیحدہ دارالترجمہ بھی قائم کیا گیا ہے، جہاں ماہروں کی نگرانی میں ترجمہ کا کام ہوتا ہے۔ شروع میں یونیورسٹی میں بیرونی ممالک کے پروفیسروں کی اکثریت تھی۔ لیکن اچھے اور شوقین طلبہ کو یورپین اور امریکی ممالک میں اعلیٰ تعلیم دلا کر حکومت نے یہ کمی پوری کر لی ہے اور اب غیر ایرانی پروفیسر بہت کم رہ گئے ہیں۔ طہران یونیورسٹی میں وسط ایشیا مثلاً عراق، عرب،

ترکی اور ان کے علاوہ روس اور ہندوستان سے بھی طلبہ کافی تعداد میں آتے ہیں۔ وزارتِ تعلیم ایران میں تین اور یونیورسٹیوں کے قیام پر غور کر رہی ہے۔ ایران میں اعلیٰ تعلیم کے اخراجات بہت کم ہیں۔ یونیورسٹی کلاسوں کی فیس محض برائے نام ہے اور میرا خیال ہے کہ دنیا میں کسی دوسری یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم اتنی کم خرچ نہیں ہے، جتنی ایران میں۔

یونیورسٹی میں صنعتی اور میڈیکل تعلیم پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اول الذکر کا کورس چار سال کا ہے، جس میں الیکٹریکل، سول اور میکینیکل انجینرنگ کے علاوہ کیمیا اور مائننگ (معدنیات) کا بھی کورس ہے۔ ڈاکٹری کے لیے ثانوی کے بعد چھ سال درکار ہوتے ہیں، جس میں پہلا سال محض ابتدائی میڈیکل سائنس سے متعلق ہوتا ہے۔ قانون کا کورس تین سال کا ہے۔ جس کے بعد وکالت کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے۔ اس سرٹیفکیٹ کے بعد پولیٹیکل سائنس کے اعلیٰ درجوں میں بھی داخلہ ہوسکتا ہے، جس کی مدت تعلیم دو سال ہے۔ مذہبیات کی مدت تعلیم تین سال ہے۔ جس میں فلسفہ، فقہ اور دینیات کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ یونیورسٹی تعلیم ختم کرنے کے بعد پہلے گریڈ کی سرکاری ملازمت مل سکتی ہے۔

یونیورسٹی کے قیام کا مسئلہ تعلیمی سے زیادہ معاشیاتی اور سیاسی تھا اور جیسا کہ میں گزشتہ صفحوں میں لکھ چکا ہوں کہ رضا شاہ کی حکومت نے تمام شعبہ ہائے زندگی کو ایک مستحکم اور ٹھوس قومیت کی تعمیر کے لیے استعمال کیا۔ تعلیم بھی اسی طرح محض تعلیم کی خاطر نہیں تھی۔ بلکہ اس کا پس منظر بھی ثقافتی اور عمرانی رجحانات کی سربلندی تھا۔ معاشیات کو بھی اس سے ایک گہرا لگاؤ اس طرح تھا کہ یونیورسٹی کے قیام سے پہلے تقریباً ہر سال سو طلبہ بیرونی ممالک میں محکمۂ تعلیم کی طرف سے اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجے جاتے تھے، دس لاکھ ریال کی رقم سالانہ ان طلبہ پر صرف ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ کثیر رقم ان طلبہ پر بھی خرچ ہوتی تھی، جو دوسرے محکموں مثلاً زراعت، صنعت اور جنگ کی طرف سے بیرونی ممالک کو بھیجے جاتے تھے۔ ۱۹۳۵ء کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۲ء تک تقریباً ۱۷۰۵ طلبہ غیر ممالک سے فارغ التحصیل ہوکر

آئے تھے۔ یہ رقم اب خود طہران یونیورسٹی کی توسیع میں خرچ ہونے لگی ہے۔ طلبہ اب بھی یورپین، امریکن یا بیروت کی امریکن یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لیے بھیجے جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد پہلے کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔

تعلیمی لحاظ سے ایران کو سب سے زیادہ ضرورت اُستادوں کے سکول کی تھی ۱۹۳۴ء کے ٹیچرس ٹریننگ ایکٹ کے پہلے بھی ٹریننگ سکول اور کالج تھے، پھر بھی ملکی ضروریات کے لیے اچھے اُستادوں کی فراہمی ایک دقّت طلب سوال تھا۔ اس ایکٹ کی رُو سے ٹریننگ کالج کا پنج سالہ پروگرام تیار کر لیا گیا۔ ۱۹۳۹ء میں سارے ملک میں ۳۶ ٹریننگ سکول تھے اور ۱۹۴۵ء میں ان کی تعداد ۳۴ تھی۔ ان سکولوں میں داخلہ لینے والوں کی حکومت کافی ہمت افزائی کرتی تھی۔ ان سکولوں کی مدّت تعلیم دو سال ہے، جس کو پورا کرنے کے بعد ایک طالب علم پرائمری سکولوں میں پڑھانے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ ٹریننگ سکولوں میں داخلے کے لیے عام طور پر جونیر ثانوی سرٹیفکیٹ اور اٹھارہ سال کی عمر کی شرط ہے۔ اس کو پاس کرنے کے بعد ٹریننگ کالج میں داخلہ ہو سکتا ہے۔ اس کالج میں داخلہ براہِ راست بھی سینیر ثانوی سرٹیفکیٹ کے بعد ہو سکتا ہے۔ یہ کالج یونیورسٹی کا محبوب ترین کالج ہے۔ اس کی عمارت بڑی شاندار اور وسیع ہے، جس میں تعلیمی ضروریات سے متعلق تمام سامان موجود ہیں۔ ۱۹۴۵ء تک ۹۵۰ طلبہ نے اس کالج سے ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں اس کالج میں ۵۵۰ طلبہ موجود تھے۔

ٹیکنیکل ٹریننگ کے لیے علحدہ نصاب ہے۔ یہ تعلیم وزارت صنعت کے ماتحت ہے۔ اُن کے پرائمری سکولوں میں قالین بُننے، زراعت، نجاری اور لوہے کا کام سکھایا جاتا ہے۔ ثانوی اسٹیج میں لڑکا انڈسٹریل سکول میں داخل ہوتا ہے، جہاں حقیقی طور پر اس کی صنعتی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ پرائمری سکولوں کا کام محض بچوں کے دماغ کو اس موضوع کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے۔ انڈسٹریل سکول کی مدّت تعلیم چھ سال ہے۔ پہلے چار سالوں میں صنعت سے متعلق مختلف مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ اخیر کے دو سال میں لڑکا اپنی پسند اور رجحان کے مطابق

کسی ایک مضمون کا انتخاب کرتا ہے اور اس میں امتیاز حاصل کرتا ہے۔ باہمت اور بلند حوصلہ طلبہ کے لیے انڈسٹریل کالج بھی موجود ہے، جہاں اس موضوع سے متعلق جدید اور اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کالج میں غیر ملکی اساتذہ کافی ہیں۔ لیکن ایرانی طلبہ کو غیر ملکی تعلیم حاصل کرا کے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش برابر جاری ہے۔ ایران میں سینکڑوں ٹیکنیکل کالج ہیں۔ ان میں اکثر خاص دیسی صنعت یا کاٹج انڈسٹری کی تعلیم دیتے ہیں۔ چند ایسے بھی ہیں، جن کا مقصد بچوں کو جدید ٹیکنیکل تعلیم دینا ہے۔ اس سلسلے میں لڑکیوں کے ٹیکنیکل سکول کا ذکر بہت ضروری ہے، جس کی عمارت جدید شہر کی بہترین تعمیرات میں سے ہے۔ ان کے علاوہ ٹیکنیکل سکول اور کالج مختلف مضامین، مثلاً ملٹری سائنس، زراعت اور تجارت کی تعلیم کے لیے بھی ہیں۔ لیکن ان کا تعلق وزارتِ تعلیم سے نہیں، بلکہ اپنے اپنے محکموں سے ہے۔ وزارت زراعت کی طرف سے مویشیوں کے علاج اور زراعت کے لیے دو کالج کاراج میں موجود ہیں۔ محکمۂ جنگ کی طرف سے مشہد، اصفہان، تبریز، شیراز اور کرمان میں ملٹری سکول ہیں۔ اعلیٰ ملٹری تعلیم کے لیے ملک میں تین ملٹری کالج ہیں اور دو مزید کالجوں کے قیام کی تجویز زیرِ غور ہے۔ اسی طور پر وزارتِ مواصلات پوسٹ اور ٹیلیگراف کے ماتحت بھی سکول اور کالج ہیں، جو لڑکوں کو ان محکموں سے متعلق اُمور کے لیے تیار کرتے ہیں۔

ایران کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ فنونِ لطیفہ سے اس ملک کو گہرا شغف رہا ہے۔ کچھ تو فطرت نے آب رکناباد و گلگشت مصلیٰ کے رومان آفریں ماحول سے اس ملک کی فضا کو آرٹ کی پرورش کے لیے سازگار بنا دیا ہے اور پھر عہدِ قدیم کی شاندار روایات نے جس میں اسلام سے پہلے زرتشتیوں کا بہت بڑا حصہ ہے، اس آرٹ کے پہلو کو اور اُجاگر کر دیا ہے۔ مانی و بہزاد کی سرزمین جس میں عمر خیام نے زندگی کی نئی لہر دوڑائی تھی، اس شاندار پہلو کو کیسے فراموش کر سکتی ہے۔ آج بھی ایرانیوں کی زندگی میں یہ پہلو بہت نمایاں ہے۔ حکومت نے فنونِ لطیفہ مثلاً تصویر کشی، پینٹنگ، موسیقی کی تعلیم کے لیے اچھے سکول اور کالج

بنائے ہیں۔

تعلیم بالغاں کے بغیر ایران میں تعلیمی سرگرمیوں کا ذکر اُدھورا رہ جائے گا۔ ۱۹۳۶ء میں حکومت نے بہت بڑے پیمانے پر جہالت کے خلاف محاذ قائم کیا اور اپنے تمام محکموں کو ہدایت کی وہ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ کاوش کریں۔ دو سال کا ایک کورس ایسی تعلیم کے لیے مرتب کیا گیا، جس میں پہلے سال میں معمولی لکھنا پڑھنا اور حساب سکھایا جاتا ہے۔ دوسرے سال میں اصول حفظانِ صحت، معمولی تاریخ و جغرافیہ اور شہریوں کے حقوق اور حکومت کی ذمہ داریوں کے متعلق ان کو معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ تعلیم بالغاں کے سلسلے میں ایرانی حکومت کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۵ء تک جس میں دوسری جنگِ عظیم کے پانچ سال بھی شامل ہیں، تقریباً ساڑھے تین لاکھ بالغوں نے اس اسکیم سے استفادہ حاصل کیا اور پرائمری سرٹیفکیٹ کے مستحق ہوئے۔

ایران نے بیس سال کے عرصے میں جو حیرت انگیز تعلیمی ترقی کی ہے، وہ مندرجہ ذیل نقشہ سے ظاہر ہے:-

	۱۹۲۲ء	۱۹۴۲ء
کنڈرگارٹن	۸	۳۸
مکتب	۴۱۱	۳۸۲۰
پرائمری سکول	۵۱۶	۱۸۵۰
ثانوی سکول	۲۵	۲۸۰
ٹریننگ سکول	×	۲۲
ٹیکنیکل سکول	×	۱۸
کالج	۲	۱۷
یونیورسٹی	×	۱
سکول بالغاں	×	۵۲۰
مذہبی کالج	۷	۳۵۳

یہ سرکاری درس گاہوں کی تعداد ہے۔ خاصی بڑی تعداد غیر سرکاری لیکن حکومت سے منظور شدہ سکول اور کالجوں کی ہے۔ ۱۹۴۴ء میں سکولوں کی مجموعی تعداد ۹۷۱۵ تھی، جس میں طلبہ کی تعداد ۶۱۳۹۶۰ تھی۔ ۱۹۲۲ء میں ایسے سکولوں کی مجموعی تعداد صرف ۶۱۲ تھی۔ ۱۹۴۴ء کے بجٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیمی اداروں پر تقریباً تیس لاکھ پونڈ کی رقم خرچ ہوئی تھی۔

دوسرے ایشیائی ممالک کی طرح ایران میں تعلیم محض کتابوں تک محدود نہیں رہی۔ ایران کی تمام تعلیمی کاوشوں میں ایک قومی روح جلوہ گر ہے، جس کا مقصد نہ صرف اپنے ملک کی ترقی ہے، بلکہ مطمحِ نظر ایشیا کی وہ سربلندی ہے، جہاں سے علم و تمدن کی کرنیں ساری دنیا میں پھیلی تھیں۔ ۱۹۴۴ء میں اے حکمت وزیرِ تعلیم ایران نے جو ہندوستان میں ثقافتی اخوت کا وفد لے کر آئے تھے، فرمایا تھا کہ "ہم چاہتے ہیں کہ ایشیا باہمی میل جول سے روحانیت کی وہ پرُ روح پرُ ضیا فضا پیدا کرے، جہاں مسلسل جنگوں کی تھکی ماندی اور بے رُوح دنیا ابدی زندگی کی از سرِ نو کیفیات محسوس کرنے لگے"۔ ایران کی تعلیم میں اس بلند ثقافتی مقاصد کا پرتو موجود ہے۔

(ماخوذ از "ماہِ نو" کراچی)

اصطلاحی غور و فکر

(گزشتہ سے پیوستہ)

ایک ضروری تصحیح | آموزش کے پچھلے نمبر میں اصطلاح نمبر ۱۰ (Endorsment) کے ترجمے کے سلسلے میں ہم نے "تصدیق ظہری" کو ترجیح دی تھی۔ لیکن افسوس کہ سہو کاتب سے "تصدیق ظہری" کی جگہ "تصدیق ظاہری" چھپ گیا۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ اس غلطی کو درست کرلیں۔ صحیح "تصدیق ظہری" ہے۔

اصطلاحات
(بسلسلہ ماسبق)

11. Standing Orders.

ایک صاحب نے اس کے لیے "استادہ فرامین" تجویز کیا ہے۔ لیکن استادہ کا لفظ اگرچہ Standing کی ترجمانی کر رہا ہے۔ مگر صحیح مفہوم ادا نہیں کرتا۔ اس لیے کچھ جچتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک اس اصطلاح کا ترجمہ "مستقل احکام" کیا جائے، تو بہتر ہوگا۔

12. Contents.

اس کے لیے مختلف ترجمے موصول ہوئے ہیں: "فہرست مضامین"، "عنوانات"، "فہرس"، "نگارشات"، "نقوش"، "فہرست"، "تفصیل مضامین"، "تفصیل ابواب"، "تعارف نامہ"، "تفصیلیہ"، "اشارات"، "مضمون نما"، "اشاریہ"، "دلیل کتاب"، "کتاب نما" اور "موضوعات"۔ لیکن ان پر نظرِ غائر ڈالنے سے یہ معلوم ہوگا کہ Contents میں جس اختصار کے ساتھ جو مفہوم ادا ہو رہا ہے، اس کے لیے ان تمام الفاظ میں سے کوئی بھی موزوں نہیں۔ اگرچہ "فہرست مضامین"

کی اصطلاح کثرت سے مستعمل ہے۔ لیکن اس میں وہ اختصار نہیں، جو Contents میں ہے۔ ہمارے نزدیک اس کے لیے جچتا ہُوا لفظ "مافیہ" ہے۔ یہ Contents کا صحیح مفہوم مکمل اور مختصر طور پر ادا کرتا ہے۔

13. Index.

اس سے زیادہ تر وہ اصطلاح مراد لی جاتی ہے، جو کتاب کے مندرجہ الفاظ یا اصطلاحات یا اسمار رجال و بلدان وغیرہ کے سلسلے میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کے لیے بھی مختلف ترجمے تجویز کیے گئے ہیں اور اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ایسے ترجموں کی ہے، جو index کی صرف ایک نوعیت کے مطابق ہیں۔ دوسری index کی عام نوعیت کے مطابق۔ جو ترجمے پہنچے ہیں، یہ ہیں:

"اسمار رجال"، "اسمار بلدان"، "اصطلاحات"، "اہم مقامات"، "اہم الفاظ"، "اہم مضامین"۔

عام ترجمے یہ ہیں: "عدد نما"، "شہادت نامہ"، "دلیل"، "رہنما"، "ہدایت نامہ"، "تفاصیل"۔

اِن تمام ترجموں پر غور کیجیے۔ index میں جو جامعیت اور اختصار ہے، وہ ان مذکورہ ترجموں میں سے کسی ایک میں نہیں۔ index کے لیے اگر "اسمار رجال" مقرر کر دیں، تو پھر "بلدان" کے سلسلے میں کیا یہی مقررہ اصطلاح درست ہوگی؟ "اہم مقامات" اور "اہم الفاظ" میں بھی یہی نوعیت کی مخصوصیت ہے، جامعیت نہیں۔ "عدد نما" تو یہاں جچتا ہی نہیں۔ "شہادت نامہ" اور "ہدایت نامہ" مشکوک ہیں۔ شاید کسی غلط فہمی میں ڈال کر قاری کو بھٹکا دیں۔ "دلیل"، "رہنما"، اور "تفاصیل" کا بھی یہی حال ہے۔

ہمارے نزدیک index کا جامع اور مختصر ترجمہ "اشاریہ" ہے، جو index کا صحیح مفہوم بھی ادا کرتا ہے اور اسی کی سی جامعیت کے ساتھ ہر نوع پر اس کا اطلاق بھی ہو سکتا ہے۔

14. Dues.

اس کے مختلف ترجمے کیے ہیں: "حقوق"، "مطالبات"، "محاصل"، "فیس"، "رقم واجب الادا"۔

لیکن یہ تمام الفاظ ایسے مخصوص مفہوم ادا کرتے ہیں، جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ dues میں جو اختصار و جامعیت ہے، وہ ان مذکورہ الفاظ میں نہیں۔ dues کا لفظ آپ ہر جگہ استعمال کر سکیں گے۔ لیکن "حقوق" کا لفظ "فیس" کی جگہ اور "محاصل" کا لفظ "رقم واجب الادا" کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکے گا۔ انگریزی اصطلاح dues کی جگہ ہمیں اردو میں بھی ایسی ہی مختصر اصطلاح چاہیے۔ جو ان تمام قسموں پر حاوی ہو، اس کے لیے ہم لفظ "مواجبات" کو ترجیح دیں گے۔

15. May it please you.

اس کا ترجمہ "براہِ کرم" یا "براہِ نوازش" جچتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ please کا لفظ مختصر طور پر دفتری کارروائیوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ترجمہ ہر جگہ "مسرت" کرنا ناموزوں ہوگا۔ چنانچہ ذیل کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:-

The Governor of the West Punjab is pleased to sanction the grant to so and so of the following leave. (16)

یہاں اس کا ترجمہ "از راہِ عنایت" ہی موزوں اور بہتر ہوگا۔

If you please. (17)

اس کا ترجمہ "اگر آپ چاہیں" بہتر ہوگا۔ ہاں البتہ

I shall be pleased to. (18)

کا ترجمہ "مجھے مسرت ہوگی" موزوں ہے۔

19. Subordinate Educational Service.

اس کے لیے بعض اصحاب نے مندرجہ ذیل ترجمے تجویز کیے ہیں:-

"ماتحت تعلیمی ملازمت"، "صیغۂ ملازمت زیرین"، "زیردستانہ صیغۂ خدمتِ سرکاری"

لیکن یہ تینوں کچھ ثقیل اور بے ڈھب قسم کے ترجمے معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے لیے

بہتر ترجمہ "عملہ تعلیمی تحتانی" ہے۔ مختصر طور پر اسے "عملہ تحتانی" کہا جا سکتا ہے۔

20. Provincial Educational Service.

اس کے لیے مندرجۂ ذیل ترجمے موصول ہوئے :۔

"صوبائی تعلیمی ملازمت"۔ "صوبائی صیغۂ تعلیمی ملازمت"۔

لیکن ہم "عملہ تعلیمی تحتانی" کی مناسبت سے P.E.S. کا ترجمہ "عملہ تعلیمی فوقانی" بہتر سمجھتے ہیں۔ مختصر طور پر اسے "عملہ فوقانی" کہا جا سکتا ہے۔ (21) Class. کے لیے "درجہ" کا لفظ موزوں ہے۔

22. Lien.

اس کے لیے ہمیں مختلف ترجمے موصول ہوئے ہیں :۔

"استحقاق"، "حق"، "استحقاق قبضہ"، "قبضہ"، "حق قانونی"۔

لیکن ہمارے نزدیک اس کا ترجمہ "حق منصب" بہتر ہے۔

23. Grant.

اس کے لیے بعض اصحاب کی رائے ہے کہ یہی لفظ "گرانٹ" ہی اُردو میں مستعمل ہو۔ بعض اس کے لیے "ہبہ"، "منظوری"، "عطیہ"، "بخشش" تجویز کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے "امداد" زیادہ اچھا لفظ ہے اور زیادہ وضاحت کی خاطر اگر "مالی امداد" کہہ دیا جائے، تو بھی اچھا ہے۔ لیکن اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے "امداد" ہی بہتر ہے۔

24. Demurrage.

اس کے لیے "تاخیری جرمانہ"، "تاوان" وغیرہ ترجمے اگرچہ عام مستعمل ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک "دیرانہ" زیادہ اچھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

سرکاری جریدہ کے اعلانات

سررشتۂ تعلیم، مغربی پنجاب

صیغۂ رجال ـــ شعبۂ سکول

اعلان نمبر	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
[illegible] ۱۱۴۳	م۔ عبدالمجید بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (مشاہرہ ۹۰۔۔۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول کمالیہ ضلع لائل پور	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب ضلع شاہ پور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ محمد صدیق کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
؍؍	م۔ محمد صدیق بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (مشاہرہ ۹۰۔۔۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب ضلع شاہ پور	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول کمالیہ ضلع لائل پور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ عبدالمجید کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
[illegible] ۱۱۴۷	م۔ محمد امین (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی سکول کیمبل پور	معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی سکول پاک پٹن (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ یوسف حسین کی جگہ، جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
[illegible] ۱۱۸۷	م۔ محمد بخش (مشاہرہ ۱۴۰۔۱۰۔۲۲۰)	معلم ڈرائنگ اضافی گورنمنٹ ہائی سکول رینالہ خورد	معلم ڈرائنگ اضافی گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	ایک اضافی معلم ڈرائنگ کی حیثیت سے وہ اپنی اسامی گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ کی طرف اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔
[illegible] ۱۱۹۶	م۔ مسعود احمد (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	قائم مقام معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ نارمل سکول گجرات	قائم مقام معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ نارمل سکول لالہ موسیٰ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	یکم اپریل [illegible] سے گورنمنٹ ہائی سکول نوشہرہ کے لیے منظور شدہ ایک اضافی اسامی کی جگہ جو اب گورنمنٹ نارمل سکول لالہ موسیٰ کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔
؍؍	م۔ محمد عالم قمر (مشاہرہ ۵۰۔۔۱۰۰)	معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا	معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ نارمل سکول گجرات (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ مسعود احمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب کیلئے اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۶ر جون ۱۹۴۵ء E.-۱۳۰۷۲	م۔ محمد علی خاں بی۔ اے ایس۔ اے وی (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول کہوٹہ	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول شرقپور ضلع شیخوپورہ (بمشاہرہ درجہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ عبدالرحمان کی جگہ، جن کی رخصت قبل از سبکدوشی منظور ہو چکی ہے۔
۵ر جولائی ۱۹۴۵ء E.-۱۳۴۶۸	م۔ دین محمد ایم۔ اے بی ٹی	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول باغبانپورہ (رخصتی)	معلم انگریزی سنٹرل ماڈل سکول لاہور (رخصتی)	تاریخ حاضری سے	م۔ محمد اسحاق کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	م۔ محمد اشرف خاں ایم۔ ایس۔ سی، ایس۔ ای۔ ٹی۔ اے	قائم مقام لکچرر گورنمنٹ کالج لائل پور جن کا سنٹرل ماڈل اسکول لاہور کی طرف تبادلہ ہو چکا ہے۔	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول باغبانپورہ	تاریخ حاضری سے	م۔ دین محمد کی جگہ جو رخصت پر ہیں اور جن کا حق منصب تبدیل کر دیا گیا ہے۔
۷ر جولائی ۱۹۴۵ء E.-۱۳۵۶۲	ڈاکٹر غلام یٰسین خاں نیازی ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی (مشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰)	مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ	مہتمم مدارس ضلع لائل پور۔ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ خواجہ عزیز الدین احمد بی۔ ای۔ ایس کی جگہ جو سبکدوش ہو چکے ہیں
"	مہر عبدالحمید بی۔ اے۔ بی ٹی (مشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول علی پور	مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	ڈاکٹر غلام یٰسین خاں نیازی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۹ر جولائی ۱۹۴۵ء E.-۱۳۷۳۱	م۔ بشیر احمد (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰)	معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول چونیاں	اضافی معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول چکوال (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	گورنمنٹ ہائی سکول چکوال میں ایک معلم سنسکرت کی خالی اسامی کی جگہ
۹ر جولائی ۱۹۴۵ء E.-۱۳۷۴۷	م۔ عبدالخالق ایم۔ اے بی۔ ٹی (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول جامپور۔ ضلع ڈیرہ غازی خاں	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول ملتان (بمشاہرہ سابقہ)	تعطیلات گرما کے بعد تاریخ حاضری سے	چودھری احمد دین کی جگہ جن کا تبادلہ بحیثیت نائب مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ ہو چکا ہے۔
"	م۔ محمد ابراہیم۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی	ایک اُمیدوار۔	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول جامپور۔ ضلع ڈیرہ غازی خاں بدرجہ تحتانی سوم (مشاہرہ ۹۰-۵-۱۵۰) میں بمشاہرہ ۹۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	م۔ عبدالخالق کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۹ر جولائی ۱۹۴۵ء E.-[illegible]	چودھری کرم الٰہی بی۔ اے ایس۔ اے وی (مشاہرہ ۲۳۰-[illegible])	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول خانیوال	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول علی پور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	مہر عبدالحمید کی جگہ جو بحیثیت مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ [illegible] ہو گئے ہیں۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۰ جولائی ۵۳ء ۱۲۲۹۵-I	م۔منظور احمد بی۔اے بی۔ٹی (مشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول لیہ	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول خانیوال (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	چودھری کرم الٰہی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	خواجہ محمد عبداللہ بی۔اے ایس۔اے۔وی۔ (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب مہتمم مدارس ضلع لائل پور	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول لیہ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔منظور احمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۱ جولائی ۵۳ء ۱۲۷۹۷-E	چودھری محمد صدیق بی۔اے۔بی۔ٹی۔ (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب مہتمم مدارس ضلع ڈیرہ غازی خاں	نائب مہتمم مدارس ضلع لائل پور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	خواجہ محمد عبداللہ کی جگہ جو بعہدہ صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول لیہ میں تعینات ہوئے ہیں۔
〃	م۔محمد اقبال بی۔اے بی۔ٹی مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰	نائب مہتمم مدارس فتح جنگ ضلع اٹک	نائب مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔منظور احمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔منظور احمد بی۔اے بی ٹی (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	نائب مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ	نائب مہتمم مدارس ضلع غازی خاں (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	چودھری محمد صدیق کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے)۔
〃	م۔فیض الحسن بی۔اے بی۔ٹی (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول تلہ گنگ	نائب مہتمم مدارس فتح جنگ ضلع اٹک (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔محمد اقبال کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۴ جولائی ۵۳ء ۱۳۰۶۴-E.	م۔نجم الدین (مشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰)	نائب مہتمم مدارس ضلع شیخوپورہ	مہتمم مدارس ضلع شیخوپورہ۔ پی۔ای۔ایس۔ درجہ دوم	۔رجولائی ۵۳ء سے ۱۶ اگست ۵۳ء تک	قاضی اکرام حسین کی جگہ جو رخصت پر ہیں۔
۱۵ جولائی ۵۳ء ۱۳۰۳۰-E.	م۔سرفراز علی بی۔اے بی۔ٹی	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول شرقپور جن کے بطور بحیثیت قائم مقام نائب مہتمم مدارس ضلع شیخوپورہ تبادلہ کے احکام صادر ہو چکے ہیں۔	قائم مقام نائب مہتمم مدارس ضلع لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔سرفراز الدین واسطی کی جگہ جو اب خاص فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ درجہ تحتانی کی ایک اسامی میں جو گورنمنٹ ہائی سکول تلہ گنگ سے منتقل کی گئی ہے۔
۱۷ جولائی ۵۳ء ۱۳۳۴۱-E.	م۔خلیل الرحمن بی۔اے۔بی ٹی مشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول کہروڑ پکا۔ضلع ملتان	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال۔ضلع شاہ پور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔عبدالمجید کی جگہ جو ۲۲ جولائی ۵۳ء کو ملازمت سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۷ر جولائی ۴۸ء ۱۴۳۲۱-E.	م۔ طالع محمد بی۔ اے بی۔ ٹی (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	معلم انگریزی سنٹرل ماڈل سکول۔ لاہور	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول کہروڑ پکا ضلع ملتان (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ خلیل الرحمن کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۴ر جولائی ۴۸ء ۱۴۰۶۶-E.	م۔ محمد سعید خاں (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	نائب مہتمم مدارس ضلع شیخوپورہ کے نائب مہتمم مدارس ضلع لاہور کی حیثیت سے تبادلے کے احکامات منسوخ کیے جاتے ہیں۔			
۱۷ر جولائی ۴۸ء ۱۱۶۰۴-E.	چودھری عبد المجید بی۔ اے بی۔ ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال کو درجہ تحتانی (مشاہرہ ۳۰-۲-۱۰-۲۷۰/۱۰-۳۰۰) سے پی ای۔ ایس درجہ دوم (قائم مقام) میں بحیثیت صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال میں ترقی دی گئی۔		۳ر مارچ ۴۸ء سے ۲۱ر جولائی ۴۸ء تک جس کے بعد وہ ملازمت سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔	ایک موجودہ اسامی کی جگہ

صیغۂ نسواں

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۶ر جون ۴۸ء ۱۱۶۵۴-W.	سرور جہاں بیگم	—	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول چھپاڑلنی درجہ تحتانی سوم صیغۂ نسواں شعبہ کلاسیکل و ینکلر بمشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰	۳ جون ۴۸ء بعد دوپہر سے	شریمتی سکھ دیوی کی جگہ۔ جو مشرقی پنجاب چلی گئی ہیں۔
۲۴ر جون ۴۸ء ۱۱۱۲۴-E.	مسز آئی ایلون بی۔ اے بی۔ ٹی	مہتممہ مدارس راولپنڈی ڈویژن	مہتممہ مدارس تربیت معلمات مغربی پنجاب	یکم جون ۴۸ء سے	ایک نئی پیدا کردہ اسامی کی جگہ۔
〃	بیگم۔ ج۔ رفیق بی۔ اے بی۔ ٹی	مہتممہ مدارس ضلع ملتان	مہتممہ مدارس راولپنڈی ڈویژن (بمشاہرہ سابقہ)	۲۱ مئی ۴۸ء سے	مسز آئی۔ ایلون کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۳ر جولائی ۴۸ء ۱۳۳۶۰-W.	تحسین فاطمہ ایس ای (نمبر ۱۴۵ بمشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کیمبل پور	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائل پور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	جنت بی بی کی جگہ جن کا بھالیہ کی طرف ایک موجودہ اسامی کی جگہ تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	رشیدہ بیگم (نمبر ۳۰۱ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول پنڈی گھیب (آزمائشی)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کیمبل پور (آزمائشی) (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	تحسین فاطمہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۲ر جولائی ۴۸ء ۷۰-۳۹۲۷	آنسہ قیصر جہاں بیگم ایم۔اے۔بی۔ٹی	—	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول فیروز پور روڈ لاہور (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰-۱۹۰/۱۰-۲۴۰) میں بمشاہرہ ۱۵۰ روپے ماہوار	تحصیلات گرما کے بعد تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
۱۳ر جولائی ۴۸ء ۷۰-۴۰۰۸	مسز ڈی۔ دانیال جے۔اے۔وی (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائل پور جن کی درجہ مشاہرہ ۲۳۰-۱۰-۲۷۰/۱۰-۳۳۰ میں ترقی ہو چکی ہے۔	قائم مقام صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائل پور	۲۵ر اپریل ۴۸ء سے	آنسہ عبدالرحمٰن کی جگہ جن کی خدمات محکمہ مہاجرین و پناہ گزین مغربی پنجاب کے حوالے کر دی گئی ہیں۔
۱۳ر جولائی ۴۸ء ۷۰-۴۰۱۲	آنسہ زبیدہ کرم بخش بی۔اے۔بی۔ٹی	قائم مقام نائب مہتممہ مدارس ضلع لاہور	قائم مقام مہتممہ مدارس ضلع لاہور (درجہ ۱۵۰-۱۰-۱۹۰/۱۰-۲۲۰) میں بمشاہرہ سابقہ	۱۵ر دسمبر ۴۷ء سے	آنسہ آر۔ایس قاری کی جگہ جن کی خدمات محکمہ مہاجرین و پناہ گزین مغربی پنجاب کے حوالے کر دی گئی ہیں۔
۱۵ر جولائی ۴۸ء ۷۰-۴۱۲۳	آنسہ رضیہ قریشی ایم۔اے	—	قائم مقام لکچرار اقتصادیات لاہور کالج فار ویمن لاہور درجہ تحتانی صیغہ نسوانی کالج) (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰-۱۹۰/۱۰-۲۰۰-۲۵۰/۱۰-۴۰۰) میں بمشاہرہ ۱۵۰ روپے ماہوار	۲ر مئی ۴۸ء قبل دوپہر سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجے پر تعین ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۵ر جولائی ۴۸ء ۷۰-۳۷۶۳	محمودہ بیگم ایس۔وی (نمبر ۴۵ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شیخوپورہ	درجہ تحتانی سوم شعبہ کلاسیکل ورنیکلر (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰)	درجہ تحتانی دوم شعبہ کلاسیکل ورنیکلر (مشاہرہ ۱۰۵-۷-۱۴۰)	۱۵ر اگست ۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
〃	اللہ رکھی ایس۔وی (نمبر ۴۸ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل اسکول منٹگمری	〃	〃	〃	〃
〃	رحمت بی بی ایس۔وی (نمبر ۴۹ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گجرات	〃	〃	〃	〃

تاریخ اطلاع وشمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۸ جولائی ۱۹۳۹ء ۷۰-۱۹۸-۳	مسز ڈی۔ دانیال بی۔ اے۔ سی۔ وی (نمبر۲)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائل پور	درجہ تحتانی دوم (مشاہرہ ۱۵۰-۱۰-۱۹۰/۱۰-۲۳۰)	درجہ تحتانی اوّل (مشاہرہ ۲۳۰-۱۰-۲۷۰/۱۰-۳۰۰)	۱۵ اگست ۱۹۳۹ء سے	ایک جدید اسامی کی جگہ
〃	عنایت بیگم رفیق ایف۔ اے۔ جے۔ اے۔ سی۔ وی (نمبر۵)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شیخوپورہ	〃 〃	〃	〃	〃
〃	بیگم ب۔ ہمدانی ایف۔ اے۔ جے۔ اے۔ وی۔ سی (نمبر۶)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول پنڈی بھٹیاں	〃 〃	〃	〃	〃
〃	آنسہ زبیدہ مولابخش بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (نمبر۸)	مہتممہ مدارس ضلع کیمبل پور	〃 〃	〃	〃	〃
〃	مس ایم فیلبس بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (نمبر۹)	لکچرار کوئن میری کالج لاہور	〃 〃	〃	〃	〃
〃	مس اے۔ سیمسن۔ ٹی۔ ٹی۔ ڈی۔ (لیڈی اروِن کالج) (نمبر۱۰)	لکچرار کوئن میری کالج لاہور (رخصتی)	〃 〃	〃	〃	〃
〃	آنسہ حمیدہ بیگم خاں ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی (نمبر۱۶)	نائب معلمہ لیڈی میکلیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور	〃 〃	〃	〃	〃
〃	بیگم سعادت علی بی۔ اے (انگریزی) جے۔ اے۔ سی۔ وی ایس۔ سی۔ پی (نمبر۲۱)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول باغبانپورہ	〃 〃	〃	〃	〃
〃	آنسہ آمنہ قریشی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (نمبر۲۶)	مہتممہ مدارس ضلع سیالکوٹ	〃 〃	〃	〃	〃
〃	بیگم ڈبلیو ایم۔ شفیع جے۔ اے۔ وی (نمبر۳۰)	نائب معلمہ جے۔ ایم۔ ایس لاہور	〃 〃	〃	〃	〃
〃	آنسہ ایچ۔ بٹ بی۔ اے بی۔ ٹی (نمبر۳۱)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈسکہ	〃 〃	〃	〃	〃
〃	آنسہ نذیر بیگم بھٹی بی۔ اے بی۔ ٹی (نمبر۳۲)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول پسرور	〃 〃	〃	〃	〃

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۸ جولائی ۴۸ء ۱۳۶۹۸-۷۰	آنسہ خورشید مہتاب دین بی۔اے۔بی۔ٹی (نمبر۵)	مہتمہ مدارس ضلع جھنگ	″	″	″	″
″	مسز میمونہ مجید بی۔اے بی۔ٹی (نمبر۱۹)	لکچرار کوئن میری کالج لاہور	″	″	۵ رفروری ۴۸ء سے	″
۲ جولائی ۴۸ء ۱۳۲۷۳-۷۰	آنسہ مبارک حسین بی۔اے۔بی۔ٹی (نمبر ۱۰۲ مشاہرہ ۱۵۰/۲۲۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول، چوبرجی گارڈنز لاہور کا استعفیٰ ۱۶ جون ۱۹۴۸ء سے منظور کر لیا گیا ہے۔				-
۱۳ جولائی ۴۸ء ۱۴۰۳۳-۷۰	حمیدہ صابری جے۔اے۔وی (نمبر ۲۳ مشاہرہ ۷۰۔۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل سکول منٹگمری کا استعفیٰ ۲ جولائی ۴۸ء سے منظور کر لیا گیا ہے۔				-
۳ جولائی ۴۸ء ۱۴۳۳۹-۷۰	مسز ل۔ایس۔وی۔ (نمبر ۴۱ مشاہرہ ۱۲۰۔۲۲۰)	معلمہ اُردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول پسرور کے گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پنڈی گھیب کی طرف تبدیلی کے احکامات منسوخ کر دیے گئے ہیں۔				-
۱۹ جولائی ۴۸ء ۱۴۳۸۹-۷۰	آنسہ کے۔اے حفیہ خواجہ جے۔اے۔وی۔ (مشاہرہ ۷۰۔۱۵۰)	قائم مقام لکچرار کوئن میری کالج لاہور کا استعفیٰ بعد دوپہر ۳۱ مئی ۱۹۴۸ء سے منظور کر لیا گیا ہے۔				-
۱۹ جولائی ۴۸ء ۱۴۳۷۵-۷۰	مسز ایچ۔ ولمینر (نمبر ۱۸ مشاہرہ ۱۵۰۔۲۲۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز سکول موگا کے مہتمہ مدارس ضلع مظفر گڑھ کی حیثیت سے تبدیلی کے احکامات منسوخ کر دیے گئے ہیں۔				کیونکہ دونوں معلمات نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے اور وہ مشرقی پنجاب میں رہنا چاہتی ہیں۔
″	مس۔ڈی۔سی گٹنگ۔ (نمبر ۳۸۔ مشاہرہ ۲۳۰۔۳۰۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول موگا کے نائب معلمہ لیڈی میکلیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور کی حیثیت سے تبدیلی کے احکامات منسوخ کر دیے گئے ہیں۔				
۱۷ جولائی ۴۸ء ۱۴۲۶۹-۷۰	آنسہ ایچ اکرام بی۔اے بی۔ٹی (نمبر ۱۰۲ مشاہرہ ۷۰۔۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل سکول جھنگ جو اس وقت بحیثیت صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول جیجا وطنی تعینات ہیں کو بمنصب نائب معلمہ درجہ تحتانی سوم (مشاہرہ ۷۰۔۵۔۹۰۔۵۔۱۰۰/۵۔۱۵۰) میں بکم اکتوبر ۱۹۴۶ء سے مستقل کر دیا گیا ہے۔				-

صیغۂ دفاتر

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں	کس تاریخ سے	کیفیت
ار جون ۴۸ء ۱۱۸۴۸	م۔ محمد طاہر قادری (میٹرک ۔)	قائم مقام ادنیٰ محرر مہتمم مدارس ضلع ڈیرہ غازی خاں	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع ڈیرہ غازی خاں (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
رجولائی ۴۸ء ۱۳۵۵۳	م۔ جان محمد (مشاہرہ ۱۰۶-۲۰۰)	صدر محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی	صدر محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی ڈویژن	تاریخ حاضری سے	م واحد بخش کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔ واحد بخش (مشاہرہ ۱۰۶-۲۰۰)	صدر محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی	صدر محرر ایمرسن کالج ملتان	〃	م۔ اسداللہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے
〃	م۔ اسداللہ (مشاہرہ ۱۰۶-۲۰۰)	صدر محرر ایمرسن کالج ملتان	صدر محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی	〃	م۔ جان محمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
رجولائی ۴۸ء ۱۳۸۱۳	م۔ عزیز الرحمٰن (مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج لاہور	تاریخ حاضری سے	م۔ خورشید عالم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔ خورشید عالم (مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر گورنمنٹ کالج لاہور	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی ڈویژن	〃	م۔ عزیز الرحمٰن کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
رجولائی ۴۸ء ۱۴۳۱۰۰	م۔ محمد عبداللہ	صدر محرر گورنمنٹ کالج لاہور	صدر محرر مہتمم مدارس راولپنڈی	تاریخ حاضری سے	م۔ واحد بخش کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔ (جان محمد کے احکام منسوخ کر دئے گئے ہیں)
〃	م۔ اسداللہ	صدر محرر ایمرسن کالج ملتان جن کے دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی میں تبادلہ کے احکام جاری ہو چکے ہیں	صدر محرر گورنمنٹ کالج لاہور	〃	م۔ محمد عبداللہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔

تاریخ اطلاع و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجے پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۳ جون ۱۹۵۸ء ۱۱۳۷۸-ت	م۔ غلام الطاہر بی۔ اے بی۔ ٹی (مشاہرہ ۱۰۶-۲۰۰)	صدر محرر دفتر مہتمم مدارس ملتان (آزمائشی)	–	–	صدر محرر گورنمنٹ کالج لائل پور (آزمائشی)	۲ جولائی ۱۹۵۸ء یا اس کے بعد جب سے حاضر ہوں	م۔ نذیر احمد خاں کی جگہ جو ۲ جولائی ۱۹۵۸ء کو ملازمت سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔
〃	م۔ حکمت اللہ (مشاہرہ ۸۰-۱۵۰)	صدر محرر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور (قائم مقام)	۱۰۶-۶-۱۶۰/ ۸-۲۰۰ (قائم مقام)	۱۰۶-۶-۱۶۰/ ۸-۲۰۰ (آزمائشی)	صدر محرر ٹریننگ کالج لاہور (ایک سال کی آزمائش پر)	۲ جولائی ۱۹۵۸ء سے	بجائے نذیر احمد خاں م۔ عبد الحمید کا حق منصب دفتر مہتمم مدارس ضلع ملتان کی طرف ۲ جولائی ۱۹۵۸ء سے منتقل کر دیا گیا ہے۔
〃	م۔ عبد الحمید جلالی (مشاہرہ ۸۰-۱۵۰)	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع ملتان	۸۰-۵-۱۱۰/۵-۱۵۰	۱۰۶-۶-۱۶۰/ ۸-۲۰۰ (قائم مقام)	صدر محرر دفتر مہتمم مدارس ملتان ڈویژن (قائم مقام)	۲ جولائی ۱۹۵۸ء یا اس کے بعد جس تاریخ سے حاضر ہوں	م۔ غلام الطاہر کی جگہ جو تبدیل ہو چکے ہیں اور م۔ عبد الحمید ایم اے کے حق منصب کے ماتحت جو دفتر ڈائرکٹر محکمہ تعلیم مغربی پنجاب میں بحیثیت نائب کام کر رہے ہیں۔
۲۹ جون ۱۹۵۸ء ۱۳۱۴۲-ت	م۔ عبد الصمد (مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازی خاں	۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰	۸۰-۵-۱۱۰/۵-۱۵۰ (قائم مقام)	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع ملتان (قائم مقام)	۲ جولائی ۱۹۵۸ء سے یا اس کے بعد جب وہ حاضر ہوں	عبد الحمید جلالی کے حق منصب کے ماتحت جن کو بحیثیت صدر محرر ترقی مل گئی ہے۔
〃	م۔ اختر امیر (مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	قائم مقام ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج لاہور جن کو دفتر مہتمم مدارس ضلع لائل پور میں تبادلے کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔	–	–	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع ملتان (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	ایک سال کے لیے ادنیٰ محرر کی ایک نئی اسامی کی جگہ۔

پیش کردہ:
ادارہ اشاعت اردو
حیدر آباد (دکن)

اسلامیات

کتاب	آنہ	روپیہ
اسلامی معاشیات	۱۲	۶
اسلامی تہذیب کیا ہے؟	۸	۲
قصص و مسائل	۱۲	۱
حضرتِ ابوذر غفاریؓ	۱۲	۲
مکالماتِ ابوالکلام	۱۲	۳
نگارشاتِ محمد علیؒ	۱۲	۳
افاداتِ محمد علیؒ	۱۲	۳
مقالاتِ محمد علیؒ حصہ اول	۱۲	۳
مقالاتِ محمد علیؒ حصہ دوم	۱۲	۳
مطائباتِ محمد علیؒ	۸	۲
سیاسیات		
فیصلۂ ہندوستان	۸	۴
جناح کی تقاریر	۴	۳
اقبال کے خطوط جناح کے نام	۶	—
اقبالیات		
روحِ اقبال	۱۲	۵
اقبال کا تصورِ زماں مکاں	۱۲	۰
مقامِ اقبال	۱۴	۳
آثارِ اقبال	۱۲	۳
ادب، تاریخ، تنقید، فلسفہ		
تدریسی طریقے	۰	۴
تنقیدی جائزے	۱۲	۳

کتاب	آنہ	روپیہ
روایت اور بغاوت	۰	۳
تنقیدی حاشیے	۱۲	۳
ترقی پسند ادب	۱۴	۲
داستانِ اردو	۱۲	۱
تاریخ ادب اردو	۴	۵
میخانۂ ریاض	۴	۳
ٹیگور اور اُن کی شاعری	۸	۱
یقین و عمل	۸	۲
اَن پڑھ ہندوستان	۱۲	۳
نفسیات		
نفسیاتِ زندگی	۱۲	۱
شخصیت و کردار	۰	۲
تعمیرِ حیات	۰	۴
بچوں کی نفسیات	۱۲	۱
نظم		
نغماتِ ماہر	۰	۳
محسوساتِ ماہر	۱۲	۲
اسرار	۱۲	۲
فغانِ آرزو	۴	۳
افسانے، ناول، ڈرامے		
دھوپ ناول	۴	۳

کتاب	قسم	آنہ	روپیہ
لال کوٹھی	ناول	۴	۳
شراب	〃	۴	۳
صیدِ زبوں	〃	۰	۲
کردار	〃	۴	۲
وسوسے	افسانے	۱۲	۲
آج کل کے افسانے	〃	۱۴	۲
ولولے	〃	۱۲	۲
زلزلے	〃	۱۲	۲
کروٹیں	〃	۱۲	۲
لہریں	〃	۸	۲
نگینے	〃	۱۲	۲
جلوۂ رنگین	〃	۰	۳
گرداب	〃	۴	۳
انگڑائیاں	〃	۴	۳
سیلاب	〃	۴	۳
افسانے ڈرامے	〃	۱۲	۲
رنگین سپنے	〃	۱۲	۲
مسکراہٹیں	〃	۱۲	۲
تعبیریں	〃	۱۴	۲
زندگی کے زاویے	〃	۰	۳
زندگی کی ٹھوکریں	〃	۴	۳
(مفصل فہرست مفت طلب فرمائیں)			

ملنے کا پتہ:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، تاجرانِ کتب، کشمیری بازار، لاہور

[illegible] ستمبر [illegible]

[illegible]

——— کا تجزیہ کرنے کے لئے ———

——— شخصیتوں کا جائزہ لینے کے لئے ———

تحلیلِ نفسی

مصنفہ حزب اللہ ایم۔اے

——— پڑھیے! ———

اِس کتاب کے آئینہ میں آپ انسانیت کی بنتی، بگڑتی، سنورتی اور بدلتی ہوئی شخصیت کا عکس عمل کی تجربگاہ میں دیکھیں گے اور آپ کو اس کی رفعتوں، پستیوں، اُلجھنوں اور کجیوں پر پیار آنے لگے گا۔

——— کتاب مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل ہے ———

۱-لاشعور ۲-خواہشات اور قوتِ نفسی ۳-ارتقائے شہوانیت ۴-جنسی تہیجات و مقاصد کا حشر ۵-آبائی الجھاؤ ۶-نرگسیت ۷-خواب ۸-وضعی بیماریاں ۹-تحلیلِ نفسی کی تکنیک ۱۰-جبری اعصابی خلل۔

● ناول سے زیادہ دلچسپ ● ڈرامہ سے زیادہ ہمہ گیر

● اُردو زبان میں اپنے موضوع کی پہلی اعلیٰ کتاب

——— خوبصورت گردپوش۔ مضبوط جلد ———

قیمت: آٹھ روپے

کتاب منزل، کشمیری بازار لاہور

[illegible]

تعلیمی ماہنامہ

آموزش

لاہور

مدیر

بشیر ہاشمی

مدیر "آموزش" کی تسلیم کے ساتھ

ناشر:-
کتاب منزل لاہور
قیمت فی پرچہ
دس آنے

ستمبر ۱۹۴۸ء
جلد:- ۱
شمارہ:- ۵

سالانہ چندہ
پاکستان کیلئے ۶ روپے
غیر ممالک کیلئے ۸ روپے

رمُوز

صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ، جسے عرف عام میں یو، پی کہا جاتا تھا۔ وہ علاقہ ہے جہاں اردو نے رواج و اقتدار پایا۔ فیض آباد، جونپور، گورکھپور، لکھنؤ، الہ آباد، آگرہ، مراد آباد، رامپور وغیرہ ایسے مقامات ہیں جہاں کے رہنے والے اپنی اپنی تحریر اور تقریر کو سندی زبان کہتے تھے۔ اور انہیں شہروں پر کیا منحصر ہے ان کے گرد و پیش کے سینکڑوں قصبوں میں ہزاروں نظم و نثر لکھنے والے بھرے پڑے تھے۔ جن کا مرتبہ بارگاہ ادب و شعر میں خواہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو کم از کم زبان کے رواج و صحت کے لئے سب خدنگ مفید و کارآمد تھے۔ اس میں ہندو اور مسلمان کی تخصیص نہ تھی۔ دونوں اردو کو اپنی زبان مانتے تھے۔ پنڈت موتی لعل نہرو، سر تیج بہادر سپرو، ڈاکٹر تارا چند، پنڈت سندر لال کی اردو پرستی سے کون واقف نہیں۔ ان کے علاوہ ہزاروں کایستھ اور کشمیری پنڈتوں کے گھرانے اپنی اردو کو مستند سمجھتے تھے۔ لیکن بیک گردش چرخ نیلوفری یہ بساط اُلٹ گئی۔ پرانے دعوے باطل ہو گئے۔ دعویداروں نے اپنے منہ چھپا لئے۔ اردو صرف بیگانی ہی نہیں بلکہ دشمن قرار دے دی گئی۔ سرکار، دربار سے خارج ہو گئی۔ عدالتوں میں روبہ کاری بند، مدرسوں سے خارج از نصاب ہو گئی۔ اور تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ پہلی چار جماعتوں میں اگر کوئی بچہ اسے پڑھنا بھی چاہے تو نہیں پڑھ سکتا۔ البتہ پانچویں جماعت میں متبادل زبان کی حیثیت سے اردو پڑھے خواہ انگریزی۔ سرکاری گزٹ میں شائع شدہ نصاب کے مطابق پہلی سے چوتھی جماعت تک لازمی یا اختیاری مضمون کی حیثیت سے اردو کی تدریس کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔

ایک درد مند نے ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو خلف پنڈت موتی لعل نہرو کو ان حالات سے آگاہ کیا۔ تو اس منصف مزاج وزیر اعظم نے جو خود کو غیر جانبداری کا مجسمہ سمجھتا ہے

۱۴ رجون ۱۹۴۸ء کو بذریعہ خط شخص مذکور کو مطلع کیا کہ پنڈت گوبند ولبھ پنتھ وزیر اعظم یو۔پی سے اس مسئلے پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اور اُنہوں نے مسٹر سمپورنانند وزیر تعلیم کو ہدایات دے دی ہیں۔ اصل میں مسئلہ صاف ہو چکا ہے۔ اور یو۔پی کے مدرسوں میں اُردو کو ختم کرنے کا سوال ہی درپیش نہیں۔

آنریبل ابوالکلام آزاد، وزیر تعلیم ہندوستان کو بھی یہ اطلاع پہنچا دی گئی۔ لیکن ان تمام ہنگاموں کے بعد گزٹ میں وہی احکام شائع کئے گئے جو اوپر عرض کئے جا چکے ہیں۔

دام سخت است مگر یار شود لطف خدا
ورنہ آدم نہ برد صرفہ ز شیطان رجیم

ماہ رمضان المبارک نو جولائی کو شروع ہوا۔ غالباً روزہ داروں کی تعداد حسب سابق ہے البتہ اس سال دینداری کی نمائش بڑے زور و شور پر ہوئی۔ صاحب اقتدار حکام نے مروجہ قوانین میں خود ساختہ دفعات کا اضافہ فرما دیا۔ کسی کی شہر میں تشہیر کرائی، کسی کا منہ کالا کروایا۔ غرض کہ تعمیل احکام دین متین میں اکراہ پیدا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ آنکھوں دیکھی بات ہے کہ گلی سے گزرتے ہوئے بیڑی پی۔ جلد جلد حریصانہ کش لگائے۔ لیکن بازار میں پہنچتے ہی دودھ، دہی بیچنے والے پر تبت پڑاک کا تازیانہ جڑ دیا۔ یہ ہنگامہ کوئی دسویں بارھویں روزے تک قائم رہا۔ اب حسب معمول سابق گلی اور بازار میں لوگ کھاتے پیتے بھی نظر آ جاتے ہیں۔ اور سگریٹ نوشی کے لئے چشم پوشی کا سوال ہی درپیش نہیں۔

ان گناہگاروں کے لئے جو دن میں دو تین نمازیں پڑھتے ہیں۔ لیکن ہر نماز کو اپنے خالق و معبود کی درگاہ میں حاضری سمجھتے ہیں۔ جو رمضان کے پورے مہینے میں غالباً پندرہ سے زیادہ روزے نہیں رکھتے۔ لیکن ہر روزے کو تزکیہ نفس کا موجب گردانتے ہیں۔ غور و خوض کا ایک موقع میسر آ گیا ہے۔ احترام ماہ مبارک سے قطع نظر، وہ اسی حیص بیص میں پھنس گئے ہیں کہ انکی عبادت اللہ کے لئے ہے یا بندوں کے لئے۔ اور کیا وہ عبادت جو بندوں کی نظر میں عزت مند بننے کیلئے

کی جاتی ہے درگاہِ ایزدی میں منظور و مقبول ہوگی؟

ان معاملات سے اصحاب احتساب غالباً نا واقف ہیں!

کم و بیش سرکاری اطلاع ہے۔ کہ آئندہ اکتوبر میں راولپنڈی اور جہلم میں گورنمنٹ کالج کھول دئے جائیں گے۔ اُمید کی جاسکتی ہے کہ ان علاقوں کے لوگ ان دونوں کالجوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔ ان دونوں ضلعوں کی فوجی روایات اس امر کی متقاضی ہیں کہ ان دونوں کالجوں میں ابتدائی فوجی تربیت کے نہایت عمدہ انتظامات کر دینے چاہئیں۔

انشا پردازی

ایک معلّم کے قلم سے

سکولوں میں انشا پردازی بڑا اہم درجہ رکھتی ہے۔ لیکن ہم اکثر دیکھتے ہیں۔ کہ جتنی کامیابی کے ساتھ دوسرے مضمون پڑھائے جاتے ہیں اتنی کامیابی انشا پردازی کی تعلیم میں نہیں ہوتی۔ ہر مضمون کی تدریس کے لئے قاعدے قانون ہیں اور ان پر عمل کرنے سے اچھی خاصی کامیابی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ مختلف ہے۔ انشا پردازی بالکل ایک ذاتی چیز ہے۔ طالب علم کی انشا پردازی کی قوت کو تیز کرنا۔ گو یا اس کی ذات کو جلا دینا ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ٹھیک ٹھیک نشوونما کرنا ایک مشکل بات ہے۔

انشا پردازی کے لئے ذریعہ اظہار "زبان" ہے اور زبان ایک زندہ چیز ہے جو بدلتی رہتی ہے۔ بچے کو آپ دیکھیں جو پہلی جماعت میں پڑھتا ہے۔ اس کا ذخیرہ الفاظ بہت قلیل ہے۔ دوسری جماعت میں پہنچتا ہے تو اس کا ذخیرۂ الفاظ کچھ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور جوں جوں وہ تعلیم کے درجے طے کرتا جاتا ہے۔ اس کی زبان کی حد وسیع ہوتی جاتی ہے۔ زبان میں تین باتیں شامل ہیں۔ لکھنا، پڑھنا اور بولنا۔ انہیں تین باتوں سے انشا پردازی میں بھی سابقہ پڑتا ہے۔ ہمارے معلّم کو یہ ساری باتیں نظر میں رکھنا پڑتی ہیں۔ انشا پردازی اس لئے بھی بہت مشکل بات ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ ہمارا معلّم ان مشکلات کو حل کیسے کر سکتا ہے۔ دلچسپی ہو تو مشکل مشکل نہیں رہتی اور یہ ایک مانی ہوئی بات ہے۔ کہ جتنا زیادہ مشکل کام ہو، اسے سر کرنے میں خوشی بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے کسی مشکل کے حل کرتے وقت اگر دل میں شوق ہو، تو مشکل آسانی سے بدل جاتی ہے۔ ہمارے سکولوں میں انشا پردازی کی تدریس کو خشک مضمون خیال کیا جاتا ہے۔ اسلئے اکثر معلّم حضرات اس میں دلچسپی نہیں لیتے۔ دلچسپی اس لئے نہیں لیتے کہ دلچسپ پہلو کبھی ان کے

سامنے واشگاف نہیں ہوئے اور نہ اُنہوں نے اس کے لئے کبھی کوشش ہی کی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب معلم کو خود سبق میں دلچسپی نہ ہو، تو طلبہ کو بھی سبق میں دلچسپی نہیں ہو گی۔ ان کے دل میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اس سے بڑا اور کوئی ذریعہ نہیں کہ ان کا معلم سبق میں دلچسپی لے۔ وہ معلم حضرات جنہیں انشا پردازی کے ساتھ دلچسپی ہو، جن کی طبیعتیں اس سے مانوس ہوں۔ وہ اس مشکل کو مشکل نہیں جانتے۔

انشا پردازی کی اہمیت تعلیم سے یہ غرض ہوتی ہے کہ انسان اچھا شہری بن سکے، اپنی فطرت کی پوشیدہ صلاحیتوں کو سمجھ سکے، ان کی تکمیل کر سکے اور اپنی روٹی کما سکے لیکن ان ساری باتوں کا وسیلہ زبان ہے۔ اگر زبان پر کسی شخص کو پورا پورا قابو نہیں، تو اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکے گی۔ جو شخص اس نشو و ارتقا کی دُنیا میں اپنا مافی الضمیر ٹھیک طور سے ادا نہیں کر سکتا، وہ زندگی کے کسی شعبے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ انسان کوئی سا علم حاصل کر لے لیکن اگر اس کے اظہار کی قوت لنگ ہے، تو وہ علم سے پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اردو ہماری زبان ہے، ہماری کاروباری زبان ہے، ہماری ملکی زبان ہے۔ اس سے ہماری بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہماری زبان تمام مہذب اور زندہ زبانوں کے دوش بدوش چلے گی۔ لیکن ہمارے مدارس میں لسانی تربیت ٹھیک طور سے نہیں ہوتی، طلبہ کو اس چیز کی تعلیم نہیں دی جاتی کہ وہ اپنے خیالات کو تقریر اور تحریر کے ذریعے کیونکر ادا کریں۔ اس لئے زبان کی تعلیم بہت پست ہو گئی ہے۔ قومی تمدن اور ذہانتِ فرد کا انحصار مدارس پر ہے، لیکن ہمارے مدارس میں تحریر اور تقریر کی سطح کو بلند کرنے کے لئے جو تھوڑی بہت جدوجہد ہوتی ہے۔ اس سے خاطر خواہ نتیجہ نہیں پیدا ہوتا۔

انشا پردازی کے مقاصد انشا پردازی کی تدریس کے وقت ہماری نظر میں ذیل کے مقاصد ہوتے ہیں:۔

۱۔ طالب علم کے ذہن میں خیالات پیدا کئے جائیں۔

۲۔ وہ ان خیالات کو اچھی طرح سے ترتیب دے لے۔

۳۔ ٹھیک طور سے ان کا اظہار کر سکے۔

گویا تخلیق خیال، ترتیب خیال اور اظہارِ خیال نہایت ضروری اجزا ہیں انشاپردازی کے۔ قلم سے کاغذ پر لکھ دینا انشاپردازی نہیں بلکہ خیالات کو ترتیب دینا اور اس ترتیب کو ٹھیک طور سے ادا کرنا اصل انشاپردازی ہے۔

بعض طالب علم آپکو ایسے ملیں گے۔ جن کے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہوتا، یہ طالب علم کا قصور نہیں بلکہ ہمارا قصور ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم خود معلوم کریں۔ کہ ان کے ذہن میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے آپ خود جب لکھنے بیٹھتے ہیں تو صرف وہی چیز کامیابی سے لکھتے ہیں، جس کے تمام پہلو آپ کی نظر میں ہوں۔ بالکل یہی حال بچوں کا ہے۔ اگر کسی بچے نے کبھی ریل گاڑی سے سفر نہیں کیا اور آپ اسے ریل گاڑی پر مضمون لکھنے کا حکم صادر کردیں تو یہ کچھ زیادتی ہو گی۔ اور آپ کو بہت مایوسی ہو گی۔ ہم اپنی خوش اعتقادی میں طلبہ سے بہت کچھ توقع کرنے لگتے ہیں۔ انہیں ایسی چیزیں لکھنے کے لئے دے دیتے ہیں جن کا انہیں کوئی علم اور تجربہ نہیں ہوتا۔ ایسے مضمون سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور وہ کچھ بھی نہیں لکھ سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انشاپردازی کو بہت مشکل چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں کہ طلبہ لکھیں اور ان کے لکھنے کی قوت ترقی کرے تو ہمیں چاہیئے کہ ان سے صرف دیکھی سنی باتوں پر طبع آزمائی کرائیں۔ ایسی باتوں کے متعلق جب وہ لکھنا شروع کریں گے تو ان کے دل شوق سے لبریز ہوں گے۔ اور جو کچھ وہ لکھیں گے پورے بھروسے سے لکھیں گے۔

بعض شخص آپ کو ایسے بھی نظر آئیں گے جن کے ذہن میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ بہت کچھ کہہ سن سکتے ہیں۔ اپنے بیان کی تائید میں دلیلیں پیش کر سکتے ہیں، لیکن لکھ نہیں سکتے۔ جونہی قلم ہاتھ میں لیا۔ خیالات منتشر ہو گئے۔ اور جو یاد تھا وہ بھی بھول گیا۔ غریب طرح طرح کے جتن کرتے ہیں لیکن کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ نہ خیالات ہی میں کوئی ربط ہوتا ہے۔ نہ لفظ ہی ٹھیک بیٹھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ قلم ایک جادو کی چھڑی تھا جس نے ہر موجود چیز کو بھگا دیا۔ جب صورت حال یہ ہو تو مضمون کا اندازہ

آپ خود فرمائیے۔

اس سے ہر سمجھ دار انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کی انشا پردازی کی تدریس ٹھیک طور سے نہیں ہوئی تھی۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ طالب علم جو دو چار اُلٹی سیدھی سطریں لکھ لیں درست ہوں۔ لفظوں کے ہجے وغیرہ صحیح ہوں۔ لیکن اس بات پر توجہ نہیں دی جاتی کہ وہ اپنے مضمون کے متعلق ٹھیک ٹھیک سوچ سکیں۔ آزادی کے ساتھ کوئی رائے قائم کر سکیں۔ اور بے روک اپنے خیالات ظاہر کر دیں۔

ہجے، انشا نہیں ہیں۔ گرامر کے قواعد انشا نہیں ہیں۔ درست فقرے لکھ لینا انشا نہیں ہے اصل انشا ہے خیالات اور خیالات کی ترتیب۔ شروع شروع میں اگر ہجوں وغیرہ کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہوگا۔ گرامر کے قواعد کی اگر خلاف ورزی ہو جائے تو اس پر بھی طالب علموں کو نہ ٹوکنا چاہیئے۔ ہم مبتدی طلبہ سے ایک ہی وقت میں اتنی چیزوں کی اُمید نہیں رکھ سکتے ہمیں زور اس بات پر دینا ہے کہ بچے اپنے خیالات کو لفظوں کے ذریعے ادا کر لیں۔ ان میں ربط ہو۔ وہ اگر ہجے وغیرہ غلط لکھ جاتے ہیں تو ان پر زیادہ توجہ نہ دیں۔ بچے فطری لاپرواہی کے سبب بہت سی ایسی غلطیاں کر جاتے ہیں کہ اگر وہ دوبارہ اپنے لکھے ہوئے پر نظرثانی کریں تو انہیں آپ ہی آپ درست کر سکتے ہیں۔ بچے کو جب یہ معلوم ہو کہ غلطیاں دیکھنے کی غرض سے اس کی تحریر پھر اس کی نظر سے گزرے گی تو وہ اپنی توجہ ٹھیک طور سے خیالات پر جما دیتا ہے۔ اور جو وہ مناسب سمجھتا ہے بے روک لکھے جاتا ہے۔ ہم ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں کہ بچے کے ذہن میں جو کچھ موجود ہو اس سے زیادہ سے زیادہ کام کیوں کر لیا جا سکتا ہے۔

معلّم، تختہ سیاہ پر چاک سے لفظ "کتا" لکھ دیتا ہے۔ کتے کے لفظ کو بچے اچھی طرح سے جانتے ہیں کتے انھوں نے دیکھے بھی ہیں۔ بعض طلبہ کے گھروں میں کتے ہیں بھی۔ معلّم اپنے شاگردوں سے کہتا ہے اپنے اپنے کتے کو یا کسی ایک کتے کو آنکھوں کے سامنے لانے کی کوشش کرو۔ چند طلبہ کتا دیکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن بہت سے بچوں کو نظر نہیں آتا۔ پھر معلّم ان سے کہتا

ہے۔" اچھا تو اب تم آنکھیں بند کر لو اور کتے کو دیکھو"۔ سارے طلبہ کتا دیکھ لیتے ہیں۔ کسی کا کالے رنگ کا ہے، کسی کا بھوسلے رنگ کا، کسی کا سفید اور کسی کا ملے جلے رنگ کا۔ کسی کا کتا بھاگ رہا ہے، کسی کا اپنی دم سے ٹانگوں کے گرد گھیرا ڈالے لیٹ رہا ہے۔ کسی کا برتن میں منہ ڈالے کھڑا ہے اور اِدھر اُدھر دیکھتا بھی ہے اور کسی کا کتا اس کے جوتے کی نوک چاٹ رہا ہے۔ غرض ایک کا کتا دوسرے سے مختلف ہے۔ طلبہ جب اپنا اپنا کتا چند لمحوں تک دیکھ چکتے ہیں تو معلم ان سے کہتا ہے " اب آنکھیں کھول دو"۔ طلبہ آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ پھر معلم تختۂ سیاہ پر لفظ " بچہ" لکھتا ہے۔ طالبعلم اس لفظ سے بھی شناسا ہیں۔ بہت سے بچے انہوں نے دیکھے بھی ہیں۔ زیادہ طلبہ ایسے ہیں کہ ان کے گھروں میں چھوٹے بچے موجود بھی ہیں۔ معلم اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے " میرا بچہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اُٹھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ بڑی مشکل سے اُٹھتا ہے، لیکن اچھی طرح اُٹھ نہیں پاتا کہ گر پڑتا ہے۔ پھر اُٹھنے کی کوشش کرتا ہے پھر گر پڑتا ہے۔ اب دیکھو وہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور ہنس رہا ہے"۔ پھر معلم اپنی آنکھیں کھول دیتا ہے اور طلبہ سے کہتا ہے " اب تم اپنے اپنے بچے کو دیکھو۔ سب لڑکے پہلے کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اپنے اپنے بچے کو آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں۔ کسی کا بچہ بالکل ہی چھوٹا ہے، کسی کا اس سے بڑا، کسی کا اس سے بھی بڑا۔ کسی کا بچہ بھدا سا ہے، کسی کا دبلا پتلا۔ کسی کا گورے رنگ کا ہے کسی کا کالے رنگ کا۔ کسی کا بچہ لڑکا ہے، کسی کی لڑکی۔ غرض کہ بچے بھی سب طالبعلموں کے مختلف ہیں۔ اور ہر ایک کا بچہ اس کی نظر کے سامنے ہے۔ کسی کا ہنس رہا ہے، کسی کا رو رہا ہے۔ کسی کے بچے کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ کوئی کھلونے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ گویا کہ سب کے بچے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ معلم کہتا ہے " اچھا اب تم اپنی آنکھیں کھول دو"۔ سب اپنی آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ معلم اپنی آنکھیں پھر بند کر لیتا ہے اور اپنے کتے اور اپنے بچے کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے " بچے نے کتے کو چھیڑا ہے اور کتا اس سے بدلہ لیتا ہے۔ پھر معلم اپنی آنکھیں کھول دیتا ہے اور طلبہ سے کہتا ہے " اب تم اپنے اپنے کتے اور بچے کو دیکھو۔ جو کچھ تم دیکھو تمہیں بتانا بھی ہوگا"۔ طلبہ آنکھیں بند کئے ہوئے بچے اور کتے کی

حرکتوں کو دیکھنے میں محو ہو جاتے ہیں۔ اب معلّم تختۂ سیاہ پر لفظ "ماں" لکھتا ہے اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور طلبہ سے کہتا ہے "بچے کے رونے کی آواز سن کر ماں آ جاتی ہے اور کتے سے مناسب سلوک کرتی ہے" پھر بچے اپنی اپنی آنکھیں بند کرتے ہیں اور بچے کی ماں کو دیکھتے ہیں۔

ہر بچے نے اپنی اپنی کہانی تیار کر لی ہے۔ سب کی کہانیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں ہر طالب علم اپنی کہانی لکھنے کے لئے بیتاب ہے۔ معلّم کہتا ہے" اب تم اپنی اپنی کاپی پر پنسل سے کہانی لکھنا شروع کر دو۔ طالب علم بڑے انہماک کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور کہانی لکھنا شروع کرتے ہیں معلّم اِدھر اُدھر گھومتا ہے۔ کسی سے کچھ نہیں کہتا۔ دیکھتا سب کو ہے۔ کئی لڑکے ہجے غلط لکھتے ہیں، کسی کو نہیں ٹوکتا۔ وہ پوری پوری آزادی محسوس کرتے ہیں۔ اور جو چیز ان کی نظر میں آئی ہے بے تکلف لکھے جاتے ہیں۔ بعض لڑکے جلد لکھ لیتے ہیں اور اپنے لکھے ہوئے کو پھر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں بعض کچھ دیر میں ختم کرتے ہیں معلّم ان سے کہتا ہے کہ اگر کوئی بات رہ گئی ہو تو نیچے لکھ لو۔ لڑکے پھر جلدی جلدی کچھ لکھنے لگتے ہیں۔

اس اثنا میں کافی وقت گزر جاتا ہے اور اس انشا پردازی کی تکمیل کو دوسرے دن پر اٹھا دیا جاتا ہے۔ اس دن معلّم طلبہ سے کہتا ہے "جو کچھ تم لکھ چکے ہو اس کو اب اصل کاپیوں پر لکھ لو اور اگر کوئی تبدیلی کرنا چاہو تو کر لو"۔ طلبہ قلم دوات لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنی اپنی کہانی نقل کرتے ہیں۔ لکھتے ہوئے بہت سی درستیاں خود ہی کر لیتے ہیں۔ کئی ہجے انہیں خود ہی معلوم ہوتے ہیں اور انہیں آپ ہی ٹھیک کر لیتے ہیں۔ انہیں معلّم یہ بھی اجازت دے دیتا ہے کہ اگر کسی ہجے وغیرہ کے متعلق انہیں شک ہو تو کسی ہم سبق سے یا خود معلّم سے دریافت کر لیں۔

جہاں تک طلبہ کے نفسیاتی پہلو کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک بات ان سب میں مشترک ہوگی۔ مثلاً سب نیچے لکھیں گے کہ بچے نے کتے کو ستایا۔ اسے مارا یا اس کی دُم کو کھینچا اور کتا اس پر غرّایا یا اس نے اسے کاٹا۔ مگر کوائف ان سب کے مختلف ہونگے اور ان کے ذاتی مشاہدات کا اظہار کرینگے جو انہوں نے کبھی اپنی زندگیوں میں حاصل کئے اور دماغ نیم شاعرہ میں محفوظ رکھے۔ ماں نے

کتے کے ساتھ جو سلوک کیا وہ یقیناً ہر کہانی میں مختلف ہوگا۔ بعض بچے جو انتقام لینا ضروری سمجھتے ہیں وہ لکھیں گے کہ ماں نے کتے کے ساتھ سخت سلوک کیا۔ اس کو آیا کی چھڑی سے مارا، اس کو زہر دے دیا، اس کو گرم گرم دست پناہ سے داغ دیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بعض بچے جن کے دل میں رواداری کا مادّہ ہوگا لکھیں گے کہ ماں نے بچے کو مارا کہ اس نے کتے کو ناحق کیوں چھیڑا۔ لیکن اس قسم کے بچے بہت کم ہونگے۔ بعض یہ لکھ دیں گے کہ ماں نے بچے کے آنسو پونچھ دئے اور کتے کے سامنے برتن میں دودھ لاکر رکھ دیا اور اس کی خفگی مٹا دی تاکہ دونوں پھر آپس میں دوست ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اپنی اپنی کہانی لکھتے وقت بچوں کے دل و دماغ شوق سے لبریز ہوں گے۔ ان کو یقین ہو جائیگا کہ انشاپردازی ایک خشک مضمون نہیں بلکہ دلچسپ مضمون ہے۔ بچے خود کوئی کام کرکے بہت خوش ہوتے ہیں۔ اگر ان کی خوشی کے پورے پورے اسباب مہیا کر دئے جائیں تو وہ اپنی ننھی کوششوں میں بہت جلد کامیاب ہوتے ہیں۔ اب آپ خود اندازہ فرمائیں کہ اگر معلم صاحب یہی کہہ دیتے کہ بچو کتے پر کہانی لکھو جس کی دُم کو ایک بچے نے کھینچا ہے اور اس نے بچے کو کاٹ کھایا ہے۔ اور ماں نے آکر کتے کو سزا دی ہے تو کہانی لکھتے ہوئے۔ بچوں کا تصور کہاں تک ان کے ساتھ ہوتا۔ اور انہیں اس میں دلچسپی کس حد تک ہوتی۔

انشاپردازی کے لئے موضوع کا انتخاب انشاپردازی کے لئے موضوع کے انتخاب کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ موضوع کا انتخاب ضرور نہیں کہ معلم ہی کرے۔ بچوں کے شوق و دلچسپی کا انحصار مضمون کے عنوان پر ہوتا ہے۔ اگر معلم کے تجویز کئے ہوئے موضوع کے ساتھ بچوں کو دلچسپی ہو تو وہ یقیناً پوری پوری سرگرمی کا اظہار کرینگے۔ لیکن ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ اگر بچے اپنے لئے آپ کوئی بات تجویز کریں تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں ہوتا۔ ان کے دل میں اس وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم بھی بڑے آدمیوں کی طرح ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ان کی "بڑائی" کی اُمنگ کو بروئے کار لایا جائے اور انہیں چند موضوع بتا دئے جائیں تاکہ وہ ان میں سے اپنے لئے آپ انتخاب کرلیں۔ پھر وہی "آنکھیں بند" کرنے کے عمل کے بعد معلم کی رہنمائی میں لکھنا شروع کر دیں۔ ہم طلبہ سے

اچھے مضمون کی اُمید نہیں رکھ سکتے۔ تاوقتیکہ انہیں نفس مضمون سے دلچسپی نہ ہو۔ اگر طلبہ کو صرف ایک عنوان بتا کر انہیں مجبور کر دیں کہ وہ اسی پر طبع آزمائی کریں تو نہ صرف یہ کہ ان کا لکھا ہوا مضمون معقول نہیں ہوگا بلکہ انشا ان کے نزدیک بالکل ایک خشک سی چیز ہو کر رہ جائے گی۔ ہمیں اس دلچسپی کے پہلو کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے مضمون کا انتخاب جہاں تک ممکن ہو طلبہ پر ہی چھوڑ دینا چاہیئے۔

طریق انتخاب اب سوال یہ ہے کہ موضوع کا انتخاب کیسے کیا جائے۔ بعض نئے طریقوں کے موافق اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ انتخاب کا مسئلہ بالکل ہی طلبہ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ جو چاہیں لکھیں۔ لیکن یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اونچی جماعتوں میں ممکن ہے یہ صورت کامیاب ہو سکے۔ لیکن نچلی جماعتوں میں یہ صورت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس انتخاب میں بھی معلّم کو طلبہ کی رہنمائی کرنا ہی چاہیے۔ انتخاب کیلئے ایک صورت یہ بھی ہے کہ معلّم دس بارہ عنوان تجویز کرے۔ طلبہ کچھ عرصہ ان پر غور کرینگے پھر اپنی اپنی رائے دینگے۔ ان کی راؤں میں اختلاف بھی ہوگا۔ بہرحال کوئی ایک عنوان ایسا بھی ہوگا جس پر بہت سے طالب علم متفق ہونگے اور خوشی خوشی اس پر لکھنا شروع کر دینگے۔

ایک دوسری صورت یہ ہے۔ کہ معلّم ایک مرکزی خیال پیش کرے اور طلبہ اس پر غور کریں معلّم طلبہ سے دریافت کرے کہ اس کے لئے کیا کیا نام تجویز کیے جائیں۔ طالب علم اپنی اپنی بساط کے موافق عنوان تجویز کریں گے معلّم یہ سب نام تختہ سیاہ پر لکھتا جائے گا۔ بعض عنوان ایسے ہوں گے۔ جو بے سوچے سمجھے بتائے گئے ہونگے۔ ایسے نام ایک ہی نظر میں سب کو معلوم ہو جائیں گے بعض ایسے ہونگے جن کا تعلق نفس مضمون سے ہوگا تو سہی لیکن بہت دور کا۔ بعض ایسے بھی ہونگے جو بہت معقول ہوں گے۔ ہم ایک مثال ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

معلّم میلے کا مرکزی خیال پیش کرتا ہے۔ میلہ سب نے دیکھا ہے۔ اس لئے میلے کے متعلق وہ بہت کچھ کہہ سن سکتے ہیں۔ لیکن ان سے یہ نہیں کہہ دینا چاہیئے کہ میلے پر مضمون لکھو۔ معلّم میلے کے مختلف پہلوؤں کو طلبہ کے تصوّر میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ان سے پوچھتا ہے " کیا تم نے

میلہ کبھی دیکھا ہے؟" سب کے سب "جی ہاں" کہہ اُٹھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ "جی ہاں" کہتے ہی وہ میلے میں پہنچ گئے یا میلے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

معلّم ان سے کہتا ہے "میلہ تم نے دیکھا ہے! خوب! لیکن اب جو کچھ تم نے میلے میں دیکھا ہے وہ تمہیں بیان کرنا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اپنے ذاتی مشاہدات کا ذکر کرنا ہے نہ کہ کسی دوسرے کے مشاہدات کا" معلّم مختلف طلبہ سے خطاب کر کے کہتا ہے "ہم اختر کے میلے کا حال سنیں گے ارشد بھی ہمیں بتائے گا کہ اس نے میلے میں کیا دیکھا۔ سدرشن بھی میلے کی باتیں بتائے گا جگ موہن سے بھی ہم میلے کا حال سنیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ سارے طالب علم اپنی اپنی جگہ پر تیار ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

"تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز"

اب معلّم ان سے لکھنے کے لئے کہتا ہے۔ یہ سنتے ہی بعض لڑکے ٹھٹک جاتے ہیں۔ معلّم ان کی مشکل سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے "اب ہم اس کے متعلق کچھ اور باتیں کریں گے پہلے تو یہ دیکھتا ہے کہ تم اس کے لئے عنوان کیا تجویز کرو گے" وہ عنوان تجویز کرنا شروع کرتے ہیں "میلہ"۔ "ہمارا میلہ"۔ "گاؤں کا میلہ"۔ "شہر کا میلہ"۔ "میلے کی تیاری"۔ "میلے کا پہلا دن"۔ "میلے کا آخری دن"۔ "میلے سے واپسی"۔ "بچوں کا میلہ"۔ "بہترین میلہ" "بدترین میلہ"۔ "میلہ اور میں"۔ "میں میلے میں" وغیرہ وغیرہ۔ معلّم یہ تمام عنوان تختۂ سیاہ پر لکھ دیتا ہے۔ طلبہ ان عنوانوں کو بار بار پڑھتے ہیں۔ ان سے میلے کا کوئی پہلو بھی پوشیدہ نہیں اسلئے وہ اپنے لئے عنوان انتخاب کرنے میں کچھ سوچ سے کام لیں گے اور جو عنوان انہیں زیادہ دلچسپ معلوم ہو گا وہی انتخاب کریں گے۔ انتخاب کرتے وقت یہ بات بھی ان کے ذہن میں ہو گی کہ کس موضوع کے متعلق وہ زیادہ سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں اور کس موضوع پر وہ اچھی سے اچھی باتیں لکھ سکتے ہیں۔

جب طلبہ اپنے اپنے مضمون ختم کر چکیں تو ان کے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ دوسرا ان کے

مضمون دیکھیں معلّم کو چاہیئے کہ وہ طلبہ کو اجازت دے دے کہ ایک دوسرے کے مضمون پڑھ لیں اس کے بعد معلّم ان مضمونوں کی درستی کرے۔ اس قسم کی اصلاح کے وقت معلّم کو یہ خیال ہونا چاہیئے۔ کہ طالب علم نے اپنے ذاتی تاثرات کو کس طرح سے ادا کیا ہے۔ یہ نہیں کہ اسے لکھنا کیا چاہیئے تھا۔ اور یہ نہیں کہ اس کے خیالات معلّم کے ذاتی خیالات کے موافق تھے یا نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ اس نوع کا مجھے ایک تلخ تجربہ ہوا تھا۔ مَیں انشا کے پرچے کا ممتحن اعلےٰ تھا۔ ایک ممتحن نائب نے نمبر لگا کر نمونے کے طور پر کچھ پرچے میرے پاس بھیجے۔ مَیں نے دیکھا کہ ایک طالب علم کو مضمون نگاری کا انہوں نے صفر نمبر دے رکھا تھا۔ مَیں نے اس مضمون کو غور سے پڑھا اور مجبور ہو گیا کہ اس طالب علم کو بیس میں سے اٹھارہ نمبر دوں۔ مضمون کا عنوان تھا " وقت کی پابندی" ہمارے یہ ممتحن صاحب سخت قسم کے منتظم آدمی تھے اور بے طرح وقت کے پابند۔ ان کے روزمرہ میں کوئی کام الیسا نہ ہوتا تھا جس میں پابندئ وقت کا خیال نہ کیا جاتا ہو۔ انہیں یقین تھا کہ وقت کی پابندی انسان کا نہایت ہی ضروری فرلیضہ ہے۔ چنانچہ جس طالب علم نے وقت کی پابندی کا اچھا سے اچھا قصیدہ کہا تھا اس نے زیادہ سے زیادہ نمبر پائے تھے۔ وہ حضرت اپنے اس عقیدے کے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے۔ ہمارا یہ برخوردار وقت کی پابندی کے خلاف پانچ سات صفحے لکھ گیا تھا۔ اس نے اپنے مضمون میں لکھا تھا۔ کہ " مجھے ایک خاص وقت پر بھوک نہیں لگتی لیکن مجھے مجبور کیا جاتا ہے کہ روٹی کھاؤں۔ مجبور اسلئے کیا جاتا ہے کہ کھانا تیار ہو چکا ہے اور وقت کی پابندی ضروری چیز ہے۔ مجھے بے وقت بھوک لگتی ہے مَیں کچھ کھانا چاہتا ہوں لیکن وقت کی پابندی کا حوالہ دے کر مجھے باز رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ اسلئے کہ ان کے بنائے ہوئے قاعدے کی حد ٹوٹتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اپنے روزمرّہ کے لئے وقت کی پابندی ضروری سمجھتا ہے وہ شوق سے کرے، لیکن جو اپنے روزمرہ کے کام کاج کو وقت کی پابندی کے بغیر کامیابی کے ساتھ چلا سکتا ہے اسے اس کی کیا ضرورت ہے۔ عجیب بات ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ رات کے سناٹے میں مطالعہ کروں، لیکن مجھ سے کہا جاتا ہے، " یہ وقت سونے کا ہے۔ پڑھنے کے وقت کو کھیل کود میں گنوا دیتے ہو اور سونے کے وقت کتاب لے

بیٹھتے ہو، ۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ دوسروں کے وضع کئے ہوئے اصول کی پیروی کرنا انفرادیت کی موت ہے۔ مجھے اپنے کام کاج میں آزادی ہونی چاہیئے۔ مَیں کام کرنا چاہتا ہوں لیکن اس وقت کہ جب میرا جی چاہے۔ اس وقت نہیں جو دوسروں نے میرے لئے مقرر کیا ہے۔ جو کام دل سے کیا جائے وہی زیادہ خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے اور وہی قابل ستائش بھی ہوتا ہے۔ جبر و اکراہ سے جو کام کیا جائے وہ درست نہیں ہوتا" وغیرہ وغیرہ تو گویا میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ بچوں کے مضامین دیکھتے ہوئے اپنے کسی نظریئے کو نظر میں نہ رکھنا چاہیئے۔ انشا پردازی بالکل ایک ذاتی چیز ہے۔ اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ طلبہ کے تاثرات کیا ہیں۔ اور اُنہوں نے ادا کس انداز سے کیا ہے۔

فقروں کی تشکیل انشا پردازی کی ابتدا کے لئے کسی خاص وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کی بنیاد پہلے درجے ہی میں رکھ دینا چاہیئے۔ پہلے سال کے آخری حصے میں بچے آسان اور چھوٹے چھوٹے فقرے پڑھ لیتے ہیں۔ یہی فقرہ شناسی انشا پردازی کے لئے زمین تیار کرتی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اسی طرح کے یا ان سے کچھ آسان فقرے ان سے بنوانے کی کوشش کریں۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ بچوں کا ذخیرۂ الفاظ کس قدر ہے۔ پھر اس ذخیرۂ الفاظ کو نظر میں رکھ کر انشا پردازی کی ابتدا کرنا چاہیئے۔ ہم ذیل میں دو ایک مثالوں کے ذریعے واضح کرتے ہیں کہ پہلے درجے کی انشا پردازی کس نوع کی ہوگی۔

بچوں نے "موہن کا گھر" پڑھ لیا ہے "گھر" کے لفظ کو وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ معلم اسی لفظ سے اپنا کام چلاتا ہے۔ وہی "آنکھ بند" کا عمل کرتا ہے۔ بچے خوشی خوشی آنکھیں میچ لیتے ہیں اور اپنا اپنا گھر دیکھتے ہیں۔ معلم ان سے کہتا ہے تم گھر دیکھ چکے اب آنکھیں کھول دو۔ بچے آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ پھر معلم ان سے کہتا ہے اب تم پھر آنکھیں بند کر لو اور دیکھو گھر میں تمہیں کیا کیا چیز نظر آتی ہے۔ طلبہ تصور کے ذریعے گھر کی ساری چیزوں کو سامنے لاتے ہیں۔ معلم ان سے کہتا ہے "غور سے دیکھو تو تمہیں بتانا بھی ہوگا تم نے گھر میں کیا کچھ دیکھا۔" بچے اِدھر اُدھر خیال دوڑا کر آنکھیں کھول

دیتے ہیں۔ معلّم ان سے کہتا ہے۔ اچھا اب ان چیزوں کو گن دو جو تم نے ابھی ابھی اپنے گھر میں دیکھی ہیں معلّم ایک طالب علم سے پوچھتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے

صندوق - کرسی - میز - برتن

معلّم ان لفظوں کو تختہ سیاہ پر لکھ دیتا ہے۔ اور ان لفظوں کے ساتھ بتانے والے کا نام بھی درج کر دیتا ہے۔ پھر وہ کسی دوسرے سے دریافت کرتا ہے۔ جواب ملتا ہے

چارپائی۔ بستر۔ ننھا۔ اماں - ابا

یہ طالب علم دو ایک ایسے لفظ بھی بتاتا ہے۔ جو پہلے طالب علم نے بتائے تھے معلّم ان لفظوں کے علاوہ باقی لفظ اس کے نام سمیت تختہ سیاہ پر لکھ دیتا ہے۔ پھر تیسرے سے پوچھتا ہے وہ بتاتا ہے

کلاک - میز۔ دری - صوفا۔ پنکھا

پھر چوتھے سے دریافت کرتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے

لکڑی۔ چولہا۔ دست پناہ۔ حُقّہ

ایک اور لڑکا کہہ اٹھتا ہے۔ "گائے۔ بچھڑا۔ درخت۔ گوبر"

گوبر کا لفظ سن کر طلبہ ہنس دیتے ہیں۔ مگر معلّم اس لفظ کو بھی اس کے نام سمیت تختہ سیاہ پر لکھ دیتا ہے۔ بچے ان لفظوں کو بڑے غور سے دیکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ اپنے نام دیکھ کر خوش ہوتے ہیں معلّم انہیں یہ بھی کہہ دیتا ہے۔ کہ جس طرح تمہارے نام ہیں۔ اسی طرح یہ سب بھی چیزوں کے نام ہیں۔ گویا "چیزوں کے نام" کہہ کر معلّم نے گرامر کی بنیاد بھی بہ طریق احسن رکھدی۔

بیشتر بچے تمام الفاظ فر فر پڑھ جاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بعض الفاظ نہیں پڑھ سکتے معلّم انہیں اجازت دیدیتا ہے۔ کہ وہ ان الفاظ کو دوسرے ہم جماعتوں سے پوچھ لیں یا خود معلّم سے دریافت کرلیں۔ بچے بڑے شوق سے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اور پڑھتے ہیں معلّم گویا اس صورت سے انشاپردازی کی ابتدا کر کے باقی کام دوسرے دن پر اٹھا رکھتا ہے لیکن لکھے ہوئے

تمام ناموں کو علی الترتیب اپنے ذہن میں محفوظ کرلیتا ہے۔ دوسرے دن معلم پھر وہی الفاظ مع طلبہ کے ناموں کے تختۂ سیاہ پر لکھ دیتا ہے۔ پھر معلم جماعت کے تمام طلبہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اور ان میں سے ہر حصے کو ٹیم کے نام سے پکارتا ہے۔ ایک ٹیم کا نام "ا" ہے اور دوسری ٹیم کا نام "ب" ہے معلم اب دونوں ٹیموں کے درمیان مقابلہ کراتا ہے۔ دونوں سے کہتا ہے۔ اپنے اپنے فقرے بناؤ۔ اور ان لفظوں کو فقروں میں استعمال کرو۔ پہلے ا ٹیم کا کھلاڑی ایک فقرہ بناتا ہے۔

یہ میرا صندوق ہے

"ب" ٹیم کا کھلاڑی کہتا ہے۔ "میرا صندوق بہت اچھا ہے"۔ پھر اسی طرح ہر لفظ کے متعلق فقرے بنوائے جاتے ہیں۔ اگر کسی ٹیم کا کوئی کھلاڑی جواب نہ دے سکے تو وہ آؤٹ ہو جاتا ہے اس مقابلے کو حسب موقع دوسرے کھیلوں کی طرح جاری رکھا جا سکتا ہے۔

۲۔ اس قسم کی مشقوں کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھایا جاتا ہے۔ اور طلبہ ایک "نام" کو متعدد فقروں میں استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً

یہ میرا قلم ہے
میرا قلم اچھا ہے
میرا قلم بستے میں ہے
میرے پاس کئی قلم ہیں وغیرہ وغیرہ

۳۔ پہلے درجے کے بچوں سے اگر معلم کہے کہ اپنے اپنے گھروں میں بڑی بہن یا والدہ سے چھوٹی چھوٹی کہانیاں سن کر آئیں اور یہاں ساری جماعت کے سامنے سنائیں تو یہ مشق بھی انشاپردازی کیلئے بڑا کام دے سکتی ہے۔ اردو بولنے والے بچے ان کہانیوں کو اردو میں سنا دیں گے۔ لیکن جن کے گھروں میں پنجابی زبان بولی جاتی ہے وہ اردو میں نہیں سنا سکتے۔ اسلئے ان سے پنجابی زبان ہی میں سنی جائیں (اور دوسرے اور تیسرے درجے میں پہنچ کر وہ اس قابل بھی ہو جائیں گے کہ اردو میں سنانے لگیں) ہر بچہ بڑی دلچسپی سے کہانی سنائے گا اس کے خیالات میں ترتیب سی آ جائیگی اور اظہار کیلئے موقعے پیدا ہونگے۔

۳- معلم خود بچوں کو کہانی سنائے اور پھر ان سے باری باری سنے ۔ سب بچوں کے انداز مختلف ہونگے ۔ اور اچھے اور برے انداز کی تمیز کا احساس پیدا ہو گا ۔ اور وہ بھی اپنے اپنے انداز بیان کو بہتر بنانے کی کوشش کریں گے ۔

اظہار خیال کیلئے کم از کم لفظ جب طالب علم فقرے بنانا اچھی طرح سے سیکھ جائیں تو پھر دوسرے درجے میں انہیں اس طرف توجہ دلائی جائے کہ کم الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کریں ۔ اس کو واضح کرنے کے لئے ہم ذیل میں دو مثالیں پیش کرتے ہیں ۔

کلاک بند ہو گیا ۔ کلاک یک لخت بند ہو گیا ۔ کلاک صبح سویرے بند ہوا ۔ یہ چچا کے کمرے میں بیس سال سے تھا ۔ چچا کا کمرہ بہت بڑا ہے ۔ اتنے لمبے عرصے میں یہ کلاک کبھی بند نہیں ہوا ۔ کلاک بوڑھا ہو گیا ہے ۔ کلاک کے پرزے کمزور ہو گئے تھے ۔ کلاک آپ ہی آپ بند ہو گیا کسی نے اس کلاک کو چھیڑا نہیں ۔ ہمارے چچا کو اس کلاک کے بند ہونے کا بہت افسوس ہے ہم کو بھی اس کے بند ہونے کا بہت افسوس ہے ۔ یہ کلاک بند تو ہو گیا ہے لیکن یہ درست بھی ہو جائے گا ۔ درست ہو کر کام دینے لگے گا ۔

درخت جل گیا ۔ درخت شیشم کا تھا ۔ بہت پرانا درخت تھا ۔ یہ شیشم کا درخت ایک کھیت میں اگا ہوا تھا ۔ درخت پر بجلی گر پڑی ۔ رات کا وقت تھا کہ اس پر بجلی گری ۔ پیر کی رات تھی ۔ جب اس درخت پر بجلی گری تو دس بجے کا وقت تھا ۔ درخت جل کر خاک ہو گیا ۔ درخت بہت پرانا تھا ۔ لوگ گرمی کے موسم میں اس کے سائے تلے آن بیٹھتے تھے ۔ سائے میں بیٹھنے والوں کو اس کا بہت افسوس ہوا ۔ ہم اس کے سائے میں نہیں بیٹھتے تھے ہم کو بھی اس شیشم کے درخت کے جلنے کا بہت افسوس ہے ۔

مندرجہ فقروں پر غور کرنے سے معلم کو معلوم ہو جائے گا کہ طالب علم کس ڈھب سے لفظوں کی فضول خرچی کیا کرتے ہیں معلم انہیں سمجھائیگا کہ بہت سے مفرد جملوں کو مرکب بنا کر کس طرح کم از کم الفاظ استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ مفہوم ادا کیا جا سکتا ہے ۔ یہ باتیں سمجھاتے ہوئے معلم ، مفرد ، مرکب ، اسم ضمیر وغیرہ سے بچوں کو روشناس کرا کے گویا گرامر بھی سکھاتا ہے ۔

ذخیرہ الفاظ فقروں کی ترکیب کے ساتھ ساتھ معلم کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ بچوں کا ذخیرۂ الفاظ بھی

وسیع ہوتا رہے۔ اس کیلئے مختلف صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

طلبہ کی دو ٹیمیں بنائی جائیں اور ٹیموں کا مقابلہ کرایا جائے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ معلم خود ایک لفظ بولے۔ ٹیم "ل" کا ایک کھلاڑی ایک ایسا لفظ بولے جو معلم کے لفظ کے آخری حرف سے شروع ہو۔

مثلاً معلم کہتا ہے "آم"۔ آم کا آخری حرف "م" ہے۔ "ل" ٹیم کا کھلاڑی ملا "مار" کہتا ہے جو "م" سے شروع ہوتا ہے۔ پھر "ب" ٹیم کا کھلاڑی ملا "رات" کہتا ہے جو "ر" سے شروع ہوتا ہے۔ جو کھلاڑی لفظ نہیں بنا سکتا وہ آؤٹ ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ دوسرا کھلاڑی جواب دیتا ہے۔ غرض کہ اسی طرح سے مقابلہ جاری رہتا ہے۔ اخیر میں معلم فیصلہ سنا دیتا ہے۔

۲۔ ایک ہی وزن کے لفظ بولے جائیں کسی ٹیم کا کھلاڑی ایسا سوال بھی کر سکتا ہے۔ کہ چند لفظ ایسے بتاؤ جن کا وزن ایک جیسا ہو۔

۳۔ ایسے لفظ بولے جائیں جن کا مادہ ایک ہو۔ نظر، منظور، منظر وغیرہ

۴۔ چند لفظوں کے بجائے ایک ایسا لفظ بولنا کہ مفہوم ادا ہو جائے۔ مثلاً پھولوں کی پتیاں کچھ جلی جلی سی ہیں اور نیچے کو جھک گئی ہیں۔ اس تمام تفصیل کیلئے ایک لفظ مرجھانا کافی ہوگا۔

۵۔ ایک لفظ تختہ سیاہ پر لکھ دیا جائے۔ مثلاً لکھنا۔ ایسے الفاظ بنائے جائیں جن کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں "لکھنا" سے ہو۔ مثلاً خط، تحریر، منشی، انشا وغیرہ وغیرہ۔

۶۔ اگر جماعت کا درجہ کچھ اونچا ہو تو اس قسم کی مشقیں بھی مفید ہو سکتی ہیں۔ ایسے محاورے بتاؤ جن میں لفظ "آنکھ" آئے مثلاً آنکھ اٹھانا، آنکھ اٹھا نہ سکنا، آنکھ بتانا، آنکھ بچانا، آنکھ بدل جانا، آنکھ دکھانا وغیرہ وغیرہ

۷۔ ایسے شعر سنائے جائیں جن میں خاص خاص لفظوں کی تشریح ہو۔ مثلاً
قناعت، ہمت، شرافت، دلیری، خودی، وطن پرستی، شاہسیر پرستی وغیرہ۔

ہمارا تعلیمی نصب العین

ڈاکٹر حامد بلگرامی

میرے نزدیک کائناتِ عالم کی مرئی اور غیر مرئی حقیقتوں کی صحیح قدروں کے جاننے کی کوشش کرنا اور اپنی جسمانی، ذہنی اور روحانی قوتوں کی اس طرح نشو ونما کرنا کہ ان قدروں کی اہمیت کے مطابق انفرادی اور اجتماعی سیرت کی تشکیل ہو سکے۔ علم کا اصل مقصد اور تعلیم کا صحیح نصب العین ہے۔ ان قدروں کے صحیح توازن کو اپنے تعلیمی نصاب میں پیش نظر رکھنا ہمارے لئے اسی قدر ضروری ہے جس قدر علم کو عام کرنے کیلئے کسی نصاب کا متعین کرنا کیونکہ جس قسم کی سوسائٹی ہمارے طریقہ تعلیم کے بعد وجود میں آئے گی اس کا دار و مدار در اصل اس امر پر ہے کہ کن چیزوں پر کس حد تک ہمارا الیقین ہے۔ اور کہاں تک ایک مکمل زندگی کیلئے ہم ان کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر مختلف قدروں کی صحیح اہمیت اور مناسبت پر ہمارا الیقین "محکم" ہے تو سوسائٹی پر اس کے اثرات اسی انداز اور اسی اہمیت سے ظاہر ہوں گے۔ لیکن اگر خود ہماری ذہنی زندگی میں ان کے متعلق تذبذب ہے تو یہی تذبذب ان حقائق کے بارے میں آئندہ نسلوں میں ایک لاپروائی اور بے توجہی پیدا کر دے گا۔ واضح رہے کہ جہاں ایک طرف اصل حقائق کی مناسب اہمیتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہیں ان فروعات سے جو ہماری لاعلمی، تنگ نظری، قدامت پسندی یا روایت پسندی کی بنا پر ہماری زندگی میں ایک خاص اہمیت حاصل کر چکے ہیں خبردار رہنا بھی لازمی ہے ورنہ اگر اس وقت ان کی جڑیں مضبوط ہوں گی تو آئندہ نسل کیلئے ان کی بیخ کنی دشوار ہو جائے گی۔ ہمیں علم کے صحیح اور وسیع ترین مفہوم کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے اور اس کے صحیح مقام سے باخبر رہتے ہوئے اسکی جستجو کو نہ زماں کا پابند بنانا ہے نہ مکاں کا۔

سوال یہ ہے ملک میں تعلیم کو کیونکر اس طرح عام کیا جائے کہ ایک طرف ان قدروں کی صحیح اہمیت سے لوگ روشناس ہو سکیں۔ اور دوسری جانب وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے وہ اپنے

فرائض کی ادائیگی کیلئے مستعد نظر آئیں۔

دراصل یہ دونوں پہلو ایک ہی زندگی کے دو رُخ ہیں۔ ایک کا مقصد انفرادیت یا صحیح طور پر "خودی" کی تعمیر ہے اور دوسرے سے اجتماعی زندگی یا "بے خودی" کی تشکیل مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ اس خودی اور بے خودی میں کوئی تضاد نہیں۔

پاکستان کے بیشمار مسئلوں کا حل دراصل اس پر ہے کہ کن مقاصد کو پیش نظر رکھ کے تعلیم کو جلد سے جلد اور وسیع تر طور پر عام کر سکتے ہیں۔

شائد ہی کبھی کسی جنگ نے قوموں کی زندگی، ان کی معاشرت، ان کے تخیلات کو اس درجہ متاثر کیا ہو جتنا کہ گذشتہ دو عظیم الشان لڑائیوں نے اقوام کے طریق زندگی، ان کے رجحانات اور خیالات پر اثر ڈالا ہے۔ اس وقت کسی نظام تعلیم کو مرتب کرنے سے قبل ہمیں ان تجربات سے استفادہ کرنا ضروری ہے جو ایک عظیم الشان تباہی اور بربادی سے قوموں نے حاصل کی ہیں۔

ان عظیم الشان لڑائیوں نے جہاں ظلم و ستم، جبر و تشدد، تباہی اور بربادی کے وہ ہولناک مناظر پیش کر دکھائے جو انسان کے تصور کے باہر تھے۔ وہیں ان المناک حادثوں اور سانحوں میں اہل بصیرت کیلئے کچھ رموز حکمت بھی چھوڑے کہ جن سے چشم پوشی کرنا افراد اور اقوام کیلئے موت کا مترادف ہے جن لوگوں نے ان خونی داستانوں کے اوراق کا بغور مطالعہ کیا ہے اُنہوں نے بخوبی سمجھ لیا کہ اب فتح و شکست کا فیصلہ میدان جنگ سے زیادہ خود اقوام کے حوصلوں اور ارادوں پر منحصر ہے۔ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ کسی قوم کے افراد کہاں تک صبر و استقلال کے ساتھ ان مشکلوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں جو ان کے ملک کی آزادی کیلئے خطرناک ہیں، اور کہاں تک وہ اپنے ذاتی اغراض سے قطع نظر کر کے اجتماعی بہبودی کے کسی پروگرام پر عمل کرنے کیلئے بخوشی آمادہ اور مستعد ہیں۔

دور حاضر کی ذہنیت کچھ جنگ کی اس قدر خوگر ہو گئی ہے کہ ہر حکومت کو قدم قدم پر ملک کی داخلی بہبودی کے افکار کے ساتھ ساتھ خارجی سیاست اور بیرونی مداخلت سے محفوظ رہنے کی پیہم کوششوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایک طرف اگر فوج کی تنظیم اور تربیت ضروری ہے تو دوسری طرف

عام پبلک کا "مورل" برقرار رکھنے کی فکر بھی دامنگیر رہتی ہے کیونکہ جنگ کا محاذ اب محض میدانِ جنگ کے مورچے نہیں بلکہ ملک کا ہر گوشہ ہے۔ اور جنگ کا مقصد محض خارجی طور پر ممالک کی فتح نہیں بلکہ ذہنی طور پر انہیں اپنے آئیڈیل اور مقاصد پر لانا ہے۔ ملک میں ایک خاص نصب العین کو رواج دینا ہے اور تجارتی فروغ حاصل کرنا ہے۔ اپنے کسی نصابِ تعلیم کو عام کرنے کیلئے ہمیں قوموں کی اس ذہنیت کو پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

گذشتہ عظیم الشان جنگ نے جس کا سلسلہ دراصل ابھی بہ انداز دگر جاری ہی ہے ہمیں یہ درس دیا ہے۔ قوموں کی وہ قوتیں جو صلح اور امن کے زمانے میں سوتی رہتی ہیں اور ملک کے وہ وسائل جنگی اہمیت کا امن کے زمانے میں احساس نہیں ہوتا۔ جنگ کی آمد کے ساتھ ہی ان کو بروے کار لانے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ افراد کی جستجوئے پیہم انہیں بتاتی ہے کہ بہت سے وہ علاقے جنہیں انہوں نے بنجر سمجھ کر چھوڑ دیا تھا اپنے دامن میں زرخیزی کے آثار لئے ہوئے ہیں۔ نوجوانوں میں ایک چستی اور پھرتی نظر آنے لگتی ہے اور ان ہی کے خون سے ملک و قوم کے چمنِ زندگی کی آبیاری ہوتی ہے۔ انہیں پر کیا منحصر ہے خانقاہوں پر بیٹھنے والے عزلت پسند درویش جو اپنی روحانی قوتوں سے دلوں میں معرفت کے چراغ روشن کرتے رہتے ہیں ایک بار میدانِ عمل میں اتر کر مسجدوں اور عبادتگاہوں میں قوم کی خاطر دست بدعا نظر آتے ہیں۔ یہ بھی دراصل میدانِ عمل کے وہ سپاہی ہیں جو اپنے مقام سے فوج کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

جن فیکٹریوں میں ابھی آٹھ گھنٹے سے کم کام کرنے کیلئے مزدور نوٹس دے رہے تھے وہاں اب وہ بخوشی ۱۴ گھنٹے بھی کام کرنے کو تیار ہیں ایک ہاتھ میں اوزار اور ایک میں خشک روٹی کے ٹکڑے لیکن کام بند نہیں ہوتا۔

وہ عورتیں جو بالعموم اپنے گھروں کے کاموں سے فرصت نہیں پاتیں۔ وقت نکال نکال کر مجروح سپاہیوں کی دیکھ بھال میں منہمک نظر آتی ہیں۔ ان کی سلائیاں ٹھٹھرے ہوئے سپاہیوں کے لئے پل اور اور دستانے بنانے میں لگی ہوتی ہیں۔

غرض آجکل قوموں کی فتح اور نصرت، کامیابی اور کامرانی، عزت اور سرخروئی کا دارومدار افراد

اور جماعت کے حوصلوں پر، ہر ایک کی استعداد، صلاحیت اور میلانِ طبیعت کے مطابق ہمہ تن مصروف رہ کر عمل پیرا ہونے پر ہے۔ ملک کے تمام وسائل سے زیادہ سے زیادہ کام لینے پر مبنی ہے۔ خداوند کریم کی طرف سے فتح و نصرت کی بشارت انہیں کے لئے نازل ہوتی ہے جو اس کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں سے پورا پورا کام لیتے ہیں۔

جنگ کے ان مجموعی اثرات پر نظر ڈالنے کے بعد کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ ہم اپنے نظامِ تعلیم و تربیت کو بھی اسی قدر وسعت دیں اور اسی قدر عام کریں جس حد تک ہمیں اپنی حریت، اپنی آزادی اور اپنی عزت برقرار رکھنے کیلئے ملک کے گوشہ گوشہ سے وسائل کی تلاش ہوتی ہے؟ اگر ہم نے اپنے نظام تعلیم میں کسی فرد کو بھی نظر انداز کر دیا اور اسکی مضمر صلاحیتوں سے ہم اس کو آشنا نہ کر سکے تو گویا میدانِ کارزار کے ایک سپاہی کی شہادت خود ہمارے ہاتھوں ہو گئی۔ ایک جانباز ہماری کوتاہی سے ہمارے ساتھ نہ چل سکا۔

ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ پاکستان ایک نو زائیدہ حکومت ہے اور اسے ہر طرح کا خطرہ ہے خارجی بھی اور داخلی بھی۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ہر مورچہ کو مضبوط بنائیں اور ہمارا ہر مورچہ، ہر بچہ اور ہر فرد ہے۔ خواہ وہ بڈھا ہو یا جوان، مرد ہو یا عورت، اس میں ہر اس صلاحیت کا پیدا کرنا جس کا یا جس کی وہ اہل ہے۔ ہمارا فرض اولین ہے۔ لڑائی کے زمانے میں اس کی یہ صلاحیتیں ملک اور قوم کی آزادی برقرار رکھنے میں ہمارے کام آئیں گی۔ اور امن و سکون کے زمانے میں یہی صلاحیتیں اس کے لئے ایک باعزت زندگی بسر کرنے کا ذریعہ بن سکیں گی۔

زمانہ کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ ہمارے پیش نظر لوگوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھانا نہیں بلکہ "تعلیم" دینا ہو۔ ایک جاہل سے جاہل انسان کو "شدبد" کوئی زبان پڑھائی جا سکتی ہے کہ وہ اپنا نام لکھ دے اور دستخط کر لے لیکن ان چند حرفوں سے اُس سیرت کی تشکیل تو نہ ہو گی جو اس میں شہری ذمہ داریوں کا احساس پیدا کر دے۔ اس کی وہ سوئی ہوئی قوتیں تو بیدار نہ ہوں گی جو وقت پر ملک کے کام آ سکیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ایک طالب علم کتاب کا کیڑا بن کر درجہ میں اول بھی آجائے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسکی سیرت میں

زندگی اور بیداری کے آثار نمایاں ہو جائیں۔ کیونکہ سیرت کی تشکیل محض علم سے نہیں بلکہ علم اور عمل دونوں سے ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ پڑھتے ہیں۔ ہمیں سب کا سب یاد نہیں رہتا۔ اس کے نقوش ہماری سیرت پر باقی رہ جاتے ہیں جس حد تک یہ نقوش گہرے اور خوشگوار ہوتے ہیں اسی حد تک ہم تعلیم یافتہ کہے جانے کے مستحق ہیں۔ گویا ہمارا مقصد تعلیم کے ذریعہ قوم کے افراد کی سیرت کی تشکیل کرنا اور ان میں اخلاق حسنہ کا پیدا کرنا ہے۔ ساتھ ساتھ ایک۔ ایسے نظام کی تلاش ہے جو قوم کے زیادہ سے زیادہ افراد کی تعلیم میں ہماری معاونت کر سکے۔ جہاں بچہ سے لے کر بوڑھے تک کیلئے حصولِ علم کی سہولتیں ہوں۔ دوسرے الفاظ میں ہمیں ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جو پرائمری مدرجوں کی تعلیم سے لے کر تعلیم بالغاں تک کو ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں تصور کرے۔ جہاں ثانوی مدرسوں کی تعلیم کی بنیادیں پرائمری سکولوں میں اور تعلیم بالغاں کی جڑیں ثانوی مدرسوں میں نظر آئیں۔ گویا پرائمری سکولوں سے نکلا ہوا دریا بچپن کی پرشور زندگی سے گذر کر تعلیم بالغاں کے خاموش سمندر تک اس طرح پہنچے کہ اس کی وسعتوں اور گہرائیوں میں اضافہ ہی ہوتا جائے۔ جہاں تعلیم بالغاں کا لفظ صرف چند معمولی پڑھے لکھے لوگوں کیلئے مستعمل نہ ہو بلکہ جس کے دامن میں پڑھے لکھوں کیلئے معلوماتِ علمی کے ذخیرے فراہم کرنے اور ذوقِ عمل کی تشنگی کو بجھانے کے ذرائع موجود ہوں۔ یہ نظامِ تعلیم جس کا ایک معمولی ساخاکہ ہم پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دراصل ایک مکمل تفسیر ہے اس بلیغ ارشاد نبویؐ کی

"اطلبو العلم من المھد الی اللحد"

ہماری تعلیم جو اب تک ہندوستان کے ہر گوشہ میں ہوتی رہی ایک حد تک چند مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے تھی۔ مرتبے بھی ایک حد تک ان ہی لوگوں کو عطا ہوئے جو اس نظامِ حکومت کی معاونت پورے زور شور سے کر سکے نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ ایک طرف ان مٹیا رہے پڑھے لکھوں کی تعداد ہے جن کی سادہ فطرت میں صلاحیتوں کے قبول کرنے کی گنجائش تو ہے لیکن جن کو ان کے صحیح مقام سے آگاہ کرنے کی حکومت نے کبھی کوشش نہ کی۔ یہ جذبات سے جلد متاثر ہو جانے والا طبقہ اور بے خبر بستی

کے ساتھ قوم و ملت کے لئے سب کچھ قربان کر دینے والا گروہ آج ایک نئی حکومت کو مستحکم بنانے میں بہت کچھ کام آسکتا ہے بشرطیکہ اس کی رہبری صحیح راستہ پر کی جا سکے اور قدروں کی صحیح اہمیت کو پیش نظر رکھ کر اسے روشناس کیا جا سکے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ اس کی بے راہ روی سے ملک کو اتنا ہی نقصان بھی نہ پہنچ جائے جتنا کہ اس سے فائدہ پہونچنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

دوسری طرف ایک وہ تعلیم یافتہ گروہ ہے جو نسبتاً جذبات سے کم متاثر ہوتا ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز، زندگی کے ہر شعبہ میں حصول کامیابی ہی اس کی معاونت کرتی ہے۔ اس کی فطرت کی سادگی اسکی ذہانت کی پابند ہے۔ لیکن اس ذہانت کے ہاتھ میں "عشق کی تیغ جوہر دار" نہیں بلکہ علم کی ایک خالی نیام" ہے۔ اس لئے بالعموم ذاتی اغراض اور لذات زندگی سے لطف اندوز ہونے کی لے تابانہ خواہشات انہیں سیدھی ڈگر سے کوسوں دور جا پھینکتی ہیں۔ ذاتی مفاد کے آگے اجتماعی بہبودی کا کوئی تصور بالعموم ان کے پیش نظر نہیں رہتا۔ ہماری رشوت ستانیاں۔ عزیز نوازیاں۔ چور بازاریاں اور عیوب سے چشم پوشیاں ہمت کی کمی۔ صداقت کے راستہ پر اظہار تذبذب۔ خوشامد سے حصول مقاصد کی جستجو دراصل اسی غلط تعلیم کا نتیجہ ہے جو غلامی کے زمانے کے جواہر ریزے سہی لیکن آزادی کے دور کے وہ کیڑے ہیں جن کا انسداد اگر اب نہ کیا گیا اور اگر نئی پود کو بھی یہ گھن لگ گیا تو حکومت کی بنیادیں کھوکھلی ہو کر رہ جائیں گی۔

غرض اگر عوام کی پستی کی وجہ "لاعلمی" ہے تو خواص کے ہاتھ میں علم ایک ایسی تلوار بن کر رہ گیا ہے جس کے استعمال سے وہ واقف نہیں اگر علم انسان کی سیرت کا جزو نہ بن سکا تو وہ اس پھول کے مانند ہے جو کسی ہاتھی پر ڈال دیا جائے۔ ہاتھی کی فربہی اور پھول کی خوبصورتی سے کسی انسان کو یہ دھوکا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہاتھی کی سیرت میں ظاہری نقوش زریں کے پرتو کی جھلک بھی موجود ہوگی یہی وجہ ہے خداوند کریم نے انسان کی بڑائی برتری اور بزرگی اس پھول کو نہیں بلکہ اس تقوے کو قرار دیا ہے جو علم اور عمل سے حاصل ہوتا ہے۔

جب تک کسی قوم میں علم سے حاصل کی ہوئی صلاحیتیں اس کی سیرت کا جزو نہیں بنتیں

اس وقت تک اجتماعی طور پر وہ قوم ترقی نہیں کرتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پرائمری مدرسوں سے لے کر اعلیٰ درسگاہوں تک علم کو اس طرح عام کیا جائے کہ اس سے افراد کی سیرت کی تشکیل ہو سکے تاکہ قوم کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو ایک مرکز سے وابستہ کیا جا سکے۔ دنیا کی دیگر اقوام نے اس مرکز کو جغرافیائی حدود کی محبت تک محدود کر رکھا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ محبت وطن کی محبت کے ساتھ ملت کی محبت سے بھی وابستہ ہے۔ ہمارا نصب العین ملک کو تسخیر کرنا نہیں بلکہ اپنے آئیڈیل، اپنے اصولِ زندگی کو جلا دے کر دوسروں کو اس کی طرف راغب کرنا ہے۔ ہمارے لئے اپنی انفرادی اور اجتماعی قوتوں کی نشوونما ہر انداز سے کرنا ہے کہ ہم دوسری اقوام سے اصولِ رواداری برتتے ہوئے ہر اس شخص کیلئے مفید اور کارآمد ثابت ہوں جو اگرچہ ہم سے کوسوں دُور ہے لیکن جس کا نصب العین وہی ہے جو ہمارے خیالات کا جولانگاہ ہے۔ ان کی حفاظت کیلئے ہمیں کبھی رواداری کے اعلیٰ ترین اصولوں کے ثبوت دینے کی ضرورت ہو گی اور کبھی قوتِ شمشیر کی زور آزمائیوں کی۔

ہمارا نصب العین بلند ہے اسلئے ہمیں اسی قدر بیدار مغزی سے کام بھی لینا ہو گا۔ اگر ایک ملک کی بقا کے لئے وہ اپنا نظامِ تعلیم و تربیت اس انداز پر قائم کرے کہ اس کے افراد جنگ کے دوران میں ملک کی آزادی کے ضامن بن جائیں تو ہمارے مقصد کے لئے کس قدر لازمی ہے کہ ہم اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو ایک سچی مرکزی زندگی کے لئے جو دراصل اپنے دامن میں کائنات کیلئے رحمت کا سامان لئے ہوئے ہے زیادہ مستعدی، مستقل مزاجی، بے غرضی، ایثار سے وقف کر دیں۔

اگر علم سے حاصل کی ہوئی قوتیں دیگر اقوام کے ہاتھوں میں، بولہبی کے کرتب دکھا سکتی ہیں تو پاکستان کے افراد کے ہاتھوں انہیں مقاماتِ حیدری سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔

اگر ہم اپنے نظامِ تعلیم کے ذریعہ ان مقاصد کو حاصل کر لیں گے تو یقیناً پاکستان دنیا میں پھر ایک نئی روشنی پھیلانے اور انسانیت کو صلح اور امن کا پھر ایک پیغام دینے میں انشاءاللہ کامیاب ہو گا۔

اُردو کے تدریسی انتظامات ۲

ثانوی مدارس میں اُردو کی تعلیم

سیّد محمد صدیق

اُردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔ اب دفاتر میں اسی کا عمل دخل ہوگا۔ سکولوں اور کالجوں میں یہی ذریعۂ تعلیم قرار پائے گی۔ مرکزی مجلسِ دستور ساز اور صوبائی مجالسِ واضع قوانین کی زبان بھی یہی ہوگی۔ پاکستان کے مختلف صوبوں میں ربط و اتحاد کا وسیلہ بھی یہی زبان بنے گی۔ دین کی اشاعت و تبلیغ اور اہلِ ملک میں سیاسی شعور پیدا کرنے کیلئے بھی یہی کام آئے گی۔ غرض عنقریب یہی زبان ہمارا اوڑھنا بچھونا ہوگی۔ اور یہی ہمارے اتحادِ عمل کا واسطہ۔ جب حقیقت یہ ہے۔ تو اب اُردو کا مقابلہ ملک کی صوبائی زبانوں سے نہیں ہے۔ جو مقامی ضروریات اور کاروبار میں کام آتی ہیں۔ بلکہ وہ ایک وسیع مملکت کی زبان ہے۔ جسے اب وہ تمام امور انجام دینے ہیں۔ جو اس سے پہلے انگریزی انجام دیتی رہی۔ اندریں حالات ضروری ہے کہ اردو زبان کی تعلیم تمام جماعتوں میں بالعموم اور ثانوی مدارس کی جماعتوں میں بالخصوص اُسی اہتمام سے دی جائے جس اہتمام سے انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پرائمری جماعتوں میں بھی اگرچہ اُردو کے نظامِ تعلیم اور طرزِ تعلیم میں اصلاح کی بہت کچھ گنجائش ہے۔ مگر اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرائمری میں تو کوئی زبان اُردو کی حریف نہیں رہی۔ پھر پرائمری میں اس کی تعلیم میں اہتمام کی کمی کا گلہ کیوں ہے۔ اگرچہ اس کا جواب واضح ہے۔ کہ پہلے اس زبان کی تعلیم اس خیال سے نہیں دی جاتی تھی۔ کہ یہ ملک کی قومی زبان ہے۔ بلکہ اس خیال سے دی جاتی تھی کہ یہ بھی ورنیکلر زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ جب تصور یہ ہو تو اس کی تعلیم کا اہتمام جیسا کچھ ہوگا۔ وہ ظاہر ہے۔ مگر اس مقالہ میں ہمیں صرف ثانوی مدارس میں اردو کی تعلیم کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ پرائمری کی تعلیم کے متعلق کسی آئندہ صحبت میں بحث کی جائیگی۔

اس وقت ثانوی مدارس کی ہر ایک جماعت میں اُردو کی تعلیم کے لئے پانچ یا چھ پیریڈ رکھے گئے ہیں۔ مقررہ کتاب کا پڑھانا۔ انشا پردازی۔ گرامر وغیرہ سب کے لئے یہی وقت کافی خیال کیا گیا ہے اس کے مقابل میں انگریزی کو ہفتہ میں بارہ تیرہ پیریڈ دئے جاتے ہیں۔ پھر مڈل میں اُردو پڑھانے کے لئے معمولی قابلیت کا مدرس تعینات کیا جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ فضیلت کی سند رکھتا ہو۔ مگر انگریزی کی تعلیم کے لئے پانچویں جماعت کا مدرس بھی بی۔ اے، بی ٹی ہونا چاہیئے۔ حالانکہ یہ کام ایک میٹرک جے۔ اے۔ وی، بھی انجام دے سکتا ہے۔

اگر اُردو پڑھانے والا یا اُردو میں دوسرے مضامین کی تعلیم دینے والا مدرس فضیلت کی سند بھی رکھتا ہو۔ اور انگلش ٹیچر کے دوش بدوش مڈل اور ہائی کے حصے میں کام کرتا ہو۔ تو بدقسمتی سے وہ اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ انگلش ٹیچر کے برابر تنخواہ پائے۔ قدرتی طور پر اس اختلاف کا اثر جو طبائع پر ہوتا ہے۔ وہ محتاج تشریح نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کام کا معاوضہ پورا نہیں مل رہا۔ اور اُسے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ مجھے انگلش ٹیچر کی نسبت باوجود اپنے مضامین میں انتہائی قابلیت رکھنے کے گھٹیا سمجھا جا رہا ہے پھر اس کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ وہ بھی احساس کمتری پیدا کرنے میں اس کے خیال کی تائید کرتا ہے۔ جہاں کہیں اساتذہ کا ذکر آئے یا جب کبھی مدرسین کی فہرست مرتب ہو۔ انگریزی مدرسین کا نام پہلے اور اس کا نام سینیئر ہونے کے باوجود آخر میں آتا ہے۔ اگر ہیڈ ماسٹر کے رخصت پر جانے کی صورت میں چند روز کے لئے سکول کا انتظام کسی کے سپرد کرنا ہو تو بھی کسی انگلش ٹیچر کے سپرد کیا جاتا ہے خواہ وہ معلم اُردو سے جونیئر ہی کیوں نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ موجودہ نظام میں اُردو اور انگریزی کی تعلیم کے اہتمام میں کیا فرق ہے؟ گریہ اور اس قسم کی اور بہت سی باتیں انگریزی دَور کی یادگار ہیں۔ اُمید ہے۔ کہ جہاں نظام تعلیم میں اور تبدیلیاں ہونگی۔ وہاں قومی زبان کی ترقی کی خاطر ان قابل افسوس فروگزاشتوں سے بھی چشم پوشی نہیں کی جائے گی۔

اُردو کی تعلیم کے مناسب اہتمام نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ پرائمری پاس کر کے جو لڑکے پانچویں میں

داخل ہوتے ہیں اُن میں سے اکثر لڑکے اُردو عبارت روانی سے پڑھ بھی نہیں سکتے۔ اس کے معانی و مطالب کو سمجھنا یا تقریر اور بیان کی لیاقت رکھنا تو ایک طرف رہا۔ اُن کے املا کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔ کہ اگر انہیں اُن کی پڑھی ہوئی کتاب میں سے سات آٹھ سطروں کا ایک پیراگراف لکھائیں تو اکثر لڑکے دس بارہ لفظ ضرور غلط لکھیں گے۔

خوشخطی کو دیکھا جائے تو پانچ فیصدی لڑکے بھی خوشخط نہیں ملتے۔ انشا پردازی وہ سرے سے جانتے ہی نہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ مڈل اور ہائی کے حصے میں اُردو کو زیادہ سے زیادہ پانچ یا چھ پیریڈ وقت ملتا ہے۔ اب معلم اُردو اس وقت میں مقررہ کتاب ختم کرائے۔ لڑکوں میں روانی پیدا کرے۔ اُنکے خط کو درست کرے۔ املا کی غلطیاں درست کرنے کا اہتمام کرے۔ اُن میں بیان اور انشا کی قابلیت پیدا کرے۔ لب ولہجہ اور تلفظ کی غلطیاں دور کرے۔ غرض کس کس کام کو انجام دے۔ وہ اس وقت میں جو کچھ کر سکتا ہے کرتا ہے مگر وقت کی کمی کا علاج اس کے بس کی بات نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ املا کی غلطیاں دسویں جماعت تک طالب علم کے ساتھ جاتی ہیں۔ بلکہ عمر بھر کیلئے اس کی رفاقت کا دم بھرتی ہیں۔ اس کی قوت بیانیہ کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ کہ کسی چیز کے متعلق وہ انگریزی میں رٹے ہوئے فقرے تو دُہرا سکتا ہے مگر اردو میں اس کے متعلق اظہارِ خیال نہیں کر سکتا۔ اور جا بجا ٹھوکریں کھاتا ہے۔ انشا پردازی کا یہ حال ہوتا ہے کہ اُستاد کی رہنمائی کے باوجود وہ ایک مضمون یا خط لکھنے کو ایک بہت بڑا بوجھ خیال کرتا ہے۔

اُردو کی ترقی کے پیشِ نظر اب اس پالیسی کو یکسر بدل دینے کی ضرورت ہے۔ اُردو کو مڈل اور ہائی کی جماعتوں میں اُسی قدر وقت دینا ہوگا جتنا کہ اب انگریزی کو دیا جا رہا ہے۔ تاکہ معلم بچے کے لب ولہجہ اور تلفظ کی درستی۔ املا کی اصلاح اور قوتِ بیانیہ کی تربیت کر سکے۔ اور اس میں روانی۔ خوشخطی۔ انشا پردازی اور خاموش مطالعہ کی اہلیت پیدا کر سکے۔ معلم فضیلت کی سند رکھتا ہو۔ اُس کا تلفظ درست ہو۔ الفاظ کی اصل کو جانتا ہو۔ زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو۔ زبان کی تعلیم و تدریس کے اصولوں سے کما حقہٗ واقف ہو۔ خود زبان کا دلدادہ ہو۔ اور شاگردوں میں زبان کا شوق اور دلچسپی پیدا کر سکے۔ زباندانی میں طلبہ کی ہر طرح رہنمائی کرنے کی استعداد رکھتا ہو۔ اور اُن کی استعداد کے مطابق زبان کی ادبی خوبیوں سے انہیں آگاہ

کرسکے۔ وہ جانتا ہو۔ کہ طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ کو بے تکلّف کیونکر بڑھایا جاسکتا ہے۔ کونسے الفاظ ہیں جن کے استعمال کی مشق مطلوب ہے۔ اور کونسے الفاظ ہیں جن کے معانی کا جاننا اس درجے پکفایت کرے گا۔ وہ اس بات سے باخبر ہو کہ الفاظ کا استعمال سکھانے میں کس ترتیب کو مدنظر رکھنا ہے۔ وہ زبان کے قواعدِ ضروریہ زباندانی کے سبق میں ہی طلبہ کے ذہن نشین کرسکے۔ غرض زباندانی کے جو اوصاف وہ طلبہ میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ نہ صرف وہ خود اُن سے متّصف ہو۔ بلکہ طلبہ میں اُن خوبیوں کے پیدا کرنے کے فن سے بھی بخوبی واقفیت رکھتا ہو۔

ضرورت ہے۔ کہ حالات کے مطابق نصاب میں ترمیم کی جائے۔ اور مقررہ کتاب یا کتابوں کے صفحات میں اضافہ کیا جائے۔ تاکہ طلبہ پہلے کی نسبت زبان سے زیادہ واقفیت حاصل کرسکیں امتحان کے طریق میں بھی مناسب تبدیلیاں کی جائیں۔ الفاظ و محاورات کے معانی بتادینا۔ دی ہوئی عبارت کا مفہوم بیان کرتے وقت صرف مشکل الفاظ کی جگہ آسان الفاظ لکھ دینا۔ شعر کی تشریح کی بجائے الفاظ کے ہیر پھیر سے شعر کی نثر بنا دینا ہی پاس ہونے کے لئے کافی خیال نہ کیا جائے۔ بلکہ دی ہوئی عبارت کا خلاصہ لکھنا۔ مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کرنا۔ مفہوم سمجھ کر سوالات کا جواب دینا۔ شعر کی تشریح اس وضاحت سے کرنا کہ اس کے مطلب کی توضیح میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ واقعات و حالات کا بیان مضمون نویسی۔ خطوط نویسی۔ الفاظ و محاورات کا فقروں میں استعمال۔ نامکمل فقروں کو مکمل کرنا۔ عام غلطیوں کی اصلاح یہ تمام باتیں امتحان میں شامل ہوں۔ اور یہ خیال لڑکوں کے ذہن سے نکال دیا جائے۔ کہ اُردو زبان میں لیاقت بہم پہنچانے کیلئے کسی جد و جہد کی ضرورت نہیں۔ انہیں احساس دلایا جائے۔ کہ زبان پر قدرت حاصل کرنے کے لئے کس قدر کوشش کی ضرورت ہے۔ اور انہیں اس مقصد کیلئے کیا کچھ کرنا ہے۔ پہلے اُردو زبان سیکھنے کا مدعا کیا تھا اور اب مقصد کیا ہے۔ تاکہ وہ اُردو کی اہمیت کو جانیں۔ اور اُس میں لیاقت حاصل کرنے کو اپنے لئے طرۂ امتیاز خیال کریں۔

سکول میں اُردو میں گفتگو کرنا سب کیلئے لازمی قرار دیا جائے۔ ہیڈ ماسٹر یا دوسرے اساتذہ جو وقتاً فوقتاً طلبہ کی معلوماتِ عامّہ میں اضافہ کی خاطر تقاریر کریں۔ وہ اُردو میں ہوں۔ تاکہ طلبہ کے ذخیرے سے

یہ خیال دُور ہو جائے کہ اُردو میں صرف معمولی قابلیّت کے آدمی گفتگو کرتے ہیں۔ اعلےٰ تعلیم یافتہ آدمیوں کے اظہارِ خیال کا ذریعہ تو انگریزی ہی ہے۔

تلفظ اور لب ولہجہ کی اصلاح کی طرف خاص توجہ دی جائے۔ کیونکہ ان باتوں کی درستی ہی کسی شخص کی قابلیّت اور اُس کی زباندانی کا معیار ہے۔ اگرچہ ان کی اصلاح پرائمری سے ہی ہونی چاہیئے۔ مگر ثانوی مدارس کی جماعتوں میں اس وسعت کی تکمیل ازبس ضروری ہے۔

مقررّہ کتاب یا کتابوں کے پڑھنے سے طالب علم زبان کے متعلق ایک محدود سی واقفیت بہم پہنچاتا ہے۔ اگر اُسے اخبارات و رسائل اور مستند ادیبوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کے مواقع بھی حاصل ہوں۔ تو نامعلوم طریق پر اس کا ذخیرۂ الفاظ بڑھ جائے گا۔ زبان کے بہت سے اسرار ورموز سے وہ بغیر کسی غیر معمولی کوشش کے واقفیّت حاصل کرلے گا۔ گفتگو کرتے وقت بے ساختہ اس کی زبان پر موزون الفاظ۔ عمدہ تراکیب اور برجستہ فقرے آنے لگیں گے۔ مضمون یا خط لکھتے وقت مناسب الفاظ و محاورات اس کے پیش پا افتادہ ہوں گے۔ اس مقصد کے لئے ضرورت ہے۔ کہ طلبہ اُستاد کی نگرانی میں خاموش مطالعہ کریں۔ قبل ازیں وقت کی قلّت کے باعث خاموش مطالعہ کی طرف مناسب توجہ نہیں دی جاسکی۔ اب جب کہ اُردو کی تعلیم کے لئے زیادہ وقت وقف کیا جائے گا تو یہ کمی بہ آسانی پوری ہو جائے گی۔ لڑکے اپنی پسند کے مطابق کوئی رسالہ، کتاب یا اخبار مطالعہ کی خاطر حاصل کرلیں گے۔ اور لغات پاس رکھ کر خاموشی سے اس کا مطالعہ شروع کردیں گے۔ جہاں کہیں کوئی لفظ ایسا آئیگا۔ کہ جس کے معنی نہ جاننے کے باعث مطلب خبط ہو رہا ہے تو طالب علم اس لفظ کے معنی لغات میں سے دیکھ لے گا۔ اُستاد پیریڈ کے آخری چند منٹ میں بعض لڑکوں سے ایک آدھ ضروری سوال پوچھ کر یہ جانچ کرلے گا۔ کہ لڑکوں نے کس حد تک اس مطالعہ سے استفادہ کیا ہے۔ اس سے تمام لڑکوں کو یہ خیال رہے گا۔ کہ ہمیں زیرِ مطالعہ اخبار، رسالہ یا کتاب کی ضروری باتوں کو یاد بھی رکھنا ہے۔ جس اخبار، رسالہ یا کتاب کا لڑکے مطالعہ کریں۔ وہ مشکلات کے اعتبار سے اُن کی استعداد کے مطابق ہو۔ کیونکہ اگر اس کی عبارت مشکل اور پیچیدہ ہوگی یا مشکل الفاظ اُس میں

بکثرت پائے جائیں گے۔ تو لڑکے مطالب نہ سمجھ سکنے کے باعث یا بار بار لغات دیکھنے کے سبب اُس کے مطالعہ سے اُکتا جائیں گے۔ اور مقصد حاصل نہ ہوگا۔

یہاں لڑکے جماعت میں مضمون نویسی اور خطوط نویسی وغیرہ کی مشق کریں گے۔ وہاں پوری کوشش اور کاوش سے طلبہ میں مضمون لکھنے کی عادت پیدا کرنے کی خاطر یہ مناسب ہوگا کہ ہر ایک جماعت سہ ماہی قلمی رسالے نکالے۔ جن کی ترتیب و تدوین میں جماعت کے اکثر لڑکے حصہ لیں۔ جو لڑکا بہترین مضمون لکھے۔ اُسے انعام دیا جائے۔ تاکہ لڑکوں میں اچھے اچھے مضامین لکھنے کا شوق پیدا ہو۔

جماعت میں ہفتہ وار اور سکول میں ماہوار ایک جلسہ ہوا کرے جس میں لڑکے استعداد کے مطابق مختلف موضوعات پر تقریریں کیا کریں۔ اس قسم کا ایک سالانہ جلسہ بھی بڑے اہتمام سے منعقد کیا جایا کرے۔ جس میں مختلف جماعتوں کے طلبہ حصہ لیا کریں۔ اچھے مقررین میں کم از کم تین انعام تقسیم کئے جائیں۔ تاکہ طلبہ تقریر کی تیاری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں۔ اور اس پر پورا زور صرف کر دیں۔

سالانہ امتحان میں جو لڑکا اُردو میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرے اُسے بھی انعام دیا جائے تاکہ لڑکوں پر اُردو کی اہمیت واضح ہو جائے۔ اور وہ اس میں لیاقت بہم پہنچانے کی خاطر بیش از بیش کوشش کریں۔ اگر لڑکے اُردو زبان کی اہمیت کے پیش نظر وہ ایک بالکل اجنبی زبان میں کافی لیاقت حاصل کر لیتے ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ وہ اُردو کی اہمیت سے آگاہ ہو کر اس میں خاطر خواہ استعداد حاصل نہ کر لیں۔ اُردو کی اہمیت سے ناواقفیت کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ اس وقت ثانوی مدارس کے طلبہ تو کیا۔ کالج کے اکثر طلبہ بھی اُردو میں صحیح گفتگو نہیں کر سکتے۔ اُردو کی چند سطریں لکھنے سے گھبراتے ہیں۔ اور اُن کا تلفظ اور لب و لہجہ مقامی زبان کے اثر سے متاثر ہوتا ہے۔ اردو کی اہمیت اس کی مناسب تعلیم اور اسکی تعلیم کے مناسب اہتمام سے ہی طلبہ کے ذہن نشین ہو سکتی ہے۔ اِسلئے توقع ہے۔ کہ معلّمین اُردو نئے حالات و واقعات کی روشنی میں اپنے فرائض انجام دینگے۔ اور محکمۂ تعلیم کے ارباب بست و کشاد اُردو کے نظامِ تعلیم میں مناسب تبدیلیاں کرنے سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

یونیورسٹی میں اُردو ادب کی تدریس

محمد صدیق کلیم

ہماری یونیورسٹیوں میں ادب نہایت اہم مضمون سمجھا جاتا ہے۔ تقریباً تمام طلبہ کو اپنی تعلیم کے دوران میں کسی نہ کسی صورت میں اس کا مطالعہ ضرور کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت انگریزی کے لازمی مضمون ہونے کی وجہ سے انٹرمیڈیٹ میں ہر طالب علم کو انگریزی ادب کے کچھ حصے پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے اور بی۔ اے میں آرٹس کے طلبہ انگریزی ادب کو کسی قدر تفصیل سے پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی یا عربی ادب۔ اور پھر اختیاری مضمون یعنی اُردو ادب یا پنجابی ادب بھی ہے۔ پاکستان میں اسی فیصدی طلبہ ادب کا مطالعہ لازماً کرتے ہیں۔ چونکہ آجکل محض بیس فیصدی صنعتی یا حرفتی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کا بیشتر وقت ادب کی گتھیاں سلجھانے میں صرف ہو جاتا ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں۔ کہ ان میں سے پانچ فیصدی ہی صحیح ذوق اور ادبی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ پھر کسی قدر ادبی تعلیم صرف انگریزی کے مضمون میں بی۔ اے۔ بی۔ اے آنرز اور ایم۔ اے میں ہی دی جاتی ہے۔ اور وہ بھی ہر درسگاہ میں نہیں ہمارے بڑے کالجوں میں بھی طریقہ بڑا ناقص ہے۔ فارسی اور عربی کی تدریس سے ہر کوئی واقف ہے۔ یہ اُستاد ادب کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ ان کا زیادہ زور زبان پر صرف ہوتا ہے۔ اُردو کا تو کہنا ہی کیا ہے اکثر پڑھانے والے ایسے حضرات ہیں جنہیں ادب کے نام سے کد ہوتی ہے۔ یہاں تو محض سلیس ترجمہ اور تشریح پر قناعت کی جاتی ہے۔ حالانکہ کالجوں کی لائبریری میں سب سے زیادہ مطالعہ اُردو کی کتابوں کا ہی ہوتا ہے۔ طلبہ کی دلچسپی مسلّم، اُستادوں کی مفقود۔

اس وقت پاکستان میں ہر چیز کی داغ بیل رکھی جا رہی ہے۔ ملکی قانون۔ معاشی نظام اور سماجی دستور بدل رہا ہے۔ نظام تعلیم میں تبدیلی آیا چاہتی ہے۔ میرے نزدیک تعلیم کے مسئلے کو سلجھانا سب سے اہم کام ہے۔ نئی تعلیم کس طریقے پر ہوگی۔ اس کا ابھی کچھ پتہ نہیں۔ پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس میں چند

فیصلے صادر ہوئے ہیں۔ لیکن ان سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ارباب اقتدار کے ذہن میں نئے نظام کی تصویر کیا ہے۔ آج کی محفل میں ہم لوگ اردو کے مستقبل پر غور و خوض کرنے کو جمع ہوئے ہیں۔ اردو پاکستان کی زبان تو ہو گئی۔ اب شاید یہاں مغربی پنجاب میں جلد ہی ذریعۂ تعلیم بھی بن جائے۔ اُس وقت اُردو زبان و ادب کا تعلیم میں کافی حصّہ ہوگا۔ اردو انگریزی کی جگہ لے لے گی۔ لیکن کیا ادب پڑھانے کا وہی فرسودہ طریقہ اختیار کیا جائیگا۔ جو آجکل ہماری درسگاہوں میں رائج ہے۔ میں اس سوال کو سارے نظامِ تعلیم سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ چونکہ ایک نظامِ تعلیم اُس ملک کے سیاسی نظام کی ایک تعبیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وہ سیاسی نظام جو اس ملک کے فلسفۂ زندگی سے بنتا ہے۔ ہم نے ابھی ان بنیادی باتوں کا فیصلہ نہیں کیا۔ تاہم میں اردو ادب کی تدریس سے متعلق چند تجاویز پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ جو ایک آزاد ملک کے نظام میں قابل قبول ہو سکتی ہیں۔ میں شروع میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ تجاویز تجربے کی بنا پر سوچی گئی ہیں۔ اور ان صفحات میں جو تنقید کی گئی ہے وہ مبنی بر مشاہدہ اور بے لوث ہے۔

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ ادب کا مطالعہ خواہ وہ اُردو ہو یا انگریزی لازمی کیوں قرار دیا جائے میٹرک کے بعد ایف۔ اے یا بی اے تک ملکی زبان کا لازمی پرچہ نصاب میں ہونا بیشک ضروری ہے چونکہ اس میں بول چال۔ خط و کتابت۔ تعلیم و تدریس۔ دفتری اور سرکاری کام ہونگے۔ لیکن اُس زبان کا ادب ہر کسی کے جی کا جنجال کیوں بن جائے۔ کیا ہم انگریزوں کی پیروی کرتے ہوئے اردو ادب کو ایف۔ اے اور بی اے میں لڑکوں پر ٹھونس دیں گے۔ ہمارے انگریز حکمرانوں نے ایک حکمت عملی کے تحت اس طرز کو اختیار کیا تھا۔ ادب کے پڑھنے سے اُس قوم کے جذبات اور افکار کی تقلید کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور ہم نے ہر بات میں اُن کی تقلید کی۔ لیکن اب اس بات کے دُہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کسی ادب کو یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کرنے سے پہلے ہمیں ان تین سوالوں کے جواب سوچ لینے چاہئیں۔

۱۔ ادب کا نصاب میں شامل کرنا ضروری کیوں ہے ؟

۲۔ ادب کا ایک فرد کی زندگی میں کیا حصّہ ہے ؟

۳۔ ادب کا سماج اور تمدّن میں کیا حصّہ اور کیا درجہ ہے ؟

میرے خیال سے میٹرک کلاسوں میں ادب کی چاشنی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ زور زیادہ زبان کے سکھانے پر ہوگا۔ آئیے! میٹرک تک ادب کو لازمی مضمون قرار دیدیجئے۔ ازاں بعد الیف۔اے ادبی۔ اسے میں اردو زبان کا ایک پرچہ لازمی ہو۔ بی۔ اے میں شائد اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر یہ الیف۔ اے کی تقسیم بھی بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ کیوں نہ بی۔ اے کا سہ سالہ کورس کردیا جائے اکثر اوقات بی اے میں ایک مضمون کی تعلیم الیف۔ اے کے نصاب کا اعادہ ثابت ہوتی ہے۔ اسلئے سہ سالہ کورس میں صرف انہیں لوگوں کو اجازت دی جائے جو واقعی ذوق اور استعداد رکھتے ہوں تجربہ شاہد ہے کہ اسی یا نوے فیصدی لڑکے ادب میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ انہیں مجبور کرنا اُن کے اُستاد پر ظلم کرنا ہوگا۔

ادب جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں زندگی کا آئینہ ہے۔ ادب زندگی کی گوناگوں دلچسپیوں اور تلخیوں کی ہماری اپنی تخیل اور تصور کی بنا کردہ تصویروں کا مجموعہ ہے۔ اسمیں زندگی کے مختلف پہلوؤں کا اس طرح مطالعہ کیا جاتا ہے کہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے۔ حظ، علم اور نظر حاصل ہوتی ہے۔ کسی ماہر تعلیم نے ادب کو نظام تعلیم میں شامل کرنے کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ ہمارے ہاں ادب کی تدریس پر بہت زور ہے۔ مگر غلط اور بے فائدہ۔ ہم میں سے اکثر ادب کے مربّی اور سرپرست بن بیٹھتے ہیں۔ ادب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ہر خاص و عام کو اپیل کرتا ہے۔ اس وجہ سے ہر کس و ناکس اس کی گردن پر چھری چلاتا ہے۔ عوام کو تو چھوڑیئے۔ ہمارے اکثر ڈاکٹر اور علما جو کسی ایک مضمون یا مضمونوں میں ماہر ہونے کے باوجود ادب سے متعلق نہایت غلط رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اس کے اصولوں، مقاصد اور تعریف سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ اس کے بنیادی اصولوں کا مطالعہ کریں یا کسی باذوق ماہر کی رائے ہی پوچھ لیں۔

وہ کون سے مقاصد ہیں جو ہم ان لوگوں اور خصوصاً طلبہ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے اہم مقصد ایک فرد کی شخصیت کی تہذیب ہے۔ چونکہ ادب ایک جذباتی ذریعہ ہے اُن خیالات اور جذبات کے اظہار کا جو ایک فن کار ایک تخیلی تجربے میں سمو سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں درسی کتابیں

اسی نقطۂ نظر سے تیار کرنی ہوں گی۔ چونکہ ایم۔ اے میں اردو ادب کی تدریس ایک ماہر کے زاویۂ نگاہ سے مفصل طور پر ہوگی۔ میں اس وقت زیادہ ایف۔ اے اور بی۔ اے تک کا ذکر کرونگا۔ یہاں مغربی پنجاب میں اُردو لڑکیوں کے لئے ایف۔ اے میں ایک اختیاری مضمون ہے۔ اس کے کورس پر بحث نہ کرتے ہوئے میں یہ عرض کردوں گا۔ کہ کورس کی تالیف کرتے وقت مندرجہ ذیل باتیں مدنظر رکھنی چاہئیں :۔

۱۔ طلبہ کے کہانی کے شوق کا خیال

۲۔ محبت کے تجربات کا خیال۔ خصوصاً عنفوانِ شباب کے نقطۂ نظر سے

ا۔ حیاتی محبت

ب۔ گہری یا فلسفیانہ قسم کی محبت

پ۔ فطرت کے مناظر

۳۔ جنسیات

۴۔ سماجی مسئلے

ا۔ موجودہ حالات

ب۔ طبقاتی کشمکش

پ۔ بین الاقوامی سیاست

ت۔ مختلف معاشی اور سماجی نظریئے۔ جمہوریت۔ فسطائیت۔ اشتراکیت وغیرہ

۵۔ فلسفیانہ مسائل

ا۔ کردار

ب۔ نیکی اور بدی

پ۔ مذہب اور اخلاق

ت۔ تصوّف

ٹ ۔ روحانیت

ث ۔ مافوق الفطرت ۔ توہمات وغیرہ

چنانچہ بی۔ اے میں اردو ادب کی درسی کتابیں طلبہ کے ذہن میں ان مسئلوں کو بٹھا دیں گی۔ اُنہیں پتہ چل جائے گا کہ زندگی کیا ہے۔ چونکہ تعلیم بھی زندگی کے لئے ہی دی جائے گی۔ تمام تجربات عام زندگی کے تجربات اور واقعات سے وابستہ کئے جائیں گے تو ہی ادب کی تدریس صحیح۔ واضح اور مؤثر ثابت ہوسکے گی۔ اور دوسرے مضامین کی تدریس سے کہیں زیادہ دلچسپ، مسرت بخش، کیف آور اور سبق آموز ہو گی۔ اب اگر ہم محض نظموں کی کتاب میں ہی میر تقی میر، میر درد، سودا، غالب، حالی، حسرت موہانی، فانی، جوش، اختر شیرانی، حفیظ جالندھری، اسمٰعیل میرٹھی، فیض، راشد، داغ۔ رنگین اور جرأت کے کلام سے انتخاب کرلیں تو ہماری ضروریات بہت حد تک پوری ہو جاتی ہیں۔ اُردو میں چند انتخابات قابل قدر بھی ہیں۔ اگرچہ انہیں اٹھا کر درسی کتابوں کے طور پر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا الیاس برنی نے اپنے سلسلہ منتخبات میں ترتیب اور تقابل کے اصول سے کام لے کر بہت اچھا چناؤ کیا ہے۔ ایک ایک مضمون سے متعلق مختلف شعرا کی اور مختلف عہدوں کی نظمیں جمع کر دی ہیں۔ اُنھوں نے اس کمپیریٹو اسٹڈی کو ادب کی تعلیم کے سلسلے میں ذہنی تربیت کیلئے بہترین گنا ہے۔ ان سے کافی فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ "روح نظم" میں مختلف اصناف شاعری کے تحت نظمیں جمع کی گئی ہیں۔ مثنویات۔ مراثی۔ غزلیات۔ رباعیات وغیرہ۔ اس طریقے سے ہم بھی ایف۔ اے کا کورس تیار کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل ایف۔ اے میں انگریزی نظموں کا کورس جو مسٹر بیری نے تالیف کیا ہے۔ انگریزی کے کورس اگرچہ کسی قدر بے توجہی سے مرتب کئے جاتے رہے ہیں یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ مضامین کا مجموعہ تیار کرنے وقت ہم ادب کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کا خیال رکھ سکتے ہیں۔

۱۔ تہذیب و تمدن کے چند پہلو

۲۔ اخلاق و مذہب کی تصاویر

۳۔ ادب اور آرٹ کا تعلق
۴۔ تاریخی اور سماجی حقائق
۵۔ معاشی اور سیاسی اُلجھنیں
۶۔ فلسفیانہ جھگڑے

اس طرح مختصر افسانے۔ ناول اور ڈرامے کے انتخابات بھی کئے جا سکتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ ادب کا مطالعہ طلبہ کے لئے مسرت۔ کیف۔ زندگی سے واقفیت اور حقیقتوں کے انکشاف کا باعث ہوگا۔ یہ ایک نئی روح پھونکنے کا کام دے گا۔ شخصیت کی تہذیب کا ذریعہ بنے گا۔ اور مقصدِ حیات کی ترجمانی کرے گا۔ ادب کا مطالعہ ہمارے کردار کے بنانے میں بھی مدد دے سکتا ہے۔ کیرکٹر صرف مثال اور ایک شخص کی حرکات سکنات اور تصوّرات کی زندہ تصویروں سے بہ آسانی بنایا جا سکتا ہے۔ میرا اپنا یہ عقیدہ ہے کہ ادب آپ اپنا مقصد ہے۔ اسلئے کہ تجربات کو ایک بار پھر محسوس کیا جائے۔ اُن کی آگ سے گزرا جائے۔ میں اس وقت ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میرے نزدیک جو لوگ ادب میں صحیح نظر رکھتے ہیں۔ اس بحث کو فضول سمجھیں گے۔ یہ بحث ایسی ہے جیسے یہ کہ کھانا ہضم کرنے کے لئے کھایا جائے یا جسم میں قوت پیدا کرنے کے لئے۔ انسان اس دنیا میں رہنے کے لئے جیتا ہے یا اگلی دنیا میں رہنے کے لئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ادب مسرت بخش بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ ہر اچھا ادب ہمیں بلندی اور رفعت کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اس بات کو ہر اچھے نقاد نے تسلیم کیا ہے۔ لٹریچر سوچنے کے طریقے اور اقدار کو اپنانے کی مختلف تدبیریں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ ہم یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جسے ادب سے دلچسپی ہے اُسے زندگی کے بنیادی مسائل سے ضرور کچھ نہ کچھ لگاؤ ہوگا۔ صرف وہی اصلی معنوں میں انسان کہلا سکتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ میں ادب کو معدودے چند انسانوں کی ملکیت بنا دینا چاہتا ہوں۔ ادب سے ہر ایک لطف اندوز اور مستفیض ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اِسکے پڑھانے کا سوال پیدا ہو تو میں ہر خاص و عام کے پڑھنے پڑھانے کے خلاف ہوں۔

یہ تو رہا طلبہ اور درسی کتابوں سے متعلق۔ اب پڑھانے والے کی طرف توجہ دیجئے۔ جو کچھ یہاں میں ادب کے اُستاد کے خلاف کہوں گا۔ وہ ہر مضمون کے اُستاد پر صادق آسکتا ہے۔ اوّل تو اس پیشے کو پناہ گاہ سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔ محض پانچ فیصدی محبت اور خوشی سے اس میدان میں قدم رکھتے ہیں۔ یہ اقلیت بھی مختلف وجوہات کی بنا پر اپنے ارادوں کو ہمیشہ تشنۂ تکمیل ہی دیکھتی ہے۔

ہم میں سے اکثر اپنے کام میں کم کم ہی دلچسپی لیتے ہیں۔ ہمارا پڑھانے کا طریقہ تو کجا خود ادب پاروں کو پڑھنے کا طریقہ نہایت مایوس کن ہے۔ میں ایسے اُستادوں سے واقف ہوں جو ڈرامہ کو اس طرح پڑھتے ہیں جیسے دفتر کا کلرک ایک فائل پڑھ رہا ہو۔ اپنی ڈگریوں کے باوجود ہم ادبی مسئلوں میں کوئی نظر نہیں رکھتے انگریزی پڑھانے میں بھی زیادہ زور تشریح اور سلیبس مطلب پر ہی دیا جاتا ہے۔ ایم۔ اے میں بھی اکثر یونہی ہوتا ہے۔ یا اس کے ساتھ ساتھ نوٹ لکھا دیے جاتے ہیں۔ اس وقت کے طریقۂ امتحان کی رو سے لڑکوں کیلئے یہی سب سے زیادہ مفید ہیں۔ اور نوٹ بھی ذہانت اور عقل کے دشمن ہیں۔ کیوں نہ ان کا لکھنا بھی اور چھاپنا بھی قانوناً بند کر دیا جائے۔ میرے خیال سے ایک اُستاد کو مندرجہ ذیل اوصاف سے متصف ہونا چاہیئے۔ گو ہر وصف میں باکمال ہونا ممکن نہیں ہو سکتا۔

۱۔ مضمون سے حتی الوسع مکمل واقفیت۔
۲۔ پڑھانے کے طریقوں میں تربیت۔ تعلیم کے اصولوں سے واقفیت (یہاں میری مراد بی۔ٹی ہونے سے نہیں ہے)
۳۔ مضمون کے بنیادی مسئلوں میں صحیح نظر۔
۴۔ علم و ادب سے محبت۔ ایسے مشاغل۔
۵۔ تقریر کرنے کی قابلیت۔
۶۔ ادب پارے پڑھنے کی قابلیت
۷۔ زبان اور تلفظ پر عبور۔

میں تجویز کروں گا کہ ایسے اُستاد کو کالج میں ایک لٹریری میوزیم بنا کر دیا جائے جہاں بڑے بڑے

[redacted]

مصنفین کی تصاویر دیواروں سے لٹک رہی ہوں۔ اور ان کے نیچے اُن کی زندگی اور ادبی خصوصیات کا مختصر بیان ہو۔ ان کے علاوہ عام دلچسپی کی تصاویر۔ مناظر۔ روزمرّہ زندگی کی تصاویر بھی ہونی چاہئیں۔ اہم تاریخی واقعات کی تصاویر۔ بعض ڈراموں اور ناولوں کے اہم واقعات کی تصاویر گاہے گاہے میجک لنٹرن سے دکھانی چاہئیں۔ خصوصاً جب اُن کا سبق سے تعلق ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈرامے اسٹیج کئے جائیں۔ چونکہ ڈرامہ تعلیم کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے زبان۔ کردار۔ خیالات اور احساسات کی پوری سمجھ آجاتی ہے۔ میوزک کنسرٹ ایک اور اہم ضرورت ہے۔ پھر اچھی لائبریری کا ہونا کس قدر ضروری ہے۔ جو ہمارے اکثر کالجوں میں نہیں ملتی۔ اور ایک (HOBBY SECTION) کھولنا چاہیئے۔ جہاں ادب کے طلبہ ایک آدھ چیز میں دلچسپی لے سکیں۔ اس شعبے میں کارٹون بنانا۔ فوٹوگرافی۔ مصوری۔ موسیقی اور سنگتراشی کی تعلیم کا کام ہو۔ چونکہ ادب کی سمجھ کے لئے نہایت ضروری ہے کہ فن کی اور شاخوں کی بھی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ ہو۔ کم از کم ایک میں تو حصہ لے سکیں۔

اردو ادب کی آئندہ تعلیم میں تنقید کے پرچے کی طرف خاص خیال کرنا پڑے گا۔ چونکہ اردو کی میراث فارسی رہی ہے۔ اسلئے وہی تنقید کے ایک پہلو سے متعارف کراتی ہے۔ مگر بہت سے اہم پہلوؤں سے بے خبر رکھتی ہے۔ چونکہ تنقید ادب کا ایک ضروری پہلو ہے۔ اس سے متعلق کچھ مختصر طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت تنقید میں ایسی کتاب کی ضرورت ہے۔ جیسی مولینا حالی نے اپنے عہد میں پیش کی تھی۔ اس اجتہاد کی آج بھی ضرورت ہے۔ تنقید دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو ادب پاروں پر اُن کی اہمیّت اور قدر و قیمت جانچنے کیلئے۔ دوسرے اُن اصولوں اور مقاصد سے متعلق بحث جن کی رو سے ادب پاروں پر بحث کی جائے گی۔ ادب کی مختلف شاخوں۔ ڈرامہ۔ ناول۔ نثر۔ مختصر افسانہ اور شاعری وغیرہ کے مختلف اصول ہیں۔ خصوصاً اُن کی تکنیک کے لحاظ سے لیکن معنوی لحاظ سے مقاصد ایک ہی ہیں۔ تنقید کا زیادہ حصّہ انہیں مقاصد سے متعلق ہے۔ اردو میں اب بہت سی تنقیدی کتابیں لکھی جاچکی ہیں جو کئی لحاظ سے ناقص اور غلط ہیں۔ بہت سی فرانسیسی روسی اور انگریزی نقادوں کے تراجم پر مبنی ہیں جو بغیر سوچے سمجھے لکھی معلوم ہوتی ہیں۔ فقط سید

احتشام حسین کی کتاب "تنقیدی جائزے" کا اکثر حصّہ معیار پر پورا اُترتا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ ایم اے اُردو پڑھنے والے انگریزی پر قدرے عبور رکھتے ہوں۔ تاکہ اچھی تنقیدی کتابوں کا براہِ راست مطالعہ کرسکیں۔ یا ان کتابوں کے تراجم ہوں اور ان کے کورس بنادئے جائیں۔

تنقید عام پبلک کی رہبری کرتی ہے۔ ذوق پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ۔ جو عوام اور لکھنے والے کے درمیان رابطۂ اتحاد ہے۔ ہمارے ہاں محض تکرار۔ سوز و گداز شکست ناروا اور قافیہ معمول پر ختم ہے۔ ہمارے سامنے جو عملی تنقید کے نمونے ہیں وہ شعر العجم سے ہیں۔ جہاں آپ کو ایک انداز میں اچھی تنقید مل تو جاتی ہے۔ لیکن بعض اوقات شاعر کی روح سے شناسا نہیں ہونے دیتی۔ اُردو کے نقاد اس بات کو ابھی نہیں پہنچ سکے۔ مولینا عبدالسلام ندوی اور رام بابو سکسینا دونوں کی کتابیں شعر العجم کے معیار تک نہیں پہنچتیں۔ ضروری ہے کہ ہم صحیح اصولوں سے واقف ہو کر اپنے پُرانے اصولوں کو اُن میں سمولیں تاکہ دو آتشہ کا نشہ ہو۔ اُدھر نئی تنقید میں بھی بہت سی اُلجھنیں ہیں۔ ادب برائے ادب یا ادب برائے زندگی اور اسی طرح اور بہت سی بحثیں ہمارے سامنے ہیں۔ جو اکثر پُرانے نقادوں کو بیہودہ معلوم ہوتی ہیں اُن کی اس بات میں کسی حد تک صداقت ہے۔ چونکہ نئے نقاد تنگ نظر اور ایک سکول کے پیرو کار بن کر بعض بنیادی باتوں سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ آجتک بڑے نقاد مثلاً ارسطو۔ لون جائنس۔ گرئٹے۔ کولرج اور آرنلڈ وغیرہ نے بنیادی باتوں پر اتفاق کیا ہے۔ آجکل کے مغربی نقادوں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ اُن کی باتوں میں سمویا جاسکتا ہے۔ رچرڈ نے نفسیاتی توجیہیں پیش کی ہیں تو میکسم گورکی نے معاشرتی ان سے اسی طرح فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ جیسے سائنس میں مختلف کام کرنے والوں کے تجربات سے۔ اس بحث سے میرا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ تنقید میں سے داخلیت بہت کم کی جاسکتی ہے اور واقعیت بہت زیادہ۔ ایک نقاد کے سامنے کسی چیز کو پرکھنے کیلئے یہ سوال ہوسکتے ہیں:-

۱۔ لکھنے والا کیا کہنا چاہتا ہے۔
۲۔ اُس نے اُسکو کیسے ادا کیا ہے۔
۳۔ جو کچھ کہا ہے اسکی قدر و قیمت۔

نقاد سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ علمی موضوعات سے واقف ہو۔ ادب۔ اس کے اصولوں۔ مقاصد۔ تکنیک اور معاشرتی پس منظر پر نظر رکھتا ہو۔ پھر وہ اصول تقابل سے کام لے کر رائے دے سکتا ہے۔ لیکن جب آپ کوئی رائے دیں گے تو آپ کے سامنے کیا اصول ہوں گے۔ رچرڈ کے نزدیک نقاد بننا اقدار کا جج بننے کے مترادف ہے۔ یہ بحث ہمیں جمالیات میں لے جارہی ہے جو میں سمجھتا ہوں تنقید کے پرچے کا ضروری جزو ہونی چاہیئے۔ اس کے بغیر بہت سی باتوں کی سمجھ آ ہی نہیں سکتی۔ مثلاً

۱۔ تجربہ کیا ہے۔
۲۔ ادبی پارہ اور اکائی
۳۔ حسن کا احساس جو اُسکے پڑھنے سے ہوتا ہے
۴۔ مسرت جو یہ پارہ بخشتا ہے
۵۔ اس میں صداقت کتنی ہے
۶۔ جذبات۔ تخیل وغیرہ کا حصّہ
۷۔ حسن کیا خود ایک قدر ہے
۸۔ یہ قدر داخلی حیثیت رکھتی ہے یا خارجی
۹۔ مسرت اور غم کی بحث۔ تلخی اور حظ کا سوال

اِن سوالات کے جواب پر غور کرنا کم از کم ایک اُستاد کے لئے بہت ضروری ہے۔ چونکہ یہ پڑھانے میں ہر گام پر مدد دیں گے۔ اگر میں نظم پڑھاؤں تو اپنے لیکچروں کو اس طرح ترتیب دوں۔

۱۔ ادبی تجربہ اور تخلیقی عمل۔ ذہنی حالت وغیرہ
۲۔ بحر۔ نظم میں روانی اور ترنم۔
بحر کی قسمیں۔
۳۔ زبان۔

الفاظ کا انتخاب اور ان کا شاعر کی شخصیت اور معاشرتی حالات سے تعلق۔

زبان میں تازگی اور باسی پن۔

زبان اور مضمون ادب پارے میں ایک ہی چیز ہیں۔

۴۔ رمزیت (Symbolism)

تشبیہ۔ استعارہ۔ کنایہ اور دیگر صنائع بدائع

۵۔ شاعر اور سماج۔

۶۔ ادب کا مقصد

ا۔ مسرت

ب۔ حقیقت سے واقفیت

پ۔ شخصیت میں جامعیت اور معنویت پیدا کرنا

۷۔ "رومان" اور "حقیقت پرستی"۔ "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی" وغیرہ کی بحث

۸۔ نظم کے تجزئے کیلئے رچرڈز کے مندرجہ ذیل اصول:۔

ا۔ نظم کا مفہوم

ب۔ شاعر کا طرزِ فکر اس مضمون کے بارے میں۔

پ۔ پڑھنے والوں کی طرف خطاب کا لہجہ

ت۔ نظم لکھنے کا مقصد

اب فرض کیجئے آپ کو جوش کی نظم "خانقاہ" پڑھانی ہے۔ اس کے لئے پہلا مرحلہ تیاری ہے (Project Method) کے مطابق اُس کے پس منظر سے واقفیت۔ پیروں کی زندگی، ان کی ریاکاری سے متعارف کرانا۔ بزرگوں کی زندگی کا اصل مقصد بتا کر ان مجبورنے پیروں کا مقـ کرنا مختصر طور پر یہ باتیں اُن کو بتا دینی چاہئیں تاکہ انہیں یہ پتہ چلے کہ کس طرح توہم پرستی ہمار

اخلاق اور عزت کو برباد کر رہی ہے۔ اور اس کے خلاف ان کے دل میں نفرت کا جذبہ پیدا ہو۔ پھر نظم کا پیش کرنا دوسرا مرحلہ ہے۔ پڑھنے کا طریقہ تمام مسئلے کی جان ہے۔ آواز میں اُتار چڑھاؤ۔ صلابت اور شقاوت۔ روانی یا رکاؤ۔ نرمی یا سختی اس طرح پیدا ہو کہ نظم کی روح اور اس کا ماحول قائم ہو جائے۔ تاکہ طلبہ اُسے محسوس کر سکیں۔ اس کے بعد یا تو الفاظ کے معانی بتا دئے جائیں یا انہیں لغت کے استعمال کیلئے کہا جائے۔ اور بعد میں نظم کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہو۔ اس کے بعد جوش کی اور نظموں کے پڑھنے کے بعد وہ جوش کے مختلف اوصاف پر بحث کر سکتے ہیں۔

نظموں کے پڑھانے میں ایک بات پر خاص طور پر زور دینا ہوگا۔ وہ نظم کا زندگی کے اصلی مسئلوں سے تعلق ثابت کرنا ہے۔ چونکہ نظم کو اکثر دور از کار اور غیر حقیقی چیز سمجھ لیا گیا ہے۔ اُستاد کا یہ تعلق اور رشتہ واضح کرنا طلبہ کی صحیح تربیت کا پیش خیمہ ہے۔ ناول۔ ڈرامہ اور نثر میں یہ تعلق اکثر صاف اور واضح ہوتا ہے۔ یا بآسانی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ سماجی اور معاشرتی نظموں میں بھی دقت پیش نہیں آتی۔ فلسفیانہ اور رومانی نظموں اور غزلوں میں اس کی مثالیں دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ میں اس وقت دو نظموں سے اس کی مثال پیش کروں گا۔ کہ ادب کا زندگی سے کیسے گہرا تعلق ہے۔ خواہ وہ رومانی ہو یا غیر رومانی۔ پہلی نظم اختر شیرانی کی "اعترافِ محبت" ہے۔ دوسری اقبال رح کی ع "پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن"

اعترافِ محبت

۱۔ شاعر ابھی عنفوانِ شباب کی مستی میں گم ہے۔ یہ وہ عہد ہے جب جذباتی توازن قائم نہیں رہتا۔ اپنی محبوبہ سے اگرچہ ملاقاتوں کا موقعہ نہیں ملا۔ اُسے محض ایک دو بار دیکھنے سے محبت کے دریا اُمڈ آئے ہیں۔ شاعر کا ذہن پرستش کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ وہ اپنے آپ میں گھل رہا ہے۔ کسی کو راز داری کے قابل نہیں سمجھتا۔ وہ ہمدردی کا اظہار بھی نہیں چاہتا۔ اسلئے وہ ہجوم غم سے گھبرا کر افشائے حقیقت پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور رازِ پنہاں کو رسوا سے حکائیت کرتا ہے۔ یعنی یہ نظم لکھتا ہے۔

۲۔ اُسکی محبوبہ اُسے انتہائی طور پر حسین اور باکمال معلوم ہوتی ہے۔ اس عہد میں محبوبہ حسن تکمیل کا

ہی پیکر نظر آتی ہے۔ یا ہماری سماج کے حالات ہی ایسے ہیں کہ عورت سے ملنا اگر سخت مشکل ہے تو اُسے یوں سمجھ لینا نہایت آسان ہے۔ آپ کی محبوب دُنیا سے ماورا نظر آتی ہے۔ ناقابلِ حصول جسکے متعلق آپ سوچ سکتے ہیں۔ ملنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے۔ اسلئے شاعر یہ کہتا ہے ؎

اتنا تو بتا دو تم بھی مجھے کیا میں بھی کبھی یاد آتا ہوں

بتلاؤ کہ منت کرتا ہوں!

مَیں تم سے محبت کرتا ہوں

شاعر مفلس ہے اور وہ قیصرۂ ذی جاہ ہے۔ شاعر گدا ہے اور وہ ملکہ۔ اسلئے پروانے کی طرح شمع حسن پر جل مرنا اس کا ایمان ہے۔

۳۔ سماج اور اس کے رسوم پر بغیر کسی ارادے کے تنقید بھی ہو گئی ہے۔

۴۔ چنانچہ اُس کے غمگسار چاند تارے ہیں یا اُس کی اپنی آہیں۔ بلندوں اور صحراؤں کی فضائیں اُسے زیادہ راس آتی ہیں۔ فطرت میں انسان کو اپنے جذبات کا ہی عکس نظر آتا ہے۔ اسلئے فطرت اسکی ہمدرد ہے۔ اور فطرت کے مناظر میں ڈوب جانا شباب کا محبوب مشغلہ بھی تو ہے

۵۔ شاعر کو نہ تو محبوبہ کی روح سے تعلق ہے نہ اُس کے جسم سے۔ محض نفسیاتی جنسیاتی محبت ہے۔ اس سے میرا مقصود نظم کا زندگی کے واقعات سے تعلق پیدا کرنا تھا۔ اُسے نظم کا خلاصہ یا اُس پر تنقید سمجھنا غلطی ہو گی۔

"پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن"

۱۔ شاعر نے فطرت کو اپنا ہمنوا اور ہمدم سمجھا ہے۔ زندگی سے صحیح رشتہ ابھی پیدا نہیں ہو سکا۔ چونکہ ماحول ناسازگار ہے۔ چراغِ لالہ، کوہ و دمن، حسن، صداقت اور نیکی کے پیامبر معلوم ہوتے ہیں۔ شاعر اس پیام کو اخذ کر لیتا ہے ؎

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے

ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

۲۔ شاعر یہ پیام زندگی میں درستی اور راست روی پیدا کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے لوگوں کے نزدیک دھن اور تن انسانیت کے معیار ہیں جو "آدمیت احترام آدمی" کے معیار کو نظر انداز کر کے انسانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔ مگر حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔ چونکہ ع

تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

۳۔ وہ اپنے کو دوسروں سے مختلف پاتا ہے۔ مٹو ڈی ہو جاتا ہے تو ہی جا کر وہ اپنے معیاروں پر قائم رہتا ہے۔ اگر عوام کے ساتھ مل جائے تو وہ بھٹک جائے۔ اسلئے وہ ضبطِ نفس یعنی خودی۔ عمل اور پھر اثباتِ خودی کی تعلیم دیتا ہے۔ ع

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں

یاس — اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن!

یہ اخلاقی دنیا لازوال دولت ہے حسین اور شاعرانہ، صادق اور کاملانہ۔

۴۔ جن حالات میں نظم لکھی گئی۔ شاعر اور کیا کر سکتا تھا۔ پھر شاعر سیاست میں حصہ لینے کے بھی تو نا قابل ہوتا ہے۔ وہ اپنے اشعار سے آگ لگا سکتا ہے۔ اور اقبالؒ آگ لگا گیا ہے۔

یہاں بھی یہ تعلق بخوبی واضح ہو گیا ہو گا جو اس نظم اور زندگی کے درمیان ہے۔ اسی اصول کو میں اس کوشش سے ثابت بھی کر رہا ہوں۔

اخیر میں میں یہ عرض کروں گا کہ امتحان کے طریقے کو بدلنا نہایت ضروری ہو گا۔ موجودہ طریقہ ہماری ذہانت کو برباد اور ہماری روح کو مردہ کر دیتا ہے۔ اس کی بجائے مندرجہ ذیل طریقے بہتر ثابت ہوں گے:۔

۱۔ ماہوار ٹسٹ، اُتنے حصے میں سے جو اس ماہ پڑھایا جائے۔

۲۔ ادب پاروں کا پڑھنا اور بالمشافہ بات چیت۔

۳۔ مضمون نویسی۔ مہینہ میں دو بار۔

۴۔ فن کے دیگر حصوں میں کام۔

۵۔ جماعت کے باہر کوئی کام مثلاً پڑھنا، لکھنا یا کوئی سماجی کام۔

یہ بات ذاتی راہ و رسم سے معلوم ہو سکے گی۔ اور اُستاد کو لڑکے کی قابلیت جانچ لینے میں بہت مدد دیگی۔ سال کے آخر اس تمام ریکارڈ سے نتیجہ مرتّب کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے۔ اس کیلئے ایک نئے اُستاد۔ نئے طالب علم اور نئے سماج کی ضرورت ہے۔ اور یہی ان سطور کے لکھنے کا مقصد بھی ہے۔

اسکے علاوہ یونیورسٹی کے باہر ادبی ماحول کی طرف بھی توجہ کرنا پڑیگی۔ ہمارے ادبی رسالوں کے اکثر مدیر تنقید اور عام علمی معلومات سے بے بہرہ نظر آتے ہیں۔ اُنکی پرکھ اور جانچ اُن کے ذہنی تعصبات پر مبنی ہوتی ہے۔ دوسرے گروہ بندی کو ختم کر دینا چاہیئے۔ ایک چیز کی اپنی قیمت ہی اس کا معیار کیوں نہ ہو؟ یہ اسلئے کہ طلبہ کالج کی چار دیواری کی بجائے باہر کے ماحول سے زیادہ جلد متاثر ہوتے ہیں۔ وہ رسالوں، ریڈیو تقریروں۔ جلسوں اور مشاعروں سے اپنے خیالات اور انداز فکر اخذ کرتے ہیں۔ اگر یہ صحیح معیار کے مطابق ہوں تو اُستاد کے کام میں کافی آسانی ہو جائیگی۔

اگر یوں ہو جائے تو ادب کی تدریس مسرت اور فخر کا باعث ہوگی!

آپ کے فرائض

پروفیسر عبدالغفور

آپ کے ننھے کیا آئے یوں سمجھیئے کہ آپ پر فرائض کی اچھی خاصی لوٹ نازل ہو گئی۔
ں کے لئے شرارت کی اور آپ کے لئے فرائض کی۔ کھلائی۔ پلائی اور اس کے بعد پڑھائی
بھی جی میں کہتے ہوں گے۔ اچھا فتنہ خوابیدہ کو چھیڑ بیٹھے۔ اب مچلنے لگا تو اُسے تسکین
کے لئے جو نہ کرنا تھا وہ بھی کرنا پڑا۔

اَبّا۔ اَبّا کہتے تھے کیسے سُکھ میں رہتے تھے
اب اَبّا جو کہلوایا کتنا کچھ دُکھ ہے پایا

ان کاموں میں سے ایک تعلیم کا کام ہی تھا۔ لیجیئے اس کا حل تو آپ نے چٹکیوں میں کر دیا۔
کے اَبّا بننے کا شوق جب پُرانا ہو چلا تو جی میں آیا کہ لکھے پڑھے ننھے کا ابّا بننا چاہیئے۔ ننھے
لئے ایک کتابوں کا بیگ خرید دیا گیا۔ بیگ بیچارہ ابھی مشکل سے لے گھر پہنچ پایا تھا کہ گھر
کے بچوں نے اُس پر ہلّہ بول دیا۔ بہت کھینچا تانی رہی۔ بعد کشمکش کے بعد ننھے بیگ کاندھے پر
ر کے لگے ڈاک بانٹنے! مگر اندر ہاتھ ڈال کر جو دیکھتے ہیں تو چھٹی کے بجائے قاعدہ نکلا۔ یہ ان کی
ہی زندگی کا پہلا حادثہ تھا:

ایک ہاتھ میں بیگ دوسرے ہاتھ میں تختی اور جیب میں قلم تراش۔ لیجیئے آپ نے ننھے سپاہی
دب مسلح کر دیا۔ اور فخر سے یوں محسوس کر رہے ہیں۔ گویا کہیں سرکاری خدمت پہ "لام" میں بھیج
رہے ہیں۔ یہ حضرت آگے نہتے ہی کیا کم تھے جو آپ نے اتنے ہتھیاریوں سے سجا دیا۔ اب ان کا
ٹ کیا ہے۔ یہی سکول فرنٹ اور غنیم جو سامنے آجائے!

آپ تو اپنے دل میں یہ کچھ کر کے ایک بڑے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے۔

منوں بوجھ آپ کے کندھے پر سے ٹل گیا۔ مگر آپ نے کبھی اپنے جی سے یہ بھی پوچھا کہ کیا سچ مچ ٹل گیا یا ابھی تک آپ کی فضا کو غیر شعوری طور پر سانس لینے کے ناقابل بنائے ہوئے ہے۔ آپ خود بتائیں بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات تھی۔ اگر انسانی سیرت کا کام اتنا ہی آسان ہوتا تو اللہ میاں اتنے پیغمبر، رسول اور مصلح بھیجنے کے بجائے فرشتوں کو اُستاد اور اُن کے گورو کو انسپکٹر بنا کر نہ روانہ کرتے۔ سچ تو یہ ہے تعلیم کا کام اکیلے اُستاد کے بس کا نہیں۔ یہ تو پوری سماج کا کام ہے اس عمل میں آپ بھی شریک ہیں اور دوسرے بھی۔ اُستاد بھی اور ماں باپ بھی یہ کام کرنے کا ہے اور کئی ایک کے کرنے کا ہے۔ کئی ایک کا کیا سبھی کے کرنے کا ہے۔

آپ ننھے کو غور سے دیکھئے۔ اس کی صورت ہمہ تن سوال ہے۔ یہ روٹی کپڑے کا سوال نہیں۔ یہ زندگی اور اس کے مسائل کا سوال ہے۔ مجھے تو ہر سوالیہ جملہ کے بعد نشان استفہامیہ (؟) ایک ننھے مُنّے کا منہ سا معلوم ہوتا ہے۔ جو ہیں سوال کرنے کے بعد شرارت آمیز حیرانگی سے ٹھٹک کے رہ گیا ہے اور آنکھوں سے کہہ رہا ہے واہ صاحب اِتنے بڑے ہو گئے اور یہ سوال بھی نہیں آتا۔

آپ نے اکثر ننھے کو سوال کرتے دیکھا ہوگا۔ سوال کرتے کیا، سوالوں کی بوچھاڑ کرتے دیکھا ہوگا۔ وہ تو سوالات کی انسانی مشین گن ہے۔ اس کے چھرے کیوں؟ کیسے؟ کس لئے؟ ہیں جو ان کی باڑ کی تاب نہیں لاسکتا۔ اُن کا صحیح توڑ نہیں جانتا۔ وہ محاذ کا اچھا اور کارآمد سپاہی نہیں ہے۔ پھر آخر بیچارہ سوال نہ کرے تو کیا کرے۔ وہ ابھی اس دُنیا کا نیا نیا مسافر ہے۔ اس کی راہوں سے انجان۔ اس کی گلی کوچوں سے نا آشنا ہے۔ رہ رہ کر اپنے بڑوں سے پوچھتا ہے۔ جواب نہیں ملتا تو دل میں جز بز ہو کے رہ جاتا ہے۔ عجب بستی ہے نئے راہیوں کو راستہ تک نہیں بتاتے!

مدرسے میں تو اکثر ماسٹر صاحب ایسے پے در پے سوال کرتے ہیں کہ ننھے کو کچھ پوچھنے کا موقع نہیں دیتے۔ ایک دن ننھے کا رہ رہ کر ایک سوال پوچھنے کو جی چاہتا تھا۔ ماسٹر صاحب سے تو ہمت نہ پڑی۔ امی ہی سے پوچھ بیٹھے۔ بولے امی جان میں جانوں ہمارے ماسٹر صاحب کو کچھ آتا جاتا نہیں

تب ہی تو بار بار ہم ہی سے پوچھتے ہیں۔ ننھّے کو اس کا شدید احساس تھا کہ وہ مدرسے میں کچھ پوچھ نہیں سکتے۔ اس پر امّی نے پیار سے کہا۔ بیٹا اپنے ابا میاں سے پوچھ لینا۔ اس پر ننھّے نے امّی کی طرف اس انداز سے دیکھا جس میں کئی ایک پرانی یادیں شامل تھیں۔

ابا کی چاند کچھ ہلکی سی ہو چلی تھی اور ننھّے کے سر پر تو گویا کوئی مہابن اُگ آیا تھا۔ امّی سے پوچھنے لگے۔ امّی یہ ابا کے سر پر بال اتنے چھدرے چھدرے کیوں ہیں؟ اس پر اماں بولیں۔ بیٹا سوچتے ہیں نا بہت! لکھنے پڑھنے والے لوگوں کے سر سے بال اکثر جھڑنے لگتے ہیں۔ ننھّے کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ بولے امّی پھر تمہارے بال اتنے گھنے کیوں ہیں! ہمیں یہ تو پتہ نہیں کہ اس کا جواب تھپکی سے ملا یا دست پناہ سے! ہاں اتنا ضرور ہے کہ ننھّے کو یہ جواب مدتوں یاد رہا اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ کے لئے یہ ایک سوال ہی کافی ہے۔

ننھّا بڑا حسّاس ہے اس کی شدّتِ احساس کا تو کبھی کبھی آپ کو بھی پتہ چل گیا ہوگا۔ اگر آپ نے ایک دفعہ اس کے سوال کا جواب بے رخی سے دیا تو اُس نے خدا جانے کتنے مرتبہ شعوری نہیں تو غیر شعوری طور پر اپنے ننھّے بوٹ کی ایڑی کو زمین میں جما جما کر عہد کیا ہوگا کہ پھر نہ پوچھوں گا حشر تک نہ پوچھوں گا۔ آپ اکثر ننھّے کے سوالوں سے جھنجھلاتے ہوں گے اور جھنجھلانا چاہیئے بھی۔ آپ کا دل ہے کہ دفتر کے فائلوں میں لگا ہے یا دوکان کے بہی کھاتے میں اُلجھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنا جسم تو گھر میں لے آئے مگر اپنا دل اپنے میز کی دراز میں مقفّل کر آئے ہیں۔ ایسی صورت میں ننھّا آپ کے لئے ننھّا نہیں بلکہ ایک شے ہے۔ جیسے آپ کے میز پر کاغذات دبانے والا پیپر ویٹ یا چابیوں کا گچھّا جس سے آپ غیر شعوری طور پر کھیلتے رہتے ہیں۔ وہ انسان نہیں بلکہ ایک شے ہے۔ گھر کی بہت سی چیزوں میں سے ایک چیز۔ دوسری چیزوں سے گھٹیا یہ ان سے بڑھیا ہے۔ مگر ہے ایک چیز۔ بات یہ ہے کہ آپ نے دُنیا میں کچھ اتنے کام اپنے سر اوڑھ لئے ہیں کہ ننھّا بیچارہ ان کے ڈھیر میں گم سا ہو کے رہ گیا ہے۔ ممکن ہے آپ اسے بُرا منائیں۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ اس کوڑہ کباڑہ کے ڈھیر میں کہیں تو آپ کے سیاسی دلچسپیوں کے تراشے ہیں۔ حالانکہ نہ آپ لیڈر ہیں نہ اللہ کے

فضل سے لیڈر بننے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ایک طرف دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کے ذاتی معاملات کے پلندے ہیں اور ان سب سے اوپر کاروباری ساجھیوں اور دفتری ساتھیوں کے اُلجھیڑے۔ اِسی میں کہیں خاندانی جھگڑوں کے پُرانے گودڑ پڑے ہیں۔ اور ان سب کے نیچے آپ کی زندگی کا سرمایہ۔ وہ گوہر گرانمایہ یعنی ننھا گم ہو کے رہ گیا ہے۔ جہاں آپ اِتنا کچھ وقت ان سب کے لئے نکالتے ہیں۔ کچھ ننھے کے لئے بھی نکال لیتے۔ ابھی تو وہ تھوڑا سا وقت لے کر بہت کچھ ممنون ہوگا۔ اور بعد میں سارا وقت دے کر بھی آپ اُسے ممنون نہ کر سکیں گے۔ آج آپ تھوڑا سا وقت دے کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ کل سب کچھ دے کر بھی کچھ نہ کر سکیں گے۔

ننھے کے سوالات۔ یا اکثر آپ کہتے ہوں گے۔ ننھا کیا اور اُس کے ننھے ننھے سوالات کیا! اسی کچھ غلط فہمی میں نہ رہیئے گا۔ سوال کرنے والا جتنا ننھا منھا ہوتا ہے۔ اس کا جواب اِتنا ہی بھاری بھرکم ہوتا ہے۔ اس کا جواب آپ کیا اکثر بڑے بڑے فلسفی اور مفکّر بھی نہیں دے پاتے۔ آیا آسمان گول کیوں ہے۔ تارے کیوں چمکتے ہیں۔ ان میں آپ کے لئے دعوتِ فکر ہے اور آہنگ عمل بھی۔

اور پھر سوالات تو نیکی اور خیر کا سا انداز رکھتے ہیں۔ جو پوچھتا ہے وہ تو پھل پاتا ہی ہے لیکن جو جواب دیتا ہے اُس میں بھی ایک خوشگوار تبدیلی آجاتی ہے۔ زندگی کے اس مسئلہ کی جانب جس کی طرف سائل کی توجہ مبذول کی جاتی ہے۔ اُس کا پورا نقطہ نظر اگر بدل نہیں جاتا تو کم از کم ایک مرتبہ شدید جھٹکا تو کھا جاتا ہے۔ ذہنی زندگی کی خشک سوتوں میں ہلکا سا انقلاب آجاتا ہے۔ بچوں کے لئے تو اُستاد اُستاد سبھی برابر ہوتے ہیں۔ کیا پروفیسر کیا پہلے درجہ کے ماسٹر صاحب دونوں علم اور روشنی کے مخزن اور اُبلتے ہوئے چشمے۔ مگر ایک یونیورسٹی پروفیسر کے بچے کو یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ اُن کے ماسٹر صاحب کے چہرے پر یہ بے رونقی اُن کے لباس میں چیتھڑوں اور پیوندوں کا یہ گستاخانہ ہجوم کیوں ہے۔ انہیں یہ تو خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا تھا۔ کہ اُستادوں کی دُنیا میں بھی حسب نسب کا اتنا تفاوت ہو سکتا ہے۔ ایک دن رہ نہ سکے تو

اپنے ابا سے پوچھ ہی بیٹھے۔

خدا معلوم ان کے ابا نے اس مشکل بے حد مشکل سوال کے جواب کو کیسے نبھایا ہوگا اور پندرہ سو روپیہ ماہوار کو پندرہ روپلی ماہوار سے کیسے بھڑایا ہوگا۔ خدا نہ کرے۔ آپ کا ننھا آپ سے کوئی ایسا سوال پوچھ بیٹھے۔ اتنا ضرور ہے کہ اگر پوچھے تو یہ نہ سمجھ لیں کہ اس میں سب کچھ بانٹنے والا آپ کا ننھا ہی ہے۔ ممکن ہے آپ بھی اس سودے میں گھاٹے میں نہ رہیں۔ ممکن ہے آپ بے حد عدیم الفرصت ہوں یا معلومات کی دنیا سے زیادہ عقیدت نہ رکھتے ہوں۔

لیکن ننھے کے سوالوں کا جواب نہ تو اکثر ایسا کچھ مشکل ہوتا ہے نہ دیر طلب۔ ایک ہمدرد جواب دینے والے کے لئے اور ماں باپ سے زیادہ ہمدرد کون ہوتا ہے۔ جواب دینا اور بھی آسان ہوتا ہے۔ ان کی زبان ہی نہیں۔ ان کی نگاہیں ان کے دل ان کی پوری شخصیت جواب کا ترجمان ہوتی ہے۔ جواب دینے میں یہ ضروری ہے کہ کیا کچھ بتایا جائے۔ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ کیا کچھ نہ بتایا جائے۔ اس حدِ فاصل کا تعین جہاں تک راہبر انجان مسافر کے ساتھ ساتھ رہے اور پھر جہاں سے کھڑا ہو کے دور سے اس پُراسرار بستی کے چمکتے ہوئے گنبد دکھا دے جس کا راز ننھا اس سوال کے ذریعہ فاش کرنا چاہتا ہے۔ بعض غلط قسم کے راہبر کدال اور کلہاڑا لئے ننھے مسافر کے ساتھ ساتھ ہو لیتے ہیں اور جب تک اس پُراسرار بستی کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دیں اپنا ہاتھ نہیں روکتے۔ ایسے جواب دینے والوں کی نہ تو ننھے کو ضرورت ہے اور نہ تعلیمی محل کو۔ اور اس طرح تو ایک سوال کے جواب میں ہی دل و دماغ جواب دے جائیں گے۔ فرصت کے اوقات دَم توڑ جائیں گے اور ہاتھ پاؤں دونوں شل ہو جائیں گے۔

ننھا یہ نہیں چاہتا۔ کہ آپ زندگی کے اسرار کو اس کے لئے جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکئے۔ راستہ کے نشیب و فراز کا اتا پتہ لینا چاہتا ہے۔ یہ اس کی ذہانت اور شخصیت کی اہانت ہے وہ تو آپ سے ان اسرار کی کچھ سُن گن چاہتا ہے۔ پھر چند ایک

اوزار اور ہتھیار چاہتا ہے۔ خواہ وہ اس مضمون کی کتابیں ہوں یا تجربی سامان اور آلات اس کے بعد وہ آپ کا دخل (اور آپ کا دخل یقیناً اس کے بعد دخل در معقولات ہوگا)۔ نہیں چاہتا۔ اس میں آپ کا بھی کچھ بھلا ہے۔ آپ اسے تھوڑے وقت میں ایک نہیں کئی ایک نئی دنیاؤں کا اتا پتا بتا سکتے ہیں۔ اور آپ کا کولمبس ایک امریکہ نہیں کئی ایک امریکاؤں کے معلوم کرنے کا فخر حاصل کر سکتا ہے۔

"اصطلاحی غور و فکر"

مدیر "آموزش" (شعبہ اصطلاحات) بامر خاص لاہور سے باہر تشریف لے گئے ہیں اور اُن کا مضمون تاحال موصول نہیں ہوا اسی باعث قارئین "آموزش" اس شمارہ میں اصطلاحات سے محروم رہیں گے۔ اس غیر اتفاقی صورتِ حال کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ آئندہ شمارہ میں یہ خسارہ پورا کر دیا جائے گا۔

(مدیر)

سرکاری جریدہ کے اعلانات

سررشتۂ تعلیم، مغربی پنجاب

صیغۂ رجال ——— شعبۂ کالج

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۳ جولائی ۱۹۴۸ء E—۱۲۶۰۲	م۔ محمد اشرف صدیقی ایم۔ ایس سی (فزکس)	قائم مقام فزکس لیکچرار گورنمنٹ کالج۔ لاہور	قائم مقام فزکس لیکچرار ایمرسن کالج ملتان۔ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ آسامی کی جگہ
۴ اگست ۱۹۴۸ء E—۱۵۳۰۳	محمد حسین بٹ ایم۔ اے بی۔ ای۔ ایس۔	لیکچرار گورنمنٹ کالج لائل پور	لیکچرار سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور	تعطیلات موسم گرما کے بعد	محمد اسلم کی جگہ جو اپنی ملازمت سے مستعفی ہو گئے ہیں۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۰ اگست ۱۹۴۸ء E—۱۵۰۷۶	ڈاکٹر [illegible] محمد ایم۔ ایس سی، بی۔ ٹی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی	قائم مقام لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج۔ لاہور	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم (مشاہرہ ۲۵۰-۲۵-۵۵۰-۲۵-۷۵۰) قائم مقام	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم مشاہرہ ۲۵۰-۲۵-۵۵۰/۲۵-۷۵۰ مستقل	لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	۱۵ اگست ۱۹۴۸ء سے	ایک موجودہ آسامی کی جگہ
〃	م۔ ضیا محمد ایم۔ اے بی۔ ٹی	قائم مقام لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لائل پور	〃	〃	لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج۔ لائل پور	〃	〃
〃	شیخ غلام محی الدین ایم۔ اے	〃	〃	〃	〃	〃	〃
〃	مرزا امام علی بیگ ایم۔ اے بی۔ ٹی۔	قائم مقام لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبلپور	〃	〃	لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور	〃	〃
〃	م۔ حمید المنصور ایم۔ اے بی۔ ٹی۔	قائم مقام لیکچرار اعلیٰ ایمرسن کالج۔ ملتان	〃	〃	لیکچرار اعلیٰ ایمرسن کالج۔ ملتان	〃	〃
〃	م۔ تاج محمد خیال ایم۔ اے	قائم مقام لیکچرار اعلیٰ ایمرسن کالج ملتان جو زمیندارہ کالج گجرات جا رہے ہیں [illegible] میں شریک ہیں۔	〃	〃	لیکچرار اعلیٰ ایمرسن کالج ملتان جو زمیندارہ کالج گجرات جا رہے ہیں [illegible] میں شریک ہیں	〃	ایک موجودہ آسامی کی جگہ تعلیم [illegible] ان کا حق منصب بمطابق گورنمنٹ سروس رولز پنجاب [illegible] گیا ہے۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہُوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہُوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۷ اگست ۱۹۵۲ء ۱۵،۷۷۶ ح	صوفی غلام مصطفےٰ تبسم ایم-اے-بی-ٹی	قائم مقام لکچرار اعلےٰ گورنمنٹ کالج-لاہور	پی-ای-ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم (مشاہرہ ۲۵۰-۲۵-۵۵۰-۲۵-۷۵۰) قائم مقام	پی-ای-ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم (مشاہرہ ۲۵۰-۲۵-۵۵۰/۲۵-۷۵۰) مستقل	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج-لاہور	۱۵ اگست ۱۹۵۲ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
"	م-شبیر احمد قاری ایم-ایس-سی، بی-ٹی-	"	"	"	"	"	"
"	م-محمد اکبر منیر ایم-اے	قائم مقام لکچرار اعلےٰ ایمرسن کالج-ملتان	"	"	لکچرار اعلےٰ ایمرسن کالج-ملتان	"	"
"	م-منصور العزیز منہاس ایم-اے	قائم مقام لکچرار اعلےٰ گورنمنٹ کالج کیمبلپور	"	"	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج-کیمبل پور	"	"
"	م-محمد حسین-بٹ ایم-اے	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لائل پور جن کے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کی طرف تبادلہ کے احکام صادر ہو چکے ہیں	"	"	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لائل پور جن کے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کی طرف تبادلہ کے احکام صادر ہو چکے ہیں	"	"
"	م-فضل احمد اعوان ایم-اے	قائم مقام لکچرار اعلےٰ گورنمنٹ کالج لاہور-	"	"	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج-لاہور	"	"
"	م-سلطان بخش ایم-اے	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج جھنگ	"	"	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج-جھنگ	"	"
"	م-عبدالرشید ایم-ایس-سی	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج-لاہور	"	"	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	"	"
"	م-نصیر الدین ایم-اے	قائم مقام لکچرار اعلیٰ مونٹ مورنسی کالج سرگودھا	"	"	لکچرار اعلیٰ مونٹ مورنسی کالج سرگودھا	"	"
"	خواجہ احمد دین ایم-اے بی-ٹی	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج منٹگمری	"	"	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج منٹگمری	"	"

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۷ اگست ۱۹۴۸ء ۱۵۷۶۹-Z	م۔ اشتفاق علی خان ایم اے	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج۔ لاہور	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم (مشاہرہ ۲۵۰-۲۵-۵۵۰-۷۵۰) قائم مقام	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم (مشاہرہ ۲۵۰-۲۵-۵۵۰-۷۵۰) مستقل	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ آسامی کی جگہ
〃	ایچ۔ اے۔ صوفی۔ بی۔ ایس سی۔ ٹی۔ پی ای	سپروائزر تربیت جسمانی گورنمنٹ کالج کیمبل پور (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	〃	〃	سپروائزر تربیت جسمانی گورنمنٹ کالج کیمبل پور (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	〃	ایک موجودہ آسامی کی جگہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے محکمہ تعلیم مغربی پنجاب میں ان کا حق منصب بمطابق قاعدہ ۳-۱۴ گورنمنٹ سروس رولز پنجاب جلد اول حصہ اول ختم کر دیا گیا ہے
〃	ڈاکٹر پیر محمد حسن ایم اے پی۔ ایچ۔ ڈی	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لائل پور	〃	〃	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج۔ لائل پور	〃	ایک موجودہ آسامی کی جگہ
〃	م۔ کرم شاہ ایم۔ اے	قائم مقام لکچرار اعلیٰ ایمرسن کالج۔ ملتان	〃	〃	لکچرار اعلیٰ ایمرسن کالج۔ ملتان	〃	〃
〃	م۔ عبد الحمید	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج۔ لاہور	〃	〃	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	〃	〃
〃	فلائنگ آفیسر کے۔ ایم ڈی احمد ایم اے، بی۔ ٹی	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج۔ لاہور	〃	〃	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج۔ لاہور	〃	〃
〃	م۔ فضل احمد ایم۔ اے	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور	〃	〃	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور	〃	〃
〃	مرزا نثار علی بیگ ایم۔ ایس۔ سی	قائم مقام لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	〃	〃	لکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج کیمبل پور (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	〃	ایک موجودہ آسامی کی جگہ محکمہ تعلیم مغربی پنجاب میں ان کا حق منصب [illegible]

صیغہ تعلیم ۔۔۔ شعبہ سکول

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہُوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۸ اگست [illegible] ا-۱۵۷۸۸	م۔ امام الدین ایم۔ اے بی۔ ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول عیسےٰ خیل	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم (مشاہرہ ۲۵۰-۲۵-۵۵۰/۲۵-۷۵۰) قائم مقام	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم (مشاہرہ ۲۵۰-۲۵-۵۵۰/۲۵-۷۵۰) مستقل	۱۵ اگست [illegible] سے	ایک موجودہ آسامی کی جگہ
"	میر عبدالرشید ایم۔ اے	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول جہلم	"	"	"	"
"	صوفی محبوب الٰہی ایم۔ اے	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ	"	"	"	"
"	م۔ محمد اکرام بی۔ اے بی۔ ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول قصور (جو یکم فروری ۱۹۵۰ء کو اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔)	"	"	"	"
"	م۔ خورشید احمد خاں ایم۔ اے بی۔ ٹی۔	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول سینالہ خورد	"	"	"	"
"	م۔ خورشید حسن بی۔ اے بی۔ ٹی	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول پاک پٹن	"	"	"	"
"	م۔ سلطان محمود	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول نوشہرہ	"	"	"	"
"	کیپٹن سکندر خاں بی۔ اے بی۔ ٹی	صدر معلم نارمل سکول لالہ موسیٰ (جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	"	"	"	ایک موجودہ آسامی کی جگہ محکمہ تعلیم مغربی پنجاب میں ان کا حق منصب ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے مطابق قاعدہ ۱۴-۳ گورنمنٹ سروس رولز پنجاب جلد اول حصہ اول ختم کر دیا گیا ہے

صیغہ رجال ——— شعبہ سکول

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۳ اگست ۱۹۴۸ء E.-۱۵۲۰۹	م۔ محمد انور جنجوعہ بی۔اے بی۔ٹی (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول چکوال ضلع جہلم	قائم مقام گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ فضل حق حیدری کی جگہ جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور جن کا حق منصب گورنمنٹ ہائی سکول چکوال کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔
۴ اگست ۱۹۴۸ء E.-۱۵۲۹۸	مفتی عبدالرشید بی۔اے پی۔ای۔ایس	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول جڑانوالہ	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب	تاریخ حاضری سے	چودھری سلطان علی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	چودھری سلطان علی بی۔اے بی۔ٹی (مشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول جڑانوالہ	"	مفتی عبدالرشید کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۳ اگست ۱۹۴۸ء E.-۱۵۵۹۳	م۔ سعدی خاں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰)	قائم مقام معلم تربیت جسمانی گورنمنٹ ہائی سکول منٹگمری	قائم مقام معلم تربیت جسمانی گورنمنٹ ہائی سکول مٹھہ ٹوانہ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ محمد علی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	م۔ محمد علی (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰)	قائم مقام معلم تربیت جسمانی گورنمنٹ ہائی سکول مٹھہ ٹوانہ	قائم مقام معلم تربیت جسمانی گورنمنٹ ہائی سکول منٹگمری (بمشاہرہ سابقہ)	"	م۔ سعدی خاں کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۶ اگست ۱۹۴۸ء E.-۱۵۷۴۱	م۔ عبدالواحد (مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول کوٹ ادو	معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول کبیر والا / کہروڑ پکا (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	م۔ نیاز احمد کی جگہ جو مستعفی ہو گئے ہیں۔
"	م۔ محمد سلیمان (مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	قائم مقام معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول علی پور	قائم مقام معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول کوٹ ادو (بمشاہرہ سابقہ)	"	م۔ عبدالواحد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۱۷ اگست ۱۹۴۸ء E.-۱۵۸۱۷	م۔ محمد عبداللہ مقرب بی۔اے (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول پاک پٹن	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول مظفر گڑھ (بمشاہرہ سابقہ)	تعطیلات گرما کے بعد تاریخ حاضری سے	مسٹر ایم ایم ولیمز کی جگہ جنہوں نے مشرقی پنجاب سے واپس آنے سے انکار کر دیا ہے۔
۱۸ اگست ۱۹۴۸ء E.-۱۵۹۰۴	م۔ خدا بخش بی۔اے بی۔ٹی (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی سنٹرل ماڈل سکول لاہور (م۔ بشیر احمد خاں کے حق منصب پر کام کر رہے ہیں)	قائم مقام معلم انگریزی سنٹرل ماڈل سکول لاہور بمشاہرہ سابقہ بوجہ ترقی درجہ سوم (مشاہرہ ۹۰-۱۵۰)	۱۰ ستمبر ۱۹۴۸ء قبل دوپہر سے	م۔ بشیر احمد خاں کی جگہ جن کا حق منصب سنٹرل ماڈل سکول لاہور سے گورنمنٹ ہائی سکول ... کی طرف ایک موجودہ آسامی کیلئے منتقل کر دیا گیا ہے۔
۵ اگست ۱۹۴۸ء E.-۱۵۳۳۵	قریشی محمد صادق بی۔اے پی۔ای۔ایس	مہتمم مدارس ضلع سرگودھا کی ۱۰ اگست ۱۹۴۸ء سے ۲۵ ستمبر ۱۹۴۸ء تک ایک ماہ ۱۶ دن کی رخصت منظور کی جاتی ہے۔			

صیغہ نسواں

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۴ جولائی ۴۷ء ۷۷-۱۲۵۰۳	ممتاز فاطمہ شاہ ایس ٹی (نمبر ۲۳ مشاہرہ ۵۰-۱۰۰)	معلمہ اُردو گورنمنٹ گرلز نارمل سکول شرقپور	معلمہ اُردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	شریمتی لاجونتی کی جگہ جو مشرقی پنجاب چلی گئی ہیں۔
۲۴ جولائی ۴۷ء ۷۷-۱۲۷۶۵	بی منظور بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (مشاہرہ ۱۵۰-۲۲۰)	قائم مقام نائب مہتمم مدارس ضلع گوجرانوالہ	قائم مقام مہتمم مدارس ضلع گوجرانوالہ درجہ تحتانی اول صیغہ نسواں مشاہرہ ۲۳۰-۱۰-۲۷۰-۱۰/۳۰۰	۱۰ جولائی ۴۷ء سے یا جس تاریخ کو مہتمم مدارس ضلع کا چارج لیں	آنسہ کمال الدین کی جگہ جو رخصت پر ہیں۔
۲۲ اگست ۴۷ء ۷۷-۱۵۵۷۱	بیگم زین العابدین ایس۔ وی	قائم مقام معلمہ اُردو لیڈی میکلیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور	معلمہ اردو لیڈی میکلیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰-۴/۱۰۰) میں ایک سال کیلئے آزمائشی طور پر۔	۲۲ ستمبر ۴۷ء سے	ایک خالی آسامی کی جگہ جس کیلئے وہ اس وقت بحیثیت قائم مقام کام کر رہی ہیں۔
"	فتح بیگم۔ ایس۔ وی	قائم مقام معلمہ اُردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول قصور	معلمہ اُردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول قصور۔ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰-۴/۱۰۰) میں ایک سال کیلئے آزمائشی طور پر۔	۲۲ ستمبر ۴۷ء سے	"
"	خیر النسا ایس۔ وی	قائم مقام معلمہ اُردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چوبرجی گارڈنز لاہور	معلمہ اُردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چوبرجی گارڈنز لاہور درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰-۴/۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۲۹ ستمبر ۴۷ء سے	"
"	امیر جان۔ ایس وی	قائم مقام معلمہ اُردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ملتان	معلمہ اُردو۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ملتان۔ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰-۴/۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۷ اکتوبر ۴۷ء سے	"
"	کنیز فاطمہ ایس۔ وی	"	"	۱۴ اکتوبر ۴۷ء سے	"

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۸ اگست ۱۹۴۸ء ۷۰-۱۵۵۷۱	اللہ رکھی ایس وی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گجرات۔	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گجرات۔ درجہ تحتانی صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۱۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے	ایک خالی آسامی کی بجائے جس کے لئے وہ اس وقت بحیثیت قائم مقام کام کر رہی ہیں۔
"	زینت آرا ایس وی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چوبرجی گارڈنز لاہور	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چوبرجی گارڈنز۔ لاہور درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں۔ (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۲۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے	"
"	امۃ الحبیب ایس وی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	"	"
"	عظمت بیگم ایس وی	قائم مقام معلمہ اردو لیڈی میکیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور	معلمہ اردو لیڈی میکیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور۔ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۲۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے	"
"	صغرا بیگم ایس وی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سیالکوٹ	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سیالکوٹ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۴ نومبر ۱۹۴۷ء سے	"
"	عزیز فاطمہ ایس وی	قائم مقام معلمہ اردو کنورڈ میر گرلز ہائی سکول۔ لاہور	معلمہ اردو کنورڈ میر گرلز ہائی سکول لاہور درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۱۷ نومبر ۱۹۴۷ء سے	"

تاریخ اطلاع و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۷ اگست ۱۹۴۸ء ۱۵۵۰۱—۱۱۳	سروری بیگم۔ ایس وی	قائم مقام معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول۔ پاکپٹن۔	معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پاکپٹن درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء سے	ایک خالی آسامی کی جگہ جس کے لئے وہ اس وقت بحیثیت قائم مقام کام کر رہی ہیں۔
〃	رابعہ۔ ایس۔ وی	قائم مقام معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول جلالپور جٹاں	معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول جلالپور جٹاں درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۱۱ جنوری ۱۹۴۸ء سے	〃
〃	رحمت بی بی۔ ایس وی	قائم مقام معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز نارمل سکول شرقپور	معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز نارمل سکول شرقپور۔ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۹ فروری ۱۹۴۸ء سے	〃
〃	رشیدہ بیگم ایس۔ وی	قائم مقام معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پنڈی بھٹیاں	معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پنڈی بھٹیاں درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۵ مارچ ۱۹۴۸ء سے	〃
〃	خورشید بیگم ایس وی	قائم مقام معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سیالکوٹ	معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سیالکوٹ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۹ مارچ ۱۹۴۸ء سے	〃
〃	منظی بیگم ایس۔ وی	قائم مقام معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول۔ لائل پور	معلّمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائلپور درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء سے	〃

ان	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
شہ ۱۱	زینب بی بی ایس ٹی سی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول۔ خانیوال	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) پہ ایک سال کی آزمائش پر	۱۹ر مارچ ۴۸ء سے	ایک خالی آسامی کی جگہ جس کے لئے وہ اس وقت بحیثیت قائم مقام کام کر رہی ہیں۔
	آمنہ بیگم۔ ایس۔ وی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈسکہ	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈسکہ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۱۸ر مارچ ۴۸ء سے	"
	اللہ رکھی۔ ایس وی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول منڈی بہاؤالدین	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول منڈی بہاؤالدین درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۲ر اپریل ۴۸ء سے	"
	بیگم کرم الٰہی ایس وی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل سکول مظفرگڑھ	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی و نارمل سکول مظفرگڑھ درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۲۰ر اپریل ۴۸ء سے	"
	سرور جہاں بیگم ایس۔ وی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پیچیہ وطنی	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول چیچہ وطنی درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۷ر جون ۴۸ء سے	"
	نہمیدہ بانو۔ ایس سی وی	قائم مقام معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال۔	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال درجہ تحتانی سوم صیغہ نسواں (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	"	"

۱۹؍ اگست ۱۹۴۸ء ۷۰-۱۵۵۸۹	مالشیر محمد جے۔ اے۔ وی نمبر ۲۳ مشاہرہ ۰-۰-۱۵۰	نائب مہتمم گورنمنٹ گرلز نارمل ہائی سکول جہلم کا استعفیٰ ۷؍ مئی ۱۹۴۸ء سے منظور کر لیا گیا ہے۔

صیغہ ——— دفاتر

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۳۰؍ جولائی ۱۹۴۸ء ۷۰-۱۵۰۰۶	م۔ خورشید احمد	ایک اُمیدوار جو بحیثیت قائم مقام محرر دفتر مہتمم مدارس ملتان ڈویژن کام کر رہے ہیں	قائم مقام ادنٰے محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ (مشاہرہ ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰) میں بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار۔	تاریخ حاضری سے	م۔ سعید اللہ خاں کی جگہ جو دوسٹرکٹ بورڈ میں ملازم ہو گئے ہیں۔
"	م۔ مشتاق احمد	قائم مقام محرر گورنمنٹ ہائی سکول منٹگمری	قائم مقام ادنٰے محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ (بمشاہرہ سابقہ)	"	م۔ غلام حسین کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	م۔ غلام حسین	قائم مقام ادنٰے محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع مظفر گڑھ	محرر گورنمنٹ ہائی سکول مظفر گڑھ (آزمائشی) ایک تعلیم یافتہ مہاجر اُمیدوار کی زیر تجویز آسامی کی جگہ۔	"	م۔ فضل احمد کی جگہ جو معطل کئے گئے ہیں۔ ان کا حق منصب گورنمنٹ ہائی سکول منٹگمری کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔

حساب کی دوسری منزل۔ مصنفہ سید غلام مصطفےٰ و سردار گوپال سنگھ گیانی ۰-۱۲-۲

۰-۱۵-۹	″ ″ تیسری ″	۰-۱۴-۹	حساب کی چوتھی منزل
۰-۱۴-۹	″ ″ پانچویں ″	۰-۱۵-۹	″ ″ چھٹی ″
۱-۲-۸	″ ″ ساتویں ″	۱-۲-۳	″ ″ آٹھویں ″

اُردو گرامر جدید باتصویر مصنفہ عبداللہ قریشی بی اے (آنرز) منظور کردہ سررشتہ ہائے تعلیم پنجاب مدراس، دہلی و برٹش بلوچستان بطور ٹیکسٹ بکس۔

اُردو گرامر جدید (باتصویر) حصہ اوّل ۱-۷-۰	اردو گرامر جدید (باتصویر) حصہ دوم ۲-۱۴-۰

اُردو گرامر جدید (باتصویر) حصہ سوم ۶-۱۴-۰

آسان قواعد باتصویر، صوبہ بمبئی، دہلی، مدراس، بلوچستان اور سندھ میں منظور شدہ

آسان قواعد باتصویر حصہ اوّل ۶-۶-۰	آسان قواعد باتصویر حصہ دوم ۰-۷-۶

آسان قواعد باتصویر حصہ سوم ۶-۸-۰

آسان قواعد مع کمپوزیشن (باتصویر) صوبہ بمبئی، دہلی، مدراس، بلوچستان اور سندھ میں منظور شدہ۔

آسان قواعد مع کمپوزیشن (باتصویر) حصہ اوّل ۰-۸-۰

″ ″ ″ ″ ″ دوم ۰-۱۳-۰

″ ″ ″ ″ ″ سوم ۰-۱۳-۰

شمع اُردو باتصویر صوبہ بمبئی میں بطور ٹیکسٹ بکس مڈل کے لئے منظور شدہ۔

شمع اُردو باتصویر حصہ اوّل ۰-۱-۱	شمع اردو باتصویر حصہ دوم ۰-۲-۱

شمع اُردو باتصویر حصہ سوم ۰-۳-۱

آسان حساب۔ صوبہ بمبئی کے سلیبس کے مطابق ہے۔ اور وہاں بطور ٹیکسٹ بکس پرائمری کے لئے منظور شدہ ہے۔

	آسان حساب دوسرا حصہ ۰-۸-۰
آسان حساب تیسرا حصہ ۰-۹-۰	آسان حساب چوتھا حصہ ۰-۱۰-۰

مفید تاریخ ہند۔ باتصویر۔ مصنفہ عبدالحمید بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ صوبہ بمبئی اور صوبہ سرحد میں بطور ٹیکسٹ بکس منظور شدہ ہے۔ اور ریاست کپورتھلہ میں سول ٹیکسٹ بک رائج ہے

مفید تاریخ ہند باتصویر حصہ اول ۰۔۷۔۱ | مفید تاریخ ہند باتصویر حصہ دوم ۰۔۷۔۱

مفید اردو کمپوزیشن مع گرامر مصنفہ چودھری محمد شفیع۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ سولھواں ایڈیشن مجلد اپنی قسم کی لاجواب کتاب ہے۔ صوبہ بمبئی، سندھ، دہلی میں بطور ٹیکسٹ بکس منظور شدہ ہے ۰۔۸۔۲

رموز ترجمہ فارسی۔ ہائی کلاسز کے لئے اردو سے فارسی ترجمہ کی بہترین کتاب تیسرا ایڈیشن ۰۔۸۔۱

مفید میٹرکولیشن۔ پرشین گرامر۔ مصنفہ قاضی غلام الدین قادری ایم۔ اے (علیگ) پروفیسر پرنس آف ویلز کالج جموں۔ تیسرا ایڈیشن۔ مجلّد ۰۔۱۲۔۱

آسان اردو قاعدہ (صوبہ دہلی میں بطور ٹیکسٹ بک منظور شدہ)

آسان اردو قاعدہ (رنگین) حصہ اول ۹۔۲۔۰ آسان اردو قاعدہ (باتصویر) حصہ دوم ۹۔۳۔۰

علمی اردو ریڈرز۔ صوبہ دہلی، مدراس، سندھ اور بمبئی میں بطور ٹیکسٹ بکس منظور شدہ ہیں۔

علمی اردو ریڈر (باتصویر) حصہ اول ۰۔۱۰۔۰ | علمی اردو ریڈرز (باتصویر) حصہ دوم ۶۔۱۲۔۰

〃 〃 〃 سوم ۶۔۱۲۔۰ | 〃 〃 〃 چہارم ۰۔۱۳۔۰

آسان پرائمر (ڈائرکٹ میتھڈ) .. .. .. ۰۔۳۔۰

اردو قاعدہ۔ مصنفہ حامد الدین احمد صاحب ٹی۔ ڈی انسپکٹر آف سکولز عثمان آباد ۰۔۳۔۰

علمی اردو قاعدہ باتصویر حصہ اول .. .. .. ۰۔۱۔۰

〃 〃 〃 دوم .. .. ۰۔۲۔۰

سلسلہ علمیہ فارسی منظور شدہ بطور ٹیکسٹ بک از دہلی ٹیکسٹ بکس کمیٹی

سلسلہ علمیہ فارسی کی پہلی کتاب ۹۔۳۔۰ | سلسلہ علمیہ فارسی کی دوسری کتاب ۳۔۵۔۰

سلسلہ علمیہ فارسی کی تیسری کتاب ۳۔۵۔۰

جدید قواعد فارسی یا ماڈرن پرشین گرامر منظور کردہ ٹیکسٹ بک کمیٹی مدراس، دہلی و صوبہ سرحد ۰۔۱۔۰

ملنے کا پتہ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار۔ لاہور

قوانین عربی یعنی مکمل دروس صرف و نحو منظور کردہ ٹیکسٹ بک کمیٹی دہلی، بہاولپور،

صوبہ سرحد ۰ــ۱۲ــ۰

زبانی حساب حصہ اول۔ منظور کردہ ٹیکسٹ بک کمیٹی دہلی ۰ــ۴ــ۰

زبانی حساب حصہ دوم ۰ــ۵ــ۰ | زبانی حساب حصہ سوم ۰ــ۸ــ۰

تاریخ ہند جدید (باتصویر) مصنفہ شیخ صادق حسین فاروقی و پنڈت ودھاوارام بی۔ اے منظور کردہ ٹیکسٹ بک کمیٹی دہلی، بہاولپور۔ لبطور ٹیکسٹ بکس۔

تاریخ ہند جدید۔ باتصویر مجلد حصہ اول ۰ــ۷ــ۱

" " " " دوم ۰ــ۷ــ۱

ہندوستان کی تاریخی کہانیاں (باتصویر) منظور شدہ برائے صوبہ سرحد ۶ــ۴ــ۱

ہندوستان کی تاریخی کہانیاں۔ الموسوم بہادران وطن (باتصویر) منظور کردہ ٹیکسٹ بک کمیٹی بمبئی و دہلی ۰ــ۸ــ۱

مدارس کا دستور العمل مرتبہ شیخ نصیح الدین صاحب پرسنل اسسٹنٹ جناب ڈائرکٹر صاحب تعلیم صوبہ سرحد

" " " " " " " " " " اردو ۰ــ۰ــ۱

" " " " " " " " " انگریزی ۰ــ۴ــ۱

جغرافیہ ضلع لاہور باتصویر مصنفہ احمد حسین ترمذی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ ۰ــ۶ــ۰

پنجاب کا نیا جغرافیہ باتصویر مصنفہ مولوی لال دین عابد ایم۔ اے منظور کردہ سررشتہ ہائے تعلیم پنجاب۔ لبطور ٹیکسٹ بک۔ ۴ــ۱۴ــ۰

جغرافیہ جدید مصنفہ لال دین عابد ایم۔ اے۔ ہائی ورنیکلر اور ایس وی کے طلباء کے لئے نایاب تحفہ۔ ۱۸۔ ایڈیشن ۰ــ۱ــ۰

جیوجیاگرافیکل ریڈر (باتصویر) یعنی ابتدائی جغرافیہ کی کتاب منظور شدہ سررشتہ ہائے تعلیم پنجاب ۰ــ۶ــ۰

ایلیمنٹری ڈرائینگ بک یعنی ڈرائینگ کی ابتدائی کاپی ۰ــ۵ــ۰

ملنے کا پتہ:۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار۔ لاہور

ڈومیسٹک ارتھمیٹک اینڈ ہاؤس ہولڈ اکاؤنٹ۔ برائے ہائی کلاسز	۲—۸—۰
پاکستان ہسٹری آف انگلینڈ (انگریزی) مصنفہ ڈاکٹر خواجہ عبدالحی پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور	۶—۰—۰
انگلش کنورسیشن فار انڈین سٹوڈنٹس مصنفہ کے۔ایل رلیارام ایم۔اے ہیڈ ماسٹر۔ انگریزی سیکھنے کے عام خواہشمند حضرات اور طلباء میٹرکولیشن کے لئے انگریزی بول چال کی اپنی قسم کی واحد کتاب مجلّد	۲—۰—۰
پارٹنرز اینڈ ٹیلرز مصنفہ بشیر ہاشمی ہائی کلاسز کیلئے یونیورسٹی کی منظور شدہ کہانیوں کی کتاب	۱—۲—۰
ونس اپون اے ٹائم مصنفہ ڈاکٹر ایم۔ ڈی تاثیر ایم۔اے پی ایچ۔ڈی لائبریری کیلئے بہترین کتاب	۱—۰—۰
بوائز اینڈ گرلز	۱—۲—۰
نظام مدرسہ۔ مصنفہ ایس ایم شاہ ولی میمنی۔ ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز لاہور	۱—۰—۰
موازنہ صلیب و ہلال مصنفہ نکہت شاہجہان پوری بی۔اے (آنرز) منظور کردہ ٹکسٹ بک کمیٹی بمبئی مجلد	۲—۸—۰
سلسلہ عباسیہ ہمارا نصاب منظور شدہ سول ٹکسٹ بکس ریاست بہاولپور حصہ اوّل	۱—۰—۱
سلسلہ عباسیہ ہمارا نصاب حصہ دوم ۱—۰—۸ | سلسلہ عباسیہ ہمارا نصاب حصہ سوم	۱—۱—۴
محاورات نسواں۔ مصنفہ وزیر بیگم ضیا ادیب فاضل منظور شدہ محکمہ تعلیم پنجاب بطور لائبریری بک۔ دوسرا ایڈیشن	۰—۱۲—۰
زندگی برائے بالغاں مصنفہ ایس۔ایم ارشاد بی۔اے	۰—۴—۶
تندرستی برائے بالغاں " " " "	۰—۳—۰

کتب تعلیمی

ہماری خوشخطی کاپی	حصہ اول	۰—۳—۰	ہماری خوشخطی کاپی	حصہ دوم	۰—۳—۰
" "	" سوم	۰—۳—۰	" "	" چہارم	۰—۳—۰
اردو کاپی سلپ	" اوّل	۰—۳—۰	اردو کاپی سلپ	" دوم	۰—۳—۰
" "	" سوم	۰—۲—۰	" "	" چہارم	۰—۲—۰

ملنے کا پتہ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار۔ لاہور

ماڈرن اُردو ڈکشنری

مُرتّبہ

صاحبزادہ ابونعیم عبدالحکیم خاں نشتر جالندھری

موجودہ دور کی بہترین اُردو لغت۔ جس میں ہر حرف کے ذیل میں تمام ضروری الفاظ درج کرنے کے بعد علیحدہ طور پر ضرب الامثال اور قانونی اصطلاحات بھی دی گئی ہیں اور مروّجہ محاورات و روزمرّہ کی سادہ زبان میں تشریح اور محلِ استعمال کا طریقہ سمجھایا گیا ہے۔ ہر لفظ کے ساتھ ماخذ بھی دیا گیا ہے۔

اس کتاب کی افادی حیثیت اس امر سے واضح ہے کہ چند ماہ میں دوسرا ایڈیشن پیش کیا گیا ہے اور ساتھ ہی مرتّب موصوف کی ادبی و علمی قابلیت لغت کی معنوی خوبیوں کو اجاگر کرتی ہے۔

عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے بالعموم اور غریب طلبہ کے لئے بالخصوص یہ لغت نعمت غیر مترقبہ ہے۔

سفید کاغذ، بہترین چھپائی، مضبوط جلد۔

صفحات ۵۵۲۔ قیمت صرف تین روپے آٹھ آنے۔

کتاب منزل

کشمیری بازار لاہور

قرآنی اخلاق

مرتبہ عبدالصمد صارم مجلد عہر

بلاجلد ۱۲ر

حسینؓ ابن علیؓ

مصنفہ نکہت شاہجہانپوری ۲ع

دھڑکتے دل

اختر شیرانی (ادبی مضامین) ۱۲ر

دِل

رئیس احمد جعفری (ناول) ۱۲ر

ادبستان

مولانا خلیقی دہلوی

(ادبی مضامین) ۱۲ر

معاشیاتِ قومی

ڈاکٹر ذاکر حسین جامعہ ملیہ دہلی ۸ر

ہمارا قائد

زیڈ اے سلہری (سوانح) ۱۲ر

مجموعہ کلام اختر شیرانی

پانچ جلدوں میں کامل سیٹ ۱۶ر

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

اختر شیرانی (ڈرامے) ۱۲ر

فہرست مفت طلب فرمائیے



تعلیمی ماہنامہ

آموزش

لاہور

مدیر:-

بشیر ہاشمی

مدیر "آموزش" کی تسلیم کے ساتھ

ناشر
کتاب منزل لاہور!

اکتوبر ۱۹۴۸ء
جلد ۱
شمارہ ۶

قیمت فی پرچہ
دس آنے

سالانہ چندہ
پاکستان کیلئے: ۶ روپے
غیر ممالک کیلئے: ۸ روپے

اگرچہ پیرِ حرم وردِ لا الہٰ دارد
کجا نگاہ کہ بُرّندہ تر ز پولاد است

اس صدی کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے معمارِ اعلیٰ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی وفات پر وہ دَور ختم ہوا جس کا نشان ہمیشہ کے لئے تاریخ عالم پر ثبت رہیگا۔

یہ نحیف و نازک انسان اپنی بلند حوصلگی کی بدولت غیر منقسم ہندوستان کی سیاسیات پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ پہلی جنگِ عظیم کے مابعد کا زمانہ جائز طور پر جناحی دور کہلا سکتا ہے۔ آپ کے سخت ترین مخالفوں کو بھی آج اس بات کا قطعی اقرار ہے کہ آپ کی ذات گرامی نہ ہوتی تو اس برّ اعظم کی تاریخ اساسی طور پر مختلف ہو جاتی۔

یہ اٹل ارادے والا انسان اپنے نصب العین کے پیش نظر حوادثِ روزگار کے مواج سمندر میں چٹان کی طرح استقلال کے ساتھ کھڑا رہا۔ کبھی کبھی اس سمندر کی ابھرتی ہوئی کف بدہن موجوں نے چند سبک سیر لمحوں کے لئے پاکستانی کشتی کے اس ناخدا کو دنیا کی نظروں سے اوجھل بھی کر دیا لیکن ان کی آلودگی اس کے دامن کو چھو نہ سکی اور وہ ہمیشہ سابق سے زیادہ عزم و ہمت کے ساتھ برآمد ہوتا رہا۔ اور اپنی افتادہ قوم کے مستقبل کی نسبت اس کا حسن اعتقاد ہمیشہ بڑھتا ہی رہا۔ اس کی سحر کاری نے "مسلم ہندی شکم را بندہ" کو ایک جری مجاہد میں تبدیل کر دیا۔

موت نے قائد اعظم جناح کی شخصیت کو عظیم تر بنا دیا ہے۔ آج اس کی آواز عالم بالا میں گونج رہی ہے اور ملت اسلام اس کے اتباع کے لئے پہلے سے زیادہ مستعد اور کمربستہ ہے۔ آج ہم اپنی قومی زندگی کو اس آئین پر طرح دینے میں مصروفِ کار ہیں جو ہمارے قائد اعظم کا تجویز کردہ تھا۔ ہمارے عوام سرمایہ پرست دشمن کی ناپاک سازشوں کے تدارک کے لئے صف آرا ہو رہے ہیں۔ سب سے بیش بہا خراج عقیدت جو ہماری قوم اپنے محبوب قائد کی خدمت میں پیش کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے شدت جذبات

سے اپنے آپ کو مغلوب ہونے نہیں دیا بلکہ اپنے قائد کی طرزِ عمل پر کاربند ہوتے ہوئے پاکستان کی تنظیم کے لئے اپنی ساری قوتیں از سرِ نو وقف کر ڈالیں تاکہ یہ نوزائیدہ مملکت اخوّتِ اقوام میں پورے اقتدار کے ساتھ برقرار رہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے قائد کے بتائے ہوئے اصولِ عمل، ضبط، اتحاد اور یقین کو اپنے دلوں میں اسی طرح جگہ دے لیں جس طرح مردِ مومن کلمۂ طیبہ کو دے لیتا ہے۔

وکٹر ہیوس، ڈیلی ٹیلیگراف کے ایک مشہور نامہ نگار کا بیان ہے کہ مئی ۱۹۴۶ء میں شملہ کانفرنس کے ٹوٹنے پر قائد اعظم نے ایک ملاقات کے دوران میں اس سے فرمایا تھا "مسٹر ہوس، میں پاکستان کو جنم دے کر رہوں گا خواہ مجھے اس پر جان ہی کیوں نہ گنوانی پڑے"۔ ون نہیں جانتا کہ اس مہم کے پیشِ نظر گذشتہ دس سال کے دوران میں ہمارے ائد نے جو بے اندازہ مشقت اٹھائی وہی بالآخر ان کی وفات کا باعث بنی۔ "موت ی ایک واحد حریف ہے جس کے آگے انھوں نے سر جھکایا"۔ اس "فوق الانسان روایشیا" کے عزم کا یہ حال تھا!

وہ جس نے راہ کی دشواریوں سے کام لیا
مگر صعوبتِ منزل کی داستان نہ کہی

دنیائے اسلام نے اپنے محبوب قائد سے پہلے آج تک کسی شخص سے اتنی محبّت ہیں کی، اس کا اتنا احترام نہیں کیا، اتنا پاس نہیں رکھا اور اس کا اتنا سوگ ہیں منایا۔ ہم دست بدعا ہیں کہ خدائے رحمٰن اس کی روح کو ابدی سکون عطا رمائے جس نے احیائے اسلام اور اس کی تہذیب و ثقافت کی تجدید پر اپنی عمر یز صرف کر ڈالی۔ آمین۔

چناں بزی کہ اگر مرگ نست مرگِ دوام
خدا ز کردۂ خود شرمسار تر گردد

رموز

یہ امر مسلم ہے کہ جدّ وجہد کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی، اور حاصل کی ہوئی چیز مزید جدّ وجہد ہی سے برقرار رکھی جا سکتی ہے۔ ہم نے پاکستان حاصل کر لیا۔ شہیدوں کے خون سے اس کی قیمت ادا کی۔ لیکن پاکستان کی استقامت کے لئے اور اسے اخوت اقوام میں طاقتور اور باعزت بنانے کی خاطر ہمیں اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کرنا پڑے گا، اور اس کشمکش کو جو حصول پاکستان کے لئے شروع ہوئی تھی، ایک عرصہ تک جاری رکھنا بھی پڑے گا۔ اس مقصد کے پیش نظر ہمیں دو محاذ قائم کرنے ہیں۔ ایک طرف تو ہمیں خود اپنے نازیبا خیالات اور غیر منضبط طرز زندگی کے خلاف اعلان جہاد کرنا ہے۔ اور دوسری طرف دولت پاکستان کو دشمن کی للچائی ہوئی نظروں سے بچانا ہے۔ اس دو رویہ جہاد میں ہماری کامرانی کے لئے مدرس اور ماہر تعلیم کی باہمی مساعی بیش از بیش ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں، آج ساری دنیائے اسلام دفاعی جنگ میں مبتلا ہے۔ بیرونی حملوں کے مسلسل اندیشے کے باعث ترکی اپنی فوجی طاقت کو حتی الوسع بڑھانے اور منظم کرنے میں مصروف ہے۔ فلسطین پہلے ہی سے جنگ میں گھرا ہوا ہے، جہاں سرمایہ دار حریف عربوں سے ان کا وطن اور ان کی سیاسی آزادی چھیننے کیلئے اپنی ساری طاقت صرف کر رہا ہے۔ تمام عرب ممالک سرمایہ پرست اسرائیلیوں کے خلاف مصروف جہاد ہیں۔ مصر بھی دیگر عرب ریاستوں کے ساتھ شریک کار ہے۔ کیونکہ مصریوں کو یہ بخوبی معلوم ہے، کہ اگر ایک عرب ریاست بھی سرمایہ پرست اقوام کی متبوضاتی توسیع کا شکار بن گئی تو دوسری ریاستیں بلا استثنا کے بعد دیگرے سر ہوتی چلی جائیں گی۔ ایران اور افغانستان دیکھنے میں نسبتاً محفوظ نظر آتے ہیں،

لیکن ظاہر ہے کہ امریکہ، انگلستان اور ہندوستان کی نظریں ان ممالک پر اپنے اپنے تجارتی اور اقتصادی مفاد کے لئے جمی ہوئی ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان ممالک سے راہ و رسم بڑھا کر یہاں اپنے فوجی مرکز قائم کرلیں تاکہ اسلامی ریاستوں کے ربط و اتحاد کی بنیادیں کھوکھلی رہ جائیں۔ انڈونیشیا جہاں مسلمانوں کی چورانوے فی صدی آبادی ہے۔ آج مرگ و حیات کی کشمکش میں ڈچ قوم سے دست و گریبان ہے۔ خود اپنے ہی قرب و جوار کو لیجئے۔ جوناگڑھ کی گزشتہ قسمت سے کون واقف نہیں؟ حیدرآباد کو مٹانے کے منصوبے تکمیل پاچکے ہیں اور ہمارے صبر و تمکین کی آزمائش ہورہی ہے۔ کشمیر، جہاں مسلمانوں کی سب سے بڑی اکثریت ہے، دس مہینوں سے اپنی آزادی اور انفرادیت کے تحفظ کے لئے سارے ہندوستان کی مجموعی فوجی طاقت کا قابل تحسین مقابلہ کررہا ہے۔

جب ساری دنیائے اسلام میں جا بجا ہنگامے برپا ہیں تو کیا یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ ہم آج بقائے اسلام کی خاطر دنیا کے ہر گوشہ میں دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور یہ جنگ فی الواقعہ خدا کی راہ میں لڑی جارہی ہے؟ کیا یہ حقیقتاً جہاد کی تیاری کا ناقابل توقف موقع نہیں ہے؟ ہمارے سیاست دان اور مدبر اور فوجی افسر جانتے ہیں کہ انہیں اپنے اپنے محکموں میں کیا کچھ تیاریاں کرنی ہیں۔ لیکن مدرّس کو یہ جان لینا چاہیئے کہ حفاظت کا کوئی وسیلہ بھی خود محافظ سے زیادہ قوی نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو مضبوط اور منضبط اور جفاکش بنائیں۔ ہمارا تعلیمی نصب العین یہی ہو کہ متعلم میں یہ تین صفات پیدا ہوجائیں۔ مدرسے کے روز مرّہ دستور العمل میں کوئی ایسا کام نہ ہو جو ان مقاصد کے حصول کو مدّنظر نہ رکھتا ہو۔ ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفات آدمی کے لئے جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں مفید ثابت ہوں گی۔

اس شمارے میں رسم الخط کے معرکتہ الآرا مسئلہ پر ایک مضمون شائع کیا جارہا ہے۔

جو کسی قدر جانبدارانہ اور انتہا پسند ہونے کے باوجود واضح اور بصیرت افروز ہے۔

پاکستان میں چار قسم کے رسم الخط رائج ہیں، پاکستانیوں کی اکثریت بنگالی بولتی ہے اور بنگالی زبان کا مروجہ رسم الخط سنسکرت سے ماخوذ ہے۔ خود اہل بنگال بھی اس کے دلدادہ نہیں ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ پاکستان اس بین الاقوامی صوتی رسم الخط کو اپنا لے، جو رومن خط سے ملتا جلتا ہے۔ اور خفیف سی ترمیم کے ساتھ ترکی اور انڈونیشیا میں رائج ہے۔ بیشتر تعلیم یافتہ پاکستانی اس رسم الخط سے واقف ہیں۔ ہماری فوج نے اسی کو اپنے سپاہیوں کی تعلیم کا ذریعہ بنایا ہے۔ پاکستانی عیسائیوں کی ایک اقلیت جماعت میں بھی یہی خط رواج پا چکا ہے۔ اس رسم الخط کے اختیار کر لینے سے ہماری بیشتر مشکلیں رفع ہو جائیں گی۔ طباعت کی جدید ترقیوں کے پیش نظر ہم دوسری قوموں کے دوش بدوش چل سکیں گے۔ لیکن مسئلہ کا یہ حل سخت قسم کے جذباتی اعتراضات کا موجب ہے۔ جمہوری حکومت جمہور کے جذبات سے قطع نظر نہیں کر سکتی۔ تیسری اور چوتھی قسم کے رسم الخط نسخ اور نستعلیق ایک دوسرے سے نسبت قریبی رکھتے ہیں۔ اردو کی طباعت عموماً نستعلیق میں ہوتی ہے۔ حالانکہ نسخ میں بھی اردو کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ پشتو، سندھی اور بلوچی زبانیں نسخ میں لکھی جاتی ہیں۔ ایرانیوں نے بھی نسخ ہی کو اختیار کر لیا ہے۔ اور آج کراچی سے مراقش تک یہی رسم الخط سارے اسلامی ممالک میں رائج ہے، افغانستان اور پاکستان کے اردو علاقوں میں البتہ ابھی تک نستعلیق کا رواج ہے۔ اب سوال یہ درپیش ہے کہ آیا ہمیں نستعلیق ہی پر قائم رہنا ہے۔ یہ مسئلہ افراد کی رائے سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس موضوع پر حکومت کا فیصلہ ہی قطعی ہوگا۔ اس غرض و غایت کے مدنظر مرکزی حکومت کی طرف سے ایک کمیٹی منتخب ہو چکی ہے۔ جو رسم الخط کے اہم مسئلہ پر غور کر رہی ہے۔

انشاپردازی — ۲

ایک معلّم کے قلم سے

بیان اور منظر کشی :-

بیان | انشاپردازی کی تدریس میں ہمیں پرائمری کے طالب علموں کو یہ بتانا ہے کہ وہ جو کچھ دیکھیں یا سُنیں اس پر پوری پوری توجہ دیں۔ توجہ اور غور کا احساس پیدا کرنے کے لئے ایک کامیاب معلّم موقع اور محل کے موافق مختلف طریقے اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن بڑی مشکل تو یہ ہوتی ہے کہ بعض طالب علم پوری توجہ کے ساتھ باتوں کو سنتے ہیں۔ اور پورے غور کے ساتھ سامنے کی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں، لیکن جو کچھ انہوں نے سُنا یا دیکھا۔ اگر ان سے بیان کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ معذور ہوتے ہیں۔ جو کچھ وہ سنتے یا دیکھتے ہیں سب سمجھتے ہیں۔ لیکن کسی دوسرے کو وہ ٹھیک طور سے سمجھا نہیں سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ انہیں اپنے خیالات کو دوسروں پر بھی ظاہر کرنا پڑے گا۔ اور دوسروں کو بھی اسی طرح سے سمجھانا ہوگا۔ جس طرح کہ وہ خود سمجھتے ہیں۔ ہم بیان کو واضح، صاف اور مکمّل کرنے کی ایک مثال ذیل میں پیش کرتے ہیں :-

معلّم اپنے کوٹ کے باہر کی بائیں جانب کی جیب میں ایک پنسل رکھ دیتا ہے۔ اور طلبا سے دریافت کرتا ہے "میں نے یہ پنسل کہاں رکھی ہے"؟

ایک طالب علم جواب دیتا ہے "جیب میں"۔ پھر معلّم طلبہ سے کہتا ہے "غور کر کے جواب دو" میں نے یہ پنسل کہاں رکھی ہے۔ ایک طالب علم پھر یہ کہتا ہے۔ "آپ نے یہ پنسل جیب میں رکھی ہے" معلّم ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پنسل کو بائیں جیب سے

نکال لیتا ہے اور اسے باہر کی دائیں جیب میں رکھ دیتا ہے۔ اور پھر دریافت کرتا ہے

"اچھا بتاؤ اب میں نے یہ پنسل کہاں رکھی ہے ؟"

جواب ملتا ہے "جیب میں"

معلم پھر کہتا ہے "غور کرکے جواب دو"۔ پھر وہی جواب ملتا ہے۔

"آپ نے پنسل جیب میں رکھی ہے"

معلم جو جواب چاہتا تھا، وہ حاصل نہیں کر سکا۔ باہر کی دائیں جیب سے بھی پنسل نکال لیتا ہے اور طلبہ کے سامنے، کوٹ کے اندر کی جیب میں رکھ دیتا ہے، اور پھر طلبہ سے دریافت کرتا ہے۔

"میں نے اپنی پنسل کہاں رکھی ہے ؟"

اس پر بہت سے ہاتھ لپکتے ہوئے اٹھتے ہیں۔ اور ایک طالب علم کھڑا ہوکر کہتا ہے

"اندر کی جیب میں"

معلم اس جواب سے مطمئن ہوجاتا ہے۔ اور کہتا ہے "تم نے میرے سوال پر اچھی طرح سے غور کیا۔ اور ٹھیک ٹھیک جواب دے دیا۔ اب پھر دیکھو"

وہ اپنی پنسل کو پھر کوٹ کے باہر کی بائیں جیب میں رکھ دیتا ہے۔ اب طلبہ پھر بڑے جوش وخروش سے ہاتھ اٹھاتے ہیں معلم ایک طالب علم سے دریافت کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ آپ نے پنسل کوٹ کے باہر کی جیب میں رکھی ہے۔ معلم جواب پر ناک بھوں چڑھاتا ہے اور ان سے کہتا ہے "دیکھو بیٹا تم نے پھر میرے سوال پر غور نہیں کیا، اچھا اب غور کرکے جواب دو"۔ پھر فضا میں ہاتھ بلند ہوتے ہیں۔ معلم ایک لڑکے سے پوچھتا ہے۔ وہ بڑے جوش میں کہتا ہے

"آپ نے اپنی پنسل کوٹ کے باہر کی بائیں جیب میں رکھی ہے"

معلم اس جواب پر مطمئن ہوجاتا ہے۔ شاباش دیتا ہے اور ساری جماعت سے خطاب

کر کے کہتا ہے ۔ ایک سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دینے کے لئے ہمیں کتنی مشکلوں سے گزرنا پڑا ۔ مشکلوں کے نام سے طلبہ ہنس پڑتے ہیں معلّم پھر کہتا ہے ۔ لیکن حقیقت میں یہ مشکلیں، مشکلیں نہ تھیں۔ تم نے مجھے پنسل رکھتے ہوئے غور سے دیکھا نہیں تھا۔ اور پھر جواب دیتے ہوئے بھی غور نہیں کیا تھا۔ اگر دیکھتے اور بولتے ہوئے غور کر لیا جائے تو ہمارے بیان پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔"

اس طرح سے معلّم اپنے طلبہ کو احساس دلا دیتا ہے کہ کسی چیز کا مشاہدہ کرو تو ہر پہلو پر دھیان دو۔ اور جب اپنے مشاہدے کی کسی بات کو بیان کرو تو اس کے ہر پہلو پر نظر ڈال کر بیان کرو۔ شروع شروع میں ممکن ہے یہ چیز مشکل معلوم ہو۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ مشکل طلبہ کو دلچسپ معلوم ہونے لگتی ہے۔ اور وہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح معلّم کی ایک بہت بڑی مشکل سَر ہو جاتی ہے۔ ہر معلّم اپنی سہولت کو پیش نظر رکھ کر اس قسم کی سادہ سی مشقیں تیار کر لے سکتا ہے۔

ایک مشق ہم ذیل میں مثال کے طور پر لکھتے ہیں۔

معلّم ایک طالب علم سے کہتا ہے " اپنی پنسل اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑو۔ اب بائیں ہاتھ سے اسے اپنے کوٹ کی دائیں جیب میں رکھو۔ اب دائیں ہاتھ سے کوٹ کی اندر کی جیب میں رکھو۔ اب یہ پنسل اپنے بائیں جانب کے تیسرے لڑکے کو دے دو۔" چھوٹے بچوں کو اس قسم کی مشقیں دلچسپ اور کھیل سی معلوم ہوں گی۔ لیکن اس قسم کی مشقیں اگر بڑے لڑکوں کے لئے بھی جاری رکھی جائیں تو ان کا بیان بہت کچھ صاف اور واضح ہو جا سکتا ہے۔ وہ جب کوئی بات کہتے ہیں۔ سننے والے اس کا ٹھیک ٹھیک مفہوم پا لیتے ہیں۔ غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ریاضی دان حضرات اپنے بیان میں کبھی نہیں چوکتے۔ ریاضی کی تعلیم بھی انسان کو ٹھیک ٹھیک غور کرنا سکھا دیتی ہے۔ اس سے بھی بیان صاف اور واضح ہو جاتا ہے ممکن ہے ہمارا معلّم اس مشق کو انشا پردازی نہ سمجھے، لیکن حقیقت میں یہ انشا پردازی ہی کا ایک

ضروری جزو ہے۔

بیان کی مشق کے بعد منظر کشی ہے۔ منظر کشی سے مراد یہ ہے کہ جو چیز ہمارے مشاہدے سے گزرتی ہے۔ اس کی لفظوں کے ساتھ ہو بہو تصویر کھینچ دیں۔ دیکھنے والا لفظوں کو دیکھے اور اس کی نظروں میں بھی وہی چیز پھرنے لگے جو مشاہدہ کرنے والے کے ذہن میں تھی۔ تو گویا اگر ہم لکھ کر اظہار خیالات کریں تو ضروری ہے کہ اسلوب بیان واضح ہو۔ اس لئے لازمی ہے کہ ہم اپنے طلبہ کو وضاحت کے ساتھ منظر کشی کرنا سکھائیں۔ منظر کشی پہلے بول چال کے ذریعے سے ہونی چاہیئے۔ پھر تحریری صورت میں۔

پرائمری مدارس میں بچوں کو ہم دو باتیں سکھاتے ہیں۔ پہلے یہ کہ آنکھوں کے ذریعے کیسے استفادہ کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بولتے کیوں کر ہیں۔ جب لکھنے کا مرحلہ آئے تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے ان دو کی تربیت ٹھیک طور سے ہو چکی ہو۔ منظر کشی میں یہ دونوں باتیں آجاتی ہیں۔ منظر کشی دو طرح کی ہوتی ہے۔ چیزوں کی اور احساسات کی۔ چیزوں کی منظر کشی پہلے شروع کرانا چاہیئے۔ اور احساسات کی بعد میں۔

لفظی تصویر کشی میں وضاحت کا خاص خیال رکھنا چاہیئے اور یہ بھی کہ جو کچھ کہا یا لکھا جائے ٹھیک ٹھیک اور مکمل ہو، اتنا مکمل کہ سننے یا پڑھنے والا بھی اس چیز کو ہو بہو اسی طرح سے دیکھے جس طرح وہ خود دیکھتا ہے۔ اگر یہ صورت ہو سکے تو تصویر کشی کامیاب ہے ورنہ نہیں۔

لفظی منظر کشی کے متعلق طلبہ کو جو کچھ بتائیں مثال کے ذریعے سے بتائیں۔ زبانی کہہ دینا مفید نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مشق کی ایک یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ معلم ایک چیز کی منظر کشی خود الفاظ کے ذریعے سے کرے اور طلبہ سے دریافت کرے "یہ کونسی چیز ہے" اس کے بعد کسی دوسری چیز کی نامکمل سی منظر کشی کرے اور جب طلبہ اس چیز کا کوئی ٹھیک نام نہ بتا سکیں تو معلم ان سے سوال کرے اور سوال ہی سوال میں یہ احساس دلائے کہ منظر کشی جو کی گئی تھی، مکمل نہ تھی۔ اس میں اصل بیان کا فلاں فلاں حصہ چھوڑ دیا گیا تھا۔

منظر کشی کو مکمل کرنے کے لئے ایک اور مثال دی جاتی ہے۔

معلّم۔ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟

ایک طالب علم۔ یہ ایک کاغذ ہے۔

معلّم۔ کاغذ کس کام آتا ہے؟

دوسرا طالب علم۔ کاغذ لکھنے کے کام آتا ہے۔

معلّم۔ درست ہے۔ ہم کاغذ پر لکھتے ہیں۔ لیکن میں نے اکثر دیکھا ہے۔ کہ بچے دیواروں پر بھی لکھتے ہیں۔ کبھی تم نے بھی دیکھا ہوگا۔ کیا دیوار کو ہم کاغذ کہہ سکتے ہیں؟

تیسرا طالب علم۔ نہیں۔ دیوار کو ہم کاغذ نہیں کہہ سکتے۔ دیوار لکھنے کے لئے نہیں ہے، کاغذ تو لکھنے کے لئے بنا ہوتا ہے۔

معلّم۔ درست ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں، تختہ سیاہ لکھنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اور اس پر میں ہر روز تمہارے سامنے لکھتا بھی ہوں۔ کیا تختہ سیاہ کو ہم کاغذ کہہ سکتے ہیں؟

چوتھا طالب علم۔ نہیں! تختہ سیاہ کو ہم کاغذ نہیں کہہ سکتے۔ کاغذ تو صاف سی چیز ہوتی ہے۔ اور اس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔

معلّم۔ یہ دیکھو! میری کاپی کے سارے ورق خاکی رنگ کے ہیں۔ کیا یہ کاغذ کے نہیں ہیں؟

طالب علم۔ کاغذ ہی کے تو ہیں۔ ضروری نہیں کاغذ سفید رنگ کے ہوں۔ لیکن عام طور پر کاغذ سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔

تو گویا اسی صورت سے سوال و جواب کے ذریعے ہم کاغذ کی ٹھیک ٹھیک تعریف کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اب اگر طالب علم کاغذ کے متعلق کچھ کہیں یا لکھیں تو وہ ہر پہلو سے مکمل ہوگا۔

ایک مثال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:۔

معلّم میز پر ایک سبز رنگ کا شیشے کا گلاس رکھ دیتا ہے اور طلبہ سے دریافت کرتا ہے

"میز پر کیا ہے؟"

طلبہ فوراً کہہ اٹھتے ہیں "میز کے اوپر گلاس ہے"۔ معلم ایک مراد آبادی گلاس بھی میز کے اوپر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے گلاس تو یہ بھی ہے۔ پھر طلبہ اپنے جواب کی اصلاح کرتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے "میز کے اوپر شیشے کا گلاس ہے"۔ پھر معلم ایک سفید شیشے کا گلاس میز پر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے شیشے کا گلاس تو یہ بھی ہے۔ طلبہ پھر اپنے تیسرے جواب کی اصلاح کرتے ہیں۔ "میز پر شیشے کا رنگدار گلاس ہے"۔ پھر معلم میز پر بادامی رنگ کا شیشے کا گلاس رکھ دیتا ہے۔ اور کہتا ہے رنگدار شیشے کا گلاس تو یہ بھی ہے۔ طلبہ پھر اپنے تیسرے جواب کی اصلاح کرتے ہیں "میز پر سبز رنگ کا شیشے کا گلاس ہے"

معلم اس جواب سے مطمئن ہو جاتا ہے اور جماعت سے خطاب کر کے کہتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک جواب دینے کے لئے ہمیں کتنے دشوار مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ طلبہ دل ہی دل میں شرمسار ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بڑا آسان جواب تھا۔ اگر ہم دیکھ کر اور سوچ سمجھ کر جواب دیتے تو درست ہوتا۔ اس قسم کی اور بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ بہرحال ایسی مشقوں سے طلبہ کی لفظی منظر کشی کی قوت تربیت پاتی ہے اور ترقی کرتی ہے۔ اس مثال سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ نے گلاس کے متعلق جو کچھ پہلے بتایا درست تو تھا، لیکن ناکافی تھا۔ انھوں نے اپنے الفاظ میں گلاس کی کئی جزئیات چھوڑ دی تھیں۔ طلبہ نے اپنے جواب کی اصلاح کی لیکن وہ جواب اصلاح کے باوجود مکمل نہ ہو سکا۔ معلم نے پھر ٹوکا۔ طلبہ نے پھر درستی کی، لیکن یہ درستی بھی معلم کے نزدیک قابل قبول نہ تھی۔ چونکہ گلاس کی ایک اور صفت ابھی باقی تھی۔

اب تک مشقوں کی جتنی مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ سب "کیا ہے؟" کی قسم کی تھیں۔ اس کے بعد "کہاں ہے؟" کی طرح بھی مشقیں ہونی چاہئیں۔ آپ ایک طالب علم سے دریافت کرتے ہیں "تمہارا گھر کہاں پر واقع ہے؟"۔ وہ جواب دیتا ہے "دہلی دروازے کے اندر" پھر آپ اس سے کہتے ہیں۔ کہ اگر تم اپنے گھر کا پتہ اپنے دوست کو صرف اسی قدر بتاؤ، جس کو تم نے

چائے کی دعوت دی ہو تو کیا وہ تمہارے گھر پہنچ جائے گا ؟

آپ کسی لڑکے کو اکنی دیتے ہیں اور کہتے ہیں اس کو صحن میں کہیں دبا آؤ، وہ دبا آتا ہے اور پھر آپ اس سے کہتے ہیں، باقی کے ہم جماعتوں کو بتاؤ کہ تم نے وہ اکنی کہاں دبائی ہے اور اس طرح سے بتاؤ کہ وہ سیدھے وہیں پہنچ کر اکنی نکال لیں۔ اسی طرح کی مشقیں معلّم تیار کر سکتے ہیں، جس سے ٹھیک ٹھیک محل وقوع معلوم ہو سکے۔

ایک مثال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں :-

اسکول کی مرمّت ہو رہی ہے۔ ابھی ابھی پاس سے ایک چھکڑا گزرا ہے۔ معلّم کہتا ہے "کیا تم نے چھکڑا دیکھا ہے؟"

طالب علم۔ جی ہاں! ہم نے چھکڑا دیکھا ہے۔

معلّم اس چھکڑے کے متعلق طلبہ سے سوال کرنے لگتا ہے۔ ایک سے پوچھتا ہے۔

"چھکڑا کس چیز کا بنا ہُوا تھا ؟"

"چھکڑا لکڑی اور لوہے کا بنا ہُوا تھا"

"چھکڑے کے کتنے پہیے تھے ؟"

"دو"

"چھکڑے کے آگے کیا جُتا ہُوا تھا ؟"

"چھکڑے کے آگے بیل تھے"

"بیل کتنے تھے ؟"

"دو"

"بیلوں کا رنگ کیا تھا ؟"

"ایک بیل کا رنگ سفید تھا، دوسرے کا ملا جلا سا"

"بیلوں کو کون ہانک رہا تھا ؟"

" بیلوں کو گاڑیبان ہانک رہا تھا "

" گاڑیبان کون تھا ؟ "

" گاڑیبان ایک نوجوان شخص تھا "

" گاڑیبان کس چیز سے بیلوں کو ہانک رہا تھا ؟ "

" چابک سے "

" چھکڑے میں کیا لدا ہوا تھا ؟ "

" چھکڑے میں اینٹیں تھیں "

" اینٹیں کیسی تھیں ؟ "

" اینٹیں پکی تھیں "

" چھکڑا کس طرف سے آیا تھا ؟ "

" گاؤں کی طرف سے "

" کس طرف کو جا رہا تھا ؟ "

" شہر کی طرف "

" چھکڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا یا تیز تیز ؟ "

" تیز تیز "

اس سوال و جواب کے بعد طلبہ اگر چھکڑے پر مضمون لکھیں تو صاف صاف اور واضح طور سے لکھیں گے۔ اس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہے گا منظر کشی پوری پوری ہو جائے گی۔ اس قسم کی مشقوں کے وقت معلم کو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ طلبہ جس قسم کی فضا میں رہتے ہیں۔ اور جو جو چیزیں ان کے مشاہدے سے اکثر گزرتی ہیں انہیں چیزوں سے سوال و جواب کے ذریعے دلچسپی پیدا کرے، دیہات میں رہنے والے طالب علم فصلوں، جانوروں اور موسم کی تبدیلیوں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ دریا پر کے رہنے والے طالب علم، دریا کے اتار چڑھاؤ، کشتی چلانی

ماہی گیری سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ شہر میں رہنے والے دن رات سڑکوں اور گلیوں کی بھیڑبھاڑ تانگوں موٹروں کی کشاکش، کھچاکھچ، عمدہ سڑکوں کی سیر، باغوں پھلوں پھولوں سے زیادہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ اس لئے انشا پردازی کے وقت مقامی فضا اور مقامی مشاہدات کا خیال ضرور رکھنا چاہیئے۔"

تصویر شناسی :-

انشا پردازی کی تدریس کے لئے کئی مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان میں ایک طریقہ تصویروں کا استعمال بھی ہے۔ شروع شروع میں بچوں کے دماغ میں خیالات کا فقدان ہوتا ہے خیالات اگر ہوں بھی تو وہ اظہار کا سلیقہ نہیں رکھتے۔ ایسے موقعوں پر تصویریں ہمارا ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ اگر ہم بچوں کے سامنے تصویریں رکھ دیں تو ان کے دماغ میں آپ ہی آپ خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اور وہ اظہار کے لئے بیتاب ہوتے ہیں۔

انشا پردازی کے لئے یہ بڑی ضروری باتیں ہیں۔ بچوں کو تصویریں دیکھنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ اور یہ بھی شوق ہوتا ہے کہ ان تصویروں کے حالات معلوم کریں۔ ایک نظر میں اگر انہیں حالات سے پوری پوری آگہی نہ ہو سکے تو وہ انہیں کچھ دیر دیکھ کر بہت کچھ معلوم کر لیتے ہیں۔ اگر وہ خود تصویروں کا حال معلوم کر لیں۔ تو پھر وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کو سنائیں بھی۔ معلّم کو چاہیئے کہ وہ ننّھوں کے اس ذوق کو بروئے کار لائے۔

بچّے اگر خود بخود ایک تصویر کو دیکھ کر حقیقت حال سے واقف ہو جائیں تو انہیں موقع دینا چاہیئے کہ وہ تصویر کا حال بیان کریں اور جہاں تک ہو سکے اس کی وضاحت کریں۔ عام طور سے بچے جب تصویر کے کوائف بتاتے ہیں تو کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھتے۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ نمایاں چیزوں کو پہلے بتا دیتے ہیں اور غیر نمایاں چیزوں کو بعد میں۔ بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی توجہ ان غیر نمایاں چیزوں کی طرف جاتی ہی نہیں۔ بچوں کو یہ سمجھانا چاہیئے کہ غیر نمایاں چیزوں کا سب سے

پہلے ذکر کریں اور غیر ضروری چیزوں کا بعد میں ذکر کریں۔ ہمیں ان کی مشاہدے کی قوت کو بھی ترقی دینا ہے۔ اس لئے یہی مناسب ہے کہ غیر ضروری چیزوں سے شروع کر کے ضروری چیزوں کی طرف آئیں۔ اس صورت میں کوئی کیفیت نظر انداز نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلے میں دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ پہلے تصویر میں اشیاء کو دیکھیں اور اس کے بعد حرکات و سکنات کا مطالعہ کریں۔ اس صورت میں سمجھنے اور بتانے میں بہت آسانی رہے گی۔ اگر طلبہ ان باتوں کو پیش نظر رکھیں تو بہت جلد تصویر شناسی میں مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ تصویر کے کوائف اگر اچھی طرح سے سمجھ میں آجائیں تو ان کو بیان کرنے میں کوئی دقت نہیں رہتی۔ اس کے لئے اگر ایسی تصویریں مہیا کی جائیں جن سے کہانیاں تیار ہو سکیں تو انشا پردازی میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ہم ذیل میں ایک مثال پیش کرتے ہیں:-

ایک کوّا روٹی کا ٹکڑا چونچ میں لئے درخت پر بیٹھا ہے۔ ایک لومڑی بھی اسی درخت کے نیچے آن کھڑی ہوتی ہے اور کوّے کو تاک رہی ہے۔ دوسری تصویر میں لومڑی کا منہ کھلا ہوا سا نظر آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوّے سے کچھ کہہ رہی ہے۔ غالباً اس کی تعریف کر رہی ہے۔ اور اسے بولنے پر آمادہ کر رہی ہے۔ تیسری تصویر میں کوّا اپنی چالاکی کے باوجود لومڑی کے جھانسے میں آجاتا ہے اور منہ کھول کر کچھ بولنے لگتا ہے۔ منہ کا کھلنا ہے کہ روٹی کا ٹکڑا گر پڑتا ہے۔ چوتھی تصویر میں لومڑی نے وہ ٹکڑا منہ میں لے لیا ہے اور کوّے کو دیکھتی ہے۔ پانچویں تصویر میں لومڑی واپس آجاتی ہے اور کوّا (کھسیانا ہو کر) درخت سے اُڑ جاتا ہے۔ بس ان تصویروں کو دیکھتے ہی کہانی تیار ہو گئی۔ اگر چند بچے اس کہانی کو نہ سمجھ سکیں تو معلّم کو چاہیئے کہ انہیں ساتھ ساتھ سمجھا دے۔ ان تصویروں کو سمجھ چکنے کے بعد طلبہ کہانی سنا دیں گے۔

جہاں تک ممکن ہو کوشش یہ کرنا چاہیئے کہ طلبہ تصویروں کو خود سمجھنے کی کوشش کریں۔ پیشتر اس کے کہ بچے کہانی لکھنا شروع کریں تصویر کے جزیات کو سوال و جواب کے ذریعے اچھی طرح واضح کر دینا چاہیئے۔ اس قسم کی تصویریں زیادہ تر زبانی بول چال کے لئے مفید ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بول چال انشا پردازی کی جان ہے۔

شروع شروع میں ہمارا یہ جی چاہتا ہے کہ جس قدر ممکن ہو بچّے زیادہ سے زیادہ بات چیت کریں۔ اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے سوالوں کا ادھورا جواب نہیں بلکہ پورا پورا جواب دیں۔ لیکن میرا خیال ہے جو بول چال تصویروں سے متعلق ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہونی چاہئیے۔ ورنہ جواب لمبے لمبے ہوں گے۔ اور ان میں دلچسپی اور روانی نہیں رہے گی۔ سوالات کے پورے پورے جواب دینے سے مبتدیوں کے کام میں رکاوٹ سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے ہم ذیل کی ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:۔

"کوّا کُتّے سے ہڈی لے اُڑا"

پہلی تصویر:۔ "کُتّے کے پنجوں میں کیا ہے؟"
"کُتّے کے پنجوں میں ایک ہڈی ہے"

دوسری تصویر:۔ "تصویر میں تمہیں کتنے کوّے نظر آتے ہیں؟"
"تصویر میں ہمیں دو کوّے نظر آتے ہیں"

تیسری تصویر:۔ "کوّے کدھر دیکھ رہے ہیں؟"
"کوّے ہڈی کو دیکھ رہے ہیں"
"کوّے کس فکر میں ہیں؟"
"کوّے اس فکر میں ہیں کہ ہڈی لے اُڑیں"

چوتھی تصویر:۔ "ایک کوّے نے کیا کیا ہے؟"
"ایک کوّا اُڑ کر ہڈی پر لپکا ہے"
"دوسرے کوّے نے کیا کیا ہے؟"
"دوسرا کوّا کُتّے کی دُم کاٹ رہا ہے"

پانچویں تصویر:۔ "کُتّے نے کیا کیا؟"
"کُتّے کو درد ہوا تو وہ ہڈی چھوڑ کر کوّے کی طرف بھاگا"

چھٹی تصویر:۔ "پھر کیا ہوا ؟"

"پھر یہ ہوا کہ کوا کتے کی ہڈی لے اڑا، اور کتا بھوں بھوں کرتا رہ گیا"

سارے فقروں میں سوال کے ایک خاص فقرے کو دہرانے کی وجہ سے بے ڈھنگا پن سا آگیا ہے۔ زبان کی تدریس میں اکثر یہ التزام کیا جاتا ہے کہ طلبہ پورے پورے فقروں میں جواب دیں۔ یہ درست تو ہے۔ لیکن مکالمے میں یہ چیز بھدی سی معلوم ہوتی ہے۔ اور بول چال گھٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی سوال و جواب اب ہم ذیل میں لکھتے ہیں:۔

"کوا ہڈی لے اڑا"

پہلی تصویر:۔ "کوے کے پنجوں میں کیا ہے ؟"

"ایک ہڈی"

دوسری تصویر:۔ "تصویر میں تمہیں کتنے کوے نظر آتے ہیں ؟"

"دو"

تیسری تصویر:۔ "کوے کدھر دیکھ رہے ہیں ؟"

"ہڈی کی طرف"

"کوے کس فکر میں ہیں ؟"

"اس فکر میں کہ ہڈی لے اڑیں"

چوتھی تصویر:۔ "ایک کوے نے کیا لیا ہے ؟"

"اڑ کر ہڈی کی طرف لپکا ہے"

"دوسرے کوے نے کیا کیا ہے ؟"

"اس نے کتے کی دم کو کاٹا ہے"

پانچویں تصویر:۔ "کتے نے کیا کیا ؟"

"کتے کو غصہ آیا، وہ ہڈی چھوڑ کر کوے کی طرف بھاگا"

چھٹی تصویر:- "پھر کیا ہوا ؟ "

"کوا کتے کی ہڈی لے اُڑا ، اور کتا بھوں بھوں کرتا رہ گیا "

سوال و جواب کے ذریعے ساری چیزوں کی وضاحت ہو گئی ، اور دلچسپی بھی قائم رہی۔

بول چال ختم ہو جائے تو طلبہ لکھنا شروع کر دیں۔ وہی فقرے جو وہ بولتے تھے۔ اب بے تکلف لکھتے جائیں گے۔ تصویریں طلبہ کے لئے معلومات کا خزانہ ہوتی ہیں۔ ان سے خیالات ترتیب پاتے ہیں۔ ان کے ذریعے نئے نئے الفاظ بھی سکھائے جا سکتے ہیں۔ گویا ان کے ذریعے انشا پردازی میں بڑی آسانی ہو جا سکتی ہے "

روداد اُردو

ڈاکٹر تاثیر

اُردو پاکستان کے کسی علاقے کی مادری زبان نہیں۔ لیکن اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو پاکستان کے ہر حصّے میں سمجھی جاتی ہے۔ اس بنیادی حقیقت سے چند نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ جن پر غور کرنے سے پاکستان میں اُردو کی ترویج کے متعلق صحیح رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

اُردو چونکہ ہماری مادری زبان نہیں۔ اس لئے ہمارے صوبوں کی مختلف زبانوں کی حیثیت نظر انداز کرنا ناروا ہے۔ زبان بہرصورت ایک مصنوعی نشان ہے۔ اصل مدّعا تو معانی یعنی علم کی ترویج ہے۔ علم کسی زبان میں ہو۔ عربی میں ہو یا یونانی میں، اردو میں ہو کہ بنگالی میں، اس کا حصول ہر اعتبار سے ضروری ہے۔ مذہبی یا دنیوی تعلیم دونوں کے لئے کسی ایک زبان کا تعیّن غیر ضروری ہے۔ لوگ جو زبان سمجھیں۔ ان سے اسی میں اپنے دل کا ایمان کا حال کہنا چاہئیے۔ بیان ضرور اہم ہے۔ لیکن ذریعہ بیان کو بہت زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔

زبان کی اس ثانوی حیثیت کو سمجھتے ہوئے ہمیں اُردو کے مستقبل کے متعلق سوچ بچار کرنا چاہئیے۔ ہماری پہلی ضرورت عوام کو نوشت و خواند سے بہرہ مند کرنا ہے۔ چونکہ ہم میں بیشتر اَن پڑھ ہیں۔ اس لئے جہاں یہ مسئلہ بہت دشوار ہے (اس پر بیس پچیس سال کی مسلسل محنت اور قومی جہاد کی طرح کام کرنا ضروری ہوگا) اس میں ایک آسانی بھی ہے۔ بالغوں کی تعلیم فقط صوبے کی مروجہ زبان ہی میں کارگر ہوگی۔ لیکن نابالغوں کی تعلیم میں اردو کو مناسب جگہ

دی جا سکتی ہے۔ یہ مناسب جگہ کیا ہو گی۔ اس کا فیصلہ ہر صوبہ اپنے حالات کے مطابق کر سکتا ہے۔

پنجاب میں اُردو کو ہمیشہ اوّلین حیثیت دی گئی ہے۔ مدرسوں میں ہمیشہ تعلیم اُردو ہی کے ذریعہ سے دی گئی ہے۔ عدالتوں کی زبان اردو ہی رہی۔ اور سرکاری سکولوں میں اردو ہی کو مقامی زبان کا رتبہ حاصل رہا ہے۔ پنجابی اردو ہی کی ایک بولی ہے۔ اور چونکہ مختلف ضلعوں کی پنجابی میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے اردو ہی تمام صوبے کی زبان رہی ہے۔ پاکستان بننے کے بعد اردو کی اہمیت زیادہ ہو گئی ہے مشرقی پنجاب میں اردو کا رواج زیادہ تھا۔ وہاں کی بولیاں اردو سے بہت قریب تھیں۔ وہاں کے لوگ بھی یہاں آ بسے ہیں۔ اس لئے اب پنجاب ہی اُردو کا وطن ہو گیا ہے۔ اردو پیدا پنجاب میں ہوئی۔ بچپن اور بلوغ کا زمانہ دہلی لکھنؤ میں گذرا۔ جوانی میں پنجاب اُٹھ آئی۔ اب یو۔پی سے اسے دیس نکالا مل گیا ہے۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ "اردو کو پنجاب میں امیر لوگ ٹھونس رہے ہیں"۔ حقائق سے بے خبر ہیں۔ محض کتابی باتیں کرتے ہیں۔ یا سیاسی چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔

ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس میں جب زبانوں کے متعلق قرارداد پیش ہوئی اور کہا گیا کہ ہر صوبے کی بولی کو تعلیم و تدریس میں اہم جگہ دی جائے، تو میں نے پنجاب کو اس سے مستثنٰے قرار دئے جانے پر اسی لئے اصرار کیا تھا۔ پنجابی اور اردو کی حیثیت وہ نہیں جو بنگالی اور اُردو کی ہے۔ چنانچہ اس کانفرنس میں صوبائی زبانوں والی قرارداد منظور نہ ہوئی۔ اس پر کچھ لوگ برہم ہوئے، کیونکہ اُنہوں نے اپنی کتاب میں لسانی خود اختیاری کا سبق پڑھ رکھا تھا۔ بہر صورت یہ رائے کا معاملہ تھا۔ انہیں پنجاب کے حالات سے واقفیت نہ تھی۔ اس پر ان پر تفرقہ پردازی کا الزام لگانا غلط اور ان کا اردو کی حمایت کو امیروں کی سازش بتانا بہتان ——— جن لوگوں نے پاکستان تعلیمی کانفرنس میں اُردو پر اتنا زور دیا کہ بنگالی

اور جب بنگال کے اردو دان افسروں نے بنگالی کی حمایت کی۔ تو ان پر نمک حلالی کی سی گئیں۔ انہوں نے بھی خلافِ مصلحت حرکت کی۔ بنگال میں اردو کا ذوق شوق کم بنگالی زبان اور ادب کا چرچا ہے۔ سیاسی لوگوں نے اسے اردو بنگالی کی جنگ بنانا چاہا۔ رائے کو افتراق کی حیثیت دی۔ اور ایک ناگوار صورتِ حالات پیدا کر دی۔ آخر کار جو ا اس سے یہی ظاہر ہوگا کہ یہ معاملات مقامی حالات کے مطابق خوش اسلوبی سے طے تے ہیں۔ جبری احکام اور کاغذی قوانین سے ان کا حل کرنا دشوار ہے۔

پاکستان کی یک جہتی کے لئے خیالات کی یک جہتی زبان کے ایک ہونے سے زیادہ ضروری ھنؤ اور دہلی کے مسلمان اور ہندو ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ شیخ عبداللہ سردار ابراہیم سے و بولتا ہے۔ یو پی کا ٹنڈن پاکستان کے محکمۂ تعلیم کے وزیر فضل الرحمان سے زیادہ ستہ اور سلیس اردو لکھ، پڑھ اور بول سکتا ہے۔ مولانا ابوالکلام کی اردو دانی انہیں پاکستانی ں۔ اور ہمارے قائدِ اعظم کا اردو سے علمی واقفیت نہ رکھنا، انہیں پاکستان کا محبوب بر بنانے سے مانع نہیں آیا! ——— یک جہتی زبان سے نہیں ہوتی لیکن یک جہتی تمدنی اور سیاسی یک جہتی کے لئے مفید ہے۔

اردو پاکستان کی سرکاری زبان ہو۔ صوبجات میں اختیاری یا لازمی زبان ہو۔ اور پنجاب علمی زبان ہو! ——— یہ ہے وہ لائحہ عمل جو ہمارے سامنے ہے!

میری رائے میں پنجاب کے علاوہ اور کہیں بھی اس پروگرام پر عمل کرنے کے لئے اقدامات ئے گئے۔ زبانی جمع خرچ ضرور ہو رہا ہے۔ لیکن وہی ع

پلیٹوں کی صدا آتی ہے اور کھانا نہیں آتا

پنجاب میں کیا ہو رہا ہے؟ اردو کو واحد علمی زبان بنانے کے لئے مندرجہ ذیل شعبوں ائی ضروری تھی۔

ا، محکمۂ تعلیم (ب) یونیورسٹی (ج) عام حکومت!

عام حکومت کو پہلے لیجیئے۔ انہیں عدالتوں اور دفتروں کی زبان کو اردو قرار دینا تھا حکومت کو اصولی اتفاق ہے۔ اس اصول کو عمل میں لانے کے لئے کوئی کمیٹی وغیرہ بنی مقرر تھی۔ سنتے ہیں کمیٹی تجویز ہو گئی ہے۔ لیکن نہ اس کا اعلان ہوا ہے۔ نہ اس نے کام شروع کیا ہے۔ یہ تساہل ناروا ہے۔ کمیٹی کو کام ختم کرنے میں وقت لگے گا۔ اور پھر ٹائپ رائٹر کی مشینیں کہ ان کے بغیر دفتر کا کام بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ملنے میں بڑی دقت ہو گی۔ غالباً امریکہ میں آرڈر دینا ہو گا۔ اور یہ مہینوں کا کام ہے۔ اور پھر انگریزی کی جگہ اردو تدریجی طور سے آئے گی۔ مدعا یہ کہ اگر آج کمیٹی کارروائی شروع کرے اور تندہی سے کام کرے اور حکومت سرگرمی سے تمام تجاویز پر عمل کرے تو بمشکل اگلے سال کے وسط میں اردو پنجاب کی دفتری زبان بننا شروع ہو گی۔ یوں اس وقت بھی عدالتوں کی زبان بیشتر اردو ہی ہے۔

کمیٹیاں عموماً تندہی سے کام نہیں کرتیں۔ لیکن محکمہ تعلیم نے جو پہلی جماعت سے آٹھویں جماعت کے نصاب کی تبدیلی کے متعلق کمیٹیاں بنائی ہیں۔ یعنی اپنے تعلیمی کاروبار میں تبدیلی کرنے کا جو کام شروع کیا ہے۔ اس کے متعلق تساہل یا دفتری لیت و لعل کا الزام لگانا غیر ممکن ہے۔ تعلیمی ماہروں نے دن رات ایک کر رکھا ہے۔ اور جو کام اب تک ہو چکا ہے اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے۔ کہ پنجاب کی نصابی کمیٹیاں تمام پاکستان کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گی۔ اردو کی کمیٹی کا کام سہل تھا۔ محکمہ تعلیم پنجاب نے تمام مضامین کا ذریعہ تدریس پہلے ہی سے اردو قرار دے رکھا ہے۔ اب سوال اردو اور انگریزی کی حیثیت کا تھا۔ انگریزی کا درجہ کم کر دیا گیا ہے۔ اردو کو بلند ترین مقام دیا گیا ہے۔ ایک سوال رسم الخط کا تھا وہ بحث طلب ہے کمیٹی نے نسخ ٹائپ کی صلاح دی ہے۔ اس کا بڑا محرک میں خود ہوں۔ اور کمیٹی نے اتفاق رائے سے اسے قبول فرمایا ہے۔ پرنسپل عابد علی، پروفیسر تبسم اس کے حامی ہیں۔ میاں بشیر احمد نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ پیچ و خم سے خالی نہیں۔

مرکز میں کچھ لوگ جن میں مولوی عبدالحق شامل ہیں، چاہتے ہیں کہ گھاتھ اردو کی املا بدل

دی جائے۔ رسمِ خط کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بنگال والے ترکی کے موجودہ رسمِ خط کے قائل ہیں۔ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ لیکن موجودہ ہیجانی حالات اور نظم و نسق کی بے قراری کے دَور میں اس قسم کی تجویز کا کامیاب ہونا ممکن معلوم نہیں ہوتا۔ دوسری تجویز یہ ہے۔ کہ املا کو اس طرح بدلا جائے کہ حروف الگ الگ لکھا جائے۔ یعنی اب ہم لکھتے ہیں کہ ؎

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اور نئے طریق سے یوں لکھیں کہ ؎

م س ل م، ہ ی ں، ہ م، و ط ن، ہ ے، س ا ر ا، ج ہ ا ں، ہ م ا ر ا،

اس میں بھی فائدے ہیں۔ لیکن کئی مشکلات قائم رہتی ہیں۔ زیادہ یا کم وقت لگنے کا معیار غیر متعلقہ ہے۔ اس کے علاوہ اور دِقتیں ہیں۔ اس طرح خطِ نستعلیق بھی رہ سکتا ہے۔

کچھ لوگ املا کی ترمیم کے سلسلے میں ہجوں کو بدلنا چاہتے ہیں۔ وہ مختلف حروف جو ایک جیسی اصوات کا نشان ہیں۔ یعنی جن کو اردو والے ایک طرح بولتے ہیں۔ ان حروف کو ایک ہی طرح لکھنے کے حامی کہتے ہیں کہ س، ث، ص کو الگ الگ نہ لکھو۔ بس ایک سین کافی ہے۔ اسی طرح ذ، ز، ظ، ض، کا فرق مٹاؤ۔ چنانچہ ہم جو لکھتے ہیں "مکرمی، معظمی، صاحب، تسلیم عرض ہے۔ ہزلعینہ خط جعفر حسین" تو وہ لکھیں گے "مکرمی موازمی ساحب تسلیم ارز ہے اریزہ خت جافر ہسین"۔

جو لوگ عربی داں ہیں وہ کہتے ہیں۔ یہ بڑی بدتمیزی کی بات ہے، "موازمی" کے معنی میرے دانت سے کاٹنے والے اور "ساہب" ایسے لالچی کو کہتے ہیں۔ جسے کسی چیز سے سیری نہ ہو۔ اور "ارز" صنوبر اور چاول کے معنوں میں آتا ہے (بہ اختلاف اعراب) اور "خت" کہتے ہیں۔ نیزہ مارنے کو اور "جافر" وہ لڑکا ہے جس کا گوشت پھول گیا ہو۔ اور اگر آپ نے "محمود" کو "مہمود" لکھا تو مہمود کے عربی میں معنی ہیں مردہ کے اور "حمد" کو "ہمد" کرنے سے مرنا اور بے نور کرنا ہے!

ان اعتراضات کے جوابات بھی ہیں۔ لیکن بہتر یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وقت املا کی

"اصلاح" کا معاملہ ملتوی کر دیا جائے۔ اگر ترکی کا مروجہ رسم الخط ہو تو املا کا مسئلہ بیچ ہی میں آجاتا ہے۔ لیکن ہمارے حالات ترکی سے مختلف ہیں۔

بحث دراصل نستعلیق اور نسخ کی ہے۔ اور یہ بحث بھی حقیقت میں لیتھو کی چھپائی اور ٹائپ کی چھپائی کی ہے۔ عام مطبوعات کیلئے ٹائپ کی چھپائی بے حد ضروری ہے۔ ہم اپنے رسالے اخبار جس طریق سے چھاپتے ہیں۔ وہ کئی سو سال پرانا ہے۔ ہاتھ کا لکھا ہوا مسودہ بچارے کاتب کے حوالے ہوتا ہے۔ وہ اس کٹی پھٹی تحریر سے مطلب نکال کر اپنے ہاتھ سے پیلے کاغذ پر پیلی روشنائی سے پیلی لکیروں پر کچھ لکھتا ہے۔ اس بھی کبھی تحریر کو مصنف یا کوئی اور شخص دوبارہ دیکھتا ہے اور بے قاعدہ سطور پر غلطیاں نکالتا ہے۔ کاتب دوبارہ غور کرتا ہے اور تصحیح کرتا ہے۔ محتاط لوگ اس تصحیح شدہ عبارت کو دوبارہ دیکھتے ہیں۔ اور جو غلطی رہ جائے اس کی کاتب کے پاس بیٹھ کر صحت کراتے ہیں۔ اسی دوران میں کاتب چھٹی پر چلا جاتا ہے۔ گھر بدل لیتا ہے، شادی کرا لیتا ہے، بیمار پڑ جاتا ہے، خفا ہو جاتا ہے۔ ہڑتال کر دیتا ہے۔ کسی اور کاتب کے پاس جانا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر کاتب کا خط الگ ہوتا ہے۔ یہ کاغذات چھاپے خانے میں جاتے ہیں۔ تو ان کو پتھر یا پلیٹ پر جمایا جاتا ہے۔ وہاں پر یہ الٹے چھپتے ہیں۔ اس پلیٹ سے ایک نقل لی جاتی ہے۔ اور اس کی تصحیح کی جاتی ہے۔ سنگ ساز کچھ کرتا ہے کچھ نہیں کرتا۔ اور ہمارے نازک رسم خط میں جس میں نقطے اور اعراب بھی ہوتے ہیں۔ بہت کچھ مسخ ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اتنی تاخیر کے بعد جو چھپتا ہے وہ غلطیوں سے بھر پور ہوتا ہے۔ اور پھر اس طرح کی چھپائی کے ساتھ نہ تصویریں نہ نقشے نہ اور طرح کے نقوش صحت کے ساتھ چھپ سکتے ہیں۔ وہی آج سے دو سو سال پہلے کی کتابت طباعت کتاب سازی کا طور طریقہ ہے! ۔ اس کا علاج ٹائپ کی چھپائی ہے۔ ٹائپ نسخ بھی ہو سکتا ہے اور نستعلیق بھی۔ لیکن نستعلیق چھاپہ تسلی بخش طریقے سے تیار نہیں ہو سکا۔ جوڑ زیادہ ہیں، ٹوٹ جاتا ہے۔ حروف جڑتے نہیں۔ اس لئے نسخ کا انداز سب سے زیادہ قابل عمل ہے۔ ایران والوں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ حالانکہ نستعلیق خط ایران کی ایجاد ہے

افغانستان میں نسخ خط رائج ہے، وسط ایشیا کی روسی سلطنتوں نے نسخ میں کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ اور عربی ممالک میں تو ہمیشہ نسخ خط ہی میں چھپائی ہوتی ہے۔ بلوچی، سندھی اور پشتو کا طرز تحریر نسخ ہی ہے۔ ملایا، جاوا، ہند چینی وغیرہ میں بھی آج سے پہلے نسخ ہی رائج تھا۔ یعنی عربی خط! ۔ ہماری یونیورسٹیوں کے امتحانات میں بھی اردو، فارسی کے سوالات کے پرچے نسخ میں چھپتے رہے ہیں۔ تو پھر نسخ جاری کیوں نہ ہو؟

اس میں ایک ہی مشکل ہے اور یہ کہ ہمارے پاس اس ٹائپ کے ڈھالنے کی مشینیں قریباً معدوم ہیں۔ اور باہر سے ٹائپ منگوانے میں دیر لگے گی، لیکن جب تک طلب نہ ہوگی مال کیسے آئے گا۔ ہماری چھپائی کی مشکلات کا حل نسخ ٹائپ ہی ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنے کے ساتھ حکومت کو اس کے لوازمات کو مہیا کرنے کا انتظام بھی کرنا چاہئیے! یہ نہ ہوا تو پھر وہی ہوگا جو ہماری یونیورسٹی نے کیا ہے۔

یونیورسٹی نے اپنی اردو کانفرنس کی تجویزوں کو جلدی جلدی عمل میں لانے کا ارادہ کیا، پہلے تو یہ مشورہ جاری ہوا، کہ اگلے سال سے ایم۔ اے سائنس تک کا امتحان اردو میں ہوگا۔ نہ کتابیں، نہ پڑھانے والے، نہ اصطلاحات کی تعیین۔۔۔ اگر اصطلاحات معین نہ ہوں تو ہر شخص جو چاہے گا، بولے گا۔ اور ایک کی بولی دوسرا نہ سمجھے گا۔ اصطلاحات کا ڈھانچہ موجود ہے لیکن ایک باقاعدگی مفقود ہے۔ یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے لیکن ہوا نہیں۔ دسویں جماعت کے امتحان کے متعلق تو پاس ہو رہا ہے کہ لڑکے سائنس کا پرچہ چاہے انگریزی میں کریں چاہے اردو میں۔ لوگ کتابیں بھی لکھ رہے ہیں لیکن معین اصطلاحات کے متعلق ابھی غور و فکر جاری ہے!۔۔۔ یونیورسٹی نے یہ بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ ایف، اے اور بی، اے میں اردو ایک لازمی مضمون ہو۔ لیکن قوانین ایسے ہیں کہ اردو لازمی کے ساتھ جو اردو خود اختیاری تھی وہ بھی قائم رہے اور مضامین کی بانٹ کا یہ حال ہے کہ بی۔ اے میں اب اردو لازمی، انگریزی لازمی اور فارسی لے کر بی۔ اے کر سکتے ہیں۔ اور وہ جو ریاضی، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، طبیعات وغیرہ تھے۔ ان کو

آپ نظرانداز کرسکتے ہیں۔ اور لوگ کریں گے!

انگریزی یونیورسٹیوں میں جو اجازتیں ہیں ان کی صورت اور ہے۔ وہاں تو اختصاص کی مقرّرہ راہیں ہیں ۔ اور تدریس و تعلیم کے مختلف طریقے ہیں!۔ اسی طرح "اسلامیات" کا ایک مضمون مقررہ ہوتا ہے۔ اس سال سے اس کی تعلیم شروع ہوگی۔ اور اب تک نہ اس کا نصاب ہے نہ کوئی اور قاعدہ قانون، چنانچہ کالج والے پروفیسر مقرر کرنے سے عاجز ہیں۔ جب تک نصاب معلوم نہ ہو معلّم کس طرح منتخب کئے جائیں۔ کیونکہ اس مضمون میں کہنے میں فقہ بھی ہوگی تاریخ بھی، اور اسلامی کلچر کے دیگر موضوعات بھی شامل ہوں گے!

مگر یونیورسٹی کی گرم جوشی قابلِ داد ہے۔ وہ جو لوگ کہتے تھے کہ کچھ نہیں ہوگا۔ محض کانفرنسوں کی قرار دادیں ہیں ان کا منہ بند ہوگیا ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ جو کچھ ہوا بہت غنیمت ہے۔ اس سیاست گردی کے دور میں علم کی جتنی خدمت بھی ہو بہت ہے۔ ایم۔ اے اردو کا ہو جاتا بھی کچھ کم کارنامہ نہیں۔ نصاب بھی پاس ہو جائے گا۔ اس میں غلطیاں بھی ہوں گی، لیکن کام تو شروع ہو جائے گا۔ دو تین سال کے اندر ہماری اعلیٰ تعلیم کے بہت سے شعبے اردو میں درس و تدریس دیں گے۔ مڈل تک پہلے سے ہے، دسویں میں یہ ہو چکا ہے۔ کالج کے مدارج میں ہو رہا ہے!

محکمۂ تعلیم نے کام باقاعدگی سے کیا ہے، یونیورسٹی نے سیاست ورزی کے جوش میں غلطیاں کی ہیں۔ حکومت تغافل نہیں تو تساہل ضرور برت رہی ہے!

نگران اداروں کی کارگزاری کے باوجود علم و ادب کا کاروبار رُکا ہوا ہے۔ اردو کی صحیح ترقی اردو میں قابلِ قدر کتابوں اور مضامین چھپنے سے ہوگی!۔ یہ کام رُکا ہوا ہے۔ اس میں سب سے بڑی رکاوٹ کاغذ کی چور بازاری ہے۔ کاغذ موجود ہے، باہر سے آرہا ہے، لیکن چور بازاری کا یہ عالم ہے کہ جو کاغذ کراچی میں ایک روپیہ سے کم پر ملتا ہے لاہور میں ڈیڑھ روپیہ پاؤنڈ ہے۔ اور اخبارات کا کاغذ تو عجب عجب طریقوں سے دستیاب ہوتا ہے!۔ یہ علمی بات نہیں

لیکن علم کا دارو مدار کاغذ پر ہے۔ اس روحانی طاقت کے لئے مادّی سامان کی ضرورت ہے۔

قانون مطابع اور کاپی رائٹ کا قانون بھی اردو کی ترقی میں حائل ہے، پرانے ظالمانہ وقت کے قانون اب تک رائج ہیں۔ ان میں مناسب تبدیلیاں کرنا ضروری ہے! باقی رہی تصنیفات کی خوبی تو یہ اور معاملہ ہے۔ میں تو محض اُردو زبان کی روئداد لکھ رہا تھا۔ علمی ادبی تنقید نہیں کر رہا۔ اس وقت اچھے اچھے رسالے نکل رہے ہیں۔ پاکستان میں گاہکی بڑھ رہی ہے، اردو کا کاروبار پھیلنے لگا ہے۔ لیکن ابھی ابتدا ہے۔ اردو زبان اور اردو ادب کی ترقی جب ہو گی کہ حکومت جبری ابتدائی تعلیم تمام صوبے میں رائج کر دے اور تعلیم بالغاں کا انتظام وسیع پیمانے پر ہو۔ پھر اردو لکھنے والوں کے گاہک عوام ہوں گے۔ اور محض علم و ادب کے زور پر ادیب اپنی تحریروں کے ذریعے زندگی بسر کر سکیں گے۔ اس وقت ادیب ایک مشغلے کی حیثیت رکھتا ہے یا ایک بارانی کھیتی کی طرح ہے کہ فصل ہو گئی تو کام چل پڑا۔ مدعا یہ ہے کہ اردو کی ترقی کا میدان وسیع ہے۔ تعلیمی تدریسی شعبوں نے کچھ حرکت کی ہے، لیکن ابھی بہت کچھ نہیں ہوا۔ اس کی طرف زیادہ توجّہ دینا ضروری ہے۔

(از روزنامۂ امروز)

نسخ اور نستعلیق

پروفیسر عبد الغفور

(ذیل کا مضمون پروفیسر عبد الغفور کے انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے جو Problem
(of script کے زیر عنوان پنجاب ایجوکیشنل جرنل کے اکتوبر نمبر میں شائع ہو رہا ہے اس
مسئلہ پر ادارے کی رائے "رموز" میں ملاحظہ ہو۔)

حصول پاکستان نے اردو زبان کو بھی محکومیت کے بند سے آزاد کر دیا۔ اس سیاسی تغیر نے زبان کی ترقی اور نشو و نما کے غیر محدود امکانات پیدا کر دئے ہیں۔ اردو سرکاری زبان بن گئی اور اس حیثیت سے وہی آج ہمارے اونچے اور درمیانی طبقوں کے سیاسی، ثقافتی اور علمی افکار کی تعبیر کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ حکومت کی طرف سے جب مفت اور لازمی تعلیم کا ہمہ گیر نظام مرتب ہو جائے گا تو یہی زبان عوام کی امیدوں اور تمناؤں کی ترجمانی بھی کرے گی۔

جس طرح ہماری سوسائٹی ضابطہ پرست حکام کی دفتری حکومت کے عہد سے سرخروئی کے ساتھ برآمد ہوئی ہے۔ اسی طرح ہماری زبان کو بھی چاہیئے کہ قدامت کے رنگ کو چھوڑ کر نئے دور میں ترقی کی نئی راہیں اختیار کرے۔ سنگی طباعت کی بجائے ٹائپ کی طباعت یقیناً ان بنیادی تغیرات سے متناسب ثابت ہوگی۔

ٹائپ اور سنگی طباعت:۔

چھاپے میں پتھر کی طباعت ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن روزمرہ کام کے لئے

اس کی صورت عہدِ حجری کے آثارِ قدیمہ کی سی ہے۔ جمہور کی ثقافتی اور تعلیمی ضرورتیں ٹائپ ہی سے پوری ہو سکتی ہیں۔ کثیر تعداد میں چھپائی کا کام ٹائپ ہی سے انجام پاتا ہے۔ پاکستان میں جب نئی تعلیمی تجویزیں روبکار ہوں گی تو درسی کتابوں اور دیگر تصانیف کی ضرورت ہزاروں سے لاکھوں کی تعداد میں پہنچ جائے گی۔ اور اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کے لئے سنگی طباعت بہت ہی ناکافی اور ناکارہ ثابت ہوگی۔ اس کے برخلاف ٹائپ کی طباعت سے ہر طرح کی کفایت یقینی ہے۔ اس کے ذریعہ وقت، محنت، مشقت اور خرچ میں کافی تخفیف ہو سکتی ہے اور صحت، درستی اور تیزی کا بھی یقین رکھا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ جہاں سنگی طباعت کی مشین پر تین تنومند اور آزمودہ کار آدمی لگ جاتے ہیں اور پھر بھی دن بھر کی کارگذاری بہت کم ہوتی ہے۔ وہاں ٹائپ پر محض ایک لڑکا دگنا یا تگنا کام انجام دے سکتا ہے۔

سنگی طباعت کے لئے مزید فن کار بھی درکار ہوتے ہیں۔ مثلاً ہر دو تین ہزار نسخوں کی چھپائی کے بعد سنگ ساز کی خدمات حاصل کرنی پڑتی ہیں۔ اور اس ساری حفاظت اور نگہداشت کے باوجود ایک ہی پتھر سے چند ہزار نسخوں سے زیادہ کی طباعت نہیں ہو سکتی۔

سانچے کی چھپائی کی نئی ایجاد تعداد نسخ کو بڑھانے میں البتہ کسی قدر کارآمد ثابت ہوئی۔ لیکن ان تدابیر سے ایک لازمی اور ہمہ گیر نظام تعلیم کے تقاضوں اور ایک خواندہ قوم کی تعلیمی ضرورتوں کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

طباعت کی تکمیل کے لئے کاتب کی دست نگری تاخیر، بے ضابطگی اور رکاوٹیں پیدا کرتی ہے۔ چھپائی کے سارے طریق عمل میں اشتباہ اسی کی ذات سے متعلق ہوتا ہے۔ اور کاتب ہی کے تعلق کی وجہ سے طباعت مشینی عہد کی حرفت کی بجائے قرون وسطیٰ کی دستکاری کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

اس کے علاوہ کتابت کی غلطیاں طباعت کی غلطیوں پر بھی بازی لے جاتی ہیں۔ حقیقت

میں کاتب ہی کی ذاتِ گرامی کی بدولت مغربی ممالک میں غیر شعوری طور پر ٹائپ کی طباعت مقبول و مروج ہوئی۔ ابتدا میں اس نہج کی طباعت ہی ان غلطیوں کے تدارک کا واحد ذریعہ سمجھی گئی۔ جو دوران کتابت میں بہترین ماہرینِ فن کاتبوں سے بھی سرزد ہو جاتی تھیں۔

سنگی طباعت میں عبارت کے ساتھ ساتھ تصاویر اور دیگر تمثیلی مواد کی چھپائی کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ جو بچوں کی درسی کتابوں اور سائنس کی تصانیف کے لئے ناگزیر ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طباعت کا سارا طریقِ عمل دہرایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی کام پر دگنا وقت لگتا اور دگنی محنت صرف ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سنگی طباعت کی سیاہی نسبتاً مہنگی ہوتی ہے۔ اور پھر اس کا استعمال بھی فن کار ہی کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں صرف پُرتکلف اور قیمتی اشاعتوں ہی کے لئے چھپائی کا یہ طریقۂ عمل میں لایا جاتا ہے۔

اجمالاً یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ سنگی طباعت بچوں کی درسی کتابوں، تعلیم بالغاں کے ادبی مواد اور رسائل کی کثیر اشاعت کے لئے بالکل بیکار ہے۔ اس طریق طباعت میں ایک تو قیمت اور مصارف کی لاگت ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے اور اس کے علاوہ اس طریقے میں بہت سے ایسے عناصر موجود ہیں جو تکمیل کار میں بے قاعدگی اور اشتباہ پیدا کر دیتے ہیں۔

ٹائپ کی طباعت کے بمقابلہ سنگی طباعت کے مصارف تخمیناً دُگنے ہوتے ہیں۔ اور رنگین چھپائی کی صورت میں یہی مصارف آٹھ گنے تک ہو جاتے ہیں۔

نستعلیق ٹائپ کی مشکلات :۔

اردو میں ٹائپ کی طباعت کیوں رائج نہیں ہوئی ؟ اس کا جواب ہماری طرزِ کتابت یعنی نستعلیق میں موجود ہے۔ لہٰذا اس موقع پر ان مشکلات کا مختصر بیان بے جا نہ ہوگا۔ جو خود نستعلیق کی طرز اور نوعیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ طرز کتابت کے انہی نقائص کی وجہ سے اس رسم الخط کے لئے مناسب ٹائپ کی ایجاد کی راہ میں عملی دشواریاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ ابوالفضل کے بیان کے مطابق نسخ میں ایک تہائی خطوط منحنی اور دو تہائی خطوط مستقیم

موجود ہیں۔ لیکن نستعلیق صرف خطوط منحنی اور حلقوں ہی پر مشتمل ہے۔ یہاں تک کہ اس طرز کتابت میں "الف" بھی ایک خاص انداز پر خمیدہ ہی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خطوط اور حلقوں کی متغیر دبازت سے یہ تحریر اور پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ اگر دبازت کے اعتبار سے صرف دو ہی قسم کے خطوط بنائے گئے تو کم سے کم حرف بندوں کے دو سلسلے بنانے پڑیں گے۔

خط نسخ کے مقابلے میں نستعلیق کے پیچ و خم کی نوعیت ایسی ہے کہ اس کے لئے متعدد جوڑ بند درکار ہیں۔ اس کے علاوہ نستعلیق میں حرف یا لفظ کے مختلف حصے نسخ کی طرح خط مستقیم میں نہیں ہوتے بلکہ ہر دوسرا جوڑ اگلے کے مقابلہ میں نیچے کی طرف اُترتا ہوا ہوتا ہے غرض جتنے زیادہ جوڑ بند پر کوئی لفظ مشتمل ہوگا۔ اسی قدر اس کے مختلف حصوں میں نشیب و فراز ہوگا۔ اس خصوصیت کے پیش نظر ایک ہی لفظ کے مختلف حصوں کو نصب کرنے کے لئے چھاپے کے سانچے میں چار پانچ متوازی خطوط یا کرسیوں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریق عمل کی تکمیل پر کئی گنا زیادہ وقت صرف ہوگا۔

نسخ کا ٹائپ ایک ہی کرسی پر ہوتا ہے اور اس کے جوڑ بند کی دبازت بھی یکساں ہوتی ہے

ٹائپ میں نستعلیق کی ایک جدید طرز:-

بعض انتہا پسند حضرات ایسے بھی ہیں جو پیچ و خم کی جمالیاتی صورت پر، جو انہیں نستعلیق کی کسی خاص طرز تحریر میں نظر آتی ہے، ٹائپ کی ساری عملی سہولتوں کو قربان کر دینے کے لئے آمادہ ہیں۔

لیکن اس جمالیاتی احساس کے مظاہر تغیر پسند ہوتے ہیں اور حسن کا داخلی اشتیاق نئی نئی صورتوں میں رونما ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح خط نستعلیق بھی ایک ہی صورت پر جامد نہیں رہا ہے۔ جیسا کہ بعض سادہ لوح حضرات کا عقیدہ ہے۔ وہ ہمیشہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق تغیر پاتا اور ترقی کرتا رہا، اور بہت ممکن ہے کہ اگر یہی خط ٹائپ میں ڈھل جائے تو ایک ایسی نئی صورت اختیار کرلے جو دور جدید کے رجحانات سے زیادہ موافق اور متناسب ہو۔

مجلس عمل:۔

موجودہ صورت حال میں یہ قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک ایسی مجلس بنائی جائے جس کے اراکین ماہرین تعلیم، طباعت اور خطاطی کے فن کار اور مزید ایسے حضرات ہوں جو اس موضوع پر تعمیری مشورے دے سکیں اور نیز اس مسئلہ پر عوام کے خیالات کی نمائندگی کر سکتے ہوں۔

اس عمومی مجلس کی معاونت کے لئے دو ماتحتی مجالس بنائی جائیں۔ جن میں سے ایک تعلیم اور لسانیات کے ماہرین پر مشتمل ہو، اور رسم الخط کی اصلاح کا کام انجام دے۔ دوسری ماتحتی مجلس کے اراکین خطاط اور دیگر فن کار ہوں اور ٹائپ کی طباعت کا سلسلۂ کار ان کے سپرد ہو۔

ماتحتی مجالس میں اشتراک عمل پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ چند اراکین دونوں مجالس میں مشترک ہوں۔ یہ بات اطمینان بخش ہے کہ اگر اصلاح تعلیمی اور لسانی پہلو سے کی گئی تو وہ دشواریاں جو اب تک نستعلیق کے لئے مناسب ٹائپ کی ایجاد میں پیش آتی رہی ہیں کافی حد تک رفع ہو جائیں گی۔

ماتحتی مجلس (ٹائپ) کے لئے اصول عمل:۔

یہ مجلس پوری توجہ کے ساتھ ٹائپ کی ان تمام اقسام کا جائزہ لے جو اب تک ڈھالے گئے ہیں، لیکن جنہیں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ٹائپ کے بعض مجموعے مغربی پنجاب میں دستیاب ہو سکتے ہیں اور بعض بہ آسانی ہندوستان، حیدر آباد اور دیگر بیرونی ممالک سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ٹائپ کے بعض اصلی نمونے مطبع یا کارخانے کے بند ہو جانے کی وجہ سے مفقود ہو گئے ہوں۔ ایسی صورت میں مجلس ان مطبوعہ کتابوں کا بغور مطالعہ کرے جن کی چھپائی میں وہ خاص ٹائپ استعمال کیا گیا ہو۔

ٹائپ کے ہر مجموعے کی جانچ میں ذیل کے اصول جو تقدم اور اہمیت کے اعتبار سے

ترتیب دئے گئے ہیں۔ ملحوظ رکھے جائیں :۔

(ا) جوڑ کی جملہ تعداد۔ یاد رہے کہ ٹائپ کے بہت سارے مجموعے جوڑوں کی کثرتِ تعداد ہی کی وجہ سے غیر مقبول اور مسترد قرار دئے گئے۔

(ب) اجزائے ترکیبی یا جوڑ بند کے طریقۂ استعمال میں سہولتیں۔

(ج) کرسیوں کی تعداد۔

(د) پاس جمالیات۔ یعنی یہ دیکھا جائے کہ اس ٹائپ میں نستعلیق کا داخلی حسن کہاں تک برقرار رہتا ہے۔ اور ترکیب حروف میں پیچ و خم کی خوبصورتی کس حد تک باقی رہتی ہے۔

ٹائپ کے مختلف نمونے :۔

نستعلیق | (ا) فورٹ ولیم کالج کے مطبع کا ٹائپ۔ پچھلی صدی کے پہلے دس سال کی اس مطبع کی چھپی ہوئی بعض کتابیں یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں۔ اس ٹائپ کے اجزائی تعداد ۱۲۰۰ اور ۱۵۰۰ کے درمیان ہے۔ جوڑ بند کی ترکیب کافی تکلیف دہ ہے۔ لیکن کرسیوں کی تعداد محدود ہے۔

(ب) لاہور الکو میکل مطبع کا ٹائپ۔ اس ٹائپ میں چھپی ہوئی کتاب "انگریزی محاورات نمبرا" مطبوعہ ۱۹۰۶ء دستیاب ہے۔ اس ٹائپ کو دیگر اقسام پر قطعی سبقت حاصل ہے کیونکہ اس میں اجزائے ترکیبی یعنی جوڑ بند اور مرکب حروف کی تعداد صرف پانچ چھ سو پر مشتمل ہے۔ ترتیب میں صرف دو کرسیاں استعمال ہوتی ہیں۔ یہ یقیناً دوسروں کے مقابلے میں بڑی کامیاب ایجاد تھی۔

(ج) دار الطبع، سرکار عالی، حیدر آباد کا تیار کردہ ٹائپ۔ سر راس مسعود کی "روح جاپان" اس ٹائپ کی پہلی مطبوعہ کتاب تھی۔ جوڑ بند کی تعداد ۱۱۰۰ تا ۱۲۰۰۔ کرسیوں کی غیر واجبی کثرتِ تعداد کا نقص ہے۔

(د) مرزا رفیق بیگ، حیدر آباد کا ایجاد کردہ ٹائپ۔ اجزا کی تعداد ۲۵۰۔ مزید حالات نامعلوم۔

(ھ) جناب سجاد مرزا، حیدر آباد ٹریننگ کالج کا تیار کردہ ٹائپ۔ خوشنما نہیں ہے۔ نمونہ فیروز سنز، لاہور کے پاس موجود ہے۔

نسخ | (ا) راجہ دکنڈا، حیدر آباد کا بنایا ہوا ٹائپ۔ نستعلیق میں نسخ کی طرز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ نسخ کی طرح اس میں بھی ایک ہی کرسی ہے۔

(ب) نسخ کا ٹائپ جو عربی کتابوں کی چھپائی کے لئے دائرۃ المعارف، حیدر آباد میں مستعمل ہے۔ اس ٹائپ کی مطبوعہ کتابیں بآسانی ملتی ہیں۔

(ج) شرف الدین اینڈ سنز، ناشر اور کتب فروش، بمبئی کا تیار کردہ ٹائپ۔ رام پور کے سرکاری مطبع نے اس ٹائپ میں بعض بہترین کتابیں شائع کی ہیں۔

اس سلسلے میں سندھی اور پشتو کی چھپائی کے لئے جو ٹائپ استعمال ہوتے ہیں۔ وہ بھی مدِ نظر رکھے جائیں۔

اردو رسم الخط کی اصلاح :-

ٹائپ کی طباعت کے مسئلے سے رسم الخط کی اصلاح کا گہرا تعلق ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے میں جرأت کے ساتھ اقدام کرنا ہوگا۔ اور تعلیمی اور فنی ہر دو امور کی سرکردگی کے لئے تخلیقی قوتیں مجتمع کرنی پڑیں گی۔ باقاعدہ ٹائپ کی ترتیب دہی کے لئے ضروری ہے کہ ہماری رسمِ تحریر مشینی عہد کے تقاضوں اور صنعتی کاروبار کی ضرورتوں کے دوش بدوش چل سکے۔ تعلیم کے ابتدائی مراحل کے لئے جس کثیر تعداد میں درسی کتابوں کی ضرورت درپیش ہے اس کے مدِ نظر یہ اصلاح خاص طور پر اہم ہے۔

اس موضوع پر تحقیقات کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک مجلس بنائی جائے۔ اس سلسلے میں ۱۹۴۳ء میں انجمن ترقی اردو کی قائم کردہ مجلسِ خاص کی وہ سفارشات جو انجمن نے ناگپور میں ۱۹۴۴ء کے سالانہ اجلاس میں منظور کر لی تھیں۔ ہمارے کام کے لئے اساسی مواد فراہم کر سکتی ہیں۔ مغربی پنجاب کے لسانی اور ثقافتی حالات کی روشنی میں ان سفارشات کا

تنقیدی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

اس مجلس کو چاہیئے کہ مندرجہ ذیل امور پر اپنی خاص توجہ منعطف کرے :-

(۱) ترکیب حروف کی نوعیت، تشکل اور حد۔

(۲) ایک ترکیبی جزو میں حروف کو واجبی تعداد تک محدود کرنے کے امکانات۔

(۳) متّصل اجزا کی بجائے منفصل اجزا کا استعمال۔

(۴) اصل لفظ سے لواحق کو علیحدہ لکھنا (خصوصاً تعلیم بالغاں اور بچوں کی کتابوں کیلیئے)

(۵) "ا" اور "و" کی طرح "ے" کی علیحدہ تحریر یا اس کے لیئے خاص صورت کی تشکیل۔

(۶) ایک سے زیادہ ہم آواز حروف کو خارج از کتابت کرنے کی تجاویز۔ مثلاً ض، ز، ذ، ظ۔ گ، غ۔ ا، ع۔ س، ث، ص۔ وغیرہ۔

(۷) مرکب حروف لکھنے کے نئے طریقے۔ مثلاً دھ، ڈھ وغیرہ۔

(۸) ان عربی الفاظ کو لکھنے کا طریقہ جو اردو رسم الخط میں دو طریقوں سے لکھے جاتے ہیں۔

(۹) عربی اور فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں کے الفاظ لکھنے کا طریقہ۔

(۱۰) ذیل کے حروف لکھنے کا مناسب طریقہ۔

(ا) ے (ب) ہمزہ (ج) نون غنہ (د) حروف قمری و شمسی (ھ) ۃ

(و) الف مقصورہ۔

تحلیل نفسی — ۲

لاشعور

عبدالحی علوی

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسے اپنے اخلاق و اطوار پر کتنا ناز ہے۔ وہ اپنے پُرمغز بیانات، مدلّل تقاریر اور دلچسپ مضامین میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتا ہے۔ اسے شاید کبھی خیال تک بھی نہیں آتا۔ کہ اس دلکش اور دلفریب صورت کے اندر شیطانی خصائص بھی موجود ہیں۔ خضر صورت بزرگ کی باطنی زندگی سیاہ ہے۔ اور اس کے تمام استدلال بدرجۂ کمال غیر معقول ہیں۔ اس کا ظاہر اور باطن یکساں نہیں۔ اس کے پس پردہ ایسی قوت کام کر رہی ہے۔ جو اس کے تمام محاسن پر غالب ہی نہیں۔ بلکہ اس کے کردار اور سیرت میں زبردست محرک کا کام کر رہی ہے۔ اس خفیہ محرک کا مطالعہ ہمارے غرور کو خاک میں ملا دے گا۔

انسانی وقار کو پامال کرنے والے تین واقعات ہیں۔ یعنی گیلیلیو کا انکشاف کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ ڈاروِن کا نظریۂ ارتقا، جس نے انسان اور حیوان کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ اور فرائڈ کی تحقیق کہ تمام انسانی اعمال و افعال اور کردار و گفتار کے تعین کرنے میں ایسے قوانین حصہ لیتے ہیں جن سے ہم محض بے خبر ہیں۔ اور جن پر منطقی اصول کا اطلاق ممکن نہیں۔ فرائڈ کے اس انکشاف نے انسان کو دوبارہ حیوانوں کے ساتھ ملا دیا۔ اور واضح کر دیا۔ کہ دلکش صورت کا تاریک پہلو ہماری خواہشات۔ احساسات۔ خیالات اور تحریکات میں زیادہ

نمایاں ہے۔ انسانی فطرت کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے ہمیں اس تصویر کے تاریک رُخ ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

ترکیب نفس | نفسیات عمومی نے ایک طویل مدت تک آگاہی واقعات ہی کو اپنا موضوع مطالعہ قرار دیا۔ آگاہی سے مراد اپنے ماحول میں سے چند منتخب واقعات کو اپنی توجہ کا مرکز بنانا ہے۔ اگر ہم ذرا بھی غور سے کام لیں تو یہ حقیقت ہم پر واضح ہو گی کہ نفسیات عمومی کا موضوع نہایت ہی محدود تھا۔ کیونکہ بیشمار ایسے واقعات بھی ہیں جو ہماری توجہ کا مرکز تو نہیں بنتے لیکن ان کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت میری توجہ کا مرکز یہ مضمون ہے جسے میں لکھ رہا ہوں۔ خیالات کے بعد خیالات آ رہے ہیں۔ لیکن بیک وقت ایک ہی نوع کے خیالات پر اپنی توجہ کو مرکوز کر سکتا ہوں۔ یعنی واقعات کی آگاہی ایک وقت میں ایک ہی طرح کے خیالات کے متعلق ہے۔ باقی ماندہ خیالات منتظر رہتے ہیں کہ کب توجہ کا مرکز بنیں۔ امر دوسری قسم کے خیالات کو اس وقت تک "آگاہی" کے لفظ سے یاد نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ یہ ہماری توجہ میں نہ آئیں۔ اسی طرح بچپن کے فراموش شدہ تجربات سے ہم شاذونادر ہی آگاہ ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی اصلیّت سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نفسیات کو گذشتہ صدی کے آخر میں اس امر کا احساس ہُوا کہ نفسیات کا تعلق ہر اس واقعہ سے ہونا چاہیئے۔ جو ہماری آگاہی میں ہو۔ یا نہ ہو۔ ہمیں اس وقت یاد ہو یا بالکل فراموش ہو چکا ہو۔ ہم یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ کہ فراموش شدہ تجربات ہماری روزمرّہ کی زندگی کو متاثر کرنے میں غیر معمولی حصّہ لیتے ہیں۔ نفس انسانی کو آگاہی یا شعور (Consciousness) کا مترادف خیال کرنا درست نہیں۔ کیونکہ فراموش شدہ واقعات بھی اس کے لئے اتنے ہی اہم ہیں۔ جتنے کہ دوسرے واقعات۔ اگر ہم توضیح کی خاطر نفس کی ترکیب فرض کریں تو پتہ چلے گا۔ کہ نفس کا یہ تصور چند عناصر پر مشتمل ہے۔

فرائڈ اپنی تحقیقات کے دوران میں اس نتیجے پر پہنچے کہ نفس Mind کو ہمیشہ

تین قسم کے واقعات یا تجارب پر مشتمل قرار دینا چاہیئے۔

(۱) ایسے واقعات جو اس وقت ہماری توجہ کا مرکز ہیں، انہیں شعوری واقعات کہا جائے گا۔ اور اس کی مطابقت سے ہمیں "شعور" کو فرض کرنا پڑے گا۔ جو شعوری واقعات کو اپنا موضوع قرار دیتی ہے۔

(۲) قبل شعوری Fore-conscious واقعات سے ایسے واقعات مراد ہیں جو اس وقت یاد تو نہیں۔ لیکن معمولی سی کوشش سے انہیں یاد کیا جا سکتا ہے اس مضمون کی تکمیل کی خاطر ایسے بے شمار خیالات یاد آتے جا رہے ہیں جو اس تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ "قبل شعور" کا تعلق ایسے تمام تجارب سے ہوگا جنہیں یاد کرنا چنداں دشوار نہیں۔ اور (۳) لاشعوری تجارب سے مراد ایسے تجارب ہیں جنہیں ہر چند کہ یاد کیا جائے شعور میں واپس نہیں آتے۔ بچپن کے بے شمار واقعات ایسے ہیں جو اب بالکل فراموش ہو چکے ہیں۔ گویا وہ ہمارا حصہ کبھی تھے ہی نہیں۔ "لاشعور" The Unconscious کا تصور ایسے ہی فراموش شدہ واقعات پر مشتمل ہے۔ تحلیل نفسی کی بنیاد اسی تصور پر ہے۔ اور اس کے بغیر انسانی کردار کو سمجھنا ناممکن ہے۔

لاشعور فرائڈ کو لاشعور کے تصور کا موجد خیال کرنا تو درست نہیں لیکن اس تصور کی تشریح اور ہر دلعزیزی کے لئے ہم فرائڈ ہی کے ممنون ہیں جنہوں نے علما کی مخالفت کے باوجود لاشعور کی حیران کن اور بے پناہ طاقت پر سے ظلمت کا پردہ اٹھایا۔ اس تصور پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ جب "نفس" اور "شعور" مترادف اصلاحات ہیں۔ تو نفس غیر شعوری واقعات پر کس طرح مشتمل ہو سکتا ہے؟ ایسے واقعات نفسی ہی نہیں جو شعور کی نگاہ سے مستور ہوں۔ غیر شعوری واقعات اگر ان کی کوئی حقیقت ہے تو محض طبیعی الاصل Physical in nature ہی ہو سکتے ہیں۔ لہذا انہیں نفسیات کے دائرے سے خارج سمجھنا چاہیئے۔ یہ اعتراض بظاہر معقول ہے۔ کیونکہ ان واقعات کے طبیعی الاصل ہونے کا ہمارے پاس کوئی ثبوت

نہیں۔ پھر بھی ہم مندرجہ ذیل حقائق کی بنا پر "لاشعور" کے تصور کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں :۔

ا۔ ہم بے شمار واقعات کے متعلق یقین سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ کسی زمانے میں یہ واقعات شعوری تھے۔ اور ہماری زندگی کو متاثر کر رہے تھے۔ لیکن اب انہیں فراموش ہوئے ایک طویل مدت گذر چکی ہے۔ چونکہ یہ واقعات کسی زمانے میں شعوری رہ چکے ہیں اس لئے گو یہ واقعات فراموش ہو چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کے نفسی الاصل ہونے سے کسی کو انکار نہیں۔ یہ نفسیاتی حقیقت ہے کہ جو تجربہ ایک دفعہ سرزد ہو جائے وہ بالکل ضائع نہیں ہوتا۔ کیونکہ کبھی نہ کبھی مناسب مہیج کی موجودگی میں اسے دوبارہ یاد کیا جا سکتا ہے۔ "تلازم اختیاری" کے طریقے کا بیان سابقہ مضمون میں کیا جا چکا ہے۔ اس کی مدد سے ہمیں ایسے ایسے واقعات یاد آ جاتے ہیں۔ کہ ہمیں یقین نہیں آتا۔ کہ ایسے واقعات بھی کبھی ہماری توجہ کا مرکز بن چکے ہیں۔ کسی روز سونے سے پہلے اپنے خیالات کو آزادانہ چھوڑ دیجئے۔ خیالات کی رو کے راستے میں بالکل حائل نہ ہو جیئے ایسی ایسی باتیں آپ کو یاد آئیں گی۔ جو آپ کے بچپن کے زمانے سے پیوستہ ہوں گی۔ آپ ان خیالات کے معلوم کرنے کے بعد یقیناً تعجب کا اظہار کریں گے۔ یہ واقعات آپ ہی کی ذات سے وابستہ تھے لیکن انہیں دفن کئے ایک زمانہ گذر چکا ہے۔ آج اتفاقاً یہ واقعات زندہ ہو کر آپ کے لئے حیرانی کا باعث بن رہے ہیں۔ کیا اس بنا پر کہ ہم بعض واقعات کو یاد نہیں کر سکتے۔ ان کی موجودگی اور ان کے نفسی الاصل ہونے سے انکار کر دیں؟ ایسے بھولے ہوئے واقعات کو "لاشعوری واقعات" کہہ سکتے ہیں۔ کسی شخص یا کسی شہر کا نام ہم بھول جاتے ہیں۔ ہر چند کہ اسے یاد کرتے ہیں کسی طرح ہمارا حافظہ کام نہیں کرتا۔ لیکن اگر "تلازم اختیاری" کی مدد سے اپنے خیالات کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اور مختلف ناموں کو بلا ارادہ دہرانا شروع کر دیا جائے۔ تو وہی نام ہمیں اچانک یاد آ جائے گا جس کے دہرانے کے لئے ہم اتنے بے تاب تھے۔ ایسی مثالوں کی کمی نہیں۔ جن میں محض اتفاق سے ایسے ایسے واقعات ہمارے حافظے میں واپس آ گئے ہیں۔ جن کا یاد کرنا ممکن نہ تھا۔ ابھی چند روز کی بات ہے۔ کہ جلسے کے دوران میں ایک مولوی صاحب سے

تہذیب حاضرہ کا ذکر کرتے ہوئے " ایوننگ ان پیرس " (ایک قسم کا عطر) کا نام لیا۔ میرے ایک دوست قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نام کے سننے سے ان کے چہرے کی حالت متغیر ہونا شروع ہو گئی۔ نماز کے بعد ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ بڑی مشکل سے انہوں نے اعتراف کیا کہ آج سے آٹھ سال پہلے کا ذکر ہے کہ " ایوننگ ان پارس " کی ایک شیشی نے ان کی محبت کو ناکام بنا دیا۔ کس طرح یہ واقعہ ہوا ؟ اور کیوں ایک شیشی ناکامیٔ محبت کا باعث بنی ؟ آٹھ سال کے بعد اس روز پہلی دفعہ وہ تمام واقعہ ان کی نگاہ کے سامنے پھر گیا۔ ایسے اتفاقات کی بنا پر " لاشعور " کی موجودگی کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۲۔ بیہوشی کے عالم میں بعض مریضوں سے ایسی ایسی باتیں بھی سننے میں آئی ہیں جن کی موجودگی کا اس کے لواحقین کو علم تھا۔ لیکن خود مریض ان سے بے خبر تھا۔ اسی طرح بعض قاتلوں کو محض اتفاقی بیانات کی مدد سے گرفتار کیا گیا ہے۔ جو بے خبری سے ان کے منہ سے نکل گئے۔ اکثر آدمی سوتے میں بڑبڑاتے ہیں۔ اگر غور سے سنا جائے۔ تو ان کا بڑبڑانا ان کی گذشتہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح جو مریضہ آدھی رات کو اٹھ کر بیہوشی میں چلنا شروع کر دیتی ہے۔ یا کسی خاص کام کے کرنے میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اس کے تمام افعال شعور سے نہیں بلکہ لاشعور سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تنویم Hypnotism کے دوران میں اگر کسی کو یہ کہا جائے۔ کہ وہ بیدار ہونے کے اتنے گھنٹے بعد فلاں کام کو سرانجام دے گا۔ تو وہ شخص عین وقت پر اس کام کو بجنسہٖ سرانجام دے گا جس کے کرنے کے لئے اسے کہا جاتے گا، لیکن اگر حالت بیداری میں اس سے تنویم کے دوران کے واقعات کو پوچھا جائے۔ تو وہ کچھ نہیں بتا سکے گا۔ ایسے واقعات یقیناً لاشعور سے پیوستہ ہیں۔ اسی طرح تنویم کی مدد سے مدت کے فراموش شدہ واقعات کو دہرایا جا سکتا ہے۔ مریض ایک واقعہ سے یکسر انکار کرتا ہے لیکن تنویم کے دوران میں وہ انہیں واقعات کو تسلیم کر لیتا ہے۔ ایک دیہاتی مدرسہ کی

تبدیلی اس کی حسن کارکردگی کی بنا پر ایک ایسی جگہ کی گئی۔ جو چند لحاظ سے ضلع بھر میں ممتاز تھی۔ اور ہر ایک مدرس کی خواہش تھی۔ کہ وہ پر فضا جگہ انہیں ملے۔ لیکن افسران بالا کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس مدرس نے اپنی موجودہ جگہ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اور دلیل یہ پیش کی۔ کہ وہ اپنی موجودہ جگہ پر ہر طرح مطمئن ہے۔ اس انکار کو کفرانِ نعمت خیال کرتے ہوئے اس بیچارے کو کسی دور دراز جگہ پر بھیج دیا گیا۔ اس مدرس نے وہاں جانے سے کیوں انکار کیا؟ کسی کو کیا غرض تھی کہ اس کا اصل سبب تلاش کرتا پھرے۔ تنویم کی مدد سے اصل حالات معلوم کئے گئے۔ اس مدرس کی منگنی ایک گاؤں میں ہوئی۔ لیکن منگنی کے بعد کسی نے اس گاؤں میں گم نام خطوط روانہ کرنے شروع کر دئے۔ جس کے نتیجے پر یہ منگنی چھوٹ گئی۔ بعد میں اس لڑکی کی شادی اسی جگہ کر دی گئی۔ جس جگہ اب مدرس کو بھیجا جا رہا تھا۔ ان واقعات کو گزرے ایک زمانہ گزر چکا تھا۔ اور مدرس اپنے اہل و عیال میں اتنا خوش تھا۔ کہ وہ ان تلخ واقعات کو مکمل طور پر فراموش کر چکا تھا۔ لیکن حالت تنویم میں اس نے ان تجارب کو بلا کم و کاست بیان کر دیا۔ جو اس کے اپنے خیال میں اس کی شعوری زندگی کا حصہ نہیں رہے تھے۔ یہ تمام واقعات لاشعور میں موجود تھے۔ تنویم کے عمل سے انہیں واپس "شعور" میں لایا گیا۔

۴۔ ہم یہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ اکثر بھولے ہوئے واقعات ذرا سا اشارہ ملنے سے یاد آجاتے ہیں۔ اگرچہ انہیں کو یاد کرنے کی خاطر ہم نے بہتیری کوشش بھی کی تھی ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کسی مسئلے کو ہم حل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہماری تمام کوششیں کارگر نہیں ہوتیں۔ سو کر اٹھتے ہیں تو اس کا حل خود بخود مل جاتا ہے۔ اسی طرح معمولی مناسبت سے ہمیں مدت کا بھولا ہوا شعر یاد آجاتا ہے۔ یہ تمام واقعات لاشعور کی موجودگی کے گواہ ہیں۔

۵۔ فرائڈ نے خوابوں کے ضمن میں یہ انکشاف کیا۔ کہ اگر خوابوں کی مکمل تعبیر کی جائے۔

تو ان کا تعلق ہمیشہ فراموش شدہ واقعات سے ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ خوابوں کو شاہراہ لاشعور خیال کیا جاتا ہے۔ تعبیر خواب کی مدد سے ہم اپنی اس باطنی زندگی سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ جس سے مطلع ہونا ہم پسند بھی نہیں کرتے۔ خوابوں کی تعبیر ایک ایسا آلہ ہے جس سے فراموش شدہ ممتنع واقعات پر کما حقہٗ روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ یہ ممتنع واقعات لاشعور کا ایک جزو ہیں۔

۶۔ روزمرّہ کی معمولی غلطیاں بھی لاشعور ہی کی مرہون منّت ہیں۔ کسی واقعہ کا بھول جانا لکھنے میں معمولی غلطیوں کا مرتکب ہونا۔ یا کسی چیز کا اتفاقی حادثہ سے ٹوٹ جانا، یہ تمام کے تمام معنی سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کے معانی لاشعور میں مضمر ہیں۔ اور ان کو سمجھنے کی خاطر لاشعور ہی کو کریدنا ہو گا۔ دوستی دشمنی اور محبت و نفرت کا بھی یہی حال ہے۔ راقم کو مشہور گوّیے سہگل کے نام سے بھی نفرت ہے۔ اگر ریڈیو پر اس کا گانا ہو۔ تو وہ ریڈیو بند کر دینے کا متمنّی ہوتا ہے ایک دن حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا۔ کہ سہگل سے نفرت اس لئے ہے کہ وہ جالندھر کا رہنے والا تھا۔ اور جالندھر کے ایک شخص سے راقم کو ایک دفعہ کافی تکلیف اٹھانی پڑی تھی۔ یہ واقعہ تو کچھ عرصہ بعد یاد نہ رہا۔ اور اس شخص سے تعلقات بھی خاطر خواہ ہو گئے۔ لیکن سہگل کے گانوں سے ضرور نفرت ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ اس نفرت کا باعث شعور میں نہیں بلکہ لاشعور میں مضمر ہے۔ ابھی چند ماہ کی بات ہے۔ کہ ایک دوست کو اس کے پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہو جانے پر مبارکباد کا خط لکھا۔ اور اسے ڈاک میں ڈال دیا۔ چند روز بعد جب ایک کتاب لائبریرین کو واپس کرنے کے لئے دی۔ تو اس میں سے وہی خط نکلا۔ جو اپنی طرف سے ڈاک میں ڈالا گیا تھا۔ اس فراموشی کی وجہ بھی انتہائی کوشش سے مل گئی۔ جو لاشعور کے کسی گوشہ میں پنہاں تھی۔

اگر آپ مختلف افسانوں پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ہر افسانہ نویس ایک خاص طرز کا مالک ہے۔ اور اس کے اس انداز سے اس کی اپنی فراموش شدہ زندگی کی جھلک نمایاں ہے۔ اگر آپ کا مطالعہ عمیق ہے تو افسانوں کی مدد سے لکھنے والے کی زندگی کے ان رازوں سے

آگاہ ہو سکتے ہیں۔ جن سے ان کے مالک خود بھی باخبر نہیں۔ ان تمام حقائق کی تشریح کیلئے ہم لاشعور کا تصوّر فرض کرنے کے لئے مجبور ہیں۔

۷۔ فرائڈ کے طریقۂ علاج کا بنیادی اصول ہی لاشعوری واقعات پر منحصر ہے۔ اس طریقۂ علاج کی کامیابی سے ہم شعور کے تصوّر کو اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں۔ فراموش شدہ واقعات کو جب بھی شعور میں داخل کیا گیا۔ تو ہسٹریا کی مخصوص علامات مثلاً جسم کے بعض حصّوں کی بےحسی، تشویش اور خوف وغیرہ جاتی رہیں اور مریض بالکل تندرست ہو گیا۔ یہ حقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ فرائڈ کے لاشعور کا تصوّر تحلیل نفسی میں بنیاد کا کام دیتا ہے۔

ذہنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو جانچنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ کہ شعور کے علاوہ نفس کا بہت بڑا حصّہ (اگر اس تمثیل سے ہم گمراہ نہ ہوں) لاشعور پر مشتمل ہے۔ فراموش شدہ واقعات کے لئے یہ حصۂ نفس گدام کا کام دیتا ہے۔ اور تجارب شخصی سالہا سال تک اور بعض اوقات تمام عمر اس تاریک کوٹھری ہی میں پڑے رہتے ہیں۔ جب تک تلاش نہ کی جائے، ان واقعات کو شعور میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لاشعور کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلے گا کہ ہماری تاریک باطنی زندگی ہمارے روزانہ کاموں کو کس طرح متاثر کرتی رہتی ہے؟

ترکیب نفس کا طبیعی وجود تو ہے نہیں۔ لیکن تشریح کی خاطر ہم اسے طبیعی خیال کرنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ اس طرح فرض کرنے سے یہ تصوّر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ شعور اور لاشعور کے باہمی تعلق کی توضیح کے لئے ایک ایسا کمرہ فرض کر لیجئے جس میں مختلف ذہنی واقعات اور حوادث تلاطم برپا کر رہے ہیں۔ اس کمرے کے دروازہ پر دربان ان تمام واقعات کا جائزہ لے رہا ہے۔ بعض واقعات کو دوسرے کمرہ میں جو "شعور" کی رہائش ہے۔ داخل ہونے کی اجازت دے دیتا ہے۔ لیکن بعض واقعات کو اجازت نہیں ملتی۔ کیونکہ دربان کے خیال میں وہ واقعات شعور میں داخل ہونے کے ناقابل ہوتے ہیں۔ ان "ممنوع" واقعات کو "لاشعور"

میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں ان کی ہستی شعور کے لئے کالعدم ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے واقعات جن کو دربان سے اجازت مل جاتی ہے۔ ایک اور کمرے میں انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور باری باری سے شعور میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ ان واقعات کو "قبل شعوری" واقعات کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جس کمرے میں یہ منتظر رہتے ہیں۔ اسے "قبل شعور" کا نام دیا جاتا ہے۔

ہم قارئین کرام پر دوبارہ واضح کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ترکیب نفس اور اس کی شعور، قبل شعور اور لاشعور کی تقسیم محض ایک تصور ہے۔ جس سے چند اہم نفسیاتی اصولوں کی تشریح کی جا سکتی ہے۔ نفسیات کے علاوہ دوسرے علوم بھی مخصوص تصورات کو استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ طبیعی قوت۔ برقی رو۔ ایتھر۔ ایٹم وغیرہ یہ سب ایسے تصورات ہیں جو طبیعیات میں مزید تشریح کی خاطر استعمال کئے جاتے ہیں۔ تصورات طبیعی حقیقت (Physical reality) کا دعوٰے کبھی بھی نہیں کرتے۔ لیکن کسی علم کی مزید تشریح اور اس کے قوانین کو جانچنے کی خاطر ان تصورات کو نظر انداز نہیں کیا سکتا۔ یہی حال تحلیل نفسی کے تصورات کا ہے۔ ان تصورات کی مدد سے ہمیں انسانی کردار کے سمجھنے اور قوانین وضع کرنے میں آسانی رہے گی۔

لاشعور کی خصوصیات تحلیل نفسی پر ایک اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ اس نے انسان کے درجے کو گرا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ کہ ہماری عظمت اور ہمارے غرور کو ٹھیس پہنچے۔ سچائی ہمیشہ تلخ ہوتی ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ لاشعور ہر قسم کی برائیوں کا مخزن ہے۔ اور انسانیت کی بجائے حیوانیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر یہ دیکھئے کہ حیوانات اپنے گوبر سے کھیلنے میں کتنی لذت لیتے ہیں۔ ان کی یہ حرکت ہمارے نزدیک انتہائی نفرت کا باعث ہے۔ لیکن انسان کی نفاست پسندی اس وقت کہاں جاتی ہے۔ جب وہ اپنے بچوں کو بعینہٖ یہی حرکت کرتے دیکھتا ہے؟ وہ بھی تو حیوانوں کی طرح اپنی غلاظت سے پرہیز نہیں کرتے۔ اسی طرح حیوان جب لڑنے مرنے پر آتے ہیں تو کسی کا لحاظ

نہیں کرتے۔ چھوٹے بچے بھی اپنے اعزا و اقربا کی جانب ایسے ہی خیالات رکھتے ہیں۔ بلکہ اکثر دفعہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کی چھوٹی بہن مرجائے جو ان کی محبت کے راستے میں حائل ہے۔ بعینہٖ یہی خیالات والد یا والدہ کے متعلق بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ تو خیر چھوٹے بچوں کا حال ہے۔ گذشتہ سال فسادات کے ایّام میں انسان نے جس بربریت کا ثبوت دیا ہے کیا اس کو دیکھ کر انسان کی حیوانیت کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے ؟ حضرت انسان نے واضح کر دیا ہے کہ وہ ابھی تک حیوانیت کے زیر اثر ہے۔ فسادات ہمارے لئے درس عبرت ہی نہیں۔ بلکہ لاشعور کے مطالعہ کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ لاشعور کس قسم کے خیالات پر مشتمل ہے ؟ اس کا نظارہ چشم بصیرت نے دیکھ لیا ہے۔ اور انسانی فطرت ——— مہذّب انسانوں کی فطرت ——— مذہب اور اخلاق کے دلدادوں کی فطرت ——— دنیا پر آشکارا ہو چکی ہے۔ یہ ہے لاشعور کی ایک ادنیٰ سی جھلک۔

اور دیکھئے: حیوانات میں تزویج کی کوئی قید نہیں۔ تزویج کی خاطر ماں باپ، بہن بھائی کی کوئی شرط نہیں۔ بلکہ عمدہ نسل کی خاطر یہ ضروری ہے۔ کہ ایسی قریبی تزویج کو رواج دیا جائے۔ کیا ہمیں یہ معلوم کر کے انتہائی صدمہ نہ پہنچے گا۔ کہ اس خواہش سے ہم بھی بری نہیں؟ ہم آئندہ مضامین میں دیکھیں گے، کہ فرائڈ کا یہ خیال کہ لڑکا اپنی ماں کے ساتھ اور لڑکی اپنے باپ کے ساتھ جنسی رشتہ قائم کرنے کے انتہائی خواہشمند ہیں، کس حد تک صداقت پر مبنی ہے۔ یہ سب کچھ لاشعور سے پردہ اُٹھانے کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ انسان کو اپنے خلیفتہ اللہ ہونے پر اتنا ناز ہے۔ کہ وہ ایسے تمام خیالات کو عمداً بھول جانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اپنی حیوانیت کو تسلیم نہ کر سکے۔ یہ خوب ذہن نشین کر لیجئے۔ کہ لاشعور کا مطالعہ بلاشک و شبہ انسانی حیوانیت کے مطالعہ کے مترادف ہے۔ نفسیات کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں تلخ حقائق کا سامنا کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔

لاشعور کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہمیشہ قانونی لذت والم کے تابع ہے یعنی

لاشعور ہمیشہ ایسی خواہشات کا پیچھا کرے گا۔ جو اس کے لئے فوری لذت کا باعث ہوں۔ ان کا انجام خواہ کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو۔ لاشعور اس کی پرواہ کئے بغیر حظ پہنچانے والی خواہشات کا احترام کرے گا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ لاشعور سوسائٹی کے قوانین۔ اخلاق اور مذہب کے اصولوں کا مطلق پابند نہیں۔ لاشعور کے سلسلے میں یہ بھی یاد رکھیئے! کہ یہ سرتاپا غیر معقول ہے۔ اور اخلاق و اطوار سے کوسوں دُور۔ لاشعور کا بیشتر مواد جنسی الاصل خیالات پر مشتمل ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ لذت والم کے علاوہ یہ کسی اور اصول کا پابند نہیں۔

یہ ہیں لاشعور کی چند صفات جو ہماری روزانہ زندگی میں محرک Motive کا کام دیتا ہے۔ آئندہ مضمون میں ہمیں لاشعور کی حقیقت معلوم کرنے کا موقع ملے گا۔"

(مسلسل)

ٹالسٹائی

تعلیمِ عوام کا پیامبر

پروفیسر عبد الغفور

۶۱-۱۸۶۰ء کا زمانہ روس کی تاریخ کا ایک طوفانی دور ہے۔ اس تاریخی سال میں روس کی جنگ آزادی کا ایک دور ختم ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسرے کا آغاز ہوتا ہے۔

۳ مارچ ۱۸۶۱ء کے تاریخی دن تک روسی کسان انسان نہیں تھا۔ ایک بھٹکی ہوئی آوارہ پریشان روح تھا۔ ان روحوں کو بیچا جاتا تھا۔ انہیں گروی بھی رکھا جاتا تھا۔ اور جب ایک زمیندار دوسرے کے ہاتھ جائداد فروخت کرتا تھا تو بیع نامہ میں اتنے عدد پالتو سؤر، گدھے اور گھوڑے بھی درج کئے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اتنی نفری روحیں (Souls) یعنی کسان اتنے روح بچے اور اتنی روح بچیاں!

تیسری مارچ کی سنہری صبح کو ایک اعلان شاہی کے ذریعہ روس کے تمام غلام کسان آزاد کر دئے گئے۔ ان روحوں نے ایک نیا قالب پیدا کر لیا۔ ان کے دل میں ایک نئی دھڑکن، ان کے قلب میں ایک نئی روح بیدار ہو گئی۔ اور ان کی روح نے پہلی مرتبہ محسوس کیا۔ کہ وہ آزاد ہیں۔ انکی روح کسی زمیندار کے شاگرد پیشہ کی روح نہیں۔ بلکہ وہ روح ہے جسے خالق کائنات نے اپنے سانچے میں خود ڈھالا اور بنایا تھا۔ ان کا نام کسی روسی فارم کے "روح" رجسٹر میں درج نہیں تھا۔ بلکہ اس میثاقِ ازلی پر ثبت تھا جس پر قالو بلیٰ کی مُہر لگی ہوئی تھی۔

سینکڑوں سال کی غلامی اور کیسی غلامی کے بعد یہ آزادی! ایک زمانے کی تلخ کامی۔ ایک

اس کی زہرناک جرعہ آشامی کے بعد آزادی کا یہ جام آتشیں ! اس کے نشے کو سنبھالنا بھی کسی کسی دل گردے والے کا کام تھا۔ آزادی تو اکثر قومیں حاصل کرتی ہیں۔ لیکن اُسے سنبھالنے والی چند ایک ہی ہوتی ہیں۔ انقلاب فرانس کے زمانے میں آزادی کی شراب ایک ہُوئے آتشیں کی طرح پیرس کے کوچہ و بازار میں سے بہہ نکلی اور وقتی طور پر عوام کے دل و دماغ کو بھی اپنے ساتھ بہالے گئی۔ آزادی کے اس روح پرور نشاط انگیز دَور کے بعد نپولین کا دورِ استبداد۔ اسی نشے کا خمار اسی چڑھاؤ کا اتار تھا۔ اسی طرح انگلستان کی خانہ جنگی کے زمانہ میں، کرامول اور اس کے گول سر کے ساتھیوں Round heads نے بھی آزادی کا پرچم لہرایا تھا۔ لیکن جب یہ پھریرا عوام کے ہاتھ میں پہنچا تو اس پھریرے کے بوجھ سے ان کے شانے ٹوٹنے لگے۔

روسی مصلحین آزادی کی ان تلخ حقیقتوں۔ اس کا تعاقب کرنے والے خطرات سے ناآشنا نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آزادی کے لئے مرنا شاید دشوار نہیں۔ لیکن اس کے لئے جینا یقیناً بہت ہی کڑی جانچ کا کام ہے۔ روسی کسان کو آزادی کی اس نئی زندگی کے تیار کرنے کے لئے ٹالسٹائی نے اپنا مشہور و معروف مدرسہ قائم کیا۔ اس درسگاہ کے ذریعے سے وہ روسی کسان کے ان بے پناہ تخلیقی، اخلاقی اور عملی قواء کی تنظیم کردینا چاہتا تھا۔ جو سیاسی آزادی کے اعلان سے بیدار ہو گئے تھے۔ وہ ان سوتوں کو ان کاریزوں میں ڈھال دینا چاہتا تھا۔ جو آزادانہ تباہ کاری کا سامان مہیا کرنے کے بجائے۔ پورے ایک دیس کی جھلساتی۔ آگ برساتی فضا کو خوشگوار اور دلفریب بنانے میں امداد دیں۔

نئے اعلان کی رو سے روس کا کسان جسمانی لحاظ سے آزاد ہوگیا تھا۔ ٹالسٹائی اس کی روح کو بھی سٹیپ (Steppes) کے میدانوں کی ہواؤں کی طرح آزاد دیکھنا چاہتا تھا۔ آزادی اس کی نگاہ میں رائے شماری کا کام نہیں، جان سپاری کا نام تھا اور اس نے جان آفرینی کا راز جاں نثاری میں ہی پایا تھا۔ آزادی نے کسان کے سامنے زندگی کے بے پناہ ممکنات کھول دئیے تھے مگر وہ ابھی اس کے چوراہے پر ششدر کھڑا تھا۔ اس کی بے پناہ قوتیں بیدار ہو رہی تھیں۔ اس کی داخلی

زندگی میں بجلی اور بھاپ سے بھی زیادہ بے پناہ طاقت ابھر رہی تھی مگر انہیں اپنانے اور صحیح راستے پر لگانے والا کون تھا۔

اس کام کو ایک حد تک ٹالسٹائی نے اپنے ذمہ لے لیا۔ ایک بالغ نگاہ مصلح کی طرح اس نے دیکھ لیا تھا کہ عوام کی انجانی قوتوں کو ڈھالنے اور بنانے کا ذریعہ ایک تندرست اور اچھا انتظامِ تعلیم ہو سکتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جب کوئی بلند ہمت کسی قوم کی عمارت کو چٹانوں سے بھی استوار بنیاد پر رکھنا چاہتا ہے۔ تو لازماً اس کی نگاہ مدرسوں اور ان کی تنظیم پر پڑتی ہے۔ روسو نے اگر ایک جانب کنٹراکت سوسیال (Contract social) لکھ کر انسان میں عزتِ نفس کے ایک نئے احساس کی لَو جگادی۔ تو دوسری طرف امیل (Emile) لکھ کر مدرسوں اور ان کے اجارہ داروں کے لئے بھی فکر بے تاب کے چند لمحات پیدا کر دئے۔ روسو نے دیکھا کہ انسان ہر کہیں آزاد پیدا ہوتا ہے مگر سبھی جگہ بیڑیوں میں جکڑا ملتا ہے۔ اس نے انسان کے بچے کو بھی آزاد پیدا ہوتے دیکھا مگر مدرسے کے ماحول میں اسے ضبط کے بندھنوں، قواعد کی پابندیوں، نفسیاتی الجھنوں، ڈر اور مذہب کے سلاسل میں گرفتار دیکھا۔

سوستان کے اس آزاد فسوں گر نے جس کے رگ و پے میں کہستانی ہوا کی لہر رواں دواں تھی۔ ایسا صورِ اسرافیل پھونکا جس سے بہ طلسمی قید، بند ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے لگے۔ اس خوفناک صوت کی زیر و بم نے یورپ بھر کے سیاسی، ادبی اور تعلیمی حلقوں میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس کی آواز پر سوستان کی پہاڑیوں نے لبیک کہا۔ اس کی صدا کو فرانس کے وسیع میدانوں نے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس طرح یہ آواز گونجتی گونجاتی، لہراتی ٹکراتی جرمنی کے سیاہ جنگل میں پہنچی اور وہاں سے مدہم پڑتی ہوئی آخر کار روس کی بے پناہ وسعتوں میں گم ہونے کو تھی۔ مگر جیسے ننھے ننھے کیڑے آنے والی بارش کی خنکی اس کی بڑھتی ہوئی خوشگوار نمی کو ایک عرصہ پہلے سے اپنی رگ و پے میں محسوس کرنے لگتے ہیں جس طرح ہزاروں میل کے فاصلہ پر ایتھر کا ارتعاش ریڈیو والوں کے ایتھری ذرات کو مترنم کر دیتا تھا اس طرح اس تحریک کی ایک بڑھتی ہوئی لیکن مدہم پڑتی ہوئی لہر نے ٹالسٹائی کے دل کے تاروں کو

چھیڑ دیا۔

اُس نے اپنے تعلیمی پروگرام کی بنیاد دو اصولوں پر رکھی۔ ایک یہ کہ تعلیم عوام کے لئے ہو۔ اس کا نقطۂ نگاہ اس کا نصاب ان کی ضروریات کو دیکھ کر مرتّب کیا جائے۔ اس کے اپنے الفاظ میں یہ چیز روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر ہم (بورژوا) ہزاروں کی تعداد میں ہیں تو وہ (عوام) لکھوکھا میں۔ عوام تعلیم یافتہ طبقے کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں اور رہتے ہیں لیکن تعلیم یافتہ طبقے کا عوام کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں۔ ابراہیم لنکن کی طرح اس کا خیال تھا کہ اللہ میاں بھی غریبوں سے محبت کرتا ہے ورنہ اتنے ڈھیروں کے ڈھیر کیوں پیدا کرتا۔ اس نئی تعلیم کا مقصد انہیں غریبوں کے لئے تعمیرِ حیات کی بنیادیں تیار کرنا تھا۔ اس کے نصاب کا نصب العین اس عمارت کیلئے چونا اور گہگل کا کام دینا تھا۔

طریقِ تعلیم کے لحاظ سے اس نے نئی تعلیم کی بنیاد آزادی اور آزاد ضبط کے اصولوں پر رکھی۔ اپنی تعلیمی زندگی کی یاد اب تک ایک ہوک بن کر دل میں اُٹھتی تھی۔ ٹالسٹائی بچپن کے تاثرات نہیں بھولا تھا اور سچ پوچھئے تو زار کے زمانے میں روس کی تعلیم باتوں سے نہیں لاتوں سے ہوتی تھی پُرانے مصر کی ایک کہاوت کے مطابق روسی بچوں کے کان اُن کے سر کے دونوں جانب نہیں بلکہ ان کی پیٹھ پر لگے تھے۔ اس زمانے کے روس کا تصوّر آتے ہی شہزادہ کراپٹکین (Kropotkin) کی کھینچی ہوئی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی ہے جس میں شاہی محل میں امرا کے مدرسے کے بچے ایک چکّر میں ایک ساتھ ایسے دوڑ رہے ہیں جیسے سرکس کے سدھے ہوئے گھوڑے اور اُستاد چابک سے ان کا تعاقب کر رہا ہے!

ٹالسٹائی بچپن ہی سے بلا کا حسّاس تھا، اس کے ننھے سے دل پر اس مار کے گہرے داغ پڑ گئے تھے۔ جب اُستاد نے اسے بھیڑیئے کی طرح جھنجوڑ کر رات بھر کے لئے ایک اندھیرے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ نیا تجربہ شروع کرنے کے لئے اُسے روسی مدرسے سے نئی روشنی کی اُمید نہ تھی۔ اس مقصد کے لئے اُس نے یورپ کا سفر کیا۔ ایک سمجھ دار راہی کی طرح جو پو پھٹنے سے پہلے ہی زادِ سفر کے انتظام میں مشغول ہو جاتا ہے، ٹالسٹائی نے اعلانِ آزادی سے کچھ عرصہ پہلے ہی عزمِ سفر کر لیا تھا

ابھی کسانوں کی آزادی کا شاہی اعلان نہیں ہُوا تھا لیکن اس کے کچھ کچھ آثار افق پر نظر آ رہے تھے۔ روس کے دیس میں نئی صبح کا ستارہ اُبھر رہا تھا۔ اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں ٹالسٹائی نے مغرب کی راہ لی۔ ٹالسٹائی کی یہ تعلیمی جاترا ۱۸۶۰ء میں یعنی اعلان آزادی سے ایک سال پہلے کی گئی۔

یورپ کے مدرسوں کے بارے میں اس کے تاثرات بڑے دلچسپ ہیں۔ ٹالسٹائی اونچے ایوانوں اور بڑے ناموں سے متاثر نہیں ہوتا۔ وہ ان اداروں کو اسی کسوٹی پر رکھتا ہے جس پر اُس نے زندگی کی اقدار کو جانچا تھا۔ جرمنی کے مدرسوں کے بارے میں لکھتا ہے۔ "جرمن مدرسہ! بھلا اس میں رکھا ہی کیا ہے۔ روزانہ شروع میں بادشاہ کے لئے دعا۔ اس کے بعد بچوں کی پٹائی۔ چند مضامین کی رٹائی۔ گھبرائے ہوئے خوفزدہ بچوں کا گروہ!" جرمنی میں اسے کنڈر گارٹن سکول بھی دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مگر اس زمانے کے کنڈر گارٹن "بچوں کے باغ" نہیں تھے۔ اور رہتے بھی کیسے؟ ان کو زندگی بخشنے والا باغبان ہی نہ رہا۔ ان مدرسوں کے بارے میں کہتا ہے۔

"کنڈر گارٹن"! خشک اصولوں کی رٹ۔ زندگی سے غیر متعلق۔ فرسودہ کباڑخانہ" یہ اس کنڈر گارٹن کے بارے میں جس سے ٹالسٹائی کو موجد کے بھتیجے جولیس فروبل (Julius Froebel) نے روشناس کرایا تھا۔

اور فرانس کے تو کہنے ہی کیا وہ تو پہلے سے ہی کلاسیکی تعلیم اور اس کے طریقوں کا گڑھ رہا ہے۔ مدرسے کی چہار دیواری کے باہر فرانسیسی بچوں کو دیکھتا تھا تو ان کی ذہانت اور طبع خداداد کو دیکھ کر حیران ہو جاتا تھا۔ ویسے تو ہر دیس کے بچے اجنبی نوواردوں میں دلچسپی لیتے ہیں لیکن فرانسیسی بچہ تو نووارد کو اچھا خاصہ عجائب گھر کا نمونہ سمجھتا ہے۔ اور کچھ اس قسم کی دلچسپی بھی لیتا ہے لیکن ٹالسٹائی مارسیلز کے ایک مدرسے میں داخل ہُوا۔ تو وہاں عالم ہی دوسرا تھا۔ انہیں ذہین، منچلے چنچل بچوں کو اندھا دُھند مذہبی اور سیاسی تاریخ، مذہبیات کے اصول زبانی رٹائے جاتے تھے۔ اور ضبط تعدا کی بہناہ بقول ٹالسٹائی "میں نے چار چار سال کے بچوں کو فوجی سپاہی کی طرح سیٹی کی آواز پہ

بینچوں کے گرد چلتے بلکہ یوں کہو باقاعدہ قواعد کرتے دیکھا ہے۔ اور خوف سے تھرّائی ہوئی آواز میں خدا کی حمد و ثنا میں گیت گاتے سُنا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ مارسیلز کا تعلیمی نظام کس قدر بوسیدہ اور بیکار ہے؟

جب اس نے یاسنا پولیانا (Yasna Polyana) میں اپنا مدرسہ کھولا تو اس نے اسی جمعدارانہ بلکہ بہیمانہ ضبط کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ آزادی کے اس عطیہ سے جو قانونِ آزادی کی رُو سے ہر بالغ کسان اور غلام کو عطا کیا گیا تھا۔ نئی اُبھرنے والی پود بھی محروم نہ رہے۔

آزاد ضبط پر اس کا یقین اور عقیدہ کسی جذباتی بنیاد پر مبنی نہ تھا۔ اس کا عقیدہ روزمرّہ کے تجربات، اور زندگی کے مطالعہ پر مبنی تھا۔ اسے بچوں میں عجیب و غریب قسم کی دلچسپی تھی۔ ایک والہانہ محبت نہیں، بچوں کے ساتھ بچہ بننے کی مجنونانہ تڑپ۔ وہ جہاں کہیں بچہ کو دیکھ پاتا تھا پورے ذوق و شوق سے اپنے محبت بھرے دل کی گرمجوشی سے ان کی طرف اس طرح ہمک پڑتا تھا جیسے ایک شیرخوار بچہ چاند کی طرف ہمکتا ہے۔ اور اسے گود میں لینے کی کوشش کرتا ہے۔

(فرانس) کے قیام میں وہ گھنٹوں بچوں سے کھیلتا رہتا تھا۔ اس کے بارے میں بلاک سن کے تاثرات جو اس وقت نو برس کا تھا کس قدر گہرے، کتنے خوشگوار محبت سے بھرے ہوئے اور رسیلے ہیں۔ وہ اکثر بچوں کو لمبی سیر پر لے جاتا تھا اُس کی ایک سیر کا جو اس نے تاروں کی چھاؤں میں بتائی بچوں کے ساتھ کی تھی ہم آئندہ صحبت میں ذکر کریں گے۔ بقول بلاک سن ہ سیر کے دوران میں ٹالسٹائی مختلف کہانیاں سناتا رہتا تھا۔ ایک تو مجھے اب تک یاد ہے۔ ایک سنہری گھوڑے اور دیوقامت درخت کی جس کی پھننگیوں میں سے تمام سمندر اور تمام شہر نظر آتے تھے۔ ٹالسٹائی کو معلوم تھا کہ میرے پھیپھڑے کچھ کمزور ہیں اس لئے وہ اکثر مجھے کندھے پر بٹھا لیتا تھا اور راستہ چلتے چلتے کہانی بھی سناتا جاتا تھا۔ بس اور کیا لکھوں۔ سچ جانو کہ اُن دنوں اگر وہ ہمیں کسی بڑی سے بڑی قربانی کے لئے بھی کہتا تو ہم اپنی ننھی ننھی جانوں کو اس کے لئے قربان کرنے پر تیار ہو جاتے۔ اور حقیقت میں اس کا آزاد ضبط میں عقیدہ بھی اسی فطری محبت اور بے پناہ اعتماد کی بنا پر تھا۔

[redacted]

جو اسے بچوں کی ذات سے تھی ۔ اسے مدرسوں کی تیلیوں میں بند بچوں اور آزاد گھومنے والی شرارت کی پوٹ میں بڑا فرق نظر آتا تھا ۔

اگر ہم سرسری نگاہ سے ایک بچے کی گلی اور مدرسے کی دلچسپیوں پر غور کریں تو ان میں ایک بیّن اور حیرت انگیز فرق نظر آئے گا۔ گلی میں وہ زندہ دل اور جستجو کی تڑپ سے بے تاب نظر آتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں تبسّم رقص کرتا ہے۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی ہے۔ ہر لحظہ ہر آن اس میں ایک طلب کی تڑپ ہے۔ طلبِ علم، چیزوں کی ماہیّت جاننے کا شوق اور وہ اپنے طور طریقے سے اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کی بجائے مدّرسہ میں وہ ایک تھکا ماندہ سمٹا سمٹایا سا جاندار ہے۔ جو محض لبوں سے کسی اور کے خیالات کسی اور کی زبان میں دُہراتا ہے۔ اس کی پیشانی پر ایک تھکن سی محسوس ہوتی ہے۔ اس کی آنکھ میں خوف وہراس۔ اس کے چہرے پر اُداسی۔ وہ ایک ایسا جاندار ہے جس کی روح ایک گھونگھے کی طرح اپنے خول میں دبک کر سمٹ سمٹا گئی ہو۔ یہ ہے سکول کی ذہنی حالت جس میں بجائے دخل، تخلیق یا غور و فکر کے محض ایک نیم وحشیانہ قوت نطق ہوتی ہے۔ صرف الفاظ کو دوہرا دینے کی اصلیت بغیر تخیل اور بغیر کسی سوچ بچار کے، طوطے کی طرح زبان یا قلم چلانے کی مشق !

جب بچّوں پر مدرسے کے ماحول کی یہ ذہنی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو جماعت کا سب سے بڑا گدھا اس کا کارواں سالار اور سب سے ذہین بچہ حاشیہ بردار ہوتا ہے۔ بقول ٹالسٹائی "تعلیم ایک انسانی عمل ہے۔ اگر اس کی بنیاد برابری کے اصول پر رکھی گئی ہے اگر اس کی، نیو علم اور زیادہ سے زیادہ جاننے کی اہلیت اور رجحان پر رکھی گئی ہے۔ تو پھر ایسی تعلیم کا ماحول آزاد ہونا چاہیئے۔ اس کی فضا میں استاد ایک آزاد بچے کی حرکات اور اس کی دلچسپیوں کا مطالعہ کر سکے۔ اس کی روشنی میں اپنے طریق تدریس کی اصلاح کر سکے تعلیم کا اصل طریق تجربہ ہے۔ اور اس کا معیار آزادی۔

سکولوں میں چل جانے والے منبطہ قواعد کا اصلی سبب یہ نہیں کہ اساتذہ آزاد تعلیم کے اصولوں سے نا آشنا ہیں۔ وہ ان چیزوں کو خوب جانتے ہیں مگر ہمارے نظام تعلیم کا محور بچہ نہیں اُستاد ہے۔ سکولوں کا مقصد گلّے کے لئے گلّہ بان مہیّا کرنا نہیں بلکہ گلّہ بان کے لئے ایک گلّہ تیار کرنا ہے۔

مدرسے اس لئے منتظم نہیں کئے جاتے کہ بچّوں کو تعلیم میں سہولت بہم پہنچ سکے بلکہ اس لئے کہ اساتذہ کو پڑھانے میں آسانی ہو۔ بچّوں کی آوازیں، ان کی آزادانہ حرکات ان کی پرجوش مسرتیں، ان کی چیخیں اور گلکاریاں جو بچّوں کے لئے ایک اچھی زندگی کا نشان ہیں اساتذہ کو پریشان کرتی ہیں۔ اس مصروفیت میں جسے وہ کام سمجھتے ہیں دخل انداز ہوتی ہیں۔ اسی لئے ہمارے موجودہ زنداں نما سکولوں میں سوالات، گفتگو یا حرکت ممنوع ہیں ممکن ہے بعض اُستادوں کی رائے میں ٹالسٹائی کا یہ فیصلہ یک طرفہ ڈگری سے زیادہ کی حیثیت نہ رکھتا ہو۔ لیکن یہ ڈگری محض ایک جج کی نافذ کی ہوئی نہیں۔ اس میں تو ماہرین تعلیم کی ایک پوری جیوری شریک ہے۔ روسو سے لے کر مادام مانسٹوری اور جان ڈیوی تک سب کا یہی فیصلہ ہے۔

جان ڈیوی نے جب پہلے پہل شکاگو میں اپنا مشہور و معروف تجربی مدرسہ کھولنے کا ارادہ کیا تو مدرسوں کے لئے سامان مہیّا کرنے والی ایک فرم سے مشورہ کیا۔ ان کے یہاں وہی پُرانی طرز کے بھاری بھرکم ڈسک تھے جو ایک مرتبہ درجے میں رکھ دئے جائیں تو طلباء کی میبیوں نسلوں کے لئے قطب کا کام دیں۔ اس پر ڈیوی نے کہا کہ بھئی، ہمیں تو نئے قسم کے ہلکے پھلکے ڈسک یا میز کرسیاں چاہئیے۔ جنہیں بچے آسانی سے گھما پھرا سکیں۔ اس پر دوکان کے مالک نے پروفیسر جان ڈیوی کو کچھ مربیانہ سے انداز میں یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کیوں۔ بڑے میاں بڑھاپے میں دماغ چل گیا ہے، پھر کچھ رُک کر بولا حضرت ہمارے ہاں تو ایسے ڈسک بنتے ہیں جن پر بیٹھ کر آپ سبق سن سکتے ہیں (خیر سے یہ بھی نہیں کہہ دیا کہ

سو سکتے ہیں۔) جب مقصد سبق سُننا ہے تو انہیں گھمانے پھرانے سے کیا حاصل !

حقیقت یہ ہے کہ ایک زمانے سے مدرسے کی کائنات کا محور استاد تھا۔ مدرسے کے ڈسک ہوں یا نقشے کا (Poinrer) سب اس کی رعایت اور سہولت کے لئے بنائے جاتے تھے۔ ٹالسٹائی ان چند سرپھرے لوگوں میں سے تھا جو پُرانے اصولوں کے اس قدر گرویدہ نہیں ہوتے کہ دل و دماغ بھی گروی رکھ دیں۔ ایک تعلیمی کوپرنیکس Copernicus کی طرح اس نے روس کے تعلیمی نظام میں پہلی دفعہ اعلان کر دیا۔ کہ مدرسے کی کائنات کا محور استاد نہیں بچہ ہے۔ اس تعلیمی آزادی کا یہ نیا اعلان یاسنا پولیانا کے مدرسے سے ہوا۔

(آئندہ کے لئے دیکھئے ٹالسٹائی کا مدرسہ)

اصطلاحی غور و فکر

(گذشتہ سے پیوستہ)

آموزش کے اس شمارہ سے ہم اصطلاحی غور و فکر کے شعبے کو دو حصّوں میں تقسیم کر رہے ہیں پہلے حصے میں بدستور سابق اصطلاحات کا ترجمہ پیش کیا جائے گا۔ دوسرے حصے میں "اصطلاحات زیرِ غور" کے عنوان سے وہ انگریزی اصطلاحات دے دی جائیں گی جن کا ترجمہ "آموزش" کے آئندہ نمبر میں شائع کرنا مقصود ہوگا۔ اس طرح قارئین "آموزش" بھی ان اصطلاحات پر غور و خوض کر کے اپنی رائے کے مطابق مناسب ترجمے بر وقت ہمیں بھیج سکیں گے۔

(س ف)

(۱)

اصطلاحات

(سلسلہ ما سبق)

25. Under Considration

جس معاملے پر ابھی غور و خوض ہو رہا ہو۔ اور فیصلہ نہ ہوا ہو۔ یہ اصطلاح اس معاملے کے متعلق استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے لئے تین مختلف ترجمے موصول ہوئے ہیں۔ "زیرِ تجویز" "زیرِ تامل"، "زیرِ غور"۔ تجویز کا لفظ تو (Consideration) کے لئے ناموزوں ہے۔ "تامل" اگرچہ کسی حد تک فیصلہ کی تاخیر کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ لیکن اس میں کچھ تردد کا عنصر بھی شامل ہے۔ غور (Consideration) کا صحیح اور موزوں ترجمہ ہے۔ ہم "زیرِ غور" کو ہی ترجیح دیں گے۔

26. Under Review

اس کے متعلق مندرجہ ذیل ترجمے موصول ہوئے ہیں :-

زیر نظر، زیر نگاہ، زیر ملاحظہ، زیر غور، نظرثانی ہو رہی ہے، زیر معائنہ، زیر اصلاح زیر تصحیح، برائے تقریظ، زیر امتحان، زیر تبصرہ، زیر ترمیم، زیر تنقید، زیر تحقیق، اگرچہ ہر ایک ترجمہ (Review) کے کسی نہ کسی پہلو کو بیان کرتا ہے۔ لیکن (Review) میں جو جامعیت ہے۔ وہ "تبصرہ" کے علاوہ باقی تمام لفظوں میں سے کسی ایک میں نہیں۔ اس لئے "زیر تبصرہ" باقی تمام ترجموں پر فوقیت رکھتا ہے۔

27. On Probation

اس کیلئے مندرجہ ذیل ترجمے بعض اصحاب نے تجویز کئے ہیں :-

زیر امتحان، زیر آزمائش، آزمائشی، آزمائش پر، آزمائشی طور پر،

لیکن ان سب میں سے ہمیں "زیر آزمائش" زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ آزمائشی اگرچہ مختصر ہے۔ لیکن اس سے مفہوم صحیح طور پر ادا نہیں ہوتا۔ آزمائش پر اور آزمائشی طور پر مختلف ترکیبی صورتیں ہیں۔ ان کے مقابلے میں "زیر آزمائش" مختصر ہے۔ اور زیادہ جچتا ہے۔

28. Grade of Pay

(Pay) کے لئے بجائے تنخواہ کے مشاہرہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے اور (Grade) کا ترجمہ "درجہ" بہتر ہے۔ چنانچہ اس اصطلاح کے لئے "درجۂ مشاہرہ" زیادہ موزوں ہوگا۔ اور مندرجہ ذیل ترجمے جو بعض حضرات نے تجویز کئے ہیں۔ اُن سب پر ہم "درجۂ مشاہرہ" کو ترجیح دیتے ہیں۔

رتبۂ تنخواہ، معیار تنخواہ، پایۂ معاوضہ، درجۂ تنخواہ، تنخواہ کی منزل، انداز معاوضہ،

29. Memorandum

اس کے لئے "یادداشت" عام مروج ہے۔ اور یہی بہتر ہے۔ اس کے بعد ہمیں "یادنامہ" بھی کچھ موزوں نظر آتا ہے۔ باقی "یادآور"، "یادآوری کا خط" "یادداشت کی چٹھی"، "خطِ یاد افروز" وغیرہ سب غیر موزوں ہیں۔

30. Temporary

اس کے لئے چار ترجمے موصول ہوتے ہیں۔ عارضی، وقتی، غیر مستقل، اور موقتی، لیکن ان سب میں سے "عارضی" ہی بہتر اور موزوں ہے۔ اور یہ عام مستعمل بھی ہے۔

31. Medical Certificate

کئی صاحبوں نے "تصدیق طبّی" تجویز کیا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں ہمیں "تصدیق معالج" بہتر معلوم ہوتا ہے۔ "تصدیق طبّی" اگرچہ صحیح لفظی ترجمہ ہے۔ لیکن اصل مفہوم طب کی تصدیق نہیں۔ بلکہ معالج کی تصدیق ہے۔ اس لئے اصل مفہوم کی توضیح کی خاطر "تصدیق معالج" کہا جائے تو بہتر ہوگا۔

32. Senior

عظیم، بڑا، کبیر، اکبر، اعظم، اعلےٰ، عالی، مہتر، کلاں، بزرگ، بالا، کوئی گیارہ ترجمے آئے ہیں۔ ان میں سے اعلےٰ، مہتر اور کلاں انتخاب کئے گئے، تینوں مفہوم کے لحاظ سے موزوں ترجمے ہیں۔ لیکن "اعلےٰ" عام مستعمل ہونے کے باعث زیادہ ترجیح کے قابل ہے۔

33. Junior

چھوٹا، صغیر، اصغر، ادنےٰ، کہتر، خورد، زیرین، تحتی، تحتانی، نو ترجمے اس اصطلاح کے آئے۔ لیکن ان میں سے بھی (Senior) کے ترجمے کی طرح "ادنےٰ"، "کہتر" اور خورد انتخاب میں آتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے بھی "ادنےٰ" ہی عام مستعمل اور

معروف ہے۔ اس لئے یہی قابل ترجیح ہے۔

34. Officiating

اس کے لئے مندرجہ ذیل ترجمے موصول ہوئے ہیں:۔

قائم مقام، عارضی، غیر مستقل، مستعمل۔ مگر "قائم مقام" عام مروّج اور قابل ترجیح ہے۔

35. In continuation of

اس کے لئے "بسلسلہ ماسبق"، "گذشتہ سے پیوستہ"، "گذشتہ سے متعلق"، "باتصال معروضاتِ گذشتہ"، "گذشتہ کے علاوہ"، "معروض اوّل کے ساتھ"، "بطور ضمیمہ" "گذشتہ معروضات کے ضمن میں" وغیرہ ترجمے تجویز کئے گئے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی ایک بھی جچتا ہوا نظر نہیں آتا۔ البتہ پہلے دو ترجمے عام مستعمل ہیں۔ ہمارے نزدیک اسکی صورت مندرجہ ذیل ہونی چاہیئے:۔

"گذشتہ تحریر یا خط یا فرمان سے متعلق مزید مرقوم ہے کہ ......"

(ب)

اصطلاحات زیرِ غور

مندرجہ ذیل اصطلاحات کا ترجمہ آموزش کے آئندہ شمارہ میں پیش کیا جائے گا۔ ترجمے میں دلچسپی لینے والے اصحاب سے التماس ہے کہ ان اصطلاحوں کے ترجمے بروقت مدیر آموزش (شعبہ اصطلاحات، سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور) کے نام بھیج دیں۔ تاکہ ترجمے کے انتخاب میں ان کی مفید رائے بھی شامل ہو۔

36. Director 37. Inspector 38. Registrar 39. Time-scale

40. Circulate 41. Record 42. Circular
43. Miss (Unmarried girl) E.g. *Miss Thomas* 44. Retirement
45. Confirmation 46. Seniority 47. Additional
48. Please note 49. Noted for future guidance
50. Resultant Vacancy

نیز قارئین "آموزش" سے التماس ہے کہ جن اصحاب کو اپنے دفتری کاموں میں جن اصطلاحات کے ترجمے کی دقت محسوس ہو۔ وہ اُن اصطلاحات کی فہرست "مدیر آموزش (شعبۂ اصطلاحات) سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور" کے نام بھیج دیں۔ ان کی دقتوں کو دُور کرنے کی انتہائی کوشش کی جائے گی۔

(سلیم فارانی)

سرکاری جریدہ کے اعلانات

سررشتۂ تعلیم، مغربی پنجاب

صیغۂ رجال

تاریخ الاعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۴ ستمبر سنہ ۱۹۴۷ء ۱۹۹۴۶-ج	قاضی عبدالرحمٰن بی۔ اے۔ بی۔ ٹی	مہتمم مدارس قسمت ملتان	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ اول قائم مقام	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ اول مستقل	مہتمم مدارس قسمت ملتان	۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء	ایک خالی آ[سامی] کی جگہ
〃	ملک محمد حسین۔ ایم۔ اے بی۔ ٹی	مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی	〃	〃	مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی	〃	〃
〃	م۔ غلام عباس خاں ایم۔ اے	لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم	〃	پرنسپل گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازیخان	۱۱ نومبر سنہ ۱۹۴۷ء	〃
〃	میر خورشید حسن بی۔ اے بی۔ ٹی	رجسٹرار محکمہ امتحانات	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ اول قائم مقام	〃	رجسٹرار محکمہ امتحانات	۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء	〃
〃	م۔ محمد ناظر بی۔ اے۔ بی۔ ٹی پنجاب بی۔ اے۔ آنرز لندن	وائس پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور	〃	〃	وائس پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور	۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء	〃
〃	میر غلام وارث ایم۔ ایس۔ سی	لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لاہور	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم	پی۔ ای۔ ایس (عملہ فوقانی) درجہ اول قائم مقام	پروفیسر گورنمنٹ کالج۔ لاہور	〃	〃
〃	〃	پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ اول قائم مقام	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ مستقل	پرنسپل گورنمنٹ کالج راولپنڈی	یکم اکتوبر سنہ ۱۹۴۸ء	ایک نئی آسامی جگہ
〃	چودھری محمد صادق ایم۔ اے علیگ، بی۔ اے۔ آنرز لندن	پرنسپل گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج جھنگ	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ اول قائم مقام	پرنسپل گورنمنٹ کالج جھنگ	یکم اکتوبر سنہ ۱۹۴۷ء	ڈاکٹر حمید اللہ خ[ان] جو حکومت پاکستا[ن] ماتحت کام کر ر[ہے]
〃	ڈاکٹر محمد صادق ایم۔ اے پی ایچ۔ ڈی (لندن)	لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج۔ لاہور	〃	〃	پروفیسر گورنمنٹ کالج۔ لاہور	۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء	عبداللطیف کی ج[گہ] پاکستان کے ماتحت کا[م]

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا۔	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۳ اگست ۱۹۴۸ء E-۱۶۳۸۲	م۔ نذیر احمد ایم۔ اے (فارسی) ایم۔ اے (انگریزی) درجہ مشاہرہ (۱۵۰-۳۵۰)	لیکچرار ایمرسن کالج ملتان	———		لیکچرار اسعد گورنمنٹ کالج لاہور (سابقہ تنخواہ پر)	تاریخ حاضری سے	وہ اپنی اسامی ساتھ لے جائیں گے۔
״	مرزا مقبول بیگ بدخشانی ایم۔ اے (فارسی)	لیکچرار ڈی مانٹ مورنسی کالج سرگودھا	———		لیکچرار اردو گورنمنٹ کالج لاہور (سابقہ تنخواہ پر)	״	״
۳۰ اگست ۱۹۴۸ء Z-۱۶۵۲۸	م۔ حشمت خان ایم۔ اے	لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج۔ لائل پور	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ اول قائم مقام	پرنسپل گورنمنٹ کالج لائلپور (قائم مقام)	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء قبل از دوپہر	ڈبلیو۔ اے۔ بارنس کی جگہ جن کی ملازمت ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء قبل از دوپہر سے ختم کردی گئی۔
۳ ستمبر ۱۹۴۸ء E-۱۶۸۵۵	م۔ اشفاق حسین بی۔ اے ڈی۔ پی۔ ای	نائب مہتمم تربیت جسمانی مدارس ضلع جہلم جو گورنمنٹ کالج کیمبل پور میں معلم تربیت جسمانی کی قائم مقامی کر رہے ہیں۔ انہیں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے مستقل کر دیا گیا ہے					مشاہرہ درجہ سوم (۹۰-۵-۱۵۰) کی ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
״	م۔ عبدالرحیم بٹ بی۔ اے ڈی۔ پی۔ ای	نائب مہتمم تربیت جسمانی مدارس ضلع گوجرانوالہ جو گورنمنٹ کالج جھنگ میں بطور معلم تربیت جسمانی محمد اقبال بی۔ اے ڈی۔ پی۔ ای کے حق منصب میں جن کی خدمات تعلیم کشانہ (اطفال) مغربی پنجاب نے مستعار لی ہیں۔ انہیں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے مستقل کر دیا گیا ہے۔					״
۱۱ اگست ۱۹۴۸ء E-۱۵۹۴۲	ڈاکٹر غلام یٰسین خاں نیازی ایم۔ اے پی ایچ ڈی	مہتمم مدارس ضلع لائلپور	عملہ تحتانی درجہ مشاہرہ (۲۳۰-۱۰-۳۰۰) (قائم مقام)	عملہ تحتانی درجہ مشاہرہ (۲۳۰-۱۰-۳۰۰) مستقل	مہتمم مدارس ضلع لائل پور	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	شعبہ اسکول میں ایک خالی اسامی کی جگہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے یکم مارچ ۱۹۴۸ء تک کا جو عرصہ ان کا کالج میں صرف ہوا۔ اسے کالج میں مستعار خدمات کا عرصہ تصور کر لیا گیا ہے۔
۱۹ اگست ۱۹۴۸ء E-۱۵۹۴۵	م۔ نذیر احمد بی۔ اے بی۔ ٹی (۲۳۰-...-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ نارمل سکول کمالیہ (لائلپور)	״	״	صدر معلم گورنمنٹ نارمل سکول کمالیہ (لائلپور)	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	
۱۹ اگست ۱۹۴۸ء E-۱۵۶۷۹	م۔ عبدالغنی	معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول۔ قصور	درجہ مشاہرہ (۵۰-۳-۸۰-۴-۱۰۰)	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) مستقل	———	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے	خوشی محمد (۱۰۵-۱۴۰) کی جگہ جو اینگلو ورنیکلر سیکشن کے درجہ (۹۰-۵-۱۵۰) میں مستقل ہو گئے ہیں۔

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۹ اگست سنہ ۱۹۴۸ء ۴-۹-۱۵۹۷	م۔ فیض محمد	معلم دستکاری گورنمنٹ ہائی سکول ڈیرہ غازیخان	درجہ سوم مشاہرہ (۵۰-۲-۸۰-۴-۱۰۰)	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) مستقل	———	۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء سے	ایم عنایت اللہ کی جگہ جنکی درجہ (۱۴۰-۱۰-۲۲۰) میں ترقی ہوئی ہے۔
"	م۔ نور محمد	معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول۔ تونسہ	"	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی	———	۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء سے ۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۴۷ء تک	مشتاق علی خان کی جگہ جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور جن کا حق منصب ۱۵ اگست سنہ ۴۷ء سے ختم کر دیا گیا ہے۔
"	"	"	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) مستقل	———	۲۲ ستمبر سنہ ۱۹۴۷ء سے	س نعمت علی شاہ کی جگہ جو فوت ہو گئے ہیں۔
"	م۔ نجیب اللہ خان	معلم تربیت جسمانی گورنمنٹ ہائی سکول عیسےٰ خیل	درجہ سوم مشاہرہ (۵۰-۳-۸۰-۴-۱۰۰)	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی	———	۱۵ اگست سنہ ۴۷ء سے ۳۰ ستمبر سنہ ۱۹۴۷ء تک	م۔ خورشید احمد خان کی جگہ جو فوجی خدمات سر انجام دے رہے ہیں اور جن کا حق منصب ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء سے ختم کر دیا گیا ہے۔
"	"	"	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) مستقل	———	یکم اکتوبر سنہ ۴۷ء سے ۲۱ جنوری سنہ ۴۸ء تک جبکے بعد وہ سبکدوش ہو گئے	م۔ فیض محمد معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ کی جگہ جنکی درجہ (۱۴۰-۱۰-۲۲۰) میں ترقی ہوئی ہے۔
"	م۔ غلام قاسم	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول عیسےٰ خیل	درجہ سوم (۵۰-۳-۸۰-۴-۱۰۰)	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی	———	۱۵ اگست سنہ ۴۷ء سے ۳۰ ستمبر سنہ ۴۷ء تک	امیر عنایت اللہ خان کی جگہ جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور جنکا حق منصب ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء سے ختم کر دیا گیا ہے۔
"	"	"	درجہ دوم (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) مستقل	———	یکم اکتوبر سنہ ۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ

تاریخ اطلاع و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۹ اگست ۱۹۴۸ء ۱۵۹۷۹-E	س۔ زمان شاہ	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ	درجہ سوم (۵۰-۳-۸۰-۴-۱۰۰)	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی	—	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ۲۲ دسمبر ۱۹۴۷ء تک	میر زمان خان کی جگہ جو فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور جن کا حق منصب ۱۵ اگست سے ختم کر دیا گیا ہے۔
"	"	"	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) مستقل	—	۲۳ دسمبر ۱۹۴۷ء سے	م۔ فیروز الدین کی جگہ جن کی درجہ مشاہرہ (۱۴۰-۱۰-۲۲۰) میں ترقی ہوئی ہے۔
"	س۔ احمد حسین شاہ	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول سیالکوٹ	درجہ سوم (۵۰-۳-۸۰-۴-۱۰۰)	درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی	—	۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء تک	م۔ فیض محمد کی جگہ (۱۴۰-۔۔-۲۲۰) میں عارضی ترقی ہوئی۔
"	"	یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء سے ۲۳ دسمبر ۱۹۴۷ء تک۔ م۔ فیروز الدین کی جگہ جن کی (۱۴۰-۲۲۰) میں عارضی ترقی ہوئی اور ۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء سے ۲۱ جنوری ۱۹۴۸ء تک م۔ صابر علی خاں کی جگہ جن کی (۱۴۰-۲۲۰) میں عارضی ترقی ہوئی۔ اور ۲۲ جنوری ۱۹۴۸ء سے م۔ حبیب اللہ (۱۰۵-۱۴۰) کی جگہ جو ملازمت سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) عارضی سے درجہ دوم مشاہرہ (۱۰۵-۷-۱۴۰) میں مستقل کر دئے گئے۔					
۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء ۱۷۳۹۵-E	ش۔ سردار علی بی اے ایس اے وی	ایک عہدہ اُمیدوار جن کے گورنمنٹ ہائی سکول کہروڑ پکا ضلع ملتان میں معلم انگریزی کی حیثیت سے درجہ مشاہرہ دوم (۱۵۰-۱۰-۲۲۰) میں تقرر کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔			قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول قصور ضلع لاہور درجہ مشاہرہ دوم (۱۵۰-۱۰-۲۲۰) میں	تاریخ حاضری سے	ایک خالی آسامی کی جگہ جو لالہ سرداری لال کے مشرقی پنجاب کی طرف جانے سے واقع ہوئی
۱۹ اگست ۱۹۴۸ء ۱۵۹۸۶-E	س۔ کوثر حسین ساہی ایم اے ایم او ایل۔ بی ٹی مشاہرہ (۹۰-۵-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول چونیاں ضلع لاہور	—	—	قائم مقام معلم انگریزی سنٹرل ماڈل سکول لاہور (سابقہ مشاہرہ پر)	تاریخ حاضری سے	م۔ طالع مند کی جگہ جو بحیثیت صدر معلم تبدیل ہو گئے ہیں۔
یکم ستمبر ۱۹۴۸ء ۱۶۶۵۴-E	م۔ محمد مظفر مشاہرہ (۱۴۰-۱۰-۲۰۰)	معلم ڈرائنگ گورنمنٹ نارمل سکول شاہ پور صدر	—	—	معلم ڈرائنگ گورنمنٹ ہائی سکول شاہ پور صدر	"	م۔ عبد الغنی کی جگہ جو تبدیل ہو گئے ہیں۔

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
نومبر ۱۹۴۸ء ۱۶۶۵	م۔ عبدالغنی بمشاہرہ (۱۴۰-۱۰-۲۲۰)	معلم ڈرائنگ گورنمنٹ ہائی سکول شاہ پور صدر	—	—	معلم ڈرائنگ گورنمنٹ نارمل سکول شاہ پور صدر	تاریخ حاضری سے	م۔ محمد مظفر کی جگہ جو تبدیل ہو گئے ہیں۔
نومبر ۱۹۴۸ء ۱۶۸۴۹	مسٹر کرم الہی بی۔ اے بی۔ ٹی	(ایک مسیحی امیدوار)	—	—	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول پسرور ضلع سیالکوٹ درجہ سوم مشاہرہ (۹۰-۵-۱۵۰) میں ۹۰ روپے ماہوار پر	،،	م۔ شہاب الدین احمد خان کی جگہ جو کہ جی، آر، پی، ایم کالج جہلم میں کام کر رہے ہیں اور جن کا حق منصب اب گورنمنٹ ہائی سکول میں سرکلیف سے حمید کی خالی اسامی کی جگہ جنہوں نے مشرقی پنجاب میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تبدیل کیا جا رہا ہے۔
نومبر ۱۹۴۸ء ۱۶۲۲۲	م۔ طالب الدین ملک بی۔ اے۔ بی۔ ٹی	—	—	—	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول باغبانپورہ درجہ دوم (۱۰۰-۱۵۰-۲۲۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۲۴ فروری ۱۹۴۸ء سے	م۔ عبدالحمید کی خالی کردہ اسامی کی جگہ جن کی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے درجہ (۲۳۰-۳۰۰) میں ترقی ہوئی ہے۔
،،	مس۔ آل نبی پیرزادہ ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی	—	—	—	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا درجہ دوم (۱۰۰-۱۵۰-۲۲۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۲۴ فروری ۱۹۴۸ء سے	م۔ منظور احمد کی خالی کردہ اسامی کی جگہ جنکی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے درجہ (۲۳۰-۳۰۰) میں ترقی ہوئی ہے۔
،،	م۔ نسیم انور حسین بی۔ اے۔ بی۔ ٹی	—	—	—	معلم انگریزی گورنمنٹ نارمل سکول لالہ موسیٰ درجہ دوم (۱۰۰-۱۵۰-۲۲۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء سے	مسٹر ایف۔ جے حمید کی خالی اسامی کی جگہ جنہوں نے مشرقی پنجاب میں ملازمت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۰ستمبر ۱۹۴۸ء ای۔ ۱۲۲۳	م۔ خان ریاض بیگت بی۔ اے۔ بی۔ ٹی	—	—	—	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا درجہ دوم (۱۵۰-۱۰-۲۲۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۱۹ر مارچ ۴۸ء سے	ایک نئی آسامی کی جگہ جو یکم اکتوبر ۴۷ء سے پیدا کی گئی ہے۔
۱۰ستمبر ۱۹۴۸ء ای۔ ۱۲۲۵	س۔ اختر حسین ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی	—	—	—	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول قصور۔ درجہ اول (۲۳۰-۱۰-۳۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۹ر اکتوبر ۴۷ء سے	ایک خالی آسامی کی جگہ جو ۱۵ر اگست سے خالی تھی۔
"	م۔ مستنصر باللہ ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی	—	—	—	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول ڈیرہ غازیخان درجہ اول (۲۳۰-۱۰-۳۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر۔	۲۰ر نومبر ۴۷ء سے	"
"	م۔ سلطان علی بی ایس سی۔ بی ٹی	—	—	—	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول جڑانوالہ درجہ اول (۲۳۰-۱۰-۳۰۰) میں یکسال کی آزمائش پر	۲۸ر فروری ۴۸ء سے	ایک نئی اسامی کی جگہ جو یکم اکتوبر سے پیدا ہوئی۔
"	س۔ نیاز احمد ترمذی بی اے۔ ایس اے وی	—	—	—	معلم دوم گورنمنٹ ہائی سکول میانوالی جنکی خدمات انجمن اسلامیہ راولپنڈی سے مستعار لی گئیں۔ درجہ اول (۲۳۰-۱۰-۳۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	یکم اپریل ۴۸ء سے	اس اسامی کی جگہ جو میر محمد غنی کے ملازمت سے سبکدوش ہونے پر خالی ہوئی ہے۔
"	م۔ محمد مختار صادق بی ایس سی۔ بی ٹی	—	—	—	معلم انگریزی سنٹرل ماڈل سکول لاہور۔ درجہ اول (۲۳۰-۱۰-۳۰۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۳ر اپریل ۴۸ء سے	اس اسامی کی جگہ جو م۔ واجد علی کے ملازمت سے سبکدوش ہونے پر خالی ہوئی ہے۔

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۰ ستمبر ۱۹۴۸ء E-۱۷۲۲۵	ش- غلام نبی بی ایس سی- بی ٹی	—	—	—	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ	۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء سے	اس اسامی کی جگہ جو مسٹر محسن علی کے ملازمت سبکدوش ہونے پر خالی ہوئی ہے

صیغہ نسواں

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء E-۲۶۲۰۰	آنسہ سردار بیگم ایس وی نمبر ۲۳ (۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال			معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول لیہ بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	آنسہ صابرہ بیگم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے
"	آنسہ صابرہ بیگم ایس وی ایچ پی یو نمبر ۱۲ (۱۰۵-۱۴۰) حال (۱۴۰-۲۲۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول لیہ			معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول خانیوال بمشاہرہ سابقہ	"	آنسہ سردار بیگم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے
۲۰ اگست ۱۹۴۸ء E-۱۶۰۰۷	آنسہ امتہ القیوم جے اے وی نمبر ۹۴ (۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازیخان			نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول منٹگمری۔ (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	حمیدہ صابری کی جگہ جنہوں نے استعفیٰ دیدیا ہے
۲۳ اگست ۱۹۴۸ء E-۱۶۱۴۱	بیگم ج- رفیق- بی اے بی ٹی	مہتممہ مدارس قسمت راولپنڈی	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ دوم زنانہ	پی ای ایس (عملہ فوقانی) درجہ اول زنانہ- قائم مقام	—	۱۷ مئی ۱۹۴۸ء سے	ایک خالی اسامی کی جگہ
۲۴ اگست ۱۹۴۸ء W-۱۶۳۹۷	آنسہ بلقیس خاتون بی اے- بی ٹی نمبر ۱۱۹ مشاہرہ (۱۵۰-۲۲۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول پاکپتن	—	—	—	—	ان کا استعفیٰ ۱۰ جولائی ۱۹۴۸ء قبل از دوپہر منظور کر لیا گیا ہے۔
۳۰ اگست ۱۹۴۸ء W-۱۶۵۱۸	مسز ایم- لو- ہارڈے	—	—	—	نائب معلمہ قائم مقام اکینیٹ ٹیچر کوئین میری کالج لاہور درجہ دوم (۱۵۰-۱۰-۲۲۰) میں ایک سال کی آزمائش پر	۳ جنوری ۱۹۴۸ء سے	۱۵۰-۲۲۰ کی ایک موجودہ اسامی کی جگہ جو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول قصور سے کوئین میری کالج لاہور کی طرف منتقل کر دی گئی ہے
"	آنسہ قیصر جہاں بیگم ایم- اے- بی ٹی	—	—	—	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول فیروزپور بعدہٗ لاہور درجہ دوم (۱۵۰-۱۰-۲۲۰) میں ایک سال کی آزمائش پر-	تعطیلات گرما کے بعد تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۳۰ اگست ۱۹۴۸ء ۷-۱۶۵۳۰	مس پی۔ ای بٹیلر تربیت یافتہ قابلہ (ٹرینڈ نرس)	قائم مقام نرس کوئین میری کالج لاہور	—	—	نرس کوئین میری کالج لاہور۔ ۱۵۰ روپیہ ماہوار ایک سال کی آزمائش پر	۱۱ مارچ ۱۹۴۸ء سے	شعبہ نسواں کے درجہ مشاہرہ (۱۵۰-۲۲۰) کی ایک اسامی کی جگہ
۳۰ اگست ۱۹۴۸ء ۷-۱۶۵۵۵	آنسہ زہرہ محمود اللہ بی اے، بی ٹی نمبر ۲۲۳ (۷۰--۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول ملتان (آزمائشی)	—	—	—	—	ان کا استعفیٰ یکم مئی ۱۹۴۸ء قبل از دوپہر سے منظور کر لیا گیا ہے۔
یکم ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۶۶۲۹	آنسہ ل۔ عبداللہ ایم اے نمبر ۱ (۱۵۰--۳۵۰)	لیکچرار گورنمنٹ کالج فار ویمن لائل پور	—	—	لیکچرار گورنمنٹ کالج فار ویمن۔ ملتان (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	ایک خالی اسامی کی جگہ
یکم ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۶۶۳۱	آنسہ اختر جہاں ضیاء الحق بی اے۔ بی ٹی	قائم مقام نائب مہتمہ مدارس ضلع گجرات	—	—	قائم مقام مہتمہ مدارس ضلع گجرات بمشاہرہ ۲۳۰ روپے ماہوار	۱۱ اگست ۱۹۴۸ء قبل از دوپہر سے	آنسہ ن۔ بشیر الدین بی ای ایس درجہ دوم شعبہ نسواں کی جگہ جو رخصت پر ہیں۔
۴ ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۶۸۸۳	آنسہ عبدالواحد ایم اے (انگریزی) ایم اے (فلسفہ)	—	—	—	قائم مقام لیکچرار انگریزی گورنمنٹ کالج فار ویمن لائلپور۔ بمشاہرہ ۱۵۰ روپے ماہوار۔ درجہ (۱۵۰-۱۰-۳۵۰) میں	تاریخ حاضری سے	آنسہ عبداللہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔ اور ۱۵۰-۳۵۰ کی ایک موجودہ اسامی میں۔
"	آنسہ کنیز فاطمہ ایم اے (جغرافیہ)	—	—	—	قائم مقام لیکچرار گورنمنٹ کالج فار ویمن ملتان بمشاہرہ ۱۵۰ روپے ماہوار۔ درجہ (۱۵۰-۱۰-۳۵۰) میں	"	"
"	مسز جی۔ جانسن نمبر ۳ (۱۰۵--۱۴۰)	نگران دار الاقامہ گورنمنٹ کالج فار ویمن لائلپور	—	—	نگران دار الاقامہ گورنمنٹ کالج فار ویمن ملتان (بمشاہرہ سابقہ)	"	وہ اپنی اسامی اپنے ساتھ لے جائیں گی۔
۶ ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۶۹۹۴	آنسہ مقبول حسن بی اے بی ٹی (۱۵۰--۲۲۰)	قائم مقام نائب مہتمہ مدارس ضلع لائل پور	—	—	قائم مقام نائب مہتمہ مدارس ضلع سیالکوٹ (بمشاہرہ سابقہ)	"	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب پر اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۴ ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۶۹۹۸	ممتاز ملک بی اے بی ٹی کا تقرر بحیثیت قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازیخان درجہ مشاہرہ (۷۰-۱۵۰) میں جسکے متعلق احکام شمارہ ۷-۱۲۲ مورخہ ۵ جنوری ۱۹۴۸ء صادر ہوئے تھے منسوخ کر دیا گیا ہے۔						
۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۷۳۴۸	آنسہ ز۔ کریم بخش بی اے بی ٹی	قائم مقام نائب مہتممہ مدارس ضلع لاہور	—	—	قائم مقام مہتممہ مدارس ضلع لاہور بمشاہرہ ۲۳۰ روپے ماہوار	۱۵ دسمبر ۱۹۴۷ء سے	آنسہ ر۔ س۔ قادری بی۔ ای ایس درجہ دوم کی جگہ جنکی خدمات محکمہ مہاجرین کو مستعار دی گئی ہیں۔
۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۷۳۵۳	آنسہ فاطمہ کریم بی اے بی ٹی نمبر ۲۰۲ (۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لیسرور حال صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ درجہ مشاہرہ (۷۰-۱۵۰)	—	—	بحیثیت نائب معلمہ بدرجہ مشاہرہ (۷۰-۱۵۰) مستقل	یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء سے	
۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۷۳۵۷	بیگم زین العابدین ایس وی نمبر ۱۴۱ (۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو لیڈی میکلیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور (آزمائشی)	—	—	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ملتان (آزمائشی) بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	مسز پیٹی لکشمی دیوی کی جگہ جو مشرقی پنجاب میں چلی گئی ہیں۔
۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۷۳۶۱	اللہ رکھی ایس وی نمبر ۴ (۱۰۵-۱۴۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول منٹگمری	—	—	معلمہ اردو لیڈی میکلیگن گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لاہور (بمشاہرہ سابقہ)	تاریخ حاضری سے	بیگم زین العابدین کی جگہ جو گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول ملتان کیطرف تبدیل ہوگئی ہیں اور ایک موجودہ اسامی میں۔
۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء ۷-۱۷۳۶۸	آنسہ ممتاز طوسی بی اے بی ٹی نمبر ۳۲ (۲۳۰-۳۰۰)	مہتممہ مدارس ضلع لائلپور جنکی خدمات محکمہ مہاجرین نے مستعار لی ہیں۔	—	—	مہتممہ مدارس ضلع لاہور بمشاہرہ سابقہ	۹ ستمبر ۱۹۴۸ء سے	آنسہ ر۔ س۔ قادری کی جگہ جنکی خدمات محکمہ مہاجرین کو مستعار دی گئی ہیں۔
"	آنسہ م۔ غلام حیدر بی اے بی ٹی نمبر ۳۳ (۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال			مہتممہ مدارس ضلع لائلپور بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	بیگم العبد رشید احمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	بیگم العبد رشید احمد بی اے بی ٹی نمبر ۳۴ (۲۳۰-۳۰۰)	مہتممہ مدارس ضلع راولپنڈی	—	—	مہتممہ مدارس ضلع لائلپور بمشاہرہ سابقہ	"	آنسہ ممتاز طوسی کی جگہ جنکا تبادلہ ہو چکا ہے۔

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کس منصب اور کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
نمبر ستمبر ۱۹۴۸ء ۱۷۳۹۸	آنسہ تہذیب طفیل بی اے۔ بی ٹی نمبر ۴۵ (۱۵۰-۲۲۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول لیہ	—	—	مہتممہ مدارس ضلع مظفر گڑھ بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ آسامی کی جگہ۔
"	آنسہ ز۔ کرم آلہی بی اے۔ بی ٹی نمبر ۷ (۱۵۰-۲۲۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول جلالپور جٹاں	—	—	قائم مقام مہتممہ مدارس ضلع میانوالی بمشاہرہ سابقہ	"	"
نمبر ستمبر ۱۹۴۸ء ۱۷۳۷۰	آنسہ حمیدہ عبداللہ بی اے۔ بی ٹی نمبر ۲۳ (۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازیخان (رخصتی)	—	—	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خانیوال بمشاہرہ سابقہ (رخصتی)	"	آنسہ غلام حیدر کی جگہ جنکا بحیثیت مہتممہ مدارس ضلع راولپنڈی تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	آنسہ وزیر راجکھا خان بی اے۔ بی ٹی۔ نمبر ۳۹ (۱۵۰-۲۲۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول کوٹ ادو	—	—	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازیخان	"	آنسہ حمیدہ عبداللہ کی جگہ جنکا تبادلہ ہو چکا ہے
"	بیگم ک۔ ن احمد ایم اے بی ٹی۔	—	—	—	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول منڈی بہاؤالدین بمشاہرہ ۲۳۰ روپے ماہوار درجہ مشاہرہ ۲۳۰-۳۰۰ میں ایکسال کی آزمائش پر	"	ایک موجودہ آسامی کی جگہ۔
نمبر ستمبر ۱۹۴۸ء ۱۷۳۷۱	آنسہ رشید طور بی اے بی ٹی نمبر ۱۱۴ (۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گجرات	درجہ سوم (۷۰-۱۵۰)	درجہ دوم زنانہ (۱۵۰-۲۲۰)	نائب مہتممہ مدارس ضلع میانوالی۔ (آزمائشی)	"	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
"	آنسہ منصورہ شاہ امیر بخاری بی اے۔ بی ٹی نمبر ۱۶۸ (۷۰-۱۵۰)	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول فیروزپور روڈ لاہور	—	—	نائب مہتممہ مدارس ضلع لائل پور (آزمائشی)	"	"
نمبر ستمبر ۱۹۴۸ء ۱۷۳۸۰	بیگم غلام زہرہ جے۔ اے وی	—	—	—	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول پنڈی بھٹیاں بمشاہرہ ۷۰ روپے ماہوار (۷۰-۱۵۰) درجہ مشاہرہ زنانہ	"	(۷۰-۱۵۰) درجہ مشاہرہ کی ایک خالی اسامی میں

دو قرآن

مُصنّفہ

ڈاکٹر غلام جیلانی برق !

"دو قرآن" کا بنیادی خیال یہ ہے۔ کہ ایک قرآن تو وہ ہے جو حضور سرورِ کائنات صلعم کے سینۂ اقدس پر نازل ہُوا۔ اور دوسرا قرآن صحیفۂ کائنات ہے جس کے ایک ایک جزو کے مطالعہ کی طرف کلامِ الٰہی نے انسانوں کو توجہ دلائی ہے۔ اور جو شخص زمین و آسمان، اختلافِ لیل و نہار، معجزۂ تخلیق اور شجر و حجر اور حیوانات کے عظیم الشان تنوع کو علم کی روشنی میں نہیں دیکھتا، وہ اللہ تعالےٰ کی ذات کا عرفان نہیں کر سکتا ہے۔

فاضل مصنف نے قرآن مجید کی آیاتِ بیّنات اور سائنس و دیگر علوم کی حیرت انگیز دریافتوں کو جمع کر کے ایسے ایسے حقائق کی طرف اشارات کئے ہیں کہ پڑھنے والے کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

یہ کتاب مسلمانوں کو صحیح مسلمان بنائے گی۔ اور غیر مُسلموں کے سامنے اسلام اور قرآنِ حکیم کے کمالات کو اُجاگر کرے گی۔ قیمت مجلّد ۸ روپے (پانچواں ایڈیشن)

کتاب منزل کشمیری بازار لاہور

نومبر ۴۸

پریم پچیسی حصہ اول

(ب) اردو ڈراما کا ارتقا ۔ بحوالہ خصوصی متعلقہ آغا حشر (نمبر ۳۰)

پرچہ دوم

اردو نثر کی نشوونما فورٹ ولیم کالج کے قیام سے شرر تک بحوالہ خصوصی متعلقہ مندرجہ ذیل :— (نمبر ۱۰۰)

۱ ۔ غالب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اردوئے معلیٰ

۱۰ ۔ حالی ۔ اکبر ۔ اقبال ۔ ۔ ۔ (غزلیات)

۱۱ ۔ شاد ۔ حسرت ۔ فانی ۔ ۔ (غزلیات)

(ب) اردو شاعری کے مختلف اصناف میں ایک کا خاص مطالعہ (ہر سال بورڈ ایک خاص صنف کے خاص مطالعہ کی سفارش کیا کرے گا ۔) اکتوبر ۱۹۴۸ سے شروع ہونے والی ٹرم کے لئے " صنف غزل " تجویز کی گئی ہے ۔

پرچہ چہارم

تعلیمی ماہنامہ

آموزش

لاہور

مدیر

بشیر ہاشمی!

ناشر و مدیر "آموزش" کی تسلیم کے ساتھ

ناشر

سالانہ چندہ	کتاب منزل	نومبر ۱۹۴۸ء
پاکستان کیلئے :- ۶ روپے	لاہور	جلد :- ۱
غیر ممالک کیلئے :- ۸ روپے	قیمت فی پرچہ ــــ دس آنے	شمارہ :- ۷

رموز

قائدِ اعظم محمد علی جناح کے انتقالِ پُر ملال سے قوم کی ذمہ داریوں میں کچھ اس درجہ اضافہ ہوگیا ہے۔ کہ ہم اس وقت اُن سے پوری طرح عہدہ برا ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے تاہم پاکستان کے ہر متنفس کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ ایک مردِ مجاہد کی مانند اپنے محبوب ملک کے بقا و تحفظ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے اپنے کو پیش کرے۔

حالات کی نزاکت ہمیں موت اور زندگی کی کشمکش میں سے گذار رہی ہے۔ اور ان کا تقاضا یہ ہے۔ کہ ہم اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ لیں۔ کہ ہمارا اور ہمارے تمدن اور ہمارے مذہب کا وجود اور پاکستان لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ پاکستان نہیں تو ان سب حقیقتوں اور اسلامی قدروں کا بھی وجود نہیں اور پاکستان ہے تو وہ سب کچھ موجود ہے جسے ہمارے آباؤ اجداد نے اس ملک میں اپنے خون سے سینچا۔ اور پروان چڑھایا۔ اور اب جسے مشرقی بادِ سموم کے جھونکے جھلسنے کے درپے ہیں۔

کم و بیش چودہ مہینوں سے ہم سب اپنے گرد و پیش کو نئے حالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش میں مصروف رہے ہیں۔ اور بدلے ہوئے سیاسی اور اقتصادی ماحول کا جائزہ لیتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہم میں سے بہتوں کی مساعی جائز طور پر قابلِ ستائش قرار دی جاسکتی ہیں۔ لیکن اگر اسے انانیت پر محمول نہ کیا جائے۔ تو ہمیں اس ناقابلِ انکار حقیقت کے اظہار میں تامل نہیں۔ کہ بفضلِ ایزدی جس سعیٔ پیہم کا ثبوت ہمارے ماہرانِ تعلیم نے دیا۔ اُس کی مثال مشکل سے مل سکے گی۔

حکومتِ پاکستان کی تعلیمی مجلسِ مشاورت شروع سے ہی ایک فعال جماعت رہی ہے۔ یہ اپنے فرائض کو نہایت ایمانداری اور تندہی سے سرانجام دیتی رہی ہے۔ اس مجلس نے اپنے آخری اجلاس میں جس کا انعقاد ۷ر جون ۴۸ء کو ہُوا تھا۔ ایک کمیٹی مقرر کی جو منجملہ اور اراکین کے پاکستان کے چار صوبوں کے ڈائرکٹروں پر مشتمل تھی۔ اور جس کو علاوہ اور باتوں کے ذیل کے دو امور جن کی اہمیت بنیادی ہے۔ غور کرنے کے لئے کہا گیا۔

(الف) رسم الخط کا مسئلہ۔

(ب) تعلیم بالغاں کا مسئلہ۔

چنانچہ اس فیصلے کے تحت مجوّزہ کمیٹی کا اجلاس بمقام کراچی ۲۷ر ستمبر سے ۳۰ر ستمبر تک ہُوا۔ اور ہم آج کی فرصت میں ان ہی دو مسئلوں پر اپنے خیالات کا اِظہار کریں گے۔

جہاں تک رسم الخط کا تعلق ہے۔ صوبائی ڈی۔ پی۔ آئی کی کمیٹی نے نسخ کو رواج دینے کی سفارش کی ہے۔ اور ہم کمیٹی کو اس فیصلہ کے لئے باعثِ تحسین سمجھتے ہیں ترکی کے سوا اِسلامی دنیا کے تمام ممالک نے نسخ اختیار کر رکھا ہے۔ اور ہمیں بھی یہ لازم آتا ہے۔ کہ ہم اسی رسم الخط کو اختیار کر لیں۔

نئے سیاسی حالات کے تقاضے جو ملک کی آزادی کا نتیجہ ہیں ہمیں اس بات پر مجبور کریں گے۔ کہ ہم اپنے روزنامے، رسالے اور کتابیں بہت زیادہ تعداد میں چھاپیں۔ نستعلیق کا رسم الخط جو لیتھوگرافی سے متعلق ہے۔ اس بار کا متحمل نہ ہو سکے گا۔ لیتھوگرافی تنگ ظرف ہے۔ سنگی طباعت پانچ ہزار سے زیادہ نسخے چھاپنے سے قاصر ہے۔ اس کے علاوہ آجکل کوئی ترقی یافتہ ملک ٹائپ کی طباعت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اور ٹائپ کو رسم الخط سے گہرا تعلق ہے۔ نستعلیق کو ٹائپ میں ڈھالنا ایک دشوار کام ہے۔ لیکن نسخ کا

ٹائپ نسبتاً بہت آسانی سے بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے نسخ رسم الخط کو اختیار کرنے کا مطلب ہے صفائی، رفتار اور کفائت۔

ہمارے صوبے کی مختلف حکومتوں نے پچھلے ربع صدی کے عرصہ میں تعلیم بالغاں کو رواج دینے کی کئی ایک کوششیں کیں۔ اگرچہ وہ اس نوع کی تھیں۔ کہ اُن سے کوئی خاطرخواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کہ حکومت نے اس ضمن میں وہ سب کچھ کیا جس کی وہ اہل تھی۔ لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے ہمارے پاس کافی روپیہ نہیں تھا۔ اور اس تجربہ کو متعدد بار ناکام بنانے میں یہی سب سے زیادہ اہم وجہ تھی۔ بدقسمتی سے موجودہ حالات کے تقاضے بھی کچھ ایسے ہیں۔ کہ ہم اس وقت اپنے ملک کی مدافعت کے پیشِ نظر قوم پرور اداروں اور تجربوں پر بقدرِ ضرورت روپیہ خرچ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ ایک حوصلہ افزا بات ہے۔ کہ مرکزی حکومت اس مسئلہ کو اہم سمجھتی ہے۔ اور ہمیں پوری اُمید ہے۔ کہ وہ اس کو اپنی اوّلین فرصت میں حل کرنے کی کوشش کرے گی۔

اتحادی اقوام کا ایک تعلیمی اور تمدّنی ادارہ ہے۔ جو عام طور پر یونیسکو (Unesco) کے نام سے مشہور ہے۔ اس بین الاقوامی ادارہ کا منصب دنیا میں تعلیم کے ذریعہ امن کی نشر و اشاعت ہے۔ چنانچہ کم و بیش تین سال سے اس ادارے نے دنیا کے موجودہ فسادِ تخیل و افکار میں قرینہ اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کوشش قابلِ صد ستائش ہے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ اس ادارہ کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ لیکن ہمارے نسلی تعصبات کو جو جنگ کا سرچشمہ ہوا کرتے ہیں۔ ہماری نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔ اور اب یہ احساس غالب ہو رہا ہے۔ کہ

جنگ کے اسباب کا ستدباب نفسیاتی اور تعلیمی طریق کار ہی سے ہوسکتا ہے۔

اِس ماہ سے ہم آموزش میں بالاقساط سات مختلف ملکوں کی تعلیمی ترقی کی سالانہ روئیداد جو ہم تک محکمۂ تعلیم حکومتِ پاکستان کی وساطت سے پہنچی ہیں بصد شکریہ شائع کر رہے ہیں۔ اس ماہ مصر کی وزارتِ تعلیم کی سالانہ رپورٹ شائع ہو گی۔

انشاپردازی — ۳

(ایک معلم کے قلم سے)

انشاپردازی اور تقریر ہماری سماجی زندگی میں جو اہمیت بول چال کو حاصل ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ ہماری زندگی کے روزمرہ میں سارا کام بول چال ہی کے ذریعے سے ہی ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں زیادہ زور اس بات پر دینا چاہئیے۔ کہ طلبہ صاف اور روانی کے ساتھ اپنا مافی الضمیر ادا کرسکیں۔ اگر طالب علم اچھی طرح سے بول لیں۔ تو انہیں لکھنے میں بھی بڑی آسانی ہوجاتی ہے۔ اس پہلو سے بھی بول چال کی اہمیت واضح ہے۔ لیکن ہمارے یہاں صورتِ حال بہت مختلف ہے۔ اسکولوں سے جو طالب علم فارغ التحصیل ہوکر نکلتے ہیں۔ کتابیں اچھی طرح سے پڑھ لیتے ہیں، لکھتے بھی ہیں۔ لیکن صاف طور سے بول نہیں سکتے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کتابیں پڑھانے اور لکھنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

ابتدائی جماعتوں میں طلبہ کے لئے سننا اور بولنا۔ پڑھنے اور لکھنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ تحریر میں انہیں خاص طور سے احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ کہ لفظ جو لکھے جائیں درست ہوں اور پڑھے بھی جائیں۔ فقرے بھی درست ہوں اور ان میں ربط و ترتیب بھی ہو۔ گویا ہاتھ، دماغ اور آنکھ کو ایک ساتھ کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے طلبہ کو بڑی مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ لیکن بولنا وہ آسانی سے سیکھ سے جاتے ہیں۔ طالب علم میں تقلید کا کچھ مادہ موجود ہو۔ تو وہ سن سن کر آپ ہی آپ بولنے لگتا ہے۔ اس میں رہنمائی کی ضرورت ہوتی تو ہے لیکن ایسی نہیں جس قدر تحریر میں ہوتی ہے۔ طالب علم جس شخص کی تقلید کرتا ہے۔ اگر وہ صاف صاف بولتا ہے تو طالب علم بھی صاف صاف بولنے لگتا ہے۔ اگر وہ رک رک کر بولتا ہے تو یہ بھی

رک رک کر بولنے لگتا ہے۔ بہرحال طالب علم کو تھوڑی سی توجہ کے بعد بولنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ لیکن تحریر میں جب تک ہاتھ کی جنبش پر پوری پوری قدرت نہ ہو۔ خیالات اور زبان پر قابو نہ ہو، تحریری انشا پردازی مشکل کام ہے۔

معلم اگر خود اپنے طلبہ کو باتیں سنائے تو انہیں زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ طلبہ وہی باتیں کتاب میں پڑھیں۔ تقریر کرتے ہوئے معلم موقع و محل کا لحاظ رکھتا ہے کبھی اونچی آواز میں بولتا ہے کبھی نیچی آواز میں۔ کبھی اِس بات پر بات پر زور دیتا ہے۔ کبھی اُس بات پر۔ کبھی ہاتھ کے اشارے سے کام لیتا ہے کبھی چشم و ابرو کی جنبش سے معنی آفرینی کرتا ہے۔ تو گویا وہ تقریر میں اپنی باتوں کو زیادہ دلچسپ، زیادہ واضح اور زیادہ مؤثر بنا سکتا ہے۔ دلچسپی اور اثر ایسی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے طلبہ کا سیکھنے کا شوق تیز ہوتا ہے طلبہ اگر تقریر کے ذریعے انشا پردازی کریں۔ تو انہیں مشق اور تقلید کے زیادہ موقعے ملتے ہیں۔ اور وہ جلدی ہی سیکھ بھی جاتے ہیں۔

زبانی انشا پردازی کے موقع پر معلم طلبہ کو نئی نئی باتیں سمجھاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کی اصلاح بھی کرتے ہیں۔ اس سے طلبہ کے دماغوں میں خاص قسم کی بیداری پیدا ہوتی ہے۔ جو تحریری انشا کے ذریعے پیدا نہیں ہوتی۔

تحریری انشا پردازی کے لئے ضروری ہے۔ کہ یہ تمام منزلیں پہلے سے عبور کر لی جائیں۔ زبانی اور تحریری انشا پردازی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور زبانی سلسلے کو کسی صورت میں بھی قطع نہ کرنا چاہیئے۔

زبانی انشا پردازی قدرے مشکل ہے۔ بالخصوص ابتدائی جماعتوں میں تو بہت ہی مشکل ہے۔ طلبہ کی اکثریت خالی الذہن ہوتی ہے۔ بعض طلبہ جن کے ذہن میں کچھ ہوتا ہے۔ ان کے پاس ذخیرۂ الفاظ کافی نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے۔ گویا ہمارے معلم کو دوگونہ مشکل ہوتی ہے۔ لیکن یہ مشکل ایسی نہیں۔ کہ اس کے لئے ہمارے

پاس کوئی چارہ نہ ہو۔ معلّم اگر طلبہ کے دلوں میں کسی چیز سے دلچسپی پیدا کر سکے۔ تو خیالات آپ ہی آپ ان کے ذہن میں آنے لگتے ہیں۔ وہ دلچسپی کے عالم میں کچھ ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ اپنی بے بضاعتی کو بھول ہی جاتے ہیں۔ اور کسی دوسرے کی برتری سے بھی مرعوب نہیں ہوتے۔ اور جو کچھ ان کے دل میں آتا ہے کہتے جاتے ہیں۔

زبانی انشا پردازی میں ذیل کی چند باتیں مدِنظر ہونا چاہئیں :-

سماعت کی بیداری | طلبہ کو اس قابل ہونا چاہیئے۔ کہ وہ معلّم کی ہر بات کو غور سے سن سکیں۔ اس کا کوئی لفظ، کوئی حرف ایسا نہ ہو جس پر طلبہ کی توجہ نہ ہو۔ لیکن اکثر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جب معلّم جماعت میں بولتا ہے تو بعض طلبہ ہمہ تن گوش بیٹھے ہوتے ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کے کان تو معلّم کی آواز پر لگے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی توجہ کسی کھیل تماشے کی طرف ہوتی ہے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں، جو وقت کا بہترین مصرف یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اسے سو کر گذار دیا جائے۔ یا دوسروں سے چھیڑ خانی میں صرف کر دیا جائے۔ اس کا علاج کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ اس کے لئے ان باتوں کی ضرورت ہے کہ معلّم اپنی تقریر میں زندگی اور دلچسپی پیدا کرے۔ طلبہ کو احساس دلائے کہ جو کچھ وہ سُن رہے ہیں انہیں دُہرانا بھی ہوگا۔ معلّم کو چاہیئے کہ لب و لہجہ کا خیال رکھے۔ اس کا حرف حرف اور لفظ لفظ واضح ہو۔ فقروں جملوں میں کسی طرح کی پیچیدگی نہ ہو آواز صاف ہو اور مفہوم واضح۔ اگر معلّم کے طرزِ تکلم میں سلاست اور روانی ہو گی۔ تو طلبہ کے بولنے میں بھی روانی ہو گی۔ اور اگر معلّم اٹک اٹک کر بولے گا۔ تو طلبہ بھی اٹک اٹک کر بولیں گے۔ طلبہ معلّم کی مجسّم نقل ہوتے ہیں۔ سننے اور بولنے میں بہت گہرا تعلق ہے۔ جس میں اچھی طرح سننے کی صلاحیت ہے۔ اس میں اچھی طرح بولنے کی صلاحیت بھی ہے۔

بیان کا تسلسل | دوسری بات طلبہ میں ہمیں یہ پیدا کرنا ہے۔ کہ ان کے بیان

میں تسلسل آجائے۔ یہ اس طرح سے ممکن ہے۔ کہ طلبہ کے اردگرد کی چیزوں سے دلچسپی پیدا کردیں۔ پھر طلبہ کو ان چیزوں کے متعلق بولنے پر اکسائیں۔ شروع شروع میں آپ انہیں صرف ایسی چیزوں کے متعلق بولنے کو کہیں جو اکثر ان کے تجربے اور مشاہدے میں آتی ہوں۔ آپ ان سے کہیں "تم روٹی کیسے کھاتے ہو؟" "اسکول جانے کی تیاری کیسے کرتے ہو؟"۔ "تمہارا دوست کیسا ہے؟"۔ "تم کھیل کو کیسے پسند کرتے ہو؟" وغیرہ وغیرہ۔ بچے کے دل میں بولنے کا بڑا ہی بے تاب شوق ہوتا ہے۔ وہ جب کوئی لفظ بولتا ہے تو سمجھتا ہے۔ کہ اسے زبان آگئی۔ اس لئے چاہیئے کہ معلم سوال و جواب کے ذریعے انہیں مضمون سمجھاتا جائے۔ اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا رہے۔ وہ خود بخود کوشش کریں گے۔ کہ صاف صاف بولیں۔ اور جو کچھ وہ کہیں بامعنی اور مسلسل ہو۔

صحت بیان: تیسری چیز جو ہمارے پیش نظر ہونا چاہیئے۔ بیان کی صحت ہے۔ اس سلسلے میں معلم کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ ابتدائی منزل میں بچوں کے لئے ہر چیز نئی ہوتی ہے۔ الفاظ نئے، خیالات نئے، اور بیان نیا۔ بچہ جب بولے گا تو بہت سی غلطیاں کرے گا۔ اس کی غلطیوں پر آپ بہت زیادہ توجہ نہ دیں۔ جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے۔ اسے بے روک کہنے دیں۔ اگر آپ اسے ہر غلطی پر ٹوکنا شروع کریں گے۔ تو بیان اس کے لئے ہوّا ہو کر رہ جائے گا۔ اس کے بولنے کی قوت سلب ہو جائے گی۔ اُسے آپ یہ ہرگز نہ کہیں۔ کہ ہر لفظ کو سوچ کر بولو۔ ہر لفظ، ہر فقرے پر گہری نظر ڈالو۔ اس طرح طالب علم سمجھنے لگتا ہے کہ غلط بولنے سے نہ بولنا بہتر ہے حالانکہ پیش نظر یہ اصول ہونا چاہیئے۔ جوں جوں خیالات میں پختگی آتی رہے گی۔ اس کے لئے الفاظ بھی نپے تلے نکلیں گے۔ اگر آپ اصلاح ضروری خیال کریں۔ تو یہ اس طور سے ہونا چاہیئے۔ کہ اس سے طالب علم کی حوصلہ افزائی ہو۔ حوصلہ شکنی نہ ہو۔ قوت بیان کی بنیاد یہیں سے بنتی ہے اور استوار ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے کوشش یہ

ہونا چاہیئے۔ کہ بچے کی روانی میں کم سے کم رکاوٹیں نہ ڈالیں۔

ذخیرہ الفاظ | چوتھی بات ذخیرہ الفاظ ہے۔ الفاظ خیالات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ الفاظ سے خیالات کو وسعت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ معلم طلبہ کے ذخیرہ الفاظ کو وسیع کرتا جائے۔ زبانی انشاپردازی میں معلم جو نئے الفاظ سکھا چاہے۔ وہ خود اپنی گفتگو میں واضح طور سے استعمال کرے۔ اور سوال وجواب کے ذریعے انہیں الفاظ کو دھرایا بھی جائے۔ بچے اگر لفظوں کو خود استعمال کرلیں تو وہ انہیں بھولتے نہیں۔ اس سے صورت سے یہ الفاظ ان کے ذہن نشین ہونے جائیں گے اور ان کا استعمال بھی ان کو معلوم ہو جائے گا۔ لیکن یہ نئے الفاظ اگر انہیں یونہی بتا دئے جائیں تو وہ دیر تک ذہن میں محفوظ نہیں رہ سکتے۔

تصویر شناسی کا اس سے پیشتر بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ اس کا تعلق زبانی انشاپردازی کے مقاصد سے بہت گہرا ہے۔ اس لئے یہاں بھی ضمناً اس کا ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ جن تصویروں میں پوری کہانی بیان کی گئی ہو۔ وہ تصویریں طلبہ کو ترتیب وار دکھادیں۔ تاکہ وہ چند لمحے ان پر غور و فکر کرلیں۔ اگر ساری تصویریں دیکھ لینے کے بعد طلبہ کہانی آپ تیار نہ کرسکیں۔ تو پھر یہ تصویریں انہیں دکھائیں۔ اور کہیں کہیں انہیں مدد بھی دیں تاکہ حالات واضح ہوجائیں۔ وہ کہانی تیار کرلیں۔ تو ان میں سے کسی ایک سے کہیں کہ اپنی کہانی سناؤ۔ کہانی سننے سے پہلے معلم کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ طالب علم پہلے تصویروں کے حالات کا خاکہ کھینچ کر اپنے لفظوں میں بتائے۔ اس کے بعد وہ اپنی تمام کہانی مع جزئیات کے سنائے۔

تصویر شناسی نچلی جماعتوں میں زبانی انشاپردازی کے لئے بہت مفید ہے لیکن اونچی جماعتوں میں بھی یہ ناگزیر ہے۔ ان جماعتوں میں طلبہ کی ذہنی سطح کچھ بلند ہوجاتی ہے۔ ان میں تنقید کا ذوق بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کے مطالعے کے لئے آپ

جو تصویر پیش کریں گے۔ اس کے متعلق یہ جواب کافی نہیں ہوگا کہ اس میں کتنے شخص ہیں کتنی چیزیں ہیں۔ کیا کیا چیزیں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ یہاں اب طلبہ کو منظر اور پس منظر پر بحث کرنا ہوگی طلبہ یہ دیکھیں گے۔ کہ لوگ کس قسم کے ہیں۔ ان کے لباس کیسے ہیں۔ ان کے لباس سے کس قسم کی تہذیب کا پتہ چلتا ہے۔ وہ زمانہ کون سا ہو سکتا ہے۔ جس میں اس قسم کا لباس پہنا کرتے تھے۔ عمارتیں کیسی ہیں؟ اور کس نوع کی ساخت کا پتہ دیتی ہیں۔ فضا کیسی ہے۔ ماحول کیسا ہے۔ اس تصویر سے ان کے دل و دماغ پر کیا اثر پڑا ہے۔ سوال معلم کرے گا اور جواب طلبہ دیں گے۔ اور سوال و جواب کے ذریعے سے یہ تمام جزئیات واضح ہو جائیں گی جو مصور کے ذہن میں تھیں یا اس کی تصویر میں موجود ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ طلبہ کو اظہار خیالات میں مدد ملے گی۔ بلکہ ان میں آرٹ کا ذوق پیدا ہوگا۔

تقریر اور بحث و مذاکرہ بھی زبانی انشا پردازی کے نہایت ضروری اجزا ہیں۔ اس سے پہلے کہ بچوں کو بحث و مذاکرہ کے لئے تیار کیا جائے۔ ضروری ہے کہ انہیں یہ سکھایا جائے کہ تقریر کیوں کر تیار کی جائے گی۔ اگر جماعت میں طلبہ کو زبانی بول چال یا زبانی انشا پردازی میں شغف رہا ہے تو انہیں تقریر کرنے میں کوئی خاص دقت نہ ہوگی۔ وہ سامعین کے سامنے بالکل اسی طرح آئیں گے جس طرح اپنے ہم جماعتوں سے باتیں کرتے تھے۔ اگر زندگی کے ابتدائی سالوں میں بچے کے دل سے جھجک دور ہو جائے تو وہ بڑی سے بڑی مجلس میں بھی نہیں جھجکے گا۔ معلم کو چاہیئے کہ تین چار عنوان بتا دے۔ اور طلبہ کو اختیار دے دے کہ ان میں سے کوئی سا انتخاب کر لیں اور کچھ دیر اس کے متعلق سوچ لیں۔ اس کے بعد کم از کم پانچ منٹ تک اس نفس مضمون کے متعلق تقریر کریں۔ اس سلسلے میں طلبہ کو یہ اجازت دے دینا چاہیئے کہ دو دو تین تین طالب علم مل کر ایک عنوان کے متعلق غور کریں۔ یہ عنوان ایسے ہونا چاہئیں جن کے ساتھ انہیں لگاؤ ہو یا جو ان کی زندگی سے متعلق ہوں۔ مثالاً۔ اسکول، تجارت، باغ، کھیل کا میدان وغیرہ وغیرہ۔ مناسب یہ ہے کہ معلم ان عنوانوں کے متعلق طلبہ کے ساتھ بات چیت کر لے

تاکہ انہیں خاکہ تیار کرنے میں مدد مل سکے۔

طلبہ کو اس بات پر بھی اکسانا چاہیئے کہ وہ اپنی یادداشت کے لئے اشارات لکھتے جائیں۔ معلّم کو خود بھی نمونے کے طور سے ان مضامین میں سے کوئی سا انتخاب کر کے تقریر کرنا چاہیئے۔ تقریر ہو جانے کے بعد طلبہ کو ان کی کمزوریوں سے نہائیت ہمدردانہ طور سے آگاہ کر دینا چاہیئے۔

تقریر، بحث و مذاکرہ کے لئے میدان تیار کرتی ہے اسکے لئے ذیل کی دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ پہلی یہ کہ نفس مضمون ایسا ہو کہ اس کے دونوں پہلوؤں پر کچھ کہا جا سکے۔ مثالاً۔ "اعلےٰ تعلیم حاصل کرنا فائدہ مند ہے یا نہیں" لاری کا سفر "ریل کی نسبت اچھا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ طلبہ جونسا مضمون چاہیں چن لیں۔

دوسری یہ کہ مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں پر طلبہ سے کہیں کہ روشنی ڈالیں۔ اگر مضمون طلبہ کے مشاہدے سے تعلق نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں معلّم کو خود انہیں اشارات سمجھانا چاہئیں۔

کہانی

کہانی کو انشاپردازی میں بڑا دخل ہے۔ معلّم کہانی سنائے اور طلبہ اس کہانی کو اپنی زبان میں لکھنے کی مشق کریں۔ تو اس طرح وہ اچھی خاصی زبان لکھنے لگیں گے۔ بہت سے طالب علم کہانی کی بعض جزئیات لکھنا بھول جائیں گے۔ معلّم جماعت میں ہر ایک سے اس کی کہانی سنے گا۔ اور طلبہ کو آپ ہی آپ معلوم ہوتا رہے گا۔ کہ انہوں نے کیا کیا بات چھوڑی تھی۔ پھر اگر واقعات کو مربوط کرنے میں کوئی خامیاں رہ گئی ہوں تو معلّم ان خامیوں پر طلبہ کی توجہ دلائے گا۔ انہیں واقعات سے قوت خیال کو خوراک ملتی ہے۔ کہانی سے تصوّر کی قوت بڑھتی ہے۔ وغیرہ الفاظ بڑھتا ہے۔ اچھے اچھے محاروں کو جو طالب علم نے پڑھے ہوتے ہیں۔ استعمال کرنے کے موقعے نکلتے ہیں۔

ہمیں طلبہ کو یہ سکھانا ہے کہ وہ دیکھی سنی باتوں کو آنکھوں کے سامنے کیونکر لائیں گے سوچیں گے کیوں کر۔ خیالات کو ترتیب کیسے دیں گے۔ زبانی اظہار کیسے کریں گے۔ ضبط تحریر میں کیوں کر لائیں گے۔ یہ ساری باتیں "کہانی" کے ذریعے بطریق احسن سکھائی جاسکتی ہیں۔
اگر معلم اپنی کہانیاں سُنا سکے تو بہتر ہوگا اس سے طلبہ کی توجہ اور دلچسپی بڑھے گی بجائے اس کے کہ وہ کتاب یا کسی رسالے سے اُٹھا کر کوئی کہانی پڑھ دے۔ پیشتر اس کے کہ طلبہ کو کہانی لکھنے کے لئے کہا جائے۔ معلم کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیئے کہ کہانی جماعت کے سارے طلبہ سمجھتے ہیں۔ کمزور طلبہ کو یہ کہانی دوبارہ سہ بارہ بھی سنا دینا چاہیئے۔
اس سے پہلے کہ کہانیاں لکھائی جائیں۔ کوشش یہ ہونا چاہیئے۔ کہ بچوں کو کہانیاں سُنانے میں کافی مشق ہو جائے۔ اس کے بعد کہانیاں لکھنا شروع کرادیں۔ اس سے طلبہ کی ہچکچاہٹ دور ہو جاتی ہے۔ واقعات خاص ترتیب میں آجاتے ہیں۔ اظہار کے لئے الفاظ ذہن میں ہوتے ہیں۔
یہ کہانیاں اس قسم کی ہونا چاہئیں کہ ان کا انسانی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہو۔ مثلاً کفائت شعاری، حیوانات کے ساتھ ہمدردی، اطاعت، صبر و تحمل، صفائی حفظانِ صحت کے عام اصول، مشاہیر کی زندگی، فرض، دیانت، شجاعت وغیرہ وغیرہ

مراسلت

بچے مکتوب لکھنے کے شیدا ہوتے ہیں۔ وہ لکھنے پڑھنے کا ایک بہت بڑا مقصد یہ بھی خیال کرتے ہیں۔ کہ خط لکھنا سیکھ جائیں گے۔ جب گھر والوں کے نام مکتوب آتے ہیں۔ تو بچے انھیں ضرور پڑھتے ہیں۔ ان کے لفظ لفظ پر غور کرتے ہیں۔ ان کے حرف حرف کو پرکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی چچا یا ماموں ان کے نام چٹھی بھیج دے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ اس کو وہ حرزِ جان ہی بنا لیتے ہیں۔

—

انشا پردازی کی ابتدائی مشقوں میں مکتوب نویسی کو بھی شامل کرنا چاہیئے ہفتے عشرے میں ایک مکتوب ضرور سکھادیں۔ اور یہ مشق سال بھر ہونی چاہیئے۔ اور تقریباً ہر جماعت میں۔ اوپر کی جماعتوں میں مراسلت تجارتی اور سماجی قسم کی ہونا چاہیئے۔ کوئی شخص اگر اچھا مراسلہ لکھ لیتا ہے تو یہ اس کا بہت بڑا وصف ہے۔ اور اس کی زندگی کا ایک شاندار لازمہ ہے۔

مکتوب نویسی ابتدائی جماعتوں میں ہی شروع کر دینا چاہیئے۔ بچوں کی فطرت کا خاصہ ہے کہ بڑے جو کام ان کے سامنے کرتے ہیں۔ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے بھی کہ ان کے دل میں بڑے آدمیوں کے کام سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ان کے دل میں "بڑا" بننے کی خواہش ہوتی ہے۔ اکثر اوقات یہی خواہش ان سے بڑے آدمیوں کے کام کراتی ہے۔ وہ سیانوں کا سا کام کرنا چاہتے ہیں کہ جلد از جلد بڑے ہو جائیں۔ جہاں وہ بڑوں کا سا کام نہیں کر سکتے۔ وہاں تصوّر سے کام چلاتے ہیں۔ اور اپنے چھٹپن کی کمیوں کو اس طور سے پورا کر لیتے ہیں۔ کبھی آپ نے بچے کو چور کبھی سپاہی، کبھی منصف بنتے دیکھا ہوگا۔ آپ نے کبھی اس کو گارڈ بن کر سیٹی بجاتے ہوئے بھی دیکھا ہوگا یعنی بچے ہونے کی وجہ سے وہ جو باتیں حقیقت میں نہیں کر سکتے۔ تصوّر سے کام لے کر کرتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ انہیں سیانوں کا سا کام کرنا مقصود ہے۔ بچوں کے دل میں مکتوب لکھنے کی بڑی ہی بے تاب خواہش ہوتی ہے، اس لئے کہ مکتوب سیانے لکھتے ہیں۔ اگر وہ خود مکتوب نہ لکھ سکیں۔ تو یونہی قلم دوات لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جو جی میں آتا ہے کاغذ پر لکھ جاتے ہیں اور دوستوں اور بھائیوں کے نام مراسلوں کی صورت میں بھیج دیتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر اور ڈاکئے کے فرض بھی خود انجام دیتے ہیں۔

خوش خطی اور املا وغیرہ کی قسم کی چیزیں لکھتے ہوئے بچے بہت جلد اکتا جاتے ہیں اسلئے کہ یہ چیزیں انہیں فرضی سی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف مکتوب نویسی انہیں زندہ اور دلچسپ چیز معلوم ہوتی ہے۔ اس کو وہ بڑے شوق اور انہماک سے شروع کرینگے

اس سے اُکتائیں گے نہیں۔ یہ مکتوب جماعت میں لکھنے کے بعد اگر اصلی مکتوبوں کی طرح بھجوائے بھی جا سکیں تو اس میں اور بھی زیادہ دلچسپی ہو جاتی ہے۔ ٹکٹ لگانے میں انہیں خاص لذت حاصل ہوگی۔ اور لیٹر بکس میں جا کر ڈالنے میں ان کے لئے بڑا کیف ہوگا۔ اور جب ان کے جواب انہیں موصول ہوں گے۔ تو ان کے احساسات کا آپ خود اندازہ فرمالیں۔

مکتوب لکھواتے وقت اس بات کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیئے کہ موقع محل کے موافق لکھائے جائیں۔ ہمارے اسکولوں میں اکثر مکتوب لکھوائے جاتے ہیں۔ لیکن ۳۱ صورت میں کہ جب جی چاہا معلّم نے کسی مضمون کا مکتوب لکھوا دیا۔ مثلاً مئی جون کے مہینوں میں ان سے کہا جاتا ہے، اپنے والد کی طرف مکتوب لکھو۔ اور سردیوں کے کپڑوں کے لئے کچھ روپے ارسال کرنے کی عرض کرو۔ سردی کا موسم ابھی بہت دُور ہے۔ لیکن بچوں کو سردی کے موسم کی ایک ضرورت کا احساس دلایا جاتا ہے۔ کس قدر غیر حقیقی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ طلبہ کو سردی کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی انہیں کڑکڑاتے جاڑے کا تصوّر ہی دلایا جاتا ہے۔ اس لئے وہ ٹھیک طور سے اظہار مطلب نہیں کر سکتے۔ وہ جو کچھ لکھیں گے اوپری دل سے لکھیں گے۔ مکتوب لکھنے کے لئے موقع محل پیدا کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہر بات بچے کی نظر میں ہو اور وہ حسب حال باتیں لکھتا جائے۔ اس طرح انشا کی ایک بڑی مشکل آپ ہی آپ حل ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلا خط، جو بچوں کو لکھوایا جائے۔ بہت مختصر ہونا چاہیئے۔ کوئی ذہین اور پرشوق بچہ اگر تفصیل سے لکھنا چاہے تو اسے روکنا بھی نہ چاہیئے۔ مکتوب نویسی موقع کے موافق ہو تو طلبہ کے دماغوں میں اس کے لئے کافی مواد موجود ہوتا ہے۔ معلّم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ بچے جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ آزادی کے ساتھ لکھ لیں۔

مکتوب لکھنے کے لئے زبانی بول چال کے ذریعے اگر آپ مواد تیار کر دیں تو بہت مناسب ہوگا۔ اس کے بعد طلبہ بے روک اپنے خیالات ظاہر کر دیں گے۔ طلبہ کو یہ خواہش

بھی ہوتی ہے۔ کہ ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہی حاصل کریں۔ اس لئے آپ انہیں اجازت دے دیں۔ کہ مکتوب لکھنے کے بعد اگر چاہیں تو ایک دوسرے کے مکتوب پڑھ لیں۔ اس کے بعد بعض ذہین طلبہ کے مکتوب جماعت میں پڑھ کر سنا دئے جائیں۔ پھر معلّم ان سب کی درستی کرے۔ اس کے بعد یہ مکتوب، طلبہ اپنی اصل کاپیوں پر نقل کرلیں۔ اس طرح کہ مکتوب نویسی کے آداب کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ کچھ مشق کے بعد طلبہ معلّم کی مدد کے بغیر لکھنے لگیں گے۔

آداب مکتوب نویسی | مکتوب نویسی کے متعلق یہ خیال رکھا جائے کہ مقام اور تاریخ صاف صاف لکھی ہو۔ سرنامہ درست ہو۔ مکتوب بھیجنے والے کا نام بھی مکمل طور سے دیا گیا ہو۔ مکتوب جن کے نام بھیجا جائے۔ ان کا نام اور مقام ٹھیک ٹھیک درج ہو۔ ان باتوں کیلئے اگر ایک مکتوب طلبہ کو نمونے کے طور سے دکھا دیا جائے۔ تو طلبہ کی آداب مکتوب نویسی کی مشکل دور ہو سکتی ہے۔ نمونے کی غرض سے معلّم اگر ایک مکتوب تختہ سیاہ پر لکھ دے۔ تو اور بھی زیادہ مناسب ہوگا۔

نفسِ مضمون | شروع شروع میں مکتوب کی مشق کے لئے نفسِ مضمون حسب ذیل ہونا چاہئیں۔

مکتوب :-

تمہاری جماعت کے لڑکے کیسے ہیں ؟

تمہارا اسکول کیسا ہے ؟

تمہارے اُستاد کیسے ہیں ؟

اسکول میں کیا کیا کھیل کھلائے جاتے ہیں۔ تم کونسا کھیل کھیلتے ہو ؟

مذہبی تیہوار کے موقع پر ایک دوسرے کو مبارک۔

چھوٹے بہن یا بھائی سے پوچھو کہ آنے والی عید یا دیوالی کے موقع پر تمہیں کیا تحفہ بھیجا جائے۔

کسی عزیز کے تحفہ بھیجنے پر شکر گزاری کا اظہار۔
دعوت نامے۔
اسکول کا کام نہیں کیا۔ معذرت کا اظہار۔
درخواست :۔
معلّم اور معلّم اعلیٰ کے نام رخصت کی درخواستیں۔
رسید :۔
گائے بھینس کی فروخت کی رسید۔
روپیہ حاصل کرنے کی نوشت۔
روپیہ ادا کرنے کی رسید۔
پروانہ راہداری۔ وغیرہ

درخواست۔ طالب علم چھٹی کو بہت پسند کرتا ہے آپ اسے بتادیں کہ چھٹی باقاعدہ کیسے حاصل کی جائے گی۔ معلّم تاریخ اور مقام لکھ کر بتا دے۔ اور خاتمے کا سلیقہ بھی سمجھائے چھٹی حاصل کرنے کی وجہ کا اختیار طلبہ پر چھوڑ دے۔ طلبہ وجہ خود ہی سوچ لیں گے بہرحال معلّم ان سے فرداً فرداً دریافت کرے۔ طلبہ اپنی اپنی وجہ بتائیں گے۔

"میرے بڑے بھائی کی شادی ہے۔ اور مجھے اس میں شامل ہونا ہے۔"

"میرے گھر کے سب لوگ دریا پر اشنان کے لئے جا رہے ہیں۔ اور مجھے بھی ان کے ساتھ جانا ہے۔"

"کل میرے چچا حج سے واپس آئیں گے۔ ہمیں ان سے ملنے کے لئے سٹیشن جانا ہے"

"کل میرے چھوٹے بھائی کی سالگرہ منائی جائے گی۔ اور سارے عزیز اور بزرگ شامل ہوں گے، مجھے بھی وہ تقریب دیکھنا ہے۔"

"آج میرے سر میں درد ہے۔ اور ہلکا ہلکا بخار بھی ہے۔ شاید کل حاضر نہ ہو سکوں"

غرض کہ جو جو وجہ طالب علم بتائیں۔ ان کے متعلق معلّم تفصیلی باتیں بتائے۔ اور پھر انہیں تختہ سیاہ پر لکھ دے۔ بعد کو طلبہ اپنی اپنی درخواست لکھنا شروع کردیں۔ ہر طالب علم کو اختیار ہوگا۔ کہ جو وجہ چاہے لکھے۔ جب درخواستیں لکھ لی جائیں تو طلبہ سے نظر ثانی کے لئے کہا جائے۔ اس اثنا میں اگر طلبہ ایک دوسرے کی درخواست دیکھنا چاہیں۔ تو اجازت دے دیں۔ طلبہ اس کے بعد اگر اپنی اپنی درخواست میں اصلاح و درستی کرنا چاہیں تو کرلیں۔ پھر معلّم بعض طلبہ کی درخواستیں پڑھ کر جماعت میں سُنا دے۔ اور درخواستوں کی اصلاح کردے۔ اس کے بعد ان سے کہا جائے کہ اصل کاپیوں پر نقل کرلیں۔

اونچے درجوں کے طلبہ کے مکتوب مکتوب نویسی کے ذریعے انشا پردازی کی تدریس میں بڑا کام لیا جاسکتا ہے۔ جب طلبہ مکتوب کے رسم و آداب سے واقف ہو جائیں تو نفس مضمون کو بڑی حد تک وسعت دی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ لحاظ رہے کہ مکتوب موقع اور محل کے موافق ہوں اور حقیقی معلوم ہوں۔ مکتوب کا مضمون طلبہ کے روزمرّہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ایسا نہیں جس سے طلبہ کو عمر بھر میں کبھی سابقہ ہی نہ پڑے۔

مکتوب کی مشق کے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ سبھی مکتوب عزیزوں اور بزرگوں کی طرف نہ لکھے جائیں۔ بلکہ مختلف لوگوں کو لکھے جائیں۔ ان میں تنوع کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ عام سماجی تعلقات کو مدِ نظر رکھ کر بھی رسمی مکتوب لکھوائے جائیں کاروباری خطوط کی مصطلحات سے بھی آگاہ کیا جائے۔ اس قسم کے مراسلوں کی بعض مشقیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

"والد صاحب کے نام خط لکھو اور بتاؤ کہ بڑے دنوں کی چھٹیاں تم نے شہر یا گاؤں میں رہ کر کیسے گزاریں"

"اپنے ایک عم زاد بھائی کو لکھو کہ اس اتوار کو آجائیں اور تمہارے ساتھ مل کر مچھلی کا شکار کریں"

" تمہارا ایک ہم جماعت بیمار ہے۔ دیر سے اسکول نہیں آیا۔ تم اس کی مزاج پرسی کرو۔ اور اس کو حوصلہ دلاؤ "

" تمہارے اسکول کی ہاکی کی ٹیم نے میچ جیتا ہے۔ مقابلہ بڑا سخت تھا۔ اس مقابلے کا حال کسی دوست کو لکھو "

" اس مہینے تمہارے اسکول میں تقریروں کا مقابلہ ہوا۔ تمہیں تقریر پر اول نمبر کا انعام ملا۔ انعام کیا ملا؟ سب باتیں اپنے بڑے بھائی کو لکھو "

سماجی مکتوب :-

" تمہارے مویشیوں نے کسی زمیندار کا کھیت خراب کر دیا ہے تم ایک معذرت نامہ لکھو "

" تمہارے گاؤں میں کسی کے ہاں نقب لگی ہے۔ تھانے دار صاحب کے نام ایک اطلاعی مکتوب لکھو "

" تمہارے محلّے کی نالی خراب ہو گئی ہے۔ پانی کا نکاس نہیں ہوتا۔ کمیٹی کے پریذیڈنٹ صاحب کے نام چٹھی لکھو "

" تمہیں چال چلن کا سرٹیفکیٹ درکار ہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے نام درخواست لکھو "

رسمی مکتوب :-

" دعوت نامے اور ان کے جواب "

" کسی بک سیلر کے نام نئے سال کی کتابوں کی فہرست کے لئے مکتوب لکھو "

" کسی شاعر یا لیڈر سے تم کو عقیدت ہے۔ عقیدت کا اظہار کرو۔ اور عقیدت کی وجہ بھی بیان کرو "

افلاطون اور بچوں کی تعلیم!

محشر تونسوی

تیسری صدی کا ربعِ آخر اور چوتھی صدی کا ربعِ اوّل یونان میں سیاسی بحران کے لئے نمایاں ہے۔ اسی ماحول میں افلاطون نے پرورش پائی۔ اور اسی ماحول نے اس کے ذہن کی تربیت کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیاست نے ہی اس کی تنقید کے بھاؤ معین کیئے۔ چنانچہ اس نے اپنی خیالی ریاست میں شاعری کو بھی اسی نقطۂ نظر سے جانچا۔ اس کا نتیجہ ایک عظیم الشان ذہنی ٹھوکر میں نکلا۔ جس پر عہدِ حاضر میں تقریباً ہر متمدن زبان کے فیلسوفوں اور اہل الرائے حضرات نے گرفت کی ہے۔ یہ اس کے ذہن کی بنیادی تعمیر کی نوعیت ہی ہے۔ کہ اس نے بچوں کی تعلیم پر بھی اسی زاویۂ نگاہ سے غور کیا۔ مگر پیشتر اس کے کہ اس زاویۂ نگاہ کی تشریح کی جائے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد کی متداول تعلیم اور نظامِ تعلیم کا بھی جائزہ لے لیا جائے جس نے اس کے ذہن میں ایک تخیلی واقعیت اور ردِّ عمل پیدا کیا۔

افلاطون سے پہلے سوفسطائی نظامِ تعلیم رائج تھا۔ اور خواص کے ذہن پر صرف اس کا اثر چھایا ہوا تھا۔ کچھ معاشرتی تعصبات اور کچھ اس نظامِ تعلیم کی نوعیت کے اثرات نے اسے خواص تک ہی محدود کر دیا۔ عوام سے نکل کر یہ اپنا دائرہ تنگ تر کرتا گیا حتیٰ کہ سوفسطائی تہذیب و تمدن کے واحد اجارہ دار بن بیٹھے۔ اور صرف خواص کو ہی بھاری فیسوں پر اپنے فیضِ تعلیم سے مستفیض کرنے لگے۔ اس خواص پسندی کا نتیجہ یہ نکلا

کہ تہذیب و تمدّن کے حصول کو انہوں نے "جوئے شیر" بنا دیا۔ علاوہ ازیں مقصدِ تعلیم بھی بدل دیا۔ رفتہ رفتہ سوفسطائیوں کے نزدیک تعلیم کا مقصد روپیہ کمانا ہی رہ گیا۔ اور اسی مقصد کے پیشِ نظر وہ جائز و ناجائز حربے استعمال کرنے لگے۔ منطق کو انہوں نے مخلوقِ خدا کو دھوکہ دینے اور روپیہ بٹورنے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ سوفسطائی نظامِ تعلیم بے اصولی کا شکار ہو کر انحطاط پذیر ہونے لگا۔ افلاطون نے اس بے اصولی کو شدت سے محسوس کیا۔ اور اس کی اصلاح کا بیڑا اُٹھا لیا۔

سب سے پہلے اس نے تعلیم کی اہمیت پر زور دیا تاکہ علم خواص کی میراث سے نکل کر عوام میں پھیلے۔ چنانچہ اپنی کتاب " ریپبلک " میں تعلیم کی اہمیت جتائی۔ اور بعد میں " لاشر " تو صرف تعلیم پر ہی لکھ ماری۔ پھر " لاز " میں بھی اپنے نظریاتِ تعلیم کی تشریح کی۔ چنانچہ " ریپبلک " میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے۔ " انسان کو اولاد پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر وہ ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام نہیں کر سکتا " اسی طرح ایک اور جگہ بچوں کو تعلیم دینے کے فوائد گنواتے ہوئے لکھتا ہے :" بچے ہمارا سرمایہ ہیں اور ان کی اچھی یا بُری تربیت پر ہی ماں باپ کے گھر کا نظام منحصر ہے "۔ تعلیم کی ضرورت کے سلسلہ میں وہ بچوں کی اہمیت پر بار بار توجہ دلاتا ہے اور انہیں قوم کا " عزیز ترین سرمایہ " شمار کرتا ہے۔ وہ اس حقیقت کا اچھی طرح ادراک کر چکا تھا۔ کہ یہی بچے کل کی قوم ہوں گے۔ اور ان کی اچھی یا بُری تربیت ہی اس قوم کے مقام کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ چنانچہ قومی وقار اور سیاسی نظریات کے مدِ نظر وہ بچوں کو قوم کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ تاکہ بچوں کی تربیت کی اہمیت ہمہ گیری اختیار کر لے۔ اور احساسِ فرض بجائے گنے چنے اشخاص کے ہر فرد کے حصہ میں آئے۔

اس کے بعد وہ تعلیم کا ایک خاص مقصد قرار دیتا ہے۔ وہ اس حقیقت سے غافل نہیں تھا کہ بے مقصد تعلیم بہتر سماج کے بنانے میں قاصر ہے۔ ویسے اگر واقعاتی

نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا مقصد قرار دینے میں اس کے ماحول کا سو فیصدی نہیں تو نوّے فیصدی ہاتھ ضرور تھا۔ کیونکہ سوفسطائیوں کی بدعنوانیوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ تعلیم کا مقصد اخلاق قرار دے۔ جس طرح آج کل انگلینڈ اور امریکہ میں تعلیم کا مقصد "اچھا شہری" بنانا ہے۔ کیونکہ جمہوریت کا اقتضا امن وسکون ہے روس میں تعلیم کا مقصد "خدمتِ انسان" ہے۔ کیونکہ اشتراکیت کا تقاضا باہمی تعاون ہے۔ اسی طرح اس وقت کے سیاسی ماحول کا اقتضا "تربیتِ اخلاق" تھا۔ وہ اپنے اس مقصد کے حصول میں اس قدر پرجوش ہے۔ کہ بچوں کے اخلاقی نشو و نما کو وہ جسمانی نشو و نما پر ترجیح دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ورزش کے سلسلہ میں گفتگو کرتے کرتے وہ لکھتا ہے۔ کہ میں اچھا جسم، اچھی روح کا قائل نہیں۔ بلکہ اچھی روح، اچھے جسم کا قائل ہوں۔ وہ اس تعلیم کو سماج سے نکال باہر پھینکنا چاہتا ہے۔ جس میں ذہنی تربیت اور اخلاقی تربیت کا فقدان ہو۔ اس کا پہلا اصول یہ ہے۔ کہ تعلیم میں کوئی پہلو ایسا نہ ہو جو کسی اخلاقی پہلو کو نشو و نما نہ دے۔ وہ والدین کے لئے بچوں کو ایسی کہانیاں سنانے سے حکمِ امتناعی جاری کرتا ہے۔ جن کا کوئی (Moral) (اخلاقی نتیجہ) نہ ہو۔ وہ والدین پر زور دیتا ہے۔ کہ بچوں کو ایسی کہانیاں سناؤ جس سے ذہنی ارتقا ممکن ہو۔ اس کے اس جوشِ مقصد کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

اس کے عہد کا رواج تھا کہ فوجی اور انتظامی طبقہ کو دو تعلیمیں دی جاتی تھیں۔ (۱) ورزش (۲) موسیقی۔ اول الذکر سے جسمانی نشو و نما مقصود تھی۔ اور آخر الذکر سے روحانی ارتقا۔ مگر افلاطون کہتا ہے۔ کہ میں دونوں سے روحانی ارتقا چاہتا ہوں۔ خدا جانے روحانی ارتقا کس بلا کا نام ہے۔ اور روحانی ارتقا سے افلاطون کی کیا مراد ہے؟ وہ اس کی تشریح کہیں نہیں کرتا۔ اس مفروضہ روحانی ترقی کے لئے وہ بچوں میں موسیقی کی تعلیم کو مقدّم کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ نغمہ کی تاثیر عنقائی مفروضہ روح کو

ترقی دے سکتی ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ افلاطون بچوں کو ایک جسم واحد سمجھ کر سماج کے فرائض کا ان میں بٹوارہ کرتا ہے۔ یہ زمانہ ان فرائض کے لئے تربیت کا ہے جو آگے چل کر ان کے کندھوں کو اٹھانے ہیں۔ وہ سماج کے ہر فرد کی انفرادیت کا قائل نہیں بلکہ افراد کو ہیئت اجتماعی دے کر ان کے گروپ بناتا ہے۔ اور پھر ہر گروپ کے ذمہ معاشرت کا کوئی نہ کوئی پہلو سپرد کرتا ہے۔ چنانچہ "ریپبلک" میں اس کے یہ باہمی سمجھوتہ کے خیالات واضح ہیں۔ فرائض کا یہ بٹوارہ وہ یونہی نہیں کر دیتا۔ بلکہ اس میں وہ اہلیت اور صلاحیت کو تقسیم کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے اسی انداز فکر کا نتیجہ ہے۔ کہ بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں اس نے بچوں کی نفسیات کا زیادہ خیال رکھا ہے۔ چنانچہ اسے اس حقیقت کا شدت سے احساس تھا۔ کہ بچے شعوری طور پر کہانیاں سننا بہت پسند کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں ان کہانیوں کے ذریعے بہت کچھ سکھایا جا سکتا ہے۔ علاوہ اس کے بچوں کے ذہن کو وہ ایک صاف شفاف سلیٹ سمجھتا ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ جو کچھ اب ان کے ذہن پر مرتسم کر دیا گیا ہے۔ وہ ان کا پائدار کیریکٹر بن جائیگا۔ چنانچہ ان دو حقائق کے پیش نظر کہانیوں کے لئے کچھ اصول وضع کرتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں وہ اپنے مقرر کئے ہوئے مقصد تعلیم کو ہرگز نہیں بھولتا۔ چنانچہ وہ بار بار اس بات پر زور دیتا ہے۔ کہ بچوں کو ایسی کہانیاں سنائی جائیں۔ جن سے بچوں کی اخلاقی ترقی ممکن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ماؤں اور اُستادوں کو ہدایت کرتا ہے۔ کہ بچوں کو ایسی کہانیاں سناؤ۔ جن میں کوئی اخلاقی نقطہ (Moral) ہو۔ بے مقصد قصوں کو رطب و یابس اور غیر سود مند قرار دے کر ان کی مخالفت کرتا ہے۔ علاوہ اس کے وہ اس جدید نفسیاتی تحقیق کا بھی غیر شعوری احساس رکھتا تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو برائیوں اور گناہوں کا نام اور ان کی کیفیت بچوں کو معلوم نہ ہو۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

کہ بچوں کو ایسی کہانیاں سناؤ، جن سے ظاہر ہو کہ خدا صرف اچھائی کا خالق ہے۔ بدی کا اس سے غیر متعلق ہے۔ بامقصد کہانیوں کے سلسلہ میں وہ لکھتا ہے۔ کہ کہانیاں ایسی ہوں جن کا چھپتا ہوا (Moral) ہو اور (Moral) بھی اس قبیل کے ہوں مثلاً

خواہشات کو آزاد چھوڑ دینا نقصان دہ ہے۔

خواہشات پر ضبط اچھے نتائج کا حامل ہے۔

حاکموں کی فرمانبرداری سود مند ہے۔ اور نافرمانبرداری نقصان دہ ہے۔

شہید اور قومی بہادر دوسری دنیا میں شاندار زندگی بسر کر رہے ہیں۔

سچ بولنے کے فوائد۔

انصاف کی مسرتیں وغیرہ وغیرہ

علاوہ ازیں بچوں میں آزادی کی حب پیدا کرنے کے لئے وہ کہتا ہے۔ بہادروں اور شہیدوں کے مرثیے مت لکھو۔ اور نہ ہی ان کا ماتم کرو۔ کیونکہ اس طرح موت یا شہادت ان کے لئے تاریک اور ڈراؤنا برقعہ اوڑھ لے گی۔

تعلیم میں وہ بچوں پر جبر کو بالکل ناپسند کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اس سے بچے کا ذہن باغی ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ بچوں کو باتوں باتوں میں پڑھاؤ۔ اور کھیل کود میں تربیت دو۔

بچوں کی نفسیات پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے۔ کہ بچوں میں تقلید پسندی کا مادہ بہت ہے۔ اس لئے ان کے لاشعور کی تربیت کے لئے موسیقی بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افلاطون نغمہ کی تاثیر اور دل پر اس کی گرفت کا قائل تھا۔ اس کے بعد وہ موسیقی کی نوعیت (جو بچوں کے لئے سود مند ہو) بتاتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ بچوں کی تربیت کا ایسی موسیقی سے سامان کیا جائے جس میں روحِ بہادری ہو۔ نشہ پیدا کرنے والے بےخودی پیدا کرنے والے راگ نکال دو۔ ان کی بجائے ایسے راگ رکھو۔ جو

اکساہٹ اور جوش کو متحرک کرنے والے ہوں۔

سب سے اخیر میں وہ اس نفسیاتی نقطہ پر زور دیتا ہے جس کی عملی صورت ہمیں آجکل روس میں نظر آتی ہے۔ وہاں تربیت گاہوں اور مدرسوں میں بچہ کے مذاق رجحانات اور اشتغال کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ جو اس کی آئندہ زندگی اور پیشہ کا فیصلہ کرتا ہے۔ اسی طرح افلاطون نے لکھا ہے۔ کہ دوران تعلیم میں بچے کے مرغوب کھیل اور اس کی صلاحیت کو بروئے کار لائے۔ اور اسے ترقی دے۔ بعد ازاں اسی پر اس کا آئندہ پیشہ معین کیا جائے۔

تعلیمی زمانوں کی تعین وہ اس طرح کرتا ہے:۔

پہلا مرحلہ:۔ ابتدائی تعلیم سمجھ بوجھ سے ۱۷ برس کی عمر تک۔

دوسرا مرحلہ:۔ ۱۷ برس سے ۲۰ برس تک تربیتی دور۔

اس دور میں بچے کو میدان جنگ میں تربیت دی جائے۔ اور اس کا خوف دور کرایا جاتا ہے۔ پھر ایسے اشخاص کو اعلے تعلیم کے لئے منتخب کیا جائے جو صلاحیت رکھتے ہوں۔

تیسرا مرحلہ:۔ اعلے تعلیم ۲۰ برس سے ۳۰ برس تک۔ اس کے بعد پھر انتخاب ہو۔

چوتھا مرحلہ:۔ یہ زمانہ ۳۰ برس سے ۳۵ برس تک ہے۔ اس سے منتخب اشخاص کو فلسفہ کی تعلیم دی جائے۔

اس سلسلہ میں معلوم رہے کہ افلاطون فلسفہ کو تعلیم کی آخری منزل قرار دیتا ہے علاوہ ازیں وہ ہر بچے کو اعلے تعلیم تک گھسیٹنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ابتدائی مرحلہ کے بعد وہ صلاحیت اور اہلیت کے پیش نظر انتخاب کرتا ہے۔ بعد کا کیریئر یوں معین کرتا ہے۔ کہ فلسفہ، روحانی تعلیم و ترقی، تیزیٔ ادراک اور رعب داب کا ایک امتحان مقرر کیا جائے جو اس میں کامیاب ہو جائے۔ اسے حکمران طبقہ میں لے لیا جائے۔ یہ امتحان گویا آئی سی ایس

کی قبیل کا ہے۔

اِس ضمن میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ افلاطون فلسفہ کو بہت بلند خیال کرتا تھا۔ اور اسے بڑی قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ وہ کہتا ہے کہ اقلیدس اور ریاضی ابتدائی مرحلے سے شروع کرادی جائے۔ مگر فلسفہ بہت بعد میں شروع کرایا جائے۔

اعلےٰ تعلیم کے متعلق اس کا خیال ہے۔ کہ اعلےٰ تعلیم صرف ان بچوں کو دینی چاہیئے جو نیک مزاج۔ فطری اہلیت اور بہادری کی صفات رکھتے ہوں۔ علاوہ ازیں حسین بھی ہوں۔ اس کے بعد وہ اعلےٰ تعلیم کا مقصد معین کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اعلیٰ تعلیم کا مقصد روح کو اتنا بلند کرنا ہے کہ وہ عالمِ ارواح میں جا نکلے اور حقیقتِ اشیا پر تفکر کی در پے رہے۔ یہاں اس کا مقصد مابعد الطبیعاتی ہو جاتا ہے۔ اور اسی مناسبت سے وہ اعلیٰ تعلیم کا کورس بھی تجویز کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ اعلیٰ تعلیم میں ہندسہ کو لازمی قرار دیتا ہے۔ مگر پھر بھی روح کی اُلجھن باقی رہ جاتی ہے۔ کہ افلاطون کا مقصد روح سے کیا ہے۔

علاوہ اس پہلو کے وہ بچوں کے جسمانی پہلو سے بھی غافل نہیں۔ ورزش کو وہ ابتدائی مرحلہ سے ہی لازمی قرار دیتا ہے۔ بلکہ اس کا خیال ہے کہ ورزش شروع عمر سے آخر تک رہے۔ مگر وہ اسے اپنے مقصدِ تعلیم کے پیشِ نظر ثانوی حیثیت دیتا ہے۔ وہ اچھا جسم اچھی روح کا قائل نہیں۔ بلکہ اچھی روح اچھے جسم کا قائل ہے۔ ورزش کے متعلق اس نے چند اصول بھی بنائے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ سمع اور بصر کی تیزی اور تندرستی پر زیادہ زور دیتا ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم کا بھی افلاطون نے ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ مخلوط تعلیم کا معتقد نظر آتا ہے۔ وہ کہتا ہے مرد اور عورت کے لئے ایک سی تعلیم ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ صنفِ نازک کو صنفِ نازک اور صنفِ قوی کو صنفِ قوی بھی تسلیم کرتا ہے۔ عورتوں کے متعلق فنِ حرب اور ورزش کو اس حد تک ضروری قرار دیتا ہے۔ جہاں تک ان کی طاقت اور استطاعت اجازت دے۔ تعلیمِ نسواں کے مخالف رجعت پسندوں اور کوڑ مغزوں کے خلاف وہ اس طرح

استدلال کرتا ہے۔ کہ ہر فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اپنی صلاحیت اور اہلیت کے مطابق ریاست میں حصہ لے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ عورت کی سیاسی اور انتظامی اہلیت سے بھی منکر نظر آتا ہے۔ تاہم ان کج فہمیوں کے باوصف ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ تعلیم نسواں کے متعلق اس کے خیالات ترقی پسندانہ ہیں۔

ٹالسٹائی کا مدرسہ

تخلیقی مضمون نویسی!

پروفیسر عبدالغفور

ٹالسٹائی ایک فن کار تھا لیکن وہ ناول اور افسانہ کا فن کار ہی نہیں۔ زندگی کا فن کار بھی تھا۔ جس طرح اس کی پرخلوص گہری ہمدردی اور روح پرور نگاہ کے نور سے افسانہ کا پلاٹ ایک کلی کی طرح سے کھلتا چلا جاتا تھا۔ اسی طرح اس کی انسانیت اور محبت کے سانچے میں سے مدرسے کے بچوں کی شخصیتیں بھی خود بخود ڈھلتی چلی جاتی تھیں۔ ڈھلتی ہی نہیں بلکہ ابھرتی اور بڑھتی چلی جاتی تھیں۔ وہ مدرسے کے کمرے میں نئے روزن، بچوں کی زندگی میں نئے دریچے کھول دیتا تھا۔ اور ایسے ماحول کو جو تخلیقی روح سے اکثر نا آشنا تھا۔ ایک نئے جذبے سے بیتاب کر دیتا تھا۔ بچوں میں تخلیق کی نئی اُمنگیں بیدار کر دیتا تھا۔ خوابیدہ سوتوں کو جگا دیتا تھا۔ سوئے ہوئے تاروں کو چھیڑ دیتا تھا۔ اس کے چھیڑنے کا انداز کچھ ایسا نہیں کہ کوئی اور چھیڑ نہ سکے لیکن اگر اُستاد اپنے بچوں کی ساکن اور پرجمود زندگی میں تخلیق کا نیا ترنم چھیڑنا چاہتا ہے۔ تو اسے اپنی اُنگلی کی پور میں نہیں زندگی کے سرود میں نئی روح پیدا کرنی ہوگی۔ اپنے اوپر اعتماد کرنا ہوگا۔ اور بچوں کے دل و دماغ کو بھی خود اعتمادی کے ایک نئے احساس سے زندہ کرنا ہوگا۔

ہم ٹالسٹائی کو مضمون نویسی اور لکھائی کا معمولی سا سبق پڑھاتے دیکھتے ہیں۔ پیشہ ورانہ جزئیات کے لحاظ سے اس میں کوئی ایسی خاص بات نہیں۔ لیکن اس کی کامیابی کا راز اس کے ظاہری پلان میں نہیں۔ اس کی اسپرٹ اور روح میں ہے۔ اس کا طریق تدریس ایک تعاونی عمل ہے،

جس میں بچہ اور اُستاد دونوں برابر کے ساجھی ہیں۔ وہ آپس میں تنقید کرتے ہیں کبھی کبھی اچھی خاصی کشتی جھپٹی بھی رہتی ہے۔ لیکن آپس کی اس نوک جھونک سے بلند اور ان سب پر حاوی وہ تخلیقی مقصد ہے جو ایک بے پناہ قوت کی طرح استاد اور شاگرد دونوں کو آندھی کی طرح اپنے آگے لگائے چلا جارہا ہے۔ کام کی رفتار شروع میں کچھ رُکی رُکی سی ہے۔ لیکن جب کچھ بچوں میں ایک بار جذبہ تخلیق بیدار ہوجاتا ہے تو ٹالسٹائی جیسے فن کار کے لئے بھی اس کا ساتھ دینا مشکل ہوجاتا ہے۔

ان بچوں کا دینی، معاشی اور سماجی پس منظر دیکھیئے۔ گاؤں کے ماحول بے پڑھے لکھے والدین اور عزیز رشتہ داروں کی ذہنی نکبت اور افلاس کو نگاہ میں رکھیئے۔ اور پھر ان کی تخلیقی اپج اور اس کی کامیابی پر نظر دوڑائیے۔ تعلیمی عمل کی یہ کہانی ٹالسٹائی کے کسی افسانے سے دلچسپی میں کسی لحاظ سے کم نہیں۔ بقول ٹیگور ہر بچے کی پیدائش اس حقیقت کی شاہد ہے کہ خدا اب تک اپنے بندوں سے مایوس نہیں ہوا۔ اور ٹالسٹائی کی یہ کامیابی ہر اُستاد کے لئے ایک اُمید افزا پیام ہے۔ کہ اسے بھی کبھی کسی بچے سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر اس میں زندگی کی لَو ہے تو وہ بچوں میں بھی زندگی کی نئی لَو جگا سکتا ہے۔ اپنی زندگی میں اپنے پیشے کے لئے نئی دلچسپیاں پیدا کرسکتا ہے۔ اس طرح اس کا کام تفریح اور اس کی تفریح کام کا روپ لے سکتی ہے۔

ٹالسٹائی کے بچے کچھ ایسے زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ ان میں سے اکثر تو اتنی لکھائی بھی نہیں جانتے تھے کہ اپنے خیالات و جذبات کا آزادانہ بے روک ٹوک اظہار کرسکیں۔ مضمون نویسی کا کام کامیابی سے نہیں چل رہا تھا۔ ایک دن ٹالسٹائی نے ان کے کام میں نئی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور بچوں کو ایک عام کہاوت . کہانی کے انداز میں لکھنے کو کہا۔ کچھ بچوں نے تو اس کام کو اپنی لیاقت سے اونچا سمجھا اور اپنی دوسری دلچسپیوں میں مشغول رہے۔ ایک نے ٹالسٹائی کو مقابلہ کی دعوت دے دی کہ آپ بھی افسانہ لکھیں اور ہم بھی لکھیں گے مقابلہ ہے اس پر ٹالسٹائی لکھنے بیٹھ گیا۔ لیکن فیڈکا (Fedka) اس کی کرسی کی پشت پر چڑھ بیٹھا

اور اوپر سے پڑھ پڑھ کے بار بار کہیں ترمیم کہیں تنقید کرتا جاتا تھا۔ اس پر ٹالسٹائی نے اپنے افسانے کا لکھا ہوا حصہ پڑھ کر سنانا شروع کر دیا۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھانے لگا کہ افسانہ کا انجام کیا ہوگا۔ بہت سے بچوں نے اس میں دلچسپی لی۔ اکثر نے ٹالسٹائی کی کہانی کو پسند نہیں کیا۔ بعض کانٹ چھانٹ چاہتے تھے۔ اور بعض ترمیم۔ چند ایک نے پلاٹ کے متعلق مشورے دیئے اور دوسروں نے جزئیات بھی مہیا کرنے میں کسر نہ چھوڑی۔

سیومکا (Seomka) اور فیڈکا (Fedka) اس ادبی مشغلے میں ممتاز تھے۔ ان دونوں بچوں میں حیرت انگیز تخیل، اصابت رائے، حسنِ توازن اور قوتِ بیان کی صلاحیت بیدار ہو گئی تھی۔ ٹالسٹائی اس کام میں ہمہ تن غرق ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بچے املا لکھا رہے ہیں۔ اور وہ ہے کہ ایک عقیدت مند شاگرد کی طرح لکھے چلا جا رہا ہے۔ بار بار اسے رک کر انتظار کرنا پڑتا تھا۔ کہ بچے اپنے سوچے ہوئے جذبات کو بھول نہ جائیں اور اس طرح سے وہ افسانہ جو ان کے اپنے دل ودماغ کی پیداوار ہے کھو یا نہ جائے۔ فیڈکا (Fedka) میں بقول ٹالسٹائی توازن کا شدید احساس موجود تھا۔ اور یہی احساس آرٹ کی جان ہے۔ بعض بچوں کے بتائے ہوئے غیر ہم آہنگ جذبات پر وہ کس قدر جل بھن جاتا تھا۔ بتدریج اس نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں ہی لے لیا۔ اور آہستہ آہستہ پورا قبضہ جما لیا۔ دوسرے بچے اس کام کو چھوڑ کر گھروں کو چلے گئے۔ لیکن سیومکا (Seomka) بیٹھا رہا۔ اس کا تعاون اپنی فطرت کے عین مطابق حقیقت آمیز رنگ میں ہوتا تھا۔

ٹالسٹائی کے اپنے الفاظ میں "شام کے سات بجے سے گیارہ بجے تک کام کرتے دونوں بچوں کو نہ تو بھوک لگی اور نہ تھکاوٹ ہی محسوس ہوئی۔ بلکہ جب میں لکھنے سے رک جاتا تھا تو اُلٹے خفا ہونے لگتے تھے۔ آخر کار تنگ آ کر انہوں نے باری باری خود ہی لکھنا شروع کر دیا۔ لیکن گاڑی زیادہ دیر تک چل نہ سکی۔ اور آخر تھک کر چھوڑ بیٹھے۔ میں نے بھی یہ کام چھوڑ دیا۔ میرے دل میں عجیب ہیجان سا برپا تھا۔ میرے ایک ساتھی اُستاد نے مجھ سے پوچھا: کہیئے آ

یا بات ہے؟ آپ اتنے زرد کیوں نظر آ رہے ہیں۔ کیا کچھ طبیعت علیل ہے؟" حقیقت یہ ہے کہ زندگی بھر میں میں نے ایسا شدید جذبہ دو تین دفعہ سے زیادہ کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔"

دوسرے دن ٹالسٹائی کو یہ یقین نہ آتا تھا کہ گذشتہ رات کا تجربہ ایک خواب تھا یا حقیقت۔ یہ امر ناقابلِ یقین سا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک دیہاتی بچہ جس نے ابھی اچھی طرح لکھنا پڑھنا بھی نہیں سیکھا۔ دفعتاً ایسی تخلیقی قوت کا مظاہرہ کرے۔ ٹالسٹائی اس امر پر تعجب اور مسرت کا اظہار کرتا ہوا لکھتا ہے:۔ "میرے لئے یہ بات کچھ حیرانی اور کچھ رنج کا باعث تھی کہ میری جیسی مسلم شہرت کا مصنف جس نے ادبی حلقوں میں کافی شہرت حاصل کر لی ہو اور جسے روس کے تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک خاص ادبی امتیاز حاصل ہو۔ ادب اور آرٹ کے معاملے میں گیارہ سال کے دو بچوں کو تعلیم یا کسی قسم کی امداد دینا تو درکنار ان کے ایک ادبی مشغلے میں ان کے قدم بہ قدم نہ چل سکے اور انہیں سمجھ بھی نہ سکے۔

دوسرے دن ہم افسانہ جاری رکھنے کے لئے دوبارہ بیٹھے۔ جب میں نے فیڈکا (Fedka) سے پوچھا کہ آیا اس نے کہانی کے آئندہ حصّوں کو سوچ رکھا ہے تو اس نے اپنا ہاتھ ہلایا اور کہنے لگا۔ میں جانتا ہوں اور خوب جانتا ہوں۔ اچھا اب لکھے گا کون؟ ہم نے کام دوبارہ شروع کر دیا۔ اور اس مرتبہ بھی ان بچوں میں پہلے جیسا ہی جوش اور ولولہ پایا جاتا تھا۔ اس ادبی حقیقت کا ویسا ہی شدید احساس اور وہی حسن توازن سبق کے بیچوں بیچ مجھے کسی ضرورت سے باہر جانا پڑا تو ان بچوں نے دو صفحے میری عدم موجودگی میں لکھے۔ افسانے کا یہ حصّہ بھی جذبات اور محاکات کے لحاظ سے پہلے حصّوں کا آئینہ تھے۔ لیکن جذبات کے لحاظ سے کچھ کمزور تھا۔ بعض چیزوں میں خوشنما ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ اور دو جگہ واقعات کی تکرار بھی تھی۔ اُن خامیوں کی اصل وجہ یہی تھی۔ کہ ان بچوں نے ابھی لکھنا اچھی طرح نہیں سیکھا تھا۔

تیسرے دن ہم نے پھر اسی کامیابی سے افسانے کو جاری رکھا۔ ہم نے فی الحقیقت

مضمون نویسی کا ایک قدرتی اور جذبہ انگیز طریق معلوم کر لیا تھا۔ ہماری کامیابی کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں تھی۔

اتفاقاً یہ افسانہ ضائع ہو گیا۔ ٹالسٹائی کو اس کا بے حد افسوس ہوا۔ سیومکا (Seomka) اور فیڈکا (Fedka) اگرچہ اس کے شدید رنج کا تو احساس نہ کر سکے۔ تاہم انہوں نے وعدہ کیا کہ رات بھر اس کے گھر ٹھہر کر وہی افسانہ دوبارہ لکھ دیں گے۔ آٹھ بجے اسکول بند ہونے پر وہ گھر پہنچ گئے۔ اور اپنے آپ کو مطالعہ کے کمرے میں بند کر لیا۔ شروع میں تو کچھ دیر ہنسنے کی آواز آئی۔ اس کے بعد خاموش ہو گئے۔ ٹالسٹائی نے جب باہر سے کان لگا کر سنا تو دبی دبی آوازیں کہانی پر بحث کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے قلم کی چرچراہٹ بھی سنی۔ آدھی رات گئے ٹالسٹائی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو کیا دیکھتا ہے کہ سیومکا (Seomka) ایک بڑی میز کے پاس ٹھہرا ہوا بڑی تیزی سے لکھتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی سطور کاغذ پر اڑی چلی جا رہی تھیں۔ اور اس کا قلم بار بار دوات کا متلاشی تھا۔ فیڈکا (Fedka) نے ٹالسٹائی کو کہا ذرا تھوڑا سا انتظار کیجئے اور اس کے ساتھ ہی اس نے سیومکا (Seomka) کو تھوڑا سا اور لکھنے کے لئے کہا۔ آخر کار ٹالسٹائی نے ان کی مشق کی کاپی ان کے ہاتھ سے لے لی۔ بچوں نے آلو اور کواس (Kvas) کا مزے دار کھانا اڑایا اور اس کے بعد اپنی پوستین اتار کر لکھنے والی میز کے پاس سو گئے۔ ان کے دل نشین صحت مند طفلانہ قہقہے کمرے میں گونج رہے تھے۔ ٹالسٹائی کی رائے میں یہ اور دوسری کہانیاں جو بچوں نے لکھیں اپنے خصوصی رنگ کے لحاظ سے روسی ادب میں سب پر بھاری ہیں۔

مصر میں نیا تعلیمی دَور

۱۹۴۷-۴۸ء میں مصر کے عمومی نظام تعلیم کی نشوو نما کی روداد

عمومی تعلیم کی تعمیر نو :- عمومی تعلیم کی تعمیر نو کے سلسلے میں وزارت تعلیم نے ایک ایسا طریق عمل متعین کر رکھا ہے جس کے تحت ملک کے تمام بچوں کو مساوی تعلیمی مواقع حاصل ہو سکتے ہیں ۔ اس نئے نظام کا مقصد یہ ہے کہ وہ ملک کی بڑھتی ہوئی ترقی کے پیش نظر اس کی ضرورتوں کو پورا کرے ۔ اس کے اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول میں معاون ہو ۔ اور ساتھ ساتھ ترقی پسند اقوام کے طویل تجربات کے بعد مرتب کیے ہوئے نتائج سے ہم آہنگ بھی ہو، اس نظام میں جو چھ سال سے سترہ سال کی عمر کے بچوں سے متعلق ہے مختلف تدریجی منزلیں ہیں - جو بڑھتے ہوئے بچے کی ضرورتوں کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہیں ۔لیکن اس کے باوجود یہ منازل ایک دوسرے سے اس قدر وابستہ ہیں کہ ہر لڑکے اور لڑکی کو بلا استثنا حصول تعلیم کے کافی مواقع میسر آسکتے ہیں - اس نظام کے تحت محض بے مائگی کسی بچے کے لیے اعلیٰ ترین تعلیم کے حصول میں بھی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی - وزارت نے اس لائحہ عمل کو تعلیم کی ابتدائی منزل میں نافذ کر دیا ہے اور حکومت اپنے مالی استعداد کے مطابق اس کی پیروی کرے گی۔ اس منزل میں، جو تمام بچوں کے لیے لازمی قرار دی گئی ہے، تعلیم کی نوعیت عملی ہوتی ہے تاکہ بچے کو اپنے ماحول کا کافی علم ہو جائے، وہ ایک اچھا شہری بنے اور اپنی حاصل کی ہوئی تعلیم کو آگے چل کر معاشی ضرورتوں میں استعمال کر سکے - ابتدائی اور پرائمری تعلیم کی ایک مخلوط منزل بنائی گئی ہے تاکہ قوم کے تمام بچے اوائل عمر میں ایک ہی طرح کی تعلیم حاصل کریں اور آگے چل کر اپنے اپنے انفرادی مذاق اور ملک کی ضروریات کے مطابق راہیں اختیار کرلیں ۔

تعلیم کی پہلی منزل:۔ یہ منزل چھ سال (چھ سال سے بارہ سال کی عمر تک) پر ختم ہوتی ہے۔ اس منزل میں تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے تعلیم مفت اور لازمی ہے۔

وزارت تعلیم کی اس پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ اس منزل میں مدرسے کے معیار کو غیر ملکی السنہ کے علاوہ دیگر مضامین میں بتدریج ایسا بلند کیا جائے کہ پرائمری مدارس کے معیار تک پہنچ جائے اور حکومت کے حسب مقدور اس منزل کی تعلیم تمام بچوں کو میسر آسکے۔ اس عبوری دور کے ختم ہونے تک پرائمری مدارس بحال رہیں گے۔

ابتدائی اسکولوں میں ہم آہنگی:۔ اس منتہا کے پیش نظر ذیل کا طریق کار مرتب کیا گیا ہے:۔

(۱) ابتدائی مدرسہ بتدریج پرائمری مدرسے کے معیار پر لایا جائے گا۔

(۲) ابتدائی اور پرائمری مدارس کے لئے ایسا نصاب مرتب کیا گیا ہے جس کی رو سے ابتدائی مدارس کے پہلے دو سال (۶ تا ۸) کنڈر گارٹن کے تین سال (۵ تا ۸) کے برابر ہیں۔ اور ابتدائی مدارس کا تیسرا سال اور اس کے مابعد کی مدت پرائمری کے چار سال کے برابر ہے۔ دونوں طرح کے مدرسوں کے نصاب کو ہم پایہ کر دیا ہے بجز اس کے کہ پرائمری میں تیسرے اور چوتھے سال غیر ملکی زبانیں سکھائی جاتی ہیں اور بمقابلہ اس کے ابتدائی مدارس میں عربی کی مزید تعلیم ہوتی ہے اور حرفتی تربیت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

(۳) نصاب میں شہریت کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۴) ان طلبہ کو جنھوں نے کسی ایک نوع کے ابتدائی مدرسے کا کورس پاس کیا ہو پرائمری سرٹیفکیٹ امتحان میں شریک ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور عربی زبان میں امتحان پاس کرنے سے انھیں غیر ملکی زبان میں امتحان دینے سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے۔

یہ نیا نصاب ۴۷-۱۹۴۶ء کے تعلیمی سال کی ابتدا میں نافذ ہوا مختلف مضامین کے تفصیلی نصاب کی ترتیب اس طرح پر ہو کہ عمومی نظام تعلیم سے متعلق ہو جائے۔ اس

سلسلہ میں شہری اور دیہاتی مدارس کے طلبہ اور طالبات کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے مضامین میں ضروری تنوع پیدا کیا گیا۔

ابتدائی اور پرائمری مدارس کے نصاب کا خاکہ حسب ذیل ہے:۔

ابتدائی مدارس میں لڑکوں اور لڑکیوں کا نصاب

مضمون	گھنٹیوں کی تعداد					
	سال اوّل	سال دوم	سال سوم	سال چہارم	سال پنجم	سال ششم
قرأت قرآن اور دینی تعلیم	۲	۲	۴	۴	۳	۳
عربی اور خوش نویسی (۱)	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲
حساب	۶	۶	۶	۶	۵	۵
علم ہندسہ (عملی)	-	-	-	-	۱	۱
تاریخ اور شہریت (۲)	-	-	-	-	۱	۲
جغرافیہ	-	-	-	۱	۱	۱
مشاہدۂ قدرت اور سائنس	۳	۳	۳	۳	۲	۲
حفظانِ صحت (۳)	-	-	-	-	۱	۱
ڈرائنگ	۳	۳	۳	۳	۲	۲
حرفتی تربیت	۳	۳	۳	۳	۸	۸
جسمانی تربیت	۳	۳	۳	۲	۲	۱
میزان	۳۲	۳۲	۳۴	۳۴	۳۸	۳۸

(۱) اس نصاب میں گانے اور کہانیاں شامل کی گئی ہیں۔

(۲) شہریت کی تعلیم صرف چھٹے سال ہوتی ہے جو پرائمری کے چوتھے سال کے برابر ہے۔ اس ضمن میں ہفتے میں ایک سبق دیا جاتا ہے۔

(۳) پہلے چار سال حفظانِ صحت کے باقاعدہ اسباق نہیں دئے جاتے بلکہ طلبہ کو اصولِ صحت کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔

(۴) لڑکوں کے مدارس میں پہلے چار سال ایسی دستکاری کی تعلیم پر صرف کئے جاتے ہیں جو مقامی ماحول کے اعتبار سے مناسب ہو۔ لڑکیوں کے مدارس میں یہ مدت سوزن کاری اور فنونِ لطیفہ پر صرف ہوتی ہے۔ پانچویں اور چھٹے سال شہری مدارس کے لڑکوں کو کارآمد ہنر سکھائے جاتے ہیں اور دیہاتی مدارس میں طلبہ کو دیہاتی صنعتوں کی تربیت دی جاتی ہے۔ لڑکیاں اس عرصے میں آرٹ، سوزن کاری اور امورِ خانہ داری سیکھتی ہیں۔ لیکن دیہاتی مدارس میں زراعتی حرفتوں پر زور دیا جاتا ہے۔

پرائمری مدارس میں لڑکوں اور لڑکیوں کا نصاب

مضمون	گھنٹیوں کی تعداد			
	سال اوّل	سال دوم	سال سوم	سال چہارم
قرآن	۲	۲	۲	۲
عربی اور خوش نویسی (۱)	۱۲	۱۲	۹	۹
علم موسیقی	۲	۱	۱	۱ (۲)
غیر ملکی زبان اور خوش نویسی	۰	۰	۸	۸
حساب	۶	۶	۵	۵
علم ہندسہ (عملی)	۰	۰	۱	۱
تاریخ اور شہریت	۰	۰	۱	۲ (۳)
جغرافیہ	۰	۱	۱	۱
مشاہدہ قدرت اور سائنس	۳	۳	۲	۲
حفظان صحت	۰	۰	۱	۱
ڈرائنگ	۳	۳	۲	۲

عملی تربیت (۴)	۳	۳	۳	۳
جسمانی تربیت	۳	۳	۳	۱
میزان	۳۴	۳۴	۳۸	۳۸

(۱) اس نصاب میں کہانیاں شامل ہیں ۔

(۲) چوتھے سال موسیقی کی تعلیم صرف لڑکیوں کے مدارس میں دی جاتی ہے ۔ لڑکے اس کی بجائے جسمانی تربیت حاصل کرتے ہیں ۔

(۳) شہریت کی تعلیم چوتھے سال میں ہوتی ہے جو ابتدائی تعلیم کے چھٹے سال کے برابر ہے۔ اس سلسلے میں ایک سبق ہفتہ وار دیا جاتا ہے ۔

(۴) لڑکوں کے شہری مدارس میں اگر ضروری ساز و ساماں مہیا ہوں تو تیسرے اور چوتھے سال میں ایک گھنٹی فن باغبانی کو دی جاتی ہے ۔ اس کے مقابلے میں دیہاتی مدارس میں دو گھنٹیاں اسے دی جاتی ہیں ۔ لڑکیوں کے مدارس میں یہ گھنٹیاں آرٹ، سوزن کاری اور امور خانہ داری کی تدریس کے لئے مخصوص ہیں ۔

پرائمری تعلیم کا مسودہ قانون :- چونکہ منزل اول کے مدارس میں اصلاح و ترقی ہوتی رہی اور ابتدائی مدرسے کو پرائمری اسکول کے معیار تک لانا تھا۔ اس لیے ان حالات کے پیش نظر پرائمری تعلیم ایکٹ پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ لہٰذا وزارت نے نئے قوانین وضع کئے ہیں جو مندرجہ ذیل امور میں پرانے قوانین سے مختلف ہیں :-

(۱) پرائمری مدارس میں داخلہ کی عمر ۸ سے ۱۰ تک اور ۷ سے ۹ سال تک کر دی گئی تاکہ بچے نسبتاً کم عمر میں ان مدارس میں شریک ہو سکیں۔ وہ بچے جن کی عمر پندرہ یا پندرہ سال سے اوپر ہے پرائمری اسکولوں میں داخل ہونے کے مجاز نہیں ۔

(۲) نیا قانون مفت پرائمری تعلیم کے اصول کا تعین کرتا ہے ۔

(۳) سالِ دوم میں انگریزی کی بجائے جو بحیثیت غیر ملکی زبان کے پڑھائی جاتی تھی ۔

تاریخ، جغرافیہ اور مشاہدۂ قدرت پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ شہریت کو چوتھے سال کے نصاب میں داخل کر دیا گیا۔

(۴) ہر جماعت میں عملی مضامین کی تدریس کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

(۵) عربی اور دیگر غیر ملکی السنہ کے زبانی امتحان کی بجائے جو عموماً پرائمری کے سندی امتحان میں ہوا کرتا تھا، ہر تحریری پرچے میں دو ایسے لازمی سوالات کا اضافہ کر دیا گیا ہے جن سے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ طلبہ کو پڑھے ہوئے اسباق پر کہاں تک عبور حاصل ہے۔ سالانہ امتحانات کے لیے وزارت ایسے قوانین وضع کریگی جو زبانی امتحان کو زیادہ اہمیت دینگے۔

(۶) وزیر تعلیم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے تجویز کردہ طریق پر ایسے مدارس قائم کرے جہاں طلبہ کو پبلک امتحانات کے لئے تیار کیا جاتا ہو۔

مجلس مقننہ اس مسودہ قانون پر غور کر رہی ہے اور وزارت تعلیم نے مسودے کے اس حصے کو جو اس کے اپنے حدِ اختیار میں ابھی سے نافذ کر دیا ہے۔

ثانوی تعلیم:۔ ثانوی تعلیم کو از سرِ نو منظم کرنے کے لیے وزارت نے مزید ایک نیا مسودہ تیار کیا ہے جو اس وقت مجلس مقننہ میں زیر غور ہے۔ اور مندرجۂ ذیل اصولوں پر مبنی ہے:۔

(۱) سابق کورس کی مدت لڑکوں کے لیے پانچ سال اور لڑکیوں کے لئے چھ سال کی ہوا کرتی تھی لیکن جدید کورس میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے پانچ سال کی مدت متعین کر دی گئی ہے۔

(۲) اس منزل پر تعلیم کا مقصد تنوع پیدا کرنا اور بچوں کی خاص صلاحیتوں کو ترقی دینا ہے۔ مزید اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ ثانوی مدارس مختلف فنی مدارس سے اس طرح مل جائیں کہ بچے مناسب عمر پر پہونچ کر اپنے لیے موزوں ترین شعبۂ تعلیم کا انتخاب کر سکیں۔ یہ

تقسیم چودہ سال کی عمر یعنی ثانوی مدرسے کے دوسرے سال کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ اس نوعیت کی تقسیم کے لیئے یہی عمر ماہرانِ تعلیم کی تجویز کی ہوئی ہے اور مصر اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں تجربے کی بنا پر یہ تعیّن موزوں بھی ثابت ہو چکا ہے۔

(۳) ثانوی تعلیم کی منزل دو حصّوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصّے کی میعاد دو سال مقرر ہے اس دوران میں بچّوں کو ایسی اساسی تعلیم دی جاتی ہے جس کی بدولت ان کی انفرادی صلاحیتیں فروغ پاتی ہیں۔ اس مدّت کے اختتام پر انہیں امتحان دینا پڑتا ہے جس پر ان کی ترقی منحصر ہوتی ہے۔ کامیاب امیدواروں کو درمیانے درجے کا سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے۔

ثانوی درجے کے پہلے دور کے نصاب میں دینی تعلیم جسمانی تربیت اور پانچ دیگر مضامین ہوتے ہیں۔ ان مجموعوں کی تفصیل یہ ہے۔ ۱۔ السنہ (عربی اور ایک غیر ملکی زبان) ۲۔ عمرانی مضامین (تاریخ، جغرافیہ اور شہریت)، ۳۔ ریاضیات (حساب، الجبرا اور علم ہندسہ)، ۴۔ عمومی سائنس ۔ ۵۔ حرفتی تربیت (دستکاری، نقشہ کشی، موسیقی فن باغبانی لڑکوں کے لئے اور سوزن کاری، امور خانہ داری اور موسیقی لڑکیوں کے لئے)۔

(۴) دوسرے دور کے پہلے سال کے بیلیے دینی تعلیم، السنہ (عربی، ایک غیر ملکی زبان بحیثیت مضمون خاص اور ایک اور غیر ملکی زبان بحیثیت ثانوی) اور جسمانی تربیت لازمی مضامین قرار دئے گئے ہیں۔ مزید برآں طلبہ کو اختیار رہے کہ وہ ذیل کے چار مجموعہ ہائے مضامین میں سے کسی تین کو اپنے اپنے مذاق کے مطابق منتخب کرلیں:۔ عمرانی مضامین، ریاضیات، طبیعات اور فنی مضامین (جن کی نوعیت جنس کے مطابق مختلف ہوتی ہے)۔ لڑکیوں کو اختیار ہے کہ وہ ثانوی زبان کی بجائے ایسے فنی مضامین لیں جو لڑکیوں کے لیے مخصوص ہیں۔

(۵) دوسرے دور کے سال اوّل کے آخر میں تمام نصاب ادبی، علمی اور عمومی گویا تین حصّوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔

(۶) ادبی حصہ صرف وہی طلبا لینے کے مجاز ہیں جنھوں نے سال اول میں عمرانی مضامین لیے ہیں۔ اور علمی حصہ لینے کے وہی مجاز سمجھے جاتے ہیں جو ریاضی اور علم طبعی لیتے ہیں نصاب کا عمومی حصہ سبھی لے سکتے ہیں۔

۷۔ نصاب کے ادبی حصے میں طلبا، عربی زبان یا کوئی سی غیر ملکی زبان یا تاریخ وجغرافیہ کے علاوہ عمرانی مضامین فلسفہ اور جسمانی تربیت کی تعلیم بھی پا سکتے ہیں۔

علمی حصے میں طلبا ریاضیات یا علم الحیات کی خاص تعلیم کے علاوہ ریاضی علم طبعی اور جسمانی تربیت کی تعلیم پا سکتے ہیں۔ نصاب کے عمومی حصے میں زبانوں کی اور جسمانی تربیت کی تعلیم لازمی ہے۔ طالب علم سال اول میں اپنی مرضی کے تین مضمون لے سکتا ہے۔ لڑکیاں جو اس دور کے سال اول میں کسی ثانوی زبان کے علاوہ کوئی سا اور مضمون لیتی ہیں جو لڑکیوں کے لیے مخصوص ہے وہ اس مضمون کو جاری رکھ سکتی ہیں۔

(۸) جو جو مضامین ان تینوں حصوں میں مشترک ہیں ان کے لیے نصاب ایک ہی ہوگا

ثانوی مدارس میں فیس کی معافی:- پرانے قاعدے کے مطابق طلبا جو امتحانوں میں مقررہ نمبر حاصل کر لیتے تھے ان کی فیس معاف کر دی جاتی تھی شرط یہ ہوتی تھی کہ معافی پانے والے طلبا کی تعداد کل تعداد کے دس فی صد سے تجاوز نہ کرے۔

جو ذہین طالب علم پہلے دور میں فیس ادا نہیں کر سکتے انھیں فیس سے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ ثانوی تعلیم حاصل کر سکیں۔ لیکن یہ شرط لگا دی جاتی ہے کہ ایسے طلبا ابتدائی سرٹیفکیٹ حاصل کرنے والے امتحان میں ۶۰ فی صد نمبر ضرور حاصل کریں لیکن جو طالب علم سالانہ امتحان میں ۶۰ فی صد نمبر حاصل کر لیتے ہیں انھیں فیس سے دوسرے سال میں بھی مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے بہرحال اس قسم کے طلبا کو داخلے کے وقت ترجیح دی جاتی ہے اور اگر ثانوی مدارس میں داخلے کی اور بھی گنجائش ہو تو کم نمبر حاصل کرنے والوں کو بھی داخل کر جاتا ہے لیکن فیس کی ادائگی لازمی ہے۔

دوسرے دور میں کورس کے آخر تک جس قدر طالب علم درمیانی درجے کے سرٹیفکیٹ حاصل کرتے والے امتحان یا سالانہ امتحان میں ۶۵ فی صد نمبر حاصل کرتے ہیں ان کی فیس پوری معاف ہوتی ہے۔ اور جو طالب علم ۶۰ فی صد نمبر حاصل کرتے ہیں ان کی نصف فیس معاف ہوتی ہے۔

داخلے کی عمر: ثانوی مدارس میں داخلے کی زیادہ سے زیادہ عمر جو مقرر ہے اس کو ہر جماعت میں دو سال تک کم بھی کیا جا سکتا ہے لیکن پندرہ برس سے زیادہ عمر کے نئے طالب علم اور اکیس برس سے زیادہ کے پرانے طالب علم داخل نہیں کئے جا سکتے۔

زبانی امتحان: اس سنہ میں زبانی امتحان کا مروجہ طریق تبدیل کیا جائے گا۔ درمیانے اور ثانوی درجے کے سرٹیفکیٹ پانے کے امتحانات کے ضمن میں زبان دانی کے کل نمبروں کا کچھ حصہ زبانی امتحان کے لیے وقف کیا جائیگا لیکن طالب علم کی کامیابی کا اندازہ زبانی اور تحریری امتحانات کے نمبروں کو ملا کر لگایا جائیگا۔

ضمنی امتحانات: ضمنی امتحانات میں صرف وہی طالب علم شامل ہو سکتے ہیں جو سالانہ امتحان میں ناکام رہے ہوں اور پہلے دور میں وہ دو سے زیادہ مضامین میں اور دوسرے دور میں ایک سے زیادہ میں فیل نہ ہوئے ہوں۔ اور اگر طالب علم پہلے دور میں کل نمبروں کا ۳۵ فی صد اور دوسرے دور میں ۴۰ فی صد حاصل کرے تو ان صورتوں میں وہ جس قدر مضامین میں چاہے امتحان دے سکتا ہے۔

تجرباتی مدارس: نئے قاعدے کے مطابق وزیر تعلیم تجرباتی مدارس جاری کرا سکتا ہے ایسے مدارس میں طالب علم درمیانے یا ثانوی درجے کے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے معیار تک تعلیم پا سکتے ہیں۔ ان مدارس کے قانون قاعدے وہی ہونگے جو وزیر تعلیم وضع کریگا۔

لڑکیوں کی تعلیم: ۴۸-۱۹۴۷ء کے آغاز میں استانیوں کی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ ادارہ پانچ اداروں میں منقسم کر دیا گیا تھا۔ جن میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے مختلف النوع پروگرام ہیں جو ان کی صلاحیتوں کے مطابق ہوتے ہیں مثلاً امور خانہ داری، کشیدہ کاری،

فنون لطیفہ، جسمانی تربیت، عوام الناس کی خدمت اور موسیقی کی تعلیم۔

ان اداروں کا کورس تین سال کا ہوتا ہے اور جو گریجویٹ طالبات تدریس کی سند حاصل کرنا چاہیں انھیں ایک سال مزید لگانا پڑتا ہے جس میں انھیں نفسیات، علم التعلیم اور خاص خاص طریقہ ہائے تعلیم سکھائے جاتے ہیں اور موسیقی کے اداروں میں ایک سال کی بجائے دو سال اور لگانے پڑتے ہیں۔

ضمنی تعلیم: ضمنی تعلیم پر بھی وزارت تعلیم کی نظر رہتی ہے۔ ابتدائی مدارس کے طلبہ اور طالبات جو تعلیم کا پہلا مرحلہ طے کر کے ثانوی مدارس میں تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے۔ ان کے لیے ضمنی تعلیم کے انتظامات کیے گئے ہیں۔ ان کے ذریعے وہ تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت میں اساسی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ جو انھیں کاروباری زندگی گزارنے کے لائق بنا سکتی ہے۔ سردست ایسے مضامین کی تدریس کے لیے بعض مدارس میں خاص خاص جماعتیں جاری کی گئی ہیں۔

درمیانے درجے کے فنی اور صنعتی اسکولوں میں جہاں تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کی تعلیم دی جاتی ہے وہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کے لیے بھی ایسے انتظامات کیے گئے ہیں جن سے ان کا فنی معیار بڑھ جاتا ہے اور وہ اس قابل بھی ہو جاتے ہیں کہ انجینئرنگ کے اعلیٰ درجے کے اداروں میں تعلیم حاصل کر سکیں۔

فیس میں تخفیف:- پرائمری اسکولوں کی ابتدائی جماعتوں میں تو تمام طلبہ کی فیس معاف ہوتی ہے لیکن ثانوی اسکولوں میں طلبہ کی بیشتر تعداد بھی فیس سے مستثنےٰ کر دی جاتی ہے۔ سب تعلیمی اداروں کی فیسوں میں تخفیف کر دی گئی ہے۔

مفت خوراک کا انتظام:- حکومت کی طرف سے ابتدائی مدارس کے طلبہ کو کھانا مفت دیا جاتا ہے۔ ۴۸-۱۹۴۷ء میں ایسے طلبہ کی تعداد ۷۱۹۹۴۸ تھی گویا پچھلے سال کی نسبت ایک لاکھ کا اضافہ ہوا۔ آج کل یہ تعداد بڑھتے بڑھتے دس لاکھ تک پہنچ گئی ہے اس صورت

دس لاکھ طلبہ کی خوراک کا خرچ بجٹ میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت
ری اسکولوں کے طلبہ کو بھی برائے نام قیمت وصول کرکے خوراک بہم پہنچاتی ہے لیکن اس
ج کو آئندہ سال کے بجٹ میں شامل نہیں کیا گیا۔۔
علاج :۔قصبوں اور شہروں میں علاج کے مستقل انتظامات ہیں۔ ان کے علاوہ
بہ کی جسمانی صحت کے معائنے اور خاص خاص وباؤں کی دیکھ بھال کے لیے متحرک شفا خانے
م کیے گئے ہیں جنھوں نے کام شروع کر دیا ہے اور ان کے ذریعے اس سال تقریباً ۲۱۵۰۰۰
بوں کا معائنہ ہو چکا ہے۔
جگہ کی کمی :۔تعلیم زیادہ پھیل رہی ہے، طلبہ کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے
ن اسکولوں میں مزید گنجائش نہیں۔ اس لیے وزارت تعلیم اسکولوں کی عمارتیں تعمیر کرانے
، لیے دس سالہ اسکیم بنانے پر آمادہ ہوئی ہے۔
ایسے اسکولوں کی تعمیر پر ۱۰ لاکھ پاؤنڈ کے مصارف کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ۱۰ لاکھ
نڈ کی یہ رقم دس سالوں میں صرف کی جائیگی۔
اساتذہ کی تربیت :۔تعلیم سرعت سے پھیل رہی ہے اس خیال سے وزارت تعلیم
اساتذہ کے ٹریننگ اسکولوں میں اب کے زیادہ سے زیادہ تعداد میں طلبہ داخل کیے ہیں۔
ت ۱۹۴۷ء سال کی ابتدا میں اعلیٰ ٹریننگ کالج میں فرانسیسی زبان پڑھانے والے اساتذہ
، لیے ایک نئی جماعت کھولی گئی تھی۔ ذیل کے اسکول بھی جاری کیے گئے تھے۔

(۱) اساتذہ کے لیے ایک ابتدائی ٹریننگ اسکول
(۲) اُستانیوں کے لیے دو ابتدائی ٹریننگ اسکول۔
(۳) ایک دیہاتی ٹریننگ اسکول۔

اس اسکول کے فارغ التحصیل اساتذہ جو مصر کی دیہاتی زندگی سے پورے طور
آگاہ ہوتے ہیں ابتدائی اسکول میں بھیجے جاتے ہیں۔ ایک ایسا اسکول کھولنے کا بھی اہتمام

کیا گیا تھا جس میں وہی دیہاتی قسم کا ماحول ہو طلبہ کھیتوں میں ہل جوتیں، مویشیوں کی پرورش کریں ڈیری فارموں کی پیداوار فروخت کریں۔ اسکول کے ساتھ ایک فارم ہو جس میں طلبہ تجربات حاصل کریں، اور امداد باہمی کے اصول پر کام کریں۔

تعلیم کے اس کورس کا منشا یہ ہے کہ براہ راست تعلق پیدا کر کے طلبہ کو دیہاتی زندگی سے آگاہ کیا جائے۔ تاکہ وہ اپنے آپ کو دیہات کا ایک حصہ سمجھنے لگیں۔ اور دیہات کی خدمت کے لیے وقت دے سکیں اور جد و جہد کر سکیں۔ اس کورس میں اس بات کو خاص اہمیت دی گئی ہے کہ نظریات کو عملی جامہ کیوں کر پہنایا جائیگا۔ اور جہاں تک ممکن ہو طلبہ کی عملی رہنمائی کی جائے گی۔ مثال کے طور پر حفظان صحت کا مطالعہ ہے۔ اسکول کے احاطے کے اندر صفائی رکھ کر اور جراثیم مار کر ہم اسے عملی صورت دے سکتے ہیں حساب کا مطالعہ انسان کے روزمرہ کی خرید و فروخت، ذخیرہ اندوزی، آمد و خرچ کا حساب کتاب رکھنے اور دیہات کی منڈیوں میں قیمتوں کے بڑھنے چڑھنے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ مختصراً یہ کہ اسکول گویا ایک مثالی تجربہ گاہ ہے جس کے ذریعے طلبہ میں ہمدردی اور دیہاتی معاشرے کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوگی اور ان کے دلوں میں خواہش پیدا ہوگی کہ وہ دیہات کی اصلاح کریں اور دیہات کی خدمت بجا لائیں۔

اس نوع کے نصاب کا خاکہ اگلے صفحہ پر ہے

مضمون	ابتدائی سال	پہلا سال	دوسرا سال	تیسرا سال	چوتھا سال	پانچواں سال	کیفیت
قرآن اور دینیات کی تدریس	۳	۳	۳	۳	۳	۳	
عربی کی تدریس اور خوش نویسی	۹	۸	۸	۶	۶	۶	پانچویں سال میں تعلیم مخصوص قاعدوں کے ذریعے دی جاتی ہے
ریاضیات	۶	۴	۴	۴	۲	۲	
عام سائنس	۳	۳	۳	۲	۲	۱	چوتھے اور پانچویں سال میں تعلیم مخصوص قاعدوں کے ذریعے دی جاتی ہے
حفظان صحت	۱	۱	۱	۱	۰	-	
تاریخ اور جغرافیہ	۳	۳	۳	۳	۲	۱	پانچویں سال میں تعلیم مخصوص قاعدوں کے ذریعے دی جاتی ہے
شہریت	-	۰	-	۱	۱	۲	
مشاغل	۵	۴	۴	۰	۰	-	
گرد و پیش اور دیہاتی مسائل کا مطالعہ	۰	۴	۴	۴	۲	۲	ایضاً
زراعت کی نظریاتی اور عملی تعلیم	-	۰	۰	۴	۴	۴	ایضاً
زراعتی صنعتیں	-	۰	۰	۲	۲	۲	ایضاً
دیہاتی صنعتیں	۳	۳	۳	۲	۲	۲	
ڈرائنگ	۲	۲	۲	۲	۲	۲	
تعلیم اور نفسیات	-	۰	۰	۱	۳	۴	
عملی تعلیم	۰	-	-	-	۴	۴	
جسمانی تربیت	۲	۲	۲	۲	۲	۲	
موسیقی	۱	۱	۱	۱	۱	۱	
میزان کل	۳۸	۳۸	۳۸	۳۸	۳۸	۳۸	

۱۔ پانچویں جماعت کے طلبہ پندرہ پندرہ دن کے عرصے کے لیے دوسرے طلبہ کو خود تعلیم دینا سکھاتے ہیں
۲۔ چوتھی اور پانچویں جماعت کے طلبہ اسکول کے ایک کیمپ میں پندرہ دنوں کے لیے رکھے جاتے ہیں۔

فلم اور ریڈیو:۔ امسال سینما اور ریڈیو پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ چونکہ اسکول میں یہ نہایت ہی موثر وسیلہ تدریس ہے بعض اسکولوں میں اس کے تجربات کیے گئے۔ جہاں اس سلسلے میں کافی سازوسامان مہیا کیا گیا تھا اور اساتذہ کو ان دونوں وسائل کا استعمال بھی بتایا گیا تھا۔ ان تجربات کی روشنی میں وزارت تعلیم چاہتی ہے کہ اگلے سال سینما اور ریڈیو کا استعمال رفتہ رفتہ تمام اسکولوں میں عام کردے۔

ناخواندگی کے خلاف جدوجہد:۔ وزارت تعلیم اس امر کے لیے کوشاں ہے کہ بارہ سے اٹھارہ برس کے بالغ لڑکوں اور بارہ سے پندرہ برس کی بالغ لڑکیوں کی ناخواندگی دور کردی جائے۔ اس سلسلے میں جو کوشش کی گئی اس سے ۳۸۰۰۰۰ ناخواندہ لوگوں کو خواندہ بنایا گیا یعنی پہلے سال کی نسبت ۸۰۰۰۰ کا اضافہ ہوا۔

مردوں کے لیے بارہ سے پنیتالیس سال تک کے لیے اور لڑکیوں کے لیے بارہ سے اٹھارہ سال تک کے لیے قانون وضع کیا گیا ہے لیکن اس قانون کو عملی جامہ رفتہ رفتہ پہنایا جارہا ہے۔ عام حالات میں ان مقررہ عمروں کا خیال رکھا جاتا ہے لیکن سپاہیوں، مزدوروں اور قیدیوں کو عمروں کی قید سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے۔

اس قانون کا اطلاق تمام تاجروں پر ہوتا ہے جن کے ہاں تیس ملازم ہوں اور تمام ان زمینداروں پر جن کے ہاں سو سے زائد مزارع ہوں۔ ناخواندہ مزدوروں کو پڑھانے کے لیے جو خرچ اٹھیگا اس کے متحمل وہی تاجر یا زمیندار ہونگے جن کے پاس وہ ملازم ہیں۔ وزارت دفاع اس امر کے لیے کوشاں ہے کہ فوجی بارکوں میں ان پڑھ سپاہیوں کو پڑھایا جائے۔ محکمہ جیل بھی ان قیدیوں کی ناخواندگی دور کرنے کے لیے کوشاں ہے جن کو نو ماہ یا عمر زیادہ کے سزا یافتہ ہوں۔

مجالسِ مدرسہ

طالب یزدانی

شیخ سعدیؒ نے ایک نیک عالم کو ایک اُمّی صوفی پر فوقیت دینے کے لئے کیا خوب فرمایا ہے۔ کہ صوفی تو طوفانی سمندر کی موجوں سے اپنی ذات کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ مگر ایک عالم ڈوبتے ہوئے ساتھی کو بھی بچا لے جاتا ہے۔

اب ہم ناخدایانِ کشتیٔ مِلّت اور معمارانِ قوم کو سوچنا چاہیئے کہ دس سال ایک بچے کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ کیا ہم اُس کی تربیت اس نہج پر کرتے ہیں کہ بیرونِ مدرسہ زندگی میں وہ دوسروں کے کام آسکے۔ کیوں کہ ہر متمدّن سوسائٹی اپنے ہر فرد سے تقاضا کرتی ہے کہ جہاں اس پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنا بوجھ خود اُٹھائے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے کسی دوسری ذات کو نقصان پہنچے۔ وہاں اُس فرد پر یہ بھی لازم ہے۔ کہ وہ ہر موقع پر دیگر افراد کی حتی الامکان عملاً یا قولاً امداد و معاونت کرے۔ اُن کے دُکھ سُکھ میں شریک ہو اور مل کر سوسائٹی کی بہتری کے لئے کوشاں ہو۔

ہمارے ہاں سکول بہترین تربیت گاہیں بن سکتی ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ نصاب کی رٹائی کو ہی مطمعِ نظر نہ بنالیں۔ بے شک موجودہ نظامِ تعلیم میں اساتذہ کرام کو نقطۂ امتحان پر نگاہیں مرتکز کرنا پڑتی ہیں۔ مگر میرے نزدیک عملی طور پر امتحان سے توجہ ہٹائے بغیر بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دس سال کے طویل عرصہ میں اوسط درجہ کا طالب علم ہمارے علمی خزائن سے جو کچھ سمیٹ کر سکول سے باہر نکلتا ہے۔ وہ مقدار اور اہمیت دونوں کے لحاظ سے اتنا نہیں

ہوتا کہ اس پر ایک شخص کی عمر کے بہترین حصے کے دس سال صرف، یا زیادہ صحیح الفاظ میں ضائع کئے جائیں۔ ان دنوں یہ شور بڑے زور سے سنا جا رہا ہے۔ کہ نصابِ تعلیم میں انقلاب آنے والا ہے۔ اور شاید طرزِ تعلیم میں بھی کوئی تبدیلی رونما ہو جائے۔ مگر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ کہ نتائج اُس وقت تک خاطر خواہ ثابت نہ ہوں گے۔ جب تک کہ ہم لوگ (ایک سکول میں کام کرنے والے اساتذہ) اپنے آپ کو (اس اسکول میں تعلیم پانے والے) پانچ سات سو بچوں کی اجتماعی تربیت کا ذمہ دار نہ ٹھہرائیں۔ اور کامیابی کے لئے مختلف تدابیر نہ سوچیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک ہائی سکول بذاتِ خود ایک سوسائٹی ہے۔ اور ایسی سوسائٹی جو ایک نسل کے لئے آغوشِ مادر کا کام دیتی ہے۔ اور جس پر نئی سوسائٹی پھلتی پھولتی ہے۔ اگر عملاً بھی سکول کو ایک سوسائٹی بنا دیا جائے۔ تو یہاں پر رہ کر چند سال میں بچہ ایک طرف، تو اپنے افعال کے وصف سے کو بہبودِ جماعت کی طرف موڑ سکتا ہے۔ بردباری، رواداری اور ملنساری جیسے اخلاقِ حسنہ اپنی سیرت میں پیدا کر سکتا ہے۔ اور دوسری طرف مختلف ماحولوں کے پرورش یافتہ ساتھیوں سے مل جل کر ان کے خیالات سے مستفید ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک کامیاب سکول وہی ہے جہاں ایک گروہ کو تو اظہارِ خیال کا اور دوسرے فریق کو متمتع ہونے کا موقعہ دیا جائے اس سلسلے میں بورڈنگ ہاؤس کی زندگی بے شک نمایاں اثر ڈال سکتی ہے۔ مگر اُس سے تمام طلبہ مستفیض نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ رہائشی سکول جاری نہ کئے جائیں۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے میں یہ تجویز کروں گا کہ سارے سکول کو ایک سوسائٹی متصور کر کے طلبہ کو زیادہ سے زیادہ میل جول کا موقع دیا جائے اکثر سکولوں میں جماعت وار بلکہ فریق وار انجمنیں بنی ہوتی ہیں۔ جن کا اجلاس ہفتہ میں ایک بار (اگر اتفاق سے اُس روز چھٹی نہ ہو) تو ہو جاتا ہے۔ اس اجلاس میں مختلف طلبہ تقاریر، مقالہ خوانی اور کہیں نظم خوانی کرتے ہیں۔ اگر اس سے زیادہ کچھ ہوتا ہے۔ تو شاید گنتی کے ایک دو سکولوں میں ان اجلاسوں میں عملاً حصہ لینے والے چند طلبہ ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے

تقاضائے فطرت کے مطابق علیحدہ مذاق کا مالک ہوتا ہے۔ باقی تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ طالب علم محض سامعین ہوتے ہیں۔ ان میں سے تقریر یا مقالہ وغیرہ میں دل چسپی وہی لیتے ہیں جو مقرر یا مقالہ خواں کے ہم مذاق ہیں۔ دو یا تین ہفتوں کے بعد پھر کہیں انہیں اپنے مذاق کی چیز سننے کا موقع ملتا ہے۔ غرض یہ اجلاس اپنے اندر کوئی زندگی نہیں رکھتے۔ اور جہاں بدقسمتی سے مدرس صاحب ان اجلاسوں کی افادیت کے قائل نہیں ہوتے، وہاں یہ جلسے محض لغو اور بے معنی اجتماعات بن کر رہ جاتے ہیں۔ کسی ہیڈ ماسٹر صاحب نے ان امور کی طرف زیادہ توجہ فرمائی تو چند ایک فریق یعنی چند ایک طالب علموں کو ترقی کرنے کا موقع ملتا ہے اور بس۔

ان نقائص کے پیشِ نظر میری ناقص رائے میں اگر جماعت وار انجمنوں کی جگہ موضوعات کے مطابق چھوٹی چھوٹی انجمنیں بنائی جائیں۔ اور ان میں سے کبھی ایک اور کبھی دوسری انجمن کے یا دو تین مختلف الموضوع انجمنوں کے نمائندوں کو ہر روز سارے سکول کے سامنے ثمراتِ مطالعہ پیش کرنے کا موقع دیا جائے تو بہتر نتائج مترتب ہونے کا امکان ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں ایک سکول حقیقی معنوں میں ایک انجمن بن جائے گا۔ جس کا ہلکا سا خاکہ درج ذیل ہے :-

ہر روز تعلیم شروع ہونے سے پہلے اجتماع مدرسہ ہر اچھے سکول میں منعقد ہوتا ہے۔ اگر اس میں ہیڈ ماسٹر صاحب اور دیگر اساتذہ کرام بچوں کے اذہان کے مطابق مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال فرماتے ہیں تو یہ بڑی مبارک بات ہے اور اس سلسلے کو منقطع کرنا چاہیئے۔ جو اعتراضات جماعت وار انجمنوں پر کیے جا چکے ہیں اُن میں سے کچھ اس پروگرام پر بھی جڑے جا سکتے ہیں۔ مگر ذرا پورا ڈھانچہ ملاحظہ ہو۔

سارے سکول کی تمام جماعتوں کے دو حصے کر لیئے جائیں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ آٹھویں نویں اور دسویں ایک حصہ ہوں اور دوسرا حصہ پانچویں سے ساتویں تک کا ہو۔ پہلے حصے کو سینیئر (اعلےٰ) اور دوسرے کو جونیئر (ادنےٰ) کا نام دیا جائے۔ اب ہر حصے میں مختلف الموضوع چھوٹی چھوٹی انجمنیں بنائی جائیں۔ مثلاً

(۱) دائرۂ تاریخ (۲) نوجوان جغرافیہ دان (۳) نوخیز خطیب (۴) ننھے شاعر (۵) مجلس مناظرہ (۶) ڈرامیٹک کلب (۷) راگی بچے (۸) معصوم سائنس دان (۹) کل کے سیاست دان (۱۰) حزب لطیفہ گویاں وغیرہ وغیرہ۔ ہر حصے سینئر (اعلےٰ) جونیئر (ادنےٰ) میں ان کے ممبر بنائے جائیں۔ اور یہ کام طلبہ خود کریں۔ ہر انجمن کم از کم ہفتہ میں ایک بار اپنا جلسہ منعقد کرے۔ ایک طالب علم کسی دوسرے موضوع پر اگر اظہارِ خیال کرنا چاہے تو وہ اس انجمن خاص کے جلسۂ خاص میں شریک ہو سکے۔ جلسہ کے دن سے دو روز پہلے ہر انجمن کا سکرٹری اپنی انجمن کے بورڈ پر اپنا پروگرام درج کرے۔ جسے دیکھ کر دوسری انجمنوں کے چند طلبہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس ہفتہ انہیں کون سے پروگرام میں شریک ہونا ہے۔ جس موضوع کے پروگرام کے طلبہ زیادہ مشتاق ہوں۔ اُس کو اجتماع مدرسہ میں زیادہ وقت یا زیادہ دن دئے جائیں۔

انہیں انجمنوں کے منتخبہ پروگراموں سے روزانہ پروگرام مرتب کیا جائے۔ مگر ہفتہ بھر کا پروگرام اسے مرتب کر لینا چاہیئے۔ جو کہ گذشتہ ہفتہ کے پروگراموں میں سے تیار ہوگا۔

بہترین پروگرام پیش کرنے والے طلبہ کو کتابوں اور رسالوں کی صورت میں انعام دیا جائے ہر انجمن کی نگرانی ایک مدرّس کے سپرد کر دی جائے۔ نہیں نہیں بلکہ مجھے یوں کہنا چاہیئے تھا کہ اساتذہ کرام میں سے ہر ایک کسی نہ کسی انجمن کی نگرانی فرمانا قبول فرمائیں۔ مگر لڑکوں کو بہت حد تک آزادانہ کام کرنے دیا جائے۔ نگران دراصل طلبہ کی مشکلات کو دور کرے گا۔ مثلاً اُن کے لئے موضوع خاص کے کتب و رسائل مہیا کرائے۔ اُن کے تلفظ کی درستی کرے۔ الجھنوں کو سلجھا دے۔ غرض پہلوانوں کے اُستاد کی مانند الگ اکھاڑے سے باہر کھڑا ہو کر کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو داؤ پیچ سمجھائے اور بس۔

اصطلاحی غور و فکر

(گزشتہ سے پیوستہ)

ا

اصطلاحات

(بسلسلۂ ماسبق)

36. Director.

ناظم، منتظم، نگران، رہنما، مہتمم، حاکم، ہادی، ناظمِ اعلیٰ، محافظِ اعلیٰ، مہتمم اعلیٰ، منتظم اعلیٰ، نگرانِ اعلیٰ، مشیرِ اعلیٰ، کوئی تیرہ۔ کے قریب اس اصطلاح کے ترجمے موصول ہوئے ہیں۔ لیکن ان سب میں ہم پہلے ترجمہ کو قابلِ ترجیح سمجھتے ہیں۔ چنانچہ Director of Public Instruction کے لئے "ناظمِ تعلیمات" بہت موزوں ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

37. Inspector.

اس کے لئے مندرجہ ذیل ترجمے موصول ہوئے ہیں:-

منتظم، مہتمم، ممتحن، ناظر، نگران، حقیقت بین۔ ان میں سے "ناظر" ہر طرح مناسب ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عدالت گاہوں میں "ناظر" کا لفظ عام مستعمل ہے۔ اس لئے التباس سے بچنے کی خاطر ناظر کے ساتھ خصوصیت شامل ہونی چاہیئے چنانچہ مدارس کے انسپکٹر کو فقط ناظر کہنے کی بجائے "ناظرِ مدارس" کہا جائے۔ تو اچھا ہوگا۔ منتظم، مہتمم،

اور ممتحن انسپکٹر کا صحیح مفہوم ادا نہیں کرتے۔ حقیقت میں تو یہاں جچتا ہی نہیں۔

38. Registrar.

جو ترجمے مختلف احباب نے تجویز کئے ہیں یہ ہیں :۔

منشی، محافظ دفتر، نگران دفاتر، ناظم، ناظم اعلیٰ، محافظ اعلیٰ، وقائع نگار، رجسٹرار، اگرچہ ان تمام الفاظ میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جو Registrar کا پورا مفہوم و مقصود ادا کرے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وقائع نگار، ناظم اور منشی اس کے اصل مفہوم سے بہت دور ہیں۔ محافظ دفتر کچھ مطلب ادا کرتا ہے لیکن اس سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو رجسٹرار میں ہے۔ عربی میں ایک لفظ مُسَجِّل ہے جس سے رجسٹرار کا مفہوم ادا ہوتا ہے۔ کاش کہ یہ رائج ہو سکے۔ ورنہ مندرجہ بالا تمام الفاظ کے مقابلے میں "مہتمم اعلیٰ" کو ترجیح دینی پڑیگی۔

39. Time-Scale.

اس کے لئے مندرجہ ذیل ترجمے موصول ہوئے ہیں:۔

میزانیہ، درجہ مسلسل، درجہ مشاہرہ، میزان وقتی، معیار موقت، پیمانہ مقررہ، سلسلہ جاریہ، درجہ جاریہ، میزان مشاہرہ، میزان موقتی، میزان زمانی، لیکن یہ تمام ترجمے جچتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

میزانیہ کا لفظ بجٹ کے لئے خوب ہے۔ اور استعمال ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ تو اسی کے لئے مخصوص رہنا چاہیئے۔ درجہ جاریہ، درجہ مسلسل میں وقت کی وہ قید نہیں جو Time-Scale میں ہے۔ درجہ مشاہرہ تو Grade of Pay کے لئے موزوں ہے۔ میزان وقتی، میزان موقتی، معیار موقت، میں قلیل مدت کی طرف زیادہ رجحان ہے۔ میزان مشاہرہ، درجہ مشاہرہ کی طرح ہے۔ سلسلہ جاریہ یہاں مہمل ہے۔ میزان زمانی میں البتہ وقت اور مدت کے متعلق Time-Scale کے قریب قریب مفہوم پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی کچھ جچتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں "میزان مؤجل" بہتر ترجمہ ہے۔ اس میں

Time-Scale کا مکمل مفہوم نظر آتا ہے۔" میزان الوقت" کے مقابلے میں بھی یہی ترجیح کے قابل ہے۔

40. Circulate.

اس کے لئے بہت سے ترجمے موصول ہوئے ہیں۔ جن میں سے اکثر مضحکہ خیز ہیں۔ مثلاً گھومائیے، گردش میں لائیے، چکرائیے، دورہ کرائیے، رواج دیجئے، مشہور کیجئے وغیرہ۔ البتہ جن اصحاب نے جاری کرنا، دکھانا، پھرانا، ملاحظہ کرانا، تجویز کیا ہے۔ وہ بہت حد تک مفہوم کے قریب قریب ہیں۔ لیکن یہ سب مصادر ہیں۔ ان سے اصل اصطلاح کا جو فعل امر ہے، ترجمہ سوچا جا سکتا ہے۔ ایک صاحب نے تجویز کیا ہے" یہ احکام سب کو دکھا دیجئے"، ہمیں اس ترجمے سے بہت حد تک اتفاق ہے Circulate among all کے لئے یہ موزوں ہوگا۔" ملاحظہ کرا دیجئے" بھی مناسب ہے۔" سب کو آگاہ کر دیجئے" بھی بُرا نہیں ہے۔ لیکن کاغذ پر تحریری احکام کے سلسلے میں" سب کو مطلع کر دیجئے" زیادہ موزوں ہے۔

41. Record.

اس کے ترجمے کے سلسلے میں بھی بے شمار رائیں پہنچی ہیں:۔

جنہوں نے" اندراج، تحریر، روداد، قلم بندی، اور کارنامہ تجویز کیا ہے۔ اُن سے ہمیں مطلقاً اتفاق نہیں۔ البتہ مندرجہ ذیل ترجمے قابلِ غور ہیں:۔

دستاویز، مسل، فرد، کاغذات، مآثر، آثار، سجل، دفتر، دستاویز بہت محدود ہے اور ریکارڈ کی تمام شاملات پر حاوی نہیں۔ دفتر اور فرد بھی اس کی سی جامعیت نہیں رکھتے۔ مآثر، اور آثار، ریکارڈ کی ایک مخصوص نوعیت بیان کرتے ہیں۔ اور ان دو لفظوں کے استعمال سے کاغذات کا خیال بھی نہیں آ سکتا۔ حالانکہ دفتری اصطلاح میں ریکارڈ کا زیادہ تر اطلاق کاغذات پر ہی ہوتا ہے۔" سجل" رجسٹر کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اِس

البتہ "کاغذات" کچھ موزوں ترجمہ ہے۔ لیکن اگر " دفتری کاغذات " کہہ دیا جائے تو اور بھی موزونیت پیدا ہو سکتی ہے۔ "مسل " کا لفظ عام مستعمل بھی ہے اور رائج بھی ، اس کو بصورت جمع یعنی " مسلیں " استعمال کیا جائے۔ تو بہتر ہوگا۔

42. Circular.

اس کے لئے موصولہ ترجمے یہ ہیں:۔

خط دائر ، گشتیہ ، گشتی مراسلہ ، گشتی چٹھی ، گشتی اعلان ،

ان میں سے "گشتی چٹھی" عام مستعمل ہے۔ اور یہی ترجیح کے قابل ہے۔ گشتی مراسلہ بھی برا نہیں۔ خط دائر اور گشتیہ دونوں غیر موزوں ہیں۔

43. Miss.

دختر ، مس ، صاحبزادی ، بنت ، صاحبہ ، محترمہ ،

دختر ، صاحبزادی اور بنت مفہوم کے لحاظ سے مس کے بہت قریب ہیں۔ لیکن ان کے استعمال میں دقت کا احتمال ہے۔ مثلاً جس خاتون کا نام فرزانہ ہے۔ اور انگریزی انداز میں انہیں مس فرزانہ کہا جاتا ہے۔ انہیں دختر فرزانہ ، یا صاحبزادی فرزانہ کہنے میں احتیاط کی ضرورت ہوگی۔ کہیں اضافت کا جھگڑا نہ پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جہاں خاتون کے اپنے نام کی بجائے ان کے والد محترم کے نام سے پہلے مس کا لفظ لگا کر انہیں خطاب کیا جاتا ہے۔ مثلاً خاتون فرزانہ کے والد کا نام سعید ہے۔ تو انہیں انگریزی میں مس سعید کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ یہاں اگر مس کی جگہ خاتون یا صاحبزادی کا لفظ استعمال کر کے کہا جائے۔ خاتون سعید یا صاحبزادی سعید تو دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ اسی طرح صاحبہ سعید سے اور ہی قیامت برپا ہوتی ہے۔ محترمہ سعید کا حشر بھی یہی ہے۔ عربی صحافت میں ایک لفظ " آنسہ " استعمال ہو رہا ہے۔ وہ رائج ہو جائے تو بہت حد تک یہ دقتیں دور ہو جائیں۔ لیکن اس میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔ آنسہ فرزانہ درست ہے۔ لیکن آنسہ سعید درست نہیں۔ اس عقدہ کا صحیح

حل یہ ہے۔ کہ لفظ آنسہ مس کے ترجمے کے طور پر استعمال کیا جائے۔ لیکن اس کے استعمال کی صورت یہ ہو۔

آنسہ فرزانہ یا آنسہ فرزانہ سعید یا آنسہ ف۔سعید۔

خاتون کا لفظ بھی ان صورتوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ جیسے

خاتون فرزانہ یا خاتون فرزانہ سعید یا خاتون ف سعید۔ لیکن لفظ خاتون شادی شدہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسلئے خاتون فرزانہ سعید یا خاتون ف۔سعید سے یہ معنی لیا جاسکتا ہے۔ کہ فرزانہ خاتون، سعید کی بیوی ہیں۔ لہذا بہتر ہو گا۔ کہ مس کے لئے آنسہ کا لفظ مندرجہ بالا طریق سے استعمال کیا جائے۔ اور مسز کے لئے بیگم کا لفظ۔ مثلاً اگر خاتون فرزانہ شادی شدہ ہیں۔ اور ان کے خاوند کا نام وحید ہے۔ تو خطاب کی صورت یوں ہو۔

بیگم فرزانہ وحید، بیگم ف وحید، بیگم وحید،

خاتون کا لفظ مشترک ہے۔ اسے مشترک ہی استعمال کیا جائے۔ یعنی غیر شادی شدہ اور شادی شدہ دونوں کے لئے۔

44. Retirement.

اس کے لئے علیحدگی، عزلت، پنشن خواری، خانہ نشینی، نوکری سے خلاصی، چھٹے ہوئے نظر نہیں آتے۔ علیحدگی، عزلت، اور خانہ نشینی کا تو مفہوم بھی کچھ اور ہے۔ دفتری اصلاح میں تو اس کے لئے "سبکدوشی" کا لفظ زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ "ملازمت سے سبکدوشی" Retirement کا صحیح مفہوم ادا کرتا ہے۔

45. Confirmation.

پختگی، استقلال، استحکام، توثیق، منظوری، تصدیق، تصحیح اور بحالی میں سے استقلال اور استحکام ملازمت کے سلسلے میں زیادہ موزوں نظر آتے ہیں۔ خبروں کے سلسلے میں توثیق اور تصدیق موزوں ہیں۔ بحالی کا تو مفہوم کچھ اس سے مختلف ہے۔ ایک معزول ملازم کو

دوبارہ اپنے عہدہ پر برقرار کرنا اس کی بحالی ہے۔ لیکن Confirmation میں ایک عارضی ملازم کو اپنی جگہ اور عہدہ میں مستقل قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں "استقلال" ہی صحیح ہے۔

46. Seniority.

فوقیت، تقدم، تفوق، افضلیت، اوّلیت، کلانیت، بزرگی، سبقت، بڑائی اور سبقت خدمت میں سے فوقیت، اولیت، تقدم، تفوق اور سبقت چاروں قابل تسلیم ہیں۔ فوقیت اور اولیت Seniority کے مفہوم کے بہت قریب ہیں۔ لیکن "تقدم" بہتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسکے مقابل Juniority کو تاخر سے موزوں طور پر تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

47. Additional.

اس کے لئے بھی کئی ترجمے پہنچے ہیں:۔

ذیلی، ثانی، زائد، اضافی، الحاقی، ضمنی، ضمیمی، فالتو، مزید، امدادی، معاون،

ان تمام الفاظ میں سے زائد زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اضافی، معاون، ذیلی، اور ثانی سے ایڈیشنل کا مفہوم پورے طور پر ادا نہیں ہوتا۔ وہ کسی ایک پہلو کو بیان کرتے ہیں۔ "زائد" میں مکمل مفہوم واضح ہے۔

48. Please Note.

اس کے لئے بہت سی رائیں ہیں:۔

توجہ کیجیے، ذہن نشین کیجیے، دیکھ لیجیے، درج کر لیجیے، یادداشت لکھ لیجیے، ملحوظ فرما لیجیے، ملاحظہ فرما لیجیے، قابل غور ہے، قابل ذکر ہے، قابل توجہ ہے، تحریر کر لیجیے، مدِ نظر رکھ لیجیے، ملحوظ رکھیئے، مطلع ہوں، ذہن میں رکھیئے، خیال رکھیئے،

یہ تمام کسی نہ کسی صورت میں اصطلاحی مفہوم ادا کرتے ہیں۔ لیکن "مطلع ہوں" عام مستعمل بھی ہے۔ اور مفہوم کے زیادہ قریب بھی۔

49. Noted for future giudance.

"آئندہ احتیاط کی خاطر مدنظر رکھ لیا گیا"، "آئندہ رہنمائی کے لئے ملحوظ رکھا گیا" "آئندہ ملحوظ خاطر رہے گا"، "بہتر"، "اطلاع پائی"، "مطلع ہوا"، "آگاہی ہوئی"
ان سب میں سے مناسب معلوم ہوتا ہے " بہتر! آئندہ ملحوظ رہے گا "۔

50. Resultant Vacancy.

آخری اسامی، حاصل آسامی، نتیجی آسامی، پیدا شدہ اسامی، منتج اسامی عقبی اسامی، ذیلی اسامی، تبعی اسامی،
ان سب میں سے " ذیلی یا تبعی اسامی " زیادہ مقرغلر اور جچتا ہوا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

(ب)

اصطلاحات زیر غور

51. Allowance
52. Diseretion
53. Pension.
54. Cadre
55. Divisional Inspector.
56. In itial appointment.
57. In itial Pay.
58. Earned leave.
59. Deputy Director.
60. Probationary Period.
61. Qualification.
62. Terms of Service
63. Eligibility.
64. Gratuity.

65. Fellow of University.

66. Faculty of Arts. 67. Bachelor of Arts.

68. Mast.r of Arts. 69. Degree.

70. Chancellor 71. Senate.

72. Dean. 73. Prospects.

73. Lecturer. 75. Public Service Commi

76. Post. 77. Minimum.

78. Maximum. 79. Tentative.

80. Notes.

سرکاری جریدہ کے اعلانات

سررشتہ تعلیم، مغربی پنجاب

صیغۂ دفاتر

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۵ اگست ۱۹۴۸ء ۱۶۰۶۶-Z	م۔ عبدالحمید بی۔ اے (۱۰۶ - ۲۰۰)	صدر محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت لاہور	(۱۰۶-۶-۱۶۰-۸-۲۰۰) قائم مقام	(۱۰۶ - ۲۰۰) مستقل	۱۵ اگست ۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی میں۔
״	م۔ عبدالحمید جلالی (۱۰۶ - ۲۰۰)	صدر محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت ملتان (قائم مقام)	״	(۱۰۶ - ۲۰۰) ایک سال کی آزمائش پر	۴ جولائی ۴۸ء سے	م۔ عبدالحمید کی جگہ جو دفتر ناظم تعلیمات میں آزمائشی طور پر نائب مقرر ہوئے ہیں
״	م۔ محمد حسن (۸۰ - ۱۵۰)	اعلےٰ محرر گورنمنٹ کالج فار ویمن لائل پور (قائم مقام)	(۸۰ - ۵ - ۱۵۰) (قائم مقام)	(۸۰ - ۵ - ۱۵۰) ایک سال کی آزمائش پر	یکم اکتوبر ۴۶ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
״	״	״	(۸۰ - ۵ - ۱۵۰) ایک سال کی آزمائش پر	۸۰-۵-۱۵۰ مستقل	یکم اکتوبر ۴۷ء سے	
״	م۔ عطا محمد (۸۰ - ۱۵۰)	اعلےٰ محرر گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازیخان	۸۰ - ۵ - ۱۵۰ قائم مقام	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	یکم اکتوبر ۴۶ء سے	״
״	״	״	۸۰ - ۵ - ۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	۸۰-۵-۱۵۰ مستقل	یکم اکتوبر ۴۷ء سے	
״	م۔ امیر بخش (۸۰ - ۱۵۰)	اعلےٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت ملتان	۸۰ - ۵ - ۱۵۰ قائم مقام	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	یکم اکتوبر ۴۶ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
״	״	״	۸۰ - ۵ - ۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	۸۰-۵-۱۵۰ مستقل	یکم اکتوبر ۴۷ء سے	

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۱ راگست ۱۹۴۸ء ع-۶۶-۱۶	م-محمد عمر حیات خان (۸۰-۱۵۰)	اعلےٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت لاہور	۸۰-۵-۱۵۰ قائم مقام	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء سے	چودہری فیض احمد کی جگہ جو ڈی پی آئی
"	"	"	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	۸۰-۵-۱۵۰ مستقل	یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء سے	کے دفتر میں محرر اعلےٰ کی حیثیت سے مستقل ہو گئے ہیں۔
"	م- احسان الحق ۸۰-۱۵۰	اعلےٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول جھنگ	۸۰-۵-۱۵۰ قائم مقام	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء سے	م- محمد شریف کی جگہ جو ڈی پی آئی کے
"	"	"	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	۸۰-۵-۱۵۰ مستقل	یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء سے	دفتر میں اعلےٰ محرر کی حیثیت سے مستقل ہو چکے ہیں۔
"	م- علی محمد ۸۰-۱۵۰	اعلےٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی	۸۰-۵-۱۵۰ قائم مقام	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	یکم مئی ۱۹۴۷ء سے	م- معراج الدین کی جگہ جو دفتر ناظم تعلیمات میں آزمائشی طور پر اعلیٰ محرر مقرر ہوئے۔
"	چودھری سعید احمد ۸۰-۱۵۰	اعلےٰ محرر گورنمنٹ کالج جھنگ	۸۰-۵-۱۵۰ قائم مقام	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	۱۵ راگست ۱۹۴۷ء سے	م- حیات علیشاہ کی جگہ جو دفتر ناظم تعلیمات میں آزمائشی طور پر اعلےٰ محرر مقرر ہوئے۔
"	م- بشیر احمد ۸۰-۱۵۰	اعلےٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع جھنگ	"	"	"	م- عبد المجید کی جگہ جو صدر محرر کی حیثیت سے مستقل ہو چکے ہیں۔
"	م- ظہیر الحسن ۸۰-۱۵۰	اعلےٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع راولپنڈی	"	"	"	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
"	م- محمد عبد اللطیف	اعلےٰ محرر گورنمنٹ کالج لاہور	"	"	"	"
"	م- عزیز الدین ۸۰-۱۵۰	اعلےٰ محرر گورنمنٹ کالج لائل پور	۸۰-۵-۱۵۰ قائم مقام	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش پر	۱۵ راگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
اگست ۱۹۴۹ء ۱۲-۴۴-۹	م۔ عبدالرحمن ۸۰ - ۱۵۰	اعلےٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی	۸۰-۵-۱۵۰ قائم مقام	۸۰-۵-۱۵۰ ایک سال کی آزمائش	——	یکم اپریل ۱۹۴۹ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
"	م۔ سلطان علی ۸۰ - ۱۵۰	اعلیٰ محرر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور	"	"	——	یکم اپریل ۱۹۴۹ء سے	م۔ فیض محمد کی جگہ جو سبکدوش ہو گئے ہیں۔
"	م۔ عبداللطیف ۸۰ - ۱۵۰	اعلیٰ محرر سنٹرل ماڈل سکول لاہور۔ جواب مرکزی پاکستان حکومت کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔	"	"	——	"	م۔ غلام الطاہر کی جگہ جن کی صدر محرر کی حیثیت سے ترقی ہوئی ہے۔
"	م۔ روشن دین ۸۰ - ۱۵۰	اعلےٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی	"	"	——	۴ جولائی ۱۹۴۹ء سے	م۔ حکمت اللہ کی جگہ پر جو صدر محرر آزمائشی طور پر مقرر ہوئے ہیں۔
"	م۔ محمد علی ۸۰ - ۱۵۰	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس شیخوپورہ	"	"	——	۴ جولائی ۱۹۴۹ء سے	م۔ عبدالحمید جلالی جو صدر محرر آزمائشی طور پر مقرر ہوئے۔
"	م۔ مومن علی حیدری ۵۰ - ۱۰۰	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس لاہور۔ جو ایک مرکزی حکومتِ پاکستان کے ماتحت کام کر رہے ہیں	۵۰-۳-۸۰-۴-۱۰۰	۸۰-۵-۱۵۰ قائم مقام	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ملتان قائم مقام وہ مرکزی حکومت پاکستان کے ماتحت کام کرتے رہیں گے۔		م۔ محمد رضی کی جگہ جو مرکزی پاکستان حکومت کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔
"	م۔ ولی محمد ۵۰ - ۱۰۰	ادنےٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت ملتان	"	"	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ملتان قائم مقام	تاریخ حاضری سے	م۔ مومن علی حیدری کی جگہ اور محمد رضی کے حق منصب کے تحت ہیں۔
"	م۔ عبدالسعید ۵۰ - ۱۰۰	ادنےٰ محرر سیلائی میکلیگن ہائی سکول لاہور	"	"	اعلےٰ محرر سنٹرل ماڈل سکول لاہور قائم مقام	۱۸ جنوری ۱۹۴۹ء سے	م۔ حیات محمد ایم۔ اے کی جگہ جو بحیثیت معلم کام کر رہے ہیں

تاریخ اعلان یا شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۳۱ اگست ۱۹۴۸ء ۱۶۰۴۴-E	م۔ مشتاق احمد ۵۰ — ۱۰۰	ادنیٰ محرر لاہور کالج فار وومن لاہور	۵۰ - ۳ - ۸۰ - ۴ - ۱۰۰	۸۰ - ۵ - ۱۵۰ قائم مقام	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس راولپنڈی	یکم فروری ۱۹۴۸ء سے	م۔ قطب الدین کی جگہ جو مرکزی پاکستان حکومت کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔
"	م۔ محمد رفیع گل میٹرک	ایک اُمیدوار	—	"	اعلیٰ محرر گورنمنٹ کالج لاہور قائم مقام۔	۲ مارچ ۱۹۴۸ء سے	م۔ عبد اللطیف کی جگہ جو مرکزی حکومت پاکستان کے ماتحت کام کر رہے ہیں
"	م۔ عبد الصمد ۵۰ — ۱۰۰	ادنیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازیخان	۵۰ - ۳ - ۸۰ - ۴ - ۱۰۰	"	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع ملتان قائم مقام	۱۶ جولائی ۱۹۴۸ء سے	م۔ عبد اللطیف کی جگہ جو مرکزی پاکستان حکومت کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔
۳۱ اگست ۱۹۴۸ء ۱۶۳۴۹-E	م۔ محمد شفیع ۸۰ — ۱۵۰	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع گوجرانوالہ	—	—	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت لاہور	تاریخ حاضری سے	م۔ محمد اسماعیل اسلم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو گیا ہے۔
"	م۔ محمد اسماعیل اسلم	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت لاہور	—	—	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع گوجرانوالہ	"	م۔ محمد شفیع کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۲۸ اگست ۱۹۴۸ء ۱۶۴۹۳-E	م۔ قطب الدین ۸۰ — ۱۵۰	اعلیٰ محرر دفتر گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول جہلم (رخصتی)	—	—	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی (رخصتی)	جس تاریخ سے ان کا قائم مقام پہنچے	م۔ عبد الرحمٰن کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	م۔ عبد الرحمٰن ۸۰ — ۱۵۰	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی (آزمائشی)	—	—	اعلیٰ محرر دفتر گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول جہلم (آزمائشی)	تاریخ حاضری سے	م۔ قطب الدین کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	م۔ عزیز الدین ۵۰ — ۱۰۰	ادنیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول چکوال حال قائم مقام اعلیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول جہلم	۵۰ - ۳ - ۸۰ - ۴ - ۱۰۰	۸۰ - ۵ - ۱۱۰ - ۵ - ۱۵۰ (قائم مقام)	اعلیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی (قائم مقام)	"	م۔ قطب الدین کی جگہ جو رخصت پر ہیں۔

تاریخ اطلاع شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۸ اگست ۱۹۴۸ء ۱۱۴۹۳-E	م۔ محمد حسین ۵۰-۱۰۰	ادنیٰ محرر ڈی مانٹ مورنسی کالج سرگودھا	۵۰-۳-۸۰-۴-۱۰۰	۸۰-۵-۱۱۰-۵-۱۵۰ (قائم مقام)	اعلیٰ محرر دفتر گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول راولپنڈی (قائم مقام)	تاریخ حاضری سے	م۔ غلام … جگہ جو رخصت پر ہیں۔
"	م۔ اللہ دتہ ۵۰-۱۰۰	ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ملتان	—	—	ادنیٰ محرر ایمرسن کالج ملتان	"	م۔ عبدالش… جگہ جن کا … ہو چکا ہے
"	م۔ عبدالشکور ۵۰-۱۰۰	ادنیٰ محرر ایمرسن کالج ملتان	—	—	ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ملتان	"	م۔ اللہ دتہ کی جگہ جن کا … ہو چکا ہے
۳۰ اگست ۱۹۴۸ء ۱۱۵۵۷-E	م۔ عبدالعزیز ۵۰-۱۰۰	ادنیٰ محرر ڈی مانٹ مورنسی کالج سرگودھا	—	—	ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی	"	م۔ خورشید … جگہ جو مستعفی ہیں۔ اور م… کی جگہ جن کا … ہو چکا ہے
"	م۔ نور محمد میٹرک I ۵۰-۱۰۰	ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع شیخوپورہ قائم مقام	—	—	ادنیٰ محرر ڈی مانٹ مورنسی کالج سرگودھا قائم مقام	"	م۔ عبدالعز… جگہ جن کا … ہو چکا ہے
۲ ستمبر ۱۹۴۸ء ۱۱۷۲۴-E	م۔ محمد رشید ۵۰-۱۰۰	ادنیٰ محرر گورنمنٹ نارمل سکول فار وومن ترقیپور (قائم مقام)	—	—	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول ظفروال	"	م۔ محمد جمیل کی جگہ جو حاضر نہیں ہوئے
۴ ستمبر ۱۹۴۸ء ۱۱۷۹۶-E	م۔ غلام قادر ۵۰-۱۰۰	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع گوجرانوالہ			قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت لاہور	"	م۔ محمود مصط… جگہ جن کا … ہو چکا ہے
"	م۔ محمود مصطفیٰ ۵۰-۱۰۰	قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت لاہور			قائم مقام ادنیٰ محرر دفتر مہتمم مدارس ضلع گوجرانوالہ	"	م۔ غلام … کی جگہ جن … ہو چکا …

تاریخ اعلان شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
…مبر ۱۹۴۸ء ۱۲۰-۹۰۰	م۔ قطب الدین	اعلٰے محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی	———	———	اعلٰے محرر گورنمنٹ کالج فار ویمن ملتان	یکم اکتوبر ۴۸ء سے	ایک نئی پیدا شدہ اسامی کی جگہ۔
〃	م۔ محمد ارشاد	اعلٰے محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی	———	———	اعلٰے محرر گورنمنٹ کالج راولپنڈی	〃	〃
〃	م۔ محمد سلطان	ادنٰے کلرک ایمرسن کالج ملتان	۵۰-۳-۸۰-۴-۱۰۰	۸۰-۵-۱۵۰ قائم مقام	اعلٰے محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی قائم مقام	〃	م۔ محمد ارشاد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔ محمد حسین	ادنٰے محرر ڈی مونٹ مورنسی کالج سرگودھا جن کے گورنمنٹ گرلز نارمل اینڈ ہائی سکول راولپنڈی کی طرف تبادلہ کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔	〃	〃	اعلٰے محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی	〃	م۔ قطب الدین کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔ عزیز الدین	اعلٰے محرر دفتر مہتمم مدارس قسمت راولپنڈی (قائم مقام)	———	———	اعلٰے محرر گورنمنٹ گرلز نارمل اینڈ ہائی سکول راولپنڈی	〃	م۔ محمد حسین کی جگہ جس کی ترقی ہو چکی ہے اور م۔ غلام احمد کے حق منصب کے ماتحت جو رخصت پر ہیں۔

انجامِ حیات

مُصنّفہ

سید آل رسول قطبی دہلوی

"زندگی موت کا دیباچہ ہے"

کوئی ذی جان ہے جو اس اٹل قانونِ فطرت کا انکار کرے۔ جو ایکدفعہ پیدا ہوا۔ موت، فناہ، خاتمہ اُس کیلئے لازمی، لابدی اور حقیقی کر دیا گیا۔ لیکن موت میں بھی تو فرق ہے۔ امیر اور غریب عالم و جاہل، عاشق و معشوق کی منزل ایک ہی ہے لیکن راستے مختلف۔

"انجامِ حیات"

میں الیسی مختلف شخصیتوں کے آخری لمحاتِ زندگی کا افسانوی رنگ میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اگر فرعون کا تذکرہ ہے تو عالم باعمل کی زندگی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر بابر کی قربانی کا نقشہ کھینچا ہے تو ظالم محبوب بھی نامۂ اعمال لئے حاضر ہے۔ غرض یہ کتاب آپکو مختلف زندگیوں سے روشناس کرائیگی۔ دہلی کی چٹخارے دار زبان اور اندازِ بیان دلکش۔ آپکی لائبریری اس کتاب کے بغیر نامکمل ہے۔ طباعت و کتابت خوبصورت۔ جلد مضبوط۔ قیمت ۱۲ر

کتاب منزل لاہور

مشہور ادیبوں کے حالات

حضرت علامہ اقبال	شاہین فاروقی	۷ر
قائدِ اعظم محمد علی جناح	"	۷ر
مہاتما گاندھی	"	۷ر
جواہر لال نہرو	"	۷ر
رئیس الاحرار محمد علی مرحوم	"	۷ر
سوبھاش چندر بوس	"	۷ر
اونچے نشان والے	عشرت رحمانی	۷ر
دونوں جہان والے	"	۷ر
ٹیپو سلطان	شاہین فاروقی	۷ر

مشاہیر اسلام

سیرت آنحضرت صلعم	غلام محمد	۷ر
حضرت ابوبکر صدیقؓ	الطاف شوکت	۵ر
حضرت عمر فاروقؓ	" "	۷ر
حضرت عثمان غنیؓ	اعجاز الحق قدوسی	۱۰ر
حضرت علی کرم اللہ وجہہ	" "	۱۰ر
حضرت بلالؓ	شاہین فاروقی	۷ر
حضرت خالد بن ولیدؓ	" "	۷ر
حضرت محمد بن قاسم	" "	۷ر

اسلامی تاریخ ہند کا ایک زرّیں ورق

سکھ عہدِ اسلامی میں

مصنفہ

عباد اللہ گیانی

اسلامی عہد حکومت میں سکھوں سے جس رواداری اور محبت و اُلفت کا سلوک کیا جاتا تھا۔ وہ مستند و مشہور سکھ تصانیف سے مرتب کر کے مصنف نے سکھوں پر ظلم و تعدی کے غلط و بے بنیاد قصوں کی تردید کی ہے۔ سکھوں کی موجودہ ہنگامہ آرائی انہی غلط و بے سر و پا قصوں کی پروردہ ہے۔

فاضل مصنف کیونکہ ابتدائی زندگی میں خود بھی سکھ مبلغ تھا۔ اس لئے اُس نے نہایت وضاحت و خوش اسلوبی سے راز ہائے سربستہ کا انکشاف کر دیا ہے۔

"سکھ عہد اسلامی میں"

ایک تاریخی روداد ہے۔ جو اختصار کے باوجود ایک مکمل تاریخ ہے۔ اس کتاب میں تقریباً ایک ہزار ٹھوس اور ناقابلِ تردید حوالہ جات دئے گئے ہیں جس سے کتاب کی حیثیت بہت بلند ہو گئی ہے

آج ہی طلب فرمائیے: قیمت مجلد عہ/

کتاب منزل کشمیری بازار۔ لاہور

دیس سے باہر
مصنفہ آغا محمد اشرف۔ مجلد عہ/

ادبستان
مولانا خلیقی دہلوی مرحوم عہ/

شیشہ و سنگ
مصنفہ مرزا افدا علی خنجر۔ مجلد عہ/

اتفاقات
از مرزا افدا علی خنجر لکھنوی۔ عہ/

دھڑکتے دل
از اختر شیرانی مجلد سے/

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ
مرتبہ اختر شیرانی۔ مجلد للعہ/

مقالاتِ شیرانی
مصنفہ حافظ محمود شیرانی سے/

اُردو زبان اور ہندو
مصنفہ ناظم سیوہاروی۔ عہ/

تاریخ انقلاب روس
مصنفہ شیر جنگ للعہ/

اوراق پارینہ
مصنفہ شیر جنگ عہ/

ہماری دیگر تصانیف کیلئے فہرست طلب کیجیے

• تہذیب و تمدن ایک چولا بدل رہے ہیں

• انسانیت ایک نئی اور انوکھی منزل کیطرف جادہ پیما ہے

• انسان، انسان کے قریب آرہا ہے اور دنیا ایک خاندان میں تبدیل ہو رہی ہے۔ اس عظیم خاندان کے مختلف افراد کی ذہنی پیچیدگیوں کا تجزیہ کرنے کیلئے شخصیتوں کا جائزہ لینے کے لئے

حزب اللہ ایم۔ اے کی

تحلیل نفسی

پڑھیئے!

یہ کتاب آپکو معاشرت کی نئی تعمیر میں مدد دیگی۔ اور نئے سماجی خاکوں میں رنگ بھرنے کیلئے ذہنی طور پر آراستہ کریگی۔

اس کتاب کے آئینہ میں آپ انسانیت کی بنتی، بگڑتی، سنورتی، اور بدلتی ہوئی شخصیت کا عکس عمل کی تجربہ گاہ میں دیکھینگے اور آپکو اسکی رفعتوں، پستیوں، الجھنوں اور کمینگیوں پر پیار آنے لگے گا۔ انسانوں کیلئے کوئی مطالعہ اتنا دلچسپ نہیں جتنا دلچسپ انسانوں کا مطالعہ ہے!

• ناول سے زیادہ دلچسپ • ڈرامے سے زیادہ ہمہ گیر۔ اردو زبان میں اپنے موضوع کی پہلی کتاب۔ قیمت مجلد ۴ روپے

کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور

عورت (ناول)
از رئیس احمد جعفری — للعہ/

مہاجر (ناول)
از رئیس احمد جعفری — ۶ روپے

مجاہد (ناول)
از رئیس احمد جعفری — ۵ روپے

درد (ناول)
از رئیس احمد جعفری — ۵ روپے

دید و شنید
از رئیس احمد جعفری — ۶ روپے ۸ آنے

کشکول
از رئیس احمد جعفری — ۵ روپے

نیلوفر۔ قسمت
ساز فطرت۔ صبر و ضبط
مصنفہ حسن عزیز جاوید فی — ۲ روپے ۴ آنے

کارل مارکس اور اسکی تعلیمات
از شیر جنگ — ۶ روپے ۸ آنے

سینڈرڈ اردو ڈکشنری
مرتبہ آغا محمد باقر — ۱۲ روپے ۸ آنے

اشارات اقبال
عبد الرحمان طارق — ۳ روپے ۸ آنے

دو قرآن

(مصنفہ)

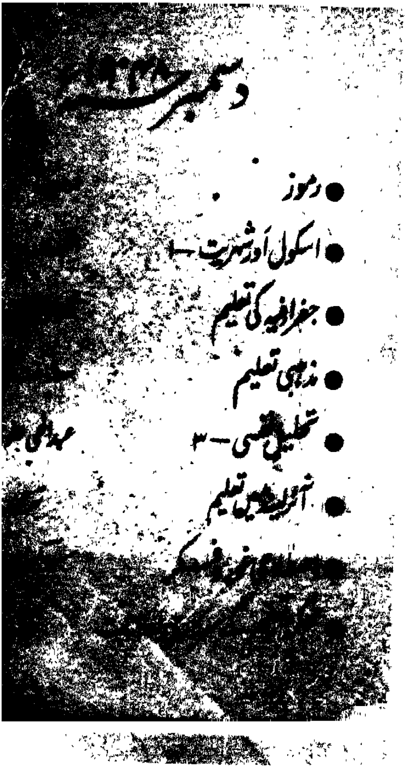
ڈاکٹر غلام جیلانی برق

"دو قرآن" کا بنیادی خیال یہ ہے۔ کہ ایک قرآن تو وہ ہے۔ جو حضور سرور کائنات صلعم کے سینۂ اقدس پر نازل ہوا۔ اور دوسرا قرآن صحیفۂ کائنات ہے جس کے ایک ایک جزو کے مطالعہ کی طرف کلام الٰہی نے انسانوں کو توجہ دلائی ہے۔ اور جو شخص زمین و آسمان، اختلاف لیل و نہار، معجزۂ تخلیق اور شجر و حجر اور حیوانات کے عظیم الشان تنوع کو علم کی روشنی میں نہیں دیکھتا، وہ اللہ تعالےٰ کی ذات کا عرفان نہیں کر سکتا ہے۔

فاضل مصنف نے قرآن مجید کی آیاتِ بینات اور سائنس و دیگر علوم کی حیرت انگیز دریافتوں کو جمع کر کے ایسے ایسے حقائق کی طرف اشارات کئے ہیں۔ کہ پڑھنے والے کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

یہ کتاب مسلمانوں کو صحیح مسلمان بنائے گی۔ اور غیر مسلموں کے سامنے اسلام اور قرآن حکیم کے کمالات کو اجاگر کرے گی۔ (پانچواں ایڈیشن) قیمت مجلّد ۳/۸ روپے

کتاب منزل کشمیری بازار لاہور


دسمبر
رموز
اسکول اور شہریت — ۱
جغرافیہ کی تعلیم
مذہبی تعلیم
تحلیل نفسی — ۳
آسٹریلیا میں تعلیم

تعلیمی ماہنامہ

آموزش

لاہور

مدیر

محمد ناظر

مدیر "آموزش" کی تسلیم کے ساتھ

ناشر
کتاب منزل
لاہور
قیمت فی پرچہ — دس آنے

دسمبر ۱۹۴۸ء
جلد :- ۱
شمارہ :- ۸

سالانہ چندہ
پاکستان کیلئے [illegible]
غیر ممالک کیلئے [illegible]

رموز

تقسیم ہندوستان سے پہلے فرنگی کی پالیسی یہ تھی - کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو باقی اسلامی ممالک کے مسلمانوں سے قطعی علیحدہ رکھا جائے اور یہ کوشش تھی کہ ان میں کسی قسم کا رابطہ و اتحاد پیدا نہ ہو سکے - اب فرنگی ہندوستان کو خیرباد کہہ چکا ہے - لیکن وہ ایسی فضا چھوڑ گیا ہے - جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگلی سی فضا کچھ دیر اور قائم رہے - ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑیگی کہ زود یا بدیر پاکستان کی پالیسی جہاں تک اسلامی ممالک کا تعلق ہے - انگریز کی پالیسی سے یکسر مختلف ہو جائے گی -

پین اسلامزم کی تحریک کے اغراض و مقاصد کو اب تک ہمہ گیری میسّر نہیں آ سکی تھی تاہم اس تحریک نے فکر اسلامی کو ضرور متاثر کیا - اب دولتِ خدا داد پاکستان کے قیام کے بعد پھر اس تحریک کا احیا ہؤا ہے - اگرچہ اس تحریک کی اہمیتیں اور صلاحیتیں اتنی ہیں - کہ اس وقت ہم ان کا پوری طرح سے اندازہ بھی نہیں کر سکتے - یہ فال نیک ہے کہ مشرق قریب کے مسلمان سیاستدانوں نے حال ہی میں ایسے بیانات دئے ہیں - جن کی وجہ سے ہمیں یقین ہے کہ مسلمان کا بین الاسلامی اتحاد کا خواب اب مبتدل بہ حقیقت ہونے والا ہے - ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بین الاسلامی تحریک نے مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر مغرب میں ترکیہ تک گویا ہر اسلامی ملک میں جگہ پائی ہے اور ہمیں اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ اس تحریک کی تڑپ سے ہر مسلمان کا قلب بے تاب ہے - لیکن ان حقائق کے باوجود ہمیں لازم آتا ہے - کہ ہم اپنے جذبات کی رو کو عملی شکل میں ڈھالیں - تاکہ اس سے قومی فلاح کی صورت نکل سکے -

اب ہمیں یہ سوچنا ہے۔ کہ وہ کون سے وسائل ہیں۔ جن کی مدد سے ہم اپنا منتہائے مقصود حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہم کہیں کوئی قدم اُٹھانے کے قابل ہو سکیں گے۔ اِس سلسلے میں سب سے ضروری امر یہ ہے کہ مسلمانانِ عالم کے اظہارِ خیالات کا ذریعہ ایک ہو۔ جب تک یہ نہ ہوگا۔ ہماری تمنّا بر نہیں آئے گی۔

مسلمانوں کو ایک خاص تمدّن ورثے میں ملا ہے۔ جس کے متعلق وہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ ہمارا اور صرف ہمارا ہے۔ اگر ہمارے اظہارِ خیال کا ذریعہ ایک ہو گیا تو ہماری وہ تمام صلاحیتیں بروئے کار آجائیں گی جو اس وقت دبی ہوئی تو ہیں۔ لیکن اُبھرنے کے لئے موقع کی منتظر ہیں۔ اب ہم اس قابل ہیں کہ اسلامیہ ممالک کی ایک دولت مشترکہ قائم کریں جس کے ذریعے ہماری اسلامی قدریں محفوظ ہو جائیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے زمانہ حاضر کے استاد نہائیت مفید خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔ بعض ایسے امور ہیں جن کی طرف ہمیں فی الفور توجہ مبذول کرنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر ہمیں اپنے طلبا کو جدید عربی اور فارسی کی تعلیم دینا چاہیئے۔ تاکہ وہ ان زبانوں میں آزادانہ گفتگو کر سکیں اور لکھ سکیں ہمیں اپنے کتب خانوں کو اسلامی ممالک کے رسالوں، اخباروں اور کتابوں سے بھر دینا چاہیئے۔

ترکیہ کے سوائے تمام اسلامی ممالک میں خطِ نسخ رائج ہے۔ رسم الخط کی یکسانیت سے بھی اتحادِ اسلامی کو بڑی تقویت پہنچ سکتی ہے۔ دولت خداداد پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ یہاں کا رسم الخط "نسخ" ہوگا۔ اور یہ فیصلہ یقیناً کئی اعتبار سے مستحق مبارکباد ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ یہاں کے پروفیسر اسلامی ممالک میں جاکر

وہاں کی تعلیم و تدریس کا مطالعہ کریں اور وہاں کے پروفیسر یہاں آئیں۔ تاکہ ان زبانوں کی تدریس میں زیادہ سے زیادہ سہولتیں پیدا کی جا سکیں۔ اسی طرح طلبا کو بھی زبان دانی کی تعلیم کے لئے بھیجا اور بُلایا جائے۔ حضرت جلالت مآب راجہ غضنفر علی خان سفیر ایران و عراق نے ہمارے ہاں جدید فارسی کی ترویج کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا تھا۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر ۱۲ راکتوبر کو چند ماہرین تعلیم مدعو کئے گئے تاکہ وہ ان سے اس مسئلے پر تبادلہ خیال کریں کہ پاکستان کے مدارس میں فارسی کی تدریس کو کیونکر بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ راجہ صاحب موصوف نے اس موقعہ پر وہ درسی کتابیں جو ایران کے ابتدائی مدارس میں پہلی سے چھٹی جماعت تک پڑھائی جاتی ہیں ثانوی نصاب کمیٹی کے ناظم کے سپرد کر دیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ آئندہ فارسی نصاب کی ذیلی کمیٹی اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کریگی کہ فارسی کی تدریس جس طریق پر ایران کے مدارس میں ہوتی ہے کم و بیش اسی طرح پاکستان کے مدارس میں بھی شروع کی جائے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ فارسی عربی کے نصاب کے لئے جو ذیلی کمیٹی مقرر ہے وہ جلد از جلد حضرت جلالت مآب کے نقطہ خیال پر بحث و تمحیص کریگی۔ ذیلی کمیٹی کی سفارشات کا بڑی شدت سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ ہم پاکستان کی ضروریات کے موافق تھوڑی سی ترمیم کے بعد عربی اور فارسی زبان کی درسی کتابوں کو یہاں کے مدارس میں رائج کر سکتے ہیں۔ یہ تو اور بھی بہتر ہوگا کہ عربی اور فارسی کے اہلِ زبان اساتذہ کی خدمات حاصل کی جائیں تاکہ وہ ہمارے مدارس میں ان زبانوں کی تعلیم براہِ راست طریق سے دیں۔

جہانتک عربی زبان کا تعلق ہے اسے "لغت فصیح کا درجہ حاصل ہے" لغت فصیح یعنی علمی زبان تمام اسلامی ممالک میں مشترک ہے۔ فرق تو صرف دراج یا مقامی بولیوں کا ہے۔ جو بعض حالات میں بہت ہی نمایاں ہوتا ہے۔

فارسی زبان کی صرف و نحو بہت سہل ہے۔ اسلئے اسکی تدریس میں کسی قسم کی مشکل پیش

نہیں آتی۔ طلبہ کو اگر شوق ہو تو بہت تھوڑے عرصے میں اس زبان پر عبور حاصل کر سکتے ہیں۔ اسوقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ہاں کے اسکولوں اور کالجوں میں ایران کے جدید مصنفوں کی کتابیں پڑھانا شروع کریں بالخصوص وہ کتابیں جو ایران کے جدید رجحانات کی حامل ہوں۔

زندگی کی پریشانیاں سیل بے پناہ کی طرح بڑھتی جا رہی ہیں اسکی روک تھام کیلئے سعیٔ بلیغ کی ضرورت ہے حالات نازک صورت اختیار کر رہے ہیں بین الاقوامی سیاست کے تیرہ و تار بادل کچھ اس طرح ہمارے سروں پر چھائے جا رہے ہیں کہ دیکھکر دل دہلتا ہے ہمارے ملک کے نوجوانوں کی زندگی میں نیا ورق اُلٹا گیا ہے۔ اگرچہ کہ بہت دیر کے بعد لیکن بہر حال اس کا آغاز بھی حوصلہ افزا ہے۔ فوجی ڈرل اور فسٹ ایڈ کی تعلیم لاہور کے دوسرے تعلیمی اداروں کی طرح سنٹرل ٹریننگ کالج اور سنٹرل ماڈل اسکول میں بھی لازمی قرار دے دی گئی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ انسانی زندگی کی صورت آنیوالے چند سالوں میں غیر معمولی ہو گی جنگ کا عقاب سروں پر منڈلاتا ہی رہیگا اسلئے جہاں تک فوجی اقدام کا تعلق ہے ہمیں دور اندیشی سے کام لینا چاہیئے اب وقت ہے کہ ہر تندرست پاکستانی مرد کو فوجی تربیت دلائی جائے اور اسے رائفل کلب میں نشانہ بازی کی مشق کرا کر اسے ایسا سپاہی بنا دیں۔ جس کا نشانہ کبھی نہیں چوکتا۔

مغربی پنجاب کی نیو ایجوکیشن فیلوشپ نے یہ پروگرام بنایا ہے کہ جنوری ۴۹ء کے دوسرے ہفتے میں ایک تعلیمی کانفرنس بلائی جائے اور اس موقع پر نمائش بھی دکھائی جائے جن حضرات کرام کو نیو ایجوکیشن فیلوشپ یعنی تعلیم میں دلچسپی ہو ان سے درخواست کیجاتی ہے کہ وہ دسمبر کے آخر تک اپنی تجویزیں قراردادیں اور مقالے بھیج دیں۔

اعلےٰ تعلیمی اداروں، نارمل سکولوں اور ہائی اسکولوں کے ناظموں اور تعلیم میں دلچسپی لینے والے اصحاب کی خدمت میں گذارش کیجاتی ہے کہ وہ نمائش میں پیش کرنے کی غرض سے اپنی ہاں کی تیار کردہ اشیاء دسمبر کے آخری ہفتہ تک بھیجدیں تعلیمی ناشروں سے بھی ہمیں امید ہے کہ وہ اس موقع پر نیو ایجوکیشن فیلوشپ کے سیکرٹری مسٹر امین الدین انصاری لیکچرار سنٹرل ٹریننگ کالج کو اپنی تعلیمی تصنیفات بھیج کر تعاون کا ہاتھ بڑھا کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

اسکول اور شہریت

ایم۔اے۔باری

ہر فرد بشر کا فرض ہے کہ وہ اچھا شہری بنے تا کہ اس کا بھی بھلا ہو اور ملک کا بھی۔ شہریت کی تعلیم بچپن ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی تکمیل درسگاہوں میں ہوتی ہے اس لئے درسگاہوں کا یہ ایک اہم فرض ہے کہ وہ طالب علموں کی اس معاملے میں صحیح رہنمائی کریں۔ طالبعلموں کی عملی زندگی ایسی ہونی چاہیئے کہ وہ آئینہ دار ہو اس زندگی کی جس کی کہ ملک اور دنیا کو ضرورت ہے۔

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ ہم فرائض کو اچھی طرح سے سرانجام دے کر ہی اچھے شہری بن سکتے ہیں۔ طالبعلموں کے لئے مدرسہ ایک چھوٹی سی دنیا ہے۔ وہ مدرسہ میں جیسی زندگی بسر کریں گے ویسی ہی زندگی وہ مدرسہ کے باہر بھی بسر کر سکیں گے۔ طالبعلم ہر ملک کی اُمیدیں ہوتے ہیں۔ ملک کے مستقبل کا انحصار اُن پر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے طالبعلموں کو چاہیئے کہ وہ مدرسہ کی زندگی بہتر سے بہتر گذاریں۔ مدرسہ کی زندگی کے دوران میں انکی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ ایسے اعلےٰ اوصاف سے مرصّع ہو جائیں کہ جوان ہو کر جب وہ اعلےٰ عہدوں پر ممتاز ہوں تو ملک کے لئے باعث فخر بنیں اور ملک کا نام ان سے روشن ہو۔

مدرسہ کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک کا تعلق خود طالب علم کی اپنی زندگی سے ہے اور دوسرے کا اُستاد کی زندگی سے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اہم ہیں۔ اُستاد کی زندگی کا اثر طالبعلم کی زندگی پر پڑتا ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اکثر دیکھا گیا ہے اعلےٰ طالبعلموں کی زندگی اپنے اساتذہ کی زندگی کا اتنا اثر لئے ہوتے ہوتی ہے کہ ان کو اگر

اُستاد کی زندگی کا آئینہ دار کہا جائے تو غلط نہ ہوگا بعض ناقص طالبعلموں کی زندگی ان اثرات سے درست ہو جاتی ہیں اور وہ غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ پر آجاتے ہیں۔

سکول کی زندگی سب سے پہلا سبق وقت کی پابندی کا دیتی ہے ۔ یہ صفت طالب علموں میں اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب کہ وہ روزانہ سکول لگنے سے چند منٹ پہلے سکول پہونچیں۔ گھنٹی بجتے ہی دعا کے میدان میں جا کھڑے ہوں اور دعا کے ختم ہوتے ہی اپنے اپنے کمروں میں باقاعدگی کے ساتھ چلے جائیں مضمون نویسی کا جو دن مقرر ہو اس دن جواب مضمون کی کاپی پابندی سے لائیں اور اُستاد سے مضمون درست کرالیں اور پھر اس کو غور سے پڑھیں۔ فیس کا جو دن مقرر ہو اس دن یاد سے فیس لاکر استاد کے حوالے کر دیں۔ شام کو وقت پر کھیل کے میدان میں آئیں اور دل بھر کر کھیلیں۔ غرضیکہ ہر کام کو وقت پر کریں تاکہ وقت پر کام کرنے کی عادت پڑ جائے اور وہ زندگی بھر کام آئے۔ جو شخص وقت کا پابند ہوتا ہے اس کا کوئی کام ادھورا نہیں رہتا۔

اچھی زندگی صفائی کی محتاج ہے۔ ہر طالب علم کو بچپن ہی سے صفائی کا عادی ہونا چاہیئے۔ سکول میں صاف ستھرا رہنے کے یہ معنی نہیں کہ طالب علموں کا لباس ہی صاف ستھرا ہو۔ ان کے گرد و پیش کی ہر چیز کو صاف ستھرا ہونا چاہیئے۔ ان کی کتابوں کو داغ دھبوں سے بے عیب ہونا چاہیئے۔ ان کے کمروں کو نہ صرف صاف ستھرا ہونا چاہیئے بلکہ کمرے میں ہر چیز کو قرینے سے اپنی جگہ پر ہونا چاہیئے۔ طالبعلموں کو سکول میں کاغذ کے ٹکڑے یا پھلوں کے چھلکے اِدھر اُدھر نہیں پھینکنے چاہئیں۔ بلکہ اس کے برعکس سکول کے احاطے میں انہیں جہاں کہیں گٹھلیاں۔ پھلوں کے چھلکے یا کاغذ کے ٹکڑے پڑے ملیں تو ان کو اٹھا کر کوڑے کی ٹوکری میں ڈال دینا چاہیئے۔ اور اس کا انتظار نہ کرنا چاہیئے ۔ کہ خاکروب آئے گا تو ان کو اٹھائیگا۔ اگر انہیں کبھی کھیل کے میدان میں گنڈیریاں چوسنے یا پھل کھانے کا اتفاق ہو تو انہیں چاہیئے کہ گٹھلیاں اور چھلکے بجائے اِدھر اُدھر پھینکنے کے ان کو

اپنے رومال میں جمع کرلیں اور کھانے پینے سے فارغ ہوکر انکو کوڑے کی ٹوکری میں ڈال دیں تاکہ جگہ خراب نہ ہو اور مکھیاں جمع نہ ہوں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ سچے انسان کی ہر جگہ عزت ہوتی ہے۔ ہر طالب علم کو ایسا سچا ہونا چاہیئے کہ اسکے اساتذہ اس کے متعلق ہمیشہ یہ کہیں کہ سچ تو اس کی گھٹی میں پڑا ہے یہ جھوٹ بولنا جانتا ہی نہیں۔ اس کا اصول ہے کہ جان جائے تو جائے مگر سچ کو آنچ نہ آئے۔ کون نہیں جانتا کہ سچ تمام خوبیوں کی جان ہے اور جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ۔ ہر طالب علم کو چاہیئے کہ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوجائے کہ وہ کام کرکے نہ لایا ہو تو اس کا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ استاد کے آتے ہی کھڑا ہوکر خود اس کو بتا دے کہ وہ کام کرکے نہیں لایا ہے اور اس کا انتظار نہ کرے کہ جب استاد کاپیوں پر دستخط کریگا تو اس کو پتہ چلے گا کہ کون کام کرکے لایا ہے اور کون نہیں۔ طالب علموں کے اس عمل سے نہ صرف انکی بری نیت ہوجائے گی بلکہ ان میں سچ بولنے کی جرأت بھی بڑھتی جائے گی۔

اگر کبھی کسی بچے سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی غلطی کو فوراً تسلیم کرلے۔ اس سے اکثر سزا میں تخفیف ہوجاتی ہے۔ اور بعض دفعہ سچ بولنے اور نادم ہوجانے کے باعث خطا معاف ہی ہوجاتی ہے۔

سکول کی زندگی بزرگوں کا ادب کرنا بھی سکھاتی ہے۔ اچھے بچے استادوں کا کہنا مانتے ہیں اور ان کے کہنے پر چلتے ہیں۔ جو کام انکو استادوں سے ملتا ہے اس کو وہ دل لگا کر کرتے ہیں۔ استاد کا ادب یہی نہیں کہ جب وہ کلاس میں آئیں تو لڑکے کھڑے ہو جائیں۔ ان کا احترام یہ چاہتا ہے کہ لڑکوں سے کوئی بے جا حرکت سرزد ہی نہ ہو خواہ وہ انکو دیکھ رہے ہوں یا نہیں۔ جب استاد پڑھا رہا ہو تو بچوں کو چاہیئے کہ وہ ہمہ تن گوش ہوجائیں۔ استاد کی بات کو بغور سنیں اور نوٹ کرتے جائیں۔ جو بچے پوری توجہ نہیں دیتے۔ اور شرارت کرتے ہیں وہ نہ صرف اپنا وقت ضائع کرتے ہیں بلکہ دوسروں کا بھی گیا وقت

پھر کبھی ہاتھ نہیں آتا۔

زندگی کی بعض سہولتیں قطار بندی کی محتاج ہو کر رہ گئی ہیں۔ قطار بندی کے بغیر نہ ٹکٹ خریدنے میں سہولت ہوتی ہے نہ ڈاکخانہ میں رجسٹری یا منی آرڈر کرانے میں۔ نہ خزانے میں روپیہ جمع کرانے میں اور نہ بنک سے روپیہ وصول کرنے میں۔ دھکم پیلی سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ قطار بندی سے کام لیا جائے۔ قطار بندی کی عادت سکول میں بڑی آسانی سے پڑ سکتی ہے۔ جب لڑکے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جائیں یا ڈرل کے لئے باہر نکلیں تو پہلے ایک لائن میں کھڑے ہو جائیں اور صبر و تحمل سے کام لیں جب تک کہ سب جمع نہ ہو جائیں چلنا شروع نہ کریں۔ سب کے سب جمع ہو جانے پر مارچ کرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جائیں۔ لڑکے جب قطار میں چلتے ہیں تو بھلے معلوم ہوتے ہیں ورنہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بھیڑ بکریاں جا رہی ہیں۔

ہر سکول میں مختلف انجمنیں ہوتی ہیں۔ طالب علموں کو ان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا چاہیئے۔ یہ سکول کی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ اچھے مقرر انہیں انجمنوں کی بدولت بنتے ہیں۔ زندگی کی اہم معلومات انہیں انجمنوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ آداب مجلس بچے یہیں سے سیکھتے ہیں۔ جب جلسہ ہو رہا ہو اور مقرر تقریریں کر رہے ہوں تو طالب علموں کا فرض ہے کہ وہ خاموشی سے تقریریں سُنیں۔ ان کو سمجھیں اور اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔ جب مضمون زیر بحث کا اعلان ہو جائے تو طالب علموں کو چاہیئے کہ وہ خود اس مضمون کے متعلق کچھ سوچیں تاکہ جلسے میں تیار ہو کر جائیں اور یہ دیکھ سکیں کہ ان کا اور مقرر کا کن کن باتوں میں اتفاق ہے اور کن کن باتوں میں اختلاف۔ وہ کون کونسی نئی باتیں ہیں جو ان کے ذہن میں نہیں آئیں اور مقرر نے بیان کیں۔ جلسہ جب برخواست ہو تو طالب علموں کو باہر جانے میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے صبر سے

اپنی جگہ پر کھڑا رہنا چاہیئے۔جب تک کہ ان کی باری نہ آجائے۔
ہر شخص یہ کہاوت جانتا ہے۔

The battle of waterloo was won on the playground of Eton and Harrow.

اس کے یہ معنی ہیں کہ واٹرلو کی لڑائی ان خوبیوں کی وجہ سے جیتی گئی جو ایٹن اور ہیرو کے کھیل کے میدانوں میں بچوں میں پیدا کی گئی تھیں۔کھیل کا میدان جماعت کے کمرے سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔بچوں میں کھیل کے ذریعے بہت سی خوبیاں پیدا کی جاسکتی ہیں۔مل جل کر کام کرنے کا سبق یہیں سے ملتا ہے۔ہر شخص جانتا ہے کہ میچ میں اگر کوئی کھلاڑی گیند کو اپنے مخالف کھلاڑیوں سے بچا کر لے جانا چاہتا ہے تو اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ وہ ایک دو کھلاڑیوں سے گیند بچا کر اپنے کسی اور کھلاڑی کو پاس کر دے اور وہ کھلاڑی بھی ایسا ہی کرے۔اور ضرورت پڑے تو گیند کے آتے ہی اس کو کسی اور کے پاس کر دے۔اگر وہ کھلاڑی اکیلا ہو اور اس کے آس پاس مخالف کھلاڑی نہ ہوں۔کوئی کھلاڑی کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اور کتنی ہی استادی کیوں نہ کرے اگر وہ یہ کوشش کرے گا کہ وہ خود کئی ایک مخالف کھلاڑیوں سے گیند بچا کر لے جائے تو وہ چند سے تو بچا کر لے جائے گا مگر سب سے بچا کر لے جانا ناممکن ہے۔گیند آخر میں چھن جائے گی۔اور ٹیم کا نقصان ہو جائیگا۔خود غرض کھلاڑی خواہ وہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں بحیثیت مجموعی ٹیم کے لئے بجائے سُود مند ہونے کے باعثِ نقصان ہوتے ہیں۔اِسی لئے خود غرض کھلاڑی کی عزّت کم ہوتی ہے کھیل کا میدان یک جہتی کا سبق بہترین طریقے سے سکھاتا ہے۔تماشائیوں کو بھی کھیل کا لطف اسی وقت آتا ہے جبکہ گیند برابر پاس ہو رہی ہو اور کھلاڑی صبر و تحمل سے کام لے رہے ہوں۔

ہار جیت کا مسئلہ بھی ایک عجیب اہمیت رکھتا ہے۔ہمیں اپنے جذبات کو

قابو میں رکھنا ہے۔ جیت پر نہ ضرورت سے زیادہ پھولنا اور نہ ہار سے پست ہمتی کا اظہار کرنا ہے۔ وہ ہار جو دل میں بہتر تیاری اور کوشش کا جذبہ پیدا کرے وہ ہار نہیں رہتی بلکہ آئندہ جیت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ بار بار کوشش کرنے کا سبق یہیں سے ملتا ہے۔ ہار سے انسان کو اپنا حوصلہ پست نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہار ہمیشہ دلوں میں بہتر مقابلے کی اُمنگ پیدا کرے اور مقابلے سے جی چُرانے کی نوبت نہ آنے دے۔

ہار جیت کے سلسلہ میں ایک بات یاد رکھنی چاہیئے وہ یہ کہ اگر جیت کھیل کی عُمدگی کے باعث ہوئی ہے تو وہ قابلِ تحسین ہے اور اگر جیت یُوں ہوئی ہے کہ مخالف ٹیم کے کھلاڑیوں کو قصداً زخمی کیا گیا ہے تاکہ وہ ناکارہ ہو جائیں۔ تو وہ جیت ہار سے بدتر ہے۔

اگر اساتذہ پوری کوشش کریں تو وہ اپنے طالب علموں میں بہت سی اعلٰے خوبیاں پیدا کر سکتے ہیں جو ان کو اعلٰے شہری بننے میں معاون بن سکتی ہیں۔ استاد کی زندگی کیسی ہونا چاہیئے اس کا ذکر اگلے حِصّے میں آئے گا۔

جغرافیہ کی تعلیم

گلزار محمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی

مجھے اپنے اصل موضوع پر بحث کرنے سے پہلے اس بات کو عیاں کرنا ضروری ہے کہ اس مضمون کو سلیبس میں کیوں رکھا جائے۔ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے اگر میں یہ کہوں کہ جغرافیہ تمام مضامین کا سرچشمہ ہے۔ اِنسان دنیا میں اکیلا آیا۔ اس نے آتے ہی اپنے ماحول کا جائزہ لیا۔ اور اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی ماحول کے مطابق دیگر علوم و فنون اور مذہب کی دیواریں استوار کر لیں۔ وہ اس وقت نہ سائنس کے مطالعہ کا آرزومند تھا نہ حساب اور نہ تاریخ کا خواہشمند۔ بلکہ وہ اپنی خوراک۔ لباس اور گھر کے لئے تڑپا۔ جوں جوں آبادی زیادہ ہوتی گئی ضروریات نے بھی پاؤں پھیلائے اور دوسرے مضامین حسب ضرورت نکلتے آئے۔ مگر نکلے کیسے ماحول کے مطالعہ کے بعد۔ اسی لئے یہ ضروری ہؤا کہ نصاب میں ایسے مضامین شامل کئے جاویں جو اس ماحول کو سمجھنے۔ اس پر قابو پانے اور دنیاوی ترقی میں ہمارے مددگار ہوں۔ اِس لئے بغیر اس کے کوئی نصاب تعلیم مکمل خیال نہیں کیا جاتا۔

<u>ہم جغرافیہ کی تعلیم سے کیا سیکھتے ہیں</u>:۔ پرانے زمانے میں ہمارے پڑوسی وُہ ہوتے تھے جن کا مکان ہمارے مکان کے ساتھ ہوتا۔ یا جن کا گاؤں ہمارے گاؤں کے پاس ہوتا۔ دائرہ زیادہ وسیع ہؤا تو شہر والے ضلع والے صوبہ والے اور مُلک والے ہمارے پڑوسی ہو گئے۔ اس کی وضاحت اس وقت ہوتی ہے جبکہ پاکستان کے دو یا تین آدمی امریکہ یا یورپ میں ایک مقام پر اکٹھے ملتے ہیں۔ پھر ان کو جو خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتے ہیں۔ وہاں کوئی رنگ۔ ذات اور صوبوں کے سوال

میں نہیں اُلجھتا بلکہ وہ ایک دوسرے سے ایک پاکستانی کی حیثیت سے ملتے ہیں آج مادی ترقی نے ہمیں اِس قابل بنا دیا ہے کہ ہم چند لمحوں میں گھر بیٹھے بیٹھے دنیا کے گوشہ گوشہ کے حالات سے مستفید ہو سکیں۔ اس لئے ہر وہ انسان جو دنیا کے خواہ کسی حصّہ میں آباد ہو۔ ہمارا ہمسایہ ہے اَور ہمیں اس کی اَور اپنی ذمہ داریاں محسوس کرنی چاہئیں۔

زمانہ بدل رہا ہے۔ پہلے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانا اگر ناممکن نہ تھا تو مشکل ضرور تھا۔ اسی لئے ہر ایک گاؤں کی یہی خواہش ہوتی کہ وہ گاؤں میں ایسی چیزیں پیدا کرے جو اِن کی تمام ضروریات کے لئے کافی ہوں۔ خواہ زمین اس کے پیدا کرنے کے قابل ہو یا نہ۔ مگر آج رسل و رسائل اور ذرائع آمد و رفت اِس قدر تبدیل ہو چکے ہیں کہ لائیل پور کی گندم انگلستان کے بازاروں میں بغیر کسی دِقّت کے فروخت ہو رہی ہے اس لئے ہم کو دوسرے ملکوں کے باشندوں۔ اُن کی پیداوار اَور اُن کی صنعتوں سے پوری طرح آگاہ ہونا چاہیئے تاکہ ہم درست چیزوں کا تبادلہ کر سکیں۔

آدمی اسی علم کی مدد سے اِس قابل ہوا کہ وہ دوسرے خطّوں کے آدمیوں کی زندگی کا مقابلہ اپنی زندگی سے کرے۔ اَور پھر اپنے رہنے سہنے کے طریقہ کو بہتر بنائے۔ اسکی تعلیم ہمیں ایک بہتر شہری بھی بناتی ہے۔ اَور اس کے مطالعہ سے ہماری بہت سی غلط فہمیاں بھی دُور ہو جاتی ہیں۔ انسان تنگ دلی اَور نفرت سے بچ جاتا ہے۔ ہم اپنی اور دوسروں کی مجبوریاں احسن طریقہ پر سمجھ سکتے ہیں۔ جو مذہب جہاں سے نکلا اس نے وہاں کے ماحول کے مطابق اپنے قوانین بنائے۔ مثال کے طور پر ہندوستان ایک زرخیز خطّہ ہے گنگا، سندھ اور برہم پتر مع اپنے معاونوں کے شمالی ہند کے میدان کو سیراب کرتے ہیں۔ چاول، نیشکر، گندم اَور دیگر اجناس کی فراوانی معمولی محنت پر کافی پیداوار۔ گائے بھینس سے دودھ، گھی اَور مکھن۔ بس پھر کیا تھا جو مذہب بھی اس سرزمین میں چمکا۔ اُس نے گوشت خوری سے پرہیز کا ڈنکہ بجایا۔ اہنسا کا اصول قائم کیا تاکہ وہ جانوروں کو ذبح کرنے سے

دُودھ۔ گھی وغیرہ سے محروم نہ ہو جاویں۔ مگر اگر یہی بُدھ مت یا ویدک دھرم ٹنڈرا کے میدان میں نشو و نما پاتا یا کسی ریگستانی خطے میں چمکتا تو وہاں گوشت کا کھانا۔ جانوروں کا شکار جائز ہوتا۔ کیونکہ وہاں سبزی پیدا ہی نہیں کی جا سکتی۔ سوائے شکار یا جانوروں کے گوشت کے بغیر انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اگر میرے جغرافیہ سے ناآشنا دوست صرف اسی چیز کو سمجھ لیں تو انسانی نفرت کا لفظ ہمیں اپنی موجودہ لغاتوں سے خارج کرنا پڑے گا ہم اتنی دُور کیوں جائیں۔ آؤ ہم اپنے ہمسایوں کے رہنے سہنے اور اُن کی عادتوں کا مقابلہ کریں افغانستان۔ عرب اور ایران۔ اِن تینوں ملکوں میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ عرب تو بالکل ریگستان ہے۔ ایران نیم ریگستان اور پہاڑی۔ افغانستان کا بھی یہی حال ہے۔ دریا اور نالے اوّل تو ندارد۔ اگر ہیں تو پانی سے محروم۔ پیداوار معمولی گھاس یا کانٹے دار جھاڑیاں جن پر بھیڑ بکری اور گھوڑوں کا گزارہ۔ لوگ ایندھن کے لئے پریشان۔ بڑے بڑے شہر کم۔ لوگ خانہ بدوش۔ غرض مذہب کے اصول بھی انہیں چیزوں پر قائم۔ شکار حلال۔ گوشت کھانے کی اجازت۔ مُردوں کا دفنانا مذہب میں داخل۔ اس کے برعکس ہندوستان میں ایندھن کی فراوانی۔ زمین زرخیز اور اس کا کسی اور کام کے لئے استعمال کرنا بارِ عظیم سبزی اور پیداوار کافی۔ اس لئے یہاں مُردوں کا جلانا ہی کافی خیال کیا گیا۔ اِن مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جغرافیہ دان سوسائٹی کا بہترین۔ شائستہ۔ مہذب اور فراخ دل ممبر ہوتا ہے۔

جغرافیہ جانے بغیر کوئی افسر کامیاب نہیں ہو سکتا:۔ اگر آپ کسی ڈسٹرکٹ افسر یا اس سے ادنےٰ عہدہ دار کے کمرہ میں چلے جاویں تو آپ کو اس کے کمرہ میں اس کے حلقے کا نقشہ آویزاں نظر آئے گا۔ اس سے ہمارے مضمون کی ہر دل عزیزی اور اہمیّت کا پتہ چلتا ہے۔ کسی لڑائی کو بغیر جغرافیہ کے سمجھنا ایک غلطی ہے۔ لڑائی بغیر جغرافیہ کے لڑی ہی نہیں جا سکتی۔ لڑائی سے پہلے اس کی ترتیب میں اس مضمون کا بہت دخل ہے۔ جس فوج نے یہاں حملہ

کرنا ہے۔ اگر اُسے اُس کی زمین۔ دریا۔ پہاڑ وغیرہ سے واقفیت نہ ہوگی تو اس کو راستہ میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لئے فوج کی تعلیم کا ایک بڑا حصّہ جغرافیہ کی تعلیم ہوتا ہے۔ کوئی اخبار آج جغرافیہ کے نقشہ کے بغیر مکمل خیال نہیں کیا جاتا۔

مجھے اب اپنے اصل موضوع کی طرف آنا ہے۔ کہ جغرافیہ کی تعلیم ابتدائی جماعتوں میں کس طریقہ پر دی جائے۔ موجودہ سلیبس کے مطابق جغرافیہ کی تعلیم دوسری جماعت سے شروع ہوتی ہے۔ اس جماعت میں بچّے کو اطراف کا تصوّر اور چند ایک اصطلاحات یاد کرا کے استاد خیال کرتا ہے کہ اس نے اپنا کام ختم کرلیا تیسری جماعت میں بچّے کو ضلع کے متعلق کچھ بتایا جاتا ہے۔ کہ اُس میں تحصیلیں کتنی ہیں۔ اور مشہور گاؤں کس قدر۔ تھانے کتنے ہیں اور ڈاک بنگلے کہاں کہاں چوتھی جماعت میں صوبہ مغربی پنجاب پڑھایا جاتا ہے۔ پانچویں جماعت میں پاکستان اور مشہور ممالک کا حال۔

اس سے پیشتر کہ میں کچھ عرض کروں میں آپ کو وہ طریقۂ تعلیم جس کے ذریعہ ہمارے استاد آجکل جغرافیہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر کہہ رہا ہوں کہ ہم بچّوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ کتاب میں لکھی ہوئی یا اُستاد کی لکھائی ہوئی چند چیزوں کو طوطے کی طرح یاد کرلیں۔ اگر وہ اُستاد کو کوئی سوال کر بیٹھیں تو استاد کی غضبناک آنکھیں اُس کی طرف اُٹھتی ہیں اور وہ بیچارہ خاموش ہو جاتا ہے۔ یا اگر بچّے نے زیادہ کیا تو مجھے کیا خبر۔ کتاب میں اسی طرح لکھا ہے کے جواب سے اس کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی ایک زندہ مثال عرض کروں تو آپ حیران ہوں گے۔ ایک دن مجھے پانچویں جماعت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے ایک عزیز جغرافیہ پڑھا رہے تھے۔ منڈی ہائیڈرو الیکٹرک سکیم اس دن کا سبق تھا۔ ماسٹر صاحب بچّے سے کتاب پڑھوا رہے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ شائد یہ اُردو کا پیریڈ ہو اِس لئے میں اندر جانے سے جھجکا اور ماسٹر صاحب سے دریافت کیا کہ اب تو جغرافیہ کا وقت ہے۔ اور آپ اُردو پڑھا رہے ہیں۔ اُنہوں نے

جواب دیا نہیں مَیں تو جغرافیہ پڑھا رہا ہوں۔ مَیں نے کہا بہت اچھا۔ مَیں اندر داخل ہُوا اور دریافت کیا کہ نقشہ کہاں ہے؟ جواب ملا کہ آج مانیٹر نہیں آیا۔ مَیں نے عرض کیا کہ کسی اَور بچے کو بھیج کر منگوا لیں۔ خیر نقشہ آ گیا۔ اور انہوں نے پھر پڑھوانا شروع کر دیا۔ کتاب کی پرانی ایڈیشن تھی اس میں لکھا تھا کہ "پنجاب کی حکومت دریائے اُہل سے جو دریائے بیاس کا ایک معاون ہے بجلی پیدا کرے گی۔ جس سے پنجاب کے بہت سے کارخانے چل پڑیں گے اِس کام کو سرانجام دینے کیلئے کانگڑہ ویلی ریلوے بنائی گئی ہے۔" ایک بچّے نے جو اچھرہ کا رہنے والا تھا اُٹھ کر کہا کہ ماسٹر صاحب میرے ابّا جان تو مجھے بتا رہے تھے کہ ہمارے گھر دریائے اُہل کی بجلی سے روشن ہو رہے ہیں اور یہ بجلی اب بہت سے دوسرے شہروں کو بھی روشنی دیتی ہے۔ اَور آپ کہتے ہیں کہ ابھی جاری ہو گی۔ ماسٹر صاحب نے بچّے کو ذرا ترش رو ہو کر کہا۔ کہ "یہ کتاب والا تیرا باپ غلط کہتا ہے"۔ بچّہ خاموش ہو گیا۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ مَیں نے بچّے کی تسلّی کی اَور ماسٹر صاحب سے درخواست کی کہ آپ اِس مضمون کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ جواب ملا اگلے سال حساب لے لُوں گا۔ آپ جغرافیہ پڑھائیں۔

اس سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ جغرافیہ کا اُستاد روزانہ جغرافیہ کا طالب علم ہے۔ کتاب کی کمی کو پُورا کرنا آپ کا ایک فرض ہے۔ آپ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اخبارات اَور جغرافیہ کے رسائل کا مطالعہ کیا کریں۔ آپ اپنا علم صرف درسی کتب تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ جغرافیہ کی اَور کتابیں اپنی سکول لائبریری میں منگوائیں۔ پھر کتابیں منگوا کر آپ کا کام ختم نہیں ہو جاتا۔ اِن کا پڑھنا اَور بچّوں کو پڑھوانا بھی آپ کا کام ہے۔ آپ کو اُن مضامین سے بھی مس ہونا چاہیئے جو جغرافیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے تاریخ۔ حساب۔ اقتصادیات۔ سائنس۔ سیاست اَور ستاروں کا علم وغیرہ۔

پرائمری سکولوں میں ہم کو سبق ایک دلچسپ پیرایہ میں پیش کرنا چاہیئے۔ بچّہ یہ نہ خیال کرے کہ وہ جغرافیہ پڑھ رہا ہے۔ بلکہ کھیلوں اَور باتوں میں ہی وہ سبق سیکھ جائے۔

اس کے لئے ہمیں تکلیف ہوگی۔ چند ایک طریقے استعمال کرنے پڑینگے اور اپنی قابلیت کا ثبوت بہم پہنچانا ہوگا۔ شروع شروع میں ہمیں اسکی بنیاد بچے کے فطری جذبات۔ رجحان اور ابتدائی تجربات پر رکھنی چاہیئے۔ بچہ پانچ سال کی عمر میں سکول میں داخل کیاجاتا ہے۔ اس وقت تک وہ کافی جغرافیہ پڑھ چکا ہوتا ہے۔ وہ گاؤں کے سکول۔ ہسپتال۔ سڑک۔ کھیت۔ کنوآں۔ نہر وغیرہ دیکھ چکا ہوتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے۔ کہ کنوئیں سے پانی حاصل ہوتا ہے۔ ہم اسے پیتے ہیں۔ نہاتے ہیں اور کپڑے دھوتے ہیں۔ کھیت سے وہ گنا لایا تھا۔ اور اس کا ابا جان گندم بھی۔ اور ہسپتال میں اس کی ماں اس وقت لے گئی تھی۔ جب کہ وہ بیمار تھا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جب سورج نکلتا ہے تو صبح ہوتی ہے اور جب چھپ جاتا ہے تو شام ہو جاتی ہے۔ کبھی سردی ہوتی ہے اور کبھی گرمی۔ کبھی اس کی ماں اُسے موٹے کپڑے پہناتی ہے۔ اور کبھی وہ بغیر کپڑوں کے صرف لنگوٹ ہی پہن کر کھیل سکتا ہے۔ پچھلے سال اس کے ماموں کا لڑکا نزدیک والے گاؤں سے اسے ملنے آیا تھا۔ اور پچھلے مہینے وہ اس کے گاؤں میں ملنے گئے تھے۔

انہی چیزوں کی روشنی میں سلیبس تیار کرنا چاہیئے۔ اور پڑھانے کے لئے آپ ذیل کے طریقے استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ چند ایک طریقوں سے مطمئن ہو جائیں۔ ہرگز نہیں۔ جو طریقہ آپ چاہیں رائج کرلیں۔ ہمارا مدعا سبق پڑھانے کا ہے۔ وہ جتنا دلچسپ ہوگا۔ زیادہ بہتر ہوگا۔ (ملاحظہ ہو: جغرافیہ کی کتب مصنفہ پروفیسر محمد ناظر صاحب)

(۱) کہانیاں:- بچے فطرتی طور پر کہانیاں سننے کے بہت مشتاق ہوتے ہیں۔ آپ انکو کہانیوں میں اُس روز کا سبق سنا جائیں۔ وہ کبھی نہیں بھولیں گے۔ بعد میں آپ اُن کہانیوں کے بچے کا طرح بتا سکتے ہیں۔ کہانیاں ابتدائی جماعتوں میں سادہ اور عام فہم

ہونی چاہئیں۔ اُن کو دوسرے ملکوں کے بچّوں کی کہانیاں سُنائیں۔ اُن لوگوں کے متعلق حالات بتائیں جنہوں نے دنیا کے مختلف مقامات کو سب سے پہلے دریافت کیا۔ جیسے مارکو پولو۔ کولمبس وغیرہ۔

(۲) مشاہدہ } یہ طریقۂ تعلیم سب سے احسن ہے کیونکہ وہ چیز جو بچّہ دیکھ لے۔ کبھی فراموش نہیں کرتا۔ آپ اُن کو صبح سُورج نکلتا ہوا اور شام کو غروب ہوتا ہوا دکھائیں اُن سے دریافت کریں کہ دوپہر کو زیادہ روشنی تھی یا شام کو۔ گرمی زیادہ کب تھی۔ کیوں تھی اس سے وہ سمجھ جائیں گے کہ سُورج سے ہم روشنی اور گرمی حاصل کرتے ہیں۔ رات تب ہوتی ہے جب سُورج چھُپ جاتا ہے اور دن اُس وقت جب سُورج چمکتا ہے۔

Excursions. سیریں } اسی طریقہ پر اُن کو نہر۔ تالاب۔ کنوئیں وغیرہ پر لے جاکر دریا۔ نہر اور دوسری چیزوں کا تصوّر دلایا جاسکتا ہے۔ اور اُن میں فرق کھیت پر لے جاکر اُن کو گاؤں کی مختلف فصلیں اُن کے بونے کا وقت۔ آبپاشی کا طریقہ بتلاسکتے ہیں۔ گاؤں کی دکان پر وہ اشیائے درآمد اور برآمد کے متعلق سیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ اُن کو نزدیکی ریلوے سٹیشن یا کسی کارخانہ وغیرہ میں لے جاکر اپنے سبق کو مکمل اور دلچسپ بناسکتے ہیں۔

جغرافیہ کی کھیلیں } بیسیوں کھیلیں آپ خود بناسکتے ہیں۔ بچّو مشرق کو دوڑو۔ اچھا مغرب کی طرف مُنہ کرکے کھڑے ہوجاؤ۔ بتاؤ تمہارے پیچھے کونسی طرف ہوگی۔ کون کون بچّہ اسکیمو بنے گا۔ کون کشمیری اور کون سار یڈ انڈین وغیرہ۔ اسی طرح ان کا لباس اور آواز وغیرہ نکالنے کی کوشش کی جائے۔

"Cubbing" :- بچّوں کو کبنگ کی تعلیم دیں آپکے سکول میں کوئی نہ کوئی ضرور تعلیم یافتہ کب ماسٹر ہوگا۔ اس سے کھیرے کا ناچ۔ بھالو کا ناچ۔ بندر لنگ [illegible]

موگلی کی کہانیاں اور نلاج سیکھ کر بچّوں کو کرائیں۔ اِس سے بچّہ جنگل جنگل کے جانوروں اور جنگلی آدمیوں کی بودوباش سے واقف ہو جائے گا۔ اور اُن کی بولیاں بولنے کے قابل ہو جائے گا۔ اس تحریک میں بیسیوں قسم کے "Badges" نشان ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بچّہ اگر گاؤں کے ہر ایک گلی کوچے اور ساتھ کے ملحقہ گاؤں کے راستہ وغیرہ سے واقف ہے تو وہ "Path Finds" کا بیج لے سکتا ہے۔ اگر وہ اچھی طرح کوئی رنگدار چیز تیار کر سکتا ہے تو اُسے "Painter Badge" کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بیسیوں قسم کے نشانات کے حاصل کرنے کے لئے بچے کو ترغیب دیں۔ آپ وہ "Badges" چُن لیں۔ جن کا تعلق جغرافیہ سے ہو۔

اگر آپ اُردو کی کتاب پڑھا رہے ہیں۔ اور اس میں مری کی سیر کا سبق آ گیا تو اُردو اور جغرافیہ اکٹھا کر لیں۔ اور اس سبق کو اس طرح پڑھائیں کہ بچّہ یہ خیال کرے کہ وہ جغرافیہ بھی پڑھ رہا ہے۔ ڈرائینگ سے آپ نقشہ وغیرہ بنانے۔ آغاز میں کمرے کا خاکہ اور اُسمیں اپنی جگہ دکھانے۔ بعد میں سکول کا اور پھر گاؤں کا۔ میرے خیال میں اگر آپ بچّوں کو گاؤں کے پٹواری کے ساتھ ایک ہفتہ کام کرنے دیں تو وہ کھیتوں کے نقشے اور پٹواری کے نقشے دیکھ کر کافی جغرافیہ سیکھ سکتا ہے۔

جغرافیہ کے معمّے حل کرنا: انگریزی سکولوں میں جب موسم خراب ہو اور بچّوں کو باہر نہ لے جایا جا سکے تو استاد بچّوں سے جغرافیہ کے معمّے حل کراتا ہے۔ اِسی طرح بچّے بہت سی جگہوں کے نام یاد کر لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا Assignment System کے اصول پر ہوتا ہے۔

سکول میں جغرافیہ کا رسالہ جاری کرنا: بچّوں کو جغرافیہ کا مضمون لکھنے کے لئے اُبھارا جائے۔ وہ مہینہ یا تین مہینہ میں ایک مضمون ضرور لکھ لیں۔ اُستاد اُن کو درست کریں۔ اور اُن کی ایک فائل بنا کر رکھ لیں۔ سال کے بعد اُستاد کے پاس ۱۲ یا

۱۳ جلدیں ہو جاویں گی۔ جو اُن سے بہتر ہو وہ اخبار تعلیم۔ پھول۔ سعادت۔ وغیرہ رسالوں میں چھپوانے کے لئے بھیجیں تاکہ دوسرے بچے اگلے سال زیادہ اچھا مضمون لکھنے کی کوشش کریں۔

سکول میں جغرافیہ کی سوسائٹی } جس طرح آپ نے جرنل جاری کیا ہے آپ سکول میں ایک جغرافیہ کی انجمن بنا لیں۔ بچوں میں سے کسی ایک کو صدر اور سیکرٹری چن لیں۔ اِس میں بچے وہ مضامین پڑھیں جو انہوں نے جرنل (رسالہ) کے لئے لکھے ہیں۔ وہاں وہ اپنی سیر وغیرہ بھی بیان کر سکتے ہیں۔

جغرافیہ کی نمائش اور انعامات } اپنے سکول میں سال میں ایک دفعہ جغرافیہ کی چھوٹی سی نمائش کریں۔ گاؤں کی وہ چیزیں جو وہاں پیدا ہوتی ہیں۔ علیحدہ۔ جو باہر سے آتی ہیں علیحدہ۔ بچوں کے نقشہ جات اور جرنل کی کاپیاں۔ بچوں کے سال کا کام وہاں دکھائیں۔ کبھی آپ دوسرے سکول کے بچوں کو بلائیں۔ اور کبھی آپ اُن کے سکول میں ایسی تقریبوں پر جائیں۔ بچوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے اُن کو کچھ انعامات بھی دیں۔ چند ایک سکول مل کر ۸ر ۸ر ڈال کر سرٹیفکیٹ چھپوا سکتے ہیں۔ اور ضلع کی انجمن معلمین کی وساطت سے یہ کام احسن طریقہ پر ہو سکتا ہے۔ سرٹیفکیٹ پر ڈسٹرکٹ انسپکٹر یا اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر صاحب یا انجمن معلمین جسے مناسب خیال کرے دستخط کرا لئے جاویں۔

جغرافیہ بذریعہ ڈرامہ } بچوں کو جغرافیہ کے مختصر ڈرامے کرائیں۔ تاکہ وہ کھیلوں میں بھی اپنا تمام کام کر جاویں۔

جغرافیہ کے ماڈل بنانا } مٹی کے ماڈل طشتریوں میں دریا اور نہریں گھڑوں کے گلوب۔ ریت سے ریگستان اور نہروں سے اسکے سیراب کرنیکا طریقہ وغیرہ وغیرہ۔ بچوں سے مختلف درختوں کے پتے اُنکی لکڑیاں جمع کرنیکو کہنا ایک قسم کی Hobby کے طور پر وہ کر سکتے ہیں۔ نیز ذرائع آمد و رفت بذریعہ اشکال دکھائیں یا تصاویر کاٹ کر لگائیں

مذہبی تعلیم

سعادت علی خان۔ گورنمنٹ کالج لاہور۔

تعلیم مذہبی ہو یا غیر مذہبی؟ اس سوال کا آج خاصا چرچا ہے۔ کچھ لوگ، گروہ، یا قومیں ایسی ہیں جو مذہب کے نام سے کانوں پہ ہاتھ دھرتی ہیں۔ اُن کے نزدیک مذہب، اس کی ہر بات اور نظریہ، پُرانا، دقیانوسی اور فرسودہ ہے۔ گو اُن کی یہ مذہب دشمنی انہیں تعصب، ظلم، قتل و غارت، قومی یا بین الاقوامی جھوٹ، عہد شکنی، حتےٰ کہ محسن کشی سے بھی باز نہیں رکھ سکتی۔ پھر بھی وہ ہر برائی اور بدی کو مذہب سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ مذہب کا تعلق انسانی ارتقا کے کسی ابتدائی زمانہ سے ہے جسے مہذب انسان صدیوں پیچھے چھوڑ چکا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی سرپھرا اس بیسویں صدی میں مذہب کا راگ الاپتا ہے۔ تو یہ محض کسی حقیقی یا موہوم فوق الفطرت ہستی سے اُس کا شخصی تعلق ہے۔ مذہب کا تعلق روزمرہ کی سماجی، معاشرتی، اقتصادی یا سیاسی زندگی سے ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ مذہب کے نزدیک یہ دنیا پاپ کی نگری ہے۔ اور جتنی جلدی اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے بہتر ہے۔ مذہب رہبانیت کا حامی اور گرہستی زندگی کے خلاف ہے۔ اِس کے خیال میں انسان ازل سے گناہ کے داغ سے آلودہ ہے۔ اور اسے دھونے کے لئے اسے طرح طرح کی اذیتیں اُٹھانی ہیں۔ جب مذہب ایسے دور از کار اور ضرر رساں توہمات کا نام ہو تو کہا جاتا ہے کہ اس سے بڑھ کر انسانی ترقی کی راہ میں اور کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟ مذہب کی حیثیت اُن چیتھڑوں سے زیادہ نہیں سمجھی جاتی، جنہیں رفتارِ زمانہ نے تار تار کر دیا ہو۔ اور جنہیں

انسانی جہالت اور وحشت کی پُرانی ہُوئی ہے۔ لہٰذا تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ انسان ان چیتھڑوں سے مکمل آزادی حاصل کرلے کیونکہ انہیں پھاڑے اور دفن کئے بغیر انسان کے فطری حُسن اور کمالات کے جوہر کبھی نہیں کھل سکتے۔

(۲) لیکن مذہب کا ایک نظریہ اور بھی ہے۔ اور تاریخی حقائق کے اعتبار سے یہ نظریہ زیادہ صحیح ہے۔ اس کے مطابق مذہب زندگی کے ایک مکمل طریق کار یا لائحہ عمل کا نام ہے۔ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اعلیٰ ترین اخلاق سے مزیّن کرنا، اور ہر بدی اور بدصورتی سے اسے پاک کرنا مذہب کا نصب العین ہے۔ اخوت، مساوات، آزادی، انصاف، سچ، شجاعت، ضبط، اعتدال، محنت، استقلال، بے لوث خدمت، قربانی گویا مذہب ہر اس صفت کی تلقین کرتا ہے جو انسانی کامیابی اور ارتقاء کے لئے لازمی ہے عزّت کا دار و مدار حسب، نسب یا نسل پر نہیں، بلکہ اعمال اور کردار پر ہے۔ مذہب ہر قسم کی معاشرتی، اقتصادی یا سیاسی ناانصافی کے خلاف جہاد کی دعوت دیتا ہے تاکہ دنیا فساد اور ظلم و تعدی سے نجات پا سکے۔ اور افراد اور قومیں اپنی فطری قابلیت اور رجحانات کے مطابق اپنوں اور پرایوں کے لئے کارآمد ثابت ہوں۔

یہ اسلام کا نظریہ ہے۔ یہ اسلام کے اصول ہیں۔ گو تاریخی طور پر یہ تیرہ سَو سال پُرانے ہیں، لیکن یہ اس قدر بنیادی ہیں کہ انسان کو ہر وقت اور ہر زمانہ میں ان کی ضرورت ہے۔ یہی وہ اصول ہیں جن کی بدولت جاہل اور وحشی عرب دنیا بھر کے لئے تہذیب و تمدّن کے بانی اور رہنما بن گئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتوحاتِ روم کے سلسلہ میں جب مسلمانوں کو حمص سے ہٹنا پڑا۔ تو یہ انہی اصولوں کا کرشمہ تھا کہ وہاں کی عیسائی رعایا نے اُن کی واپسی کی دُعائیں مانگیں۔ اور اُن کی حکومت کو اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں کی حکومت پر ترجیح دی۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جوں جوں افراد یا قومیں ان اسلامی اصولوں سے ہٹتی گئیں وہ دنیا کے لئے ہلاکت اور بربادی کا باعث

بنیں۔

ہم نے مدتوں کے بعد غیروں کی غلامی سے نجات حاصل کی ہے اور اب وقت ہے کہ ہم اپنی زندگی کو ان مذہبی اصولوں پر ڈھالیں۔ غلامی، اخلاق و کردار کو تباہ کر دیتی ہے۔ تن آسانی، نافرض شناسی، خود فروشی و خود فریبی ایسی مسموم صفات محکوم قوموں کا خاصا ہیں۔ اور اگر ہم نے ان اصولوں پر چل کر ان برائیوں کو جلد از جلد مٹا دینے کا تہیہ نہ کیا۔ تو ہماری آزادی بجائے رحمت کے کہیں زحمت نہ بن جائے۔

ان اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے لمبی چوڑی کمیٹیوں یا کانفرنسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی مالی خرچ میں کسی خاص اضافہ کی ضرورت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سرکاری و غیر سرکاری تعلیمی اداروں کے منتظمین پہلے خود یہ فیصلہ کر لیں۔ کہ وہ اپنی زندگی کو ان اصولوں کے مطابق بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور پھر اپنے فعل و قول سے اپنے عملہ کو ان کی تلقین کریں۔ ایک اعلیٰ و مکمل لائحہ عمل آپ کے سامنے ہے اور یہ تعلیمی اداروں اور ان کے کارکنوں کے لئے باعثِ فخر ہونا چاہیئے۔ کہ قوم کے بچوں کو اس کی تلقین کرنا اور انہیں اس پر چلانے کا فرض اُن کے سپرد ہے۔ اگر استاد اپنی مثال اور تعلیم سے یہ اسلامی فضا پیدا کر لے، تو پھر حقیقی معنوں میں وہ، نہ کہ کوئی سیاسی یا دیگر رہنما، قومی ترقی و کامیابی کا معمار بن سکتا ہے۔

آج کل ہمارے یہاں نصابِ تعلیم میں اصلاح و ترمیم کی جا رہی ہے۔ لیکن آپ کا نصاب خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ اگر آپ بد کردار ہیں، آپ میں بے لوث خدمت، قربانی، ایثار اور راستبازی کا جذبہ موجود نہیں، تو نتائج معلوم۔ البتہ یہ صفات آسانی سے پیدا نہیں ہوتیں۔ اور جب غلامی نے اخلاقی اور روحانی قویٰ کو کمزور کر دیا ہو۔ تو انہیں حاصل کرنا اور بھی دشوار ہوتا ہے لیکن ان دشواریوں کا مقابلہ کرنا ہی ہوگا۔ خود فروشی اور دھوکے کی زندگی کو خیرباد کہے بغیر آپ کوئی ترقی نہیں کر سکتے۔

یہ سب کچھ تبھی ممکن ہو سکتا ہے جب محکمہ تعلیم کے اعلیٰ کارکن، تعلیمی انجمنیں اور ادارے، انسپکٹر اور استاد، اس اسلامی نصب العین کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ اور اسکی نظری اور عملی تعلیم کو اپنا فرض اولین سمجھیں۔ اور اس طرح ملک و ملت کے حقیقی خادم بن جائیں۔

(۳) مذہبی تعلیم کے دو پہلو اور بھی ہیں۔ وہ یقیناً ضروری ہیں، لیکن اسلامی اصولوں کی طرح اپنی وسعت میں اتنے ہمہ گیر نہیں کہ مسلم و غیر مسلم، اکثریت و اقلیت، سبھی ان کی تعلیم حاصل کریں۔ اور اُن پر کاربند ہوں ہر مسلمان کے لئے شعائر اسلام کا جاننا، اور انہیں بجا لانا لازمی ہے۔ اور اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے۔

اب تک ان شعائر کی تعلیم ایک خاص طبقہ سے وابستہ رہی ہے، اور عموماً انہیں کچھ اس طرح پیش کیا جاتا رہا ہے۔ جیسے اُن کا اس دنیا کی زندگی سے تو کوئی خاص تعلق نہیں، البتہ انہیں بجالانے سے آنے والی زندگی میں حور و قصور ملتے ہیں حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ اِس زندگی میں بھی وہ کامرانی اور نصرت کی کلید ہیں۔ یہ انہی شعائر کو ان کی حقیقی اور روحانی اصلیت کے ساتھ بجا لانے کا کرشمہ ہی تو تھا کہ مسلمان زندگی کے ہر میدان میں کامیاب اور دنیا والوں کے لئے باعثِ رحمت بن گئے تھے۔ عملی تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے شائد یہ الفاظ بے معنی سے معلوم ہوں، لیکن مثال کے طور پر اگر " اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ " [(اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں] کے معنی کو دِل نشین کر کے دُہرایا جائے تو ممکن نہیں کہ مسخ شدہ روح میں بھی خودداری و خود اعتمادی، بے خوفی و جرأت کے جوہر نہ اُبھریں۔

ہر مسلمان کے لئے اسلامی شعائر کو جاننے اور انہیں بجالانے کے بغیر چارہ نہیں

ان کی تعلیم ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے۔ لیکن یہ کام کسی خاص طبقہ کے سپرد نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہر مسلمان استاد اس قابل ہو کہ ان شعائر کی نظری و عملی تعلیم دے سکے۔

(۴) اب رہی اسلامیات کی تعلیم۔ متذکرہ بالا اسلامی اصولوں اور شعائرِ اسلام کے علاوہ اسلامی فقہ، فلسفہ، قانون، تاریخ، ادب، فنِ تعمیر وغیرہ اسلامیات میں شامل ہیں۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ان سب کی تعلیم کا بھی کما حقہ، انتظام ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ امر بھی واضح ہے کہ اسلامیات کے ان مؤخر الذکر مختلف شعبوں کی تعلیم ہر ایک کے لئے لازمی قرار نہیں دی جا سکتی۔ ہمارے موجودہ نظامِ تعلیم میں ایک بھاری خامی یہ ہے کہ مختلف طبائع اور رجحانات کا لحاظ رکھے بغیر سبھی کو ایک ایسی تعلیم دی جاتی ہے۔ وقت ہے کہ ہم اِس خامی کو دُور کریں، تاکہ ہر فرد اپنی فطری اور حاصل کردہ قابلیت اور لگاؤ کے مطابق علم حاصل کر کے ملک و قوم کی خدمت کر سکے۔ اسلامیات کی تعلیم میں بھی اس بات کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ جن طلباء کا میلان ان میں سے کسی شعبہ یا شعبوں کی طرف ہو۔ وہی اُن میں دسترس حاصل کریں۔ اس تعلیم کا مقصد محض ماضی کی یاد کو تازہ کرنا نہ ہو۔ بلکہ اپنے بزرگوں کے کمالات سے متاثر ہو کر ہمارے نوجوان موجودہ حالات کے مطابق ان شعبوں میں ترقی کریں۔ تاکہ اُن کی طرح یہ بھی دنیا کے لئے مشعل راہ بنیں ؎

"تحلیل نفسی"-۳

لاشعور

عبدالحی علوی

جدید نفسیات کی تاریخ میں فرائڈ (Freud) پہلا عالم ہے۔ جس نے انسانی شخصیت کے اہم رازوں سے باخبر ہونے کے لئے لاشعور حصّۂ نفس کی طرف رجوع کیا۔ اس کی سالہاسال کی کاوشوں کا نتیجہ یہ تھا کہ ہماری تمام خواہشات کا مخزن نفس کا یہی تاریک لیکن طاقتور گوشہ ہے۔ ہماری تمام خوبیاں اور برائیاں اسی حصّۂ نفس سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے اپنے دوستوں۔ اپنے بچوں اور خود اپنے آپ کو سمجھنے کے لئے لاشعور ہی کو کریدنا ہوگا۔

لاشعور کی اہمیت سے آگاہ ہونے کے بعد اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ لاشعور کس طرح ظہور میں آتا ہے؟ اور اس کی غیر معمولی قوّت کہاں سے آتی ہے ؟

اِن سوالات کے جواب کے لئے فرائڈ لاشعور حصّۂ نفس کو توانائی کے لحاظ سے تین حصّوں میں منقسم کرتا ہے طبعی یا غیر طبعی کردار کی محرّک قوّتیں انہیں میں سے کسی ایک حصّۂ لاشعور سے متعلق ہیں۔ مناسب اصطلاحات نہ ملنے کے باعث ہم انہیں "نفسِ امّارہ"۔ "خودی" اور "ضمیر" کے ناموں سے یاد کریں گے۔

نفسِ امّارہ جدید نفسیات کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے۔ کہ جب کوئی بچہ پہلے پہل اِس دُنیائے رنگ و بُو میں قدم رکھتا ہے۔ تو وہ اپنے گرد و پیش کے حالات

یعنی یہ اپنے ماحول سے قطعاً بے خبر ہوتا ہے۔ "شعور" یعنی آگاہی واقعات کی صفت سے یکسر محروم ہوتا ہے۔ قدرت کی طرف سے جو چیز اسے عنایت کی جاتی ہے۔ وہ محض قوت یا توانائی کا لامحدود خزانہ ہوتا ہے۔ اِسی قوت کی بنا پہ وہ بھوک پیاس اور اپنی دوسری ضروریات پوری کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اِسی توانائی کی مدد سے بالغ ہونے پر وہ جنسی تعلقات بھی قائم رکھ سکتا ہے۔ اور محبت اور نفرت کے احساس کا اظہار کرسکتا ہے۔ یہ توانائی سراسر "لذت اور الم" کے اصول کے تابع ہوتی ہے۔ یعنی ہر اُس جائز و ناجائز خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ جس سے لذت اور سرور حاصل ہو۔ اور اس کے برعکس جو خواہش درد کے احساس کے ساتھ پیوستہ ہو اس سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ "نفسِ امّارہ" (Id) اسی توانائی کا منبع ہوتا ہے۔ مختصراً انسان اسی حصۂ نفس کو وراثتاً حاصل کرتا ہے۔ جس کا مطمحِ نظر محض لذت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ شائد یہ اسی وجہ سے ہے کہ انسان برائیوں کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔ اور معاشرتی اور اخلاقی قوانین کی پابندی سے گریز کرتا ہے۔

نفسِ امّارہ سراسر لاشعور ہوتا ہے۔ اور تنازع للبقا کی زبردست خواہش اور قوت پر مشتمل ہوتا ہے۔ جب تک تحلیل نفسی کے مخصوص طریقوں کی مدد سے نفس امّارہ کی گہرائیوں تک نہ پہنچا جائے۔ کوئی شخص بھی اس کی غیر معمولی قوت اور عجیب غریب خواہشوں سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔ سماجی اور اخلاقی قوانین کی پابندی سے بالکل آزاد ہوتا ہے۔ اور اس کے کام کرنے یعنی انسانی کردار کو متأثر یا متعین کرنے کے اصول بالکل نرالے ہوتے ہیں۔ نفسِ امّارہ کا حقیقی دنیا سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِس مقصد کے لئے یہ حصہ اپنے باقی ماندہ رفقائے کار کا محتاج ہے۔ چھوٹے بچے اپنے ماحول سے اِسی لئے بے خبر ہوتے ہیں کہ "خودی" اور "ضمیر" کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا۔ ان کی ساری زندگی کا دارومدار نفسِ امّارہ ہی پہ ہوتا ہے۔ اِسی لئے

اس کے علاوہ نفس کے اعلیٰ حصّے موجود ہی نہیں ہوتے۔

نفسِ امّارہ کی مخصوص صفات مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ ہمیشہ لاعلمی میں کام کرتا ہے۔ یعنی اس کے وجود کا علم براہِ راست کسی کو نہیں ہوتا۔ اسی صفت کی بنا پر اسے "لاشعور" بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ اس پر اخلاقی قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اخلاق اور مذہب سے اسے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

۳۔ اس کا واحد نصب العین "لذّت و الم" کے اصول کی پابندی ہے۔

۴۔ اس کا طریقۂ استدلال اور کام کرنے کا ڈھنگ نرالا ہوتا ہے۔

۵۔ مختلف قسموں کی خواہشوں اور جبلّی توانائی (Instinctive Forces) کا منبع یہی نفس ہے۔ ہر انوکھی سے انوکھی خواہش یہاں سے اُٹھتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ اسی کی طفیل ہے کہ انسان اپنی جسمانی ضروریات پوری کرنے کے درپے ہوتا ہے۔

۶۔ اس قدرتی طاقت کے خزانے کے علاوہ تجربہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ بےشمار اکتسابی خیالات اور احساسات وغیرہ اسی جگہ مقیم ہوتے ہیں۔ انہیں کے قیام کی وجہ سے نفسِ امّارہ کا دائرۂ عمل بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور "خودی" پر اس کا اثر روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات انسان کے شعور پر یہ حصّہ اتنا چھا جاتا ہے۔ کہ انسان اسی کا فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں انسان کو ماہرینِ اخلاق "بندۂ حرص و ہوا" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

۷۔ اس کی سب سے آخری لیکن ضروری صفت یہ ہے۔ کہ یہ نفس سراپا آرزو ہوتا ہے۔ اس کی کوئی بات حکمت سے خالی اور خواہش سے عاری نہیں ہوتی۔ اسی صفت کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہو تمنّا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے نگار خانہ ہے آرزو کا

خودی بچے کے ذہنی نشو و نما پر دوبارہ غور کیجئے۔ وہ جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے اس کے نفسِ امارہ کا ایک حصہ جسے مختلف حواس کی مدد سے اپنے ماحول سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ آہستہ آہستہ خارجی دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان تعلقات کی بنا پر یہ حصہ مستقل طور پر تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ حصہ ہے۔ جسے "مَیں"۔ "جی" "من"۔ "خود" یا "خودی" (Ego) وغیرہ کے بیشمار الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہی وہ حصہ ہے۔ جس کا تعلق شعور سے ہے۔ کیونکہ اگر یہ حصہ شعوری نہ ہو۔ تو ماحول سے متأثر ہونا ناممکن ہو جائے۔

"خودی" کا آغاز کوئی سہل عمل نہیں۔ یہاں تک پہنچنے کے لئے بچوں کو چند درجوں میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ خودی کے آغاز سے پیشتر وہ محض لذت کے طالب ہوتے ہیں۔ حقیقی دنیا کے ساتھ انہیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور وہ فطرتاً انہیں چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ جن سے وہ لذت اور تسکین حاصل کر سکیں۔ اس درجے میں بچے اپنے آپ کو ایک برتر ہستی خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی تمام خواہشیں خود بخود پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اور انہیں خود ہاتھ تک نہیں ہلانا پڑتا۔ لیکن یہ درجہ کچھ زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہتا۔ وہ جلد ہی محسوس کرنے لگ جاتے ہیں۔ کہ انہیں اپنی ضروریات پوری کرانے کیلئے کسی خاص طریقے کے استعمال کی ضرورت ہے۔ یہ انوکھا طریقہ بالعموم رونا ہی ہوتا ہے۔ بچے جب بھی روتے ہیں۔ تو وہ فی الحقیقت کسی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ یا وہ رو رو کر اپنی ناخوشی کا ثبوت دیتے ہیں۔ تیسرے درجے میں قدم رکھتے ہی وہ اپنے آپ کے علاوہ دوسری چیزوں کے اصلی وجود سے آگاہ ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ ان پر یہ واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔ کہ

ان کے والدین اور گھر کے دوسرے افراد اپنی علیحدہ ہستی کے مالک ہیں۔ اس معمولی آگاہی کے بعد آخری درجہ بھی جلد ہی آجاتا ہے۔ جس میں بچے دوسری چیزوں کی حقیقت کے متعلق اپنی استطاعت کے مطابق بطور کلی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کام "خودی" کے سپرد ہے یعنی یہاں پہنچ کر خودی مستقل طور پر نفسِ امّارہ سے جُدا ہو جاتی ہے۔ اور اپنے کام یعنی حقیقت وغیرہ کے پرکھنے میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ "خودی" ہی کی مدد سے بچے ماحول کی مطابقت اختیار کرنے کی خاطر اپنے کردار میں مناسب تبدیلی کرتے رہتے ہیں۔ اور درد کے احساس سے بچنے کی خاطر مناسب طریقے استعمال میں لاتے رہتے ہیں۔ نفس امّارہ کی خواہشات اور طبعی اور اجتماعی ماحول کی ضروریات کی مطابقت "خودی" کے وجود کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ نفس کا یہی حصّہ ہے جو ماحول اور نفس امّارہ کی حقیقت سے باخبر ہوتا ہے۔

خودی کی خصوصیات کا اختصار یہ ہے :۔

۱۔ نفس کا یہ حصّہ اپنے آپ سے بھی آگاہ ہوتا ہے۔ اور اپنے ماحول سے بھی بے خبر نہیں رہتا۔ اسکی بنیاد اگرچہ لاشعور سے پیوستہ ہے۔ لیکن یہ خود "شعور" سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۔ اِس کا طریقۂ استدلال عام منطقی قوانین کے مطابق ہے۔

۳۔ حواس کی مدد سے بیرونی دنیا اور اصلیّت سے تعلقات قائم رکھتا ہے۔

۴۔ تین اقسام کی طاقتوں کے درمیان واسطے کا کام دیتا ہے۔ یعنی :۔

(ا) بیرونی دُنیا کی اصلیّت۔

(ب) نفسِ امّارہ سے اُٹھنے والی خواہشات اور

(ج) ضمیر کی طرف سے آنے والے اِمتناعی احکام۔

۵۔ تہذیبِ اخلاق سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ اِس لئے یہ اخلاقی قوانین کے ماتحت

ہوتا ہے۔

۶۔ یہ حصّۂ نفس کبھی کبھار (مثلاً نیند کی حالت کے دوران میں) "استراحت" کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ اس کی طاقت اپنی فعالیت کے لحاظ سے ضعیف بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنے بعض ضروری کاموں سے غافل نہیں رہتا۔

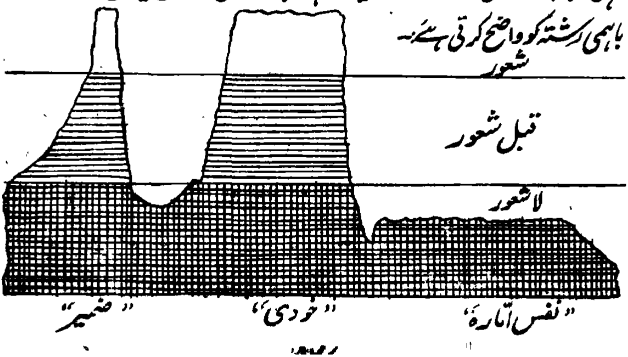
۷۔ بالعموم یہ ضمیر کے تابع فرمان ہوتا ہے۔

ضمیر: بچّوں کو اپنی مختصر سی دنیا سے جوں جوں واسطہ پڑتا ہے۔ وہ "گناہ" اور "ثواب" یا "اچھائی" اور "بُرائی" کا کوئی نہ کوئی معیار قایم کر لیتے ہیں۔ اِس معیار کے بنانے میں والدین کا عموماً بہت زیادہ حصّہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے والدین سے سُنتے ہیں۔ "بیٹا! اس کام کو مت کرنا"۔ "دیکھنا یہ گناہ کا کام ہے"۔ "اچھے لڑکے ایسا کام نہیں کرتے"۔ تو وہ بعض کاموں کو واضح طور پر خوبی اور ثواب کے ساتھ پیوستہ کر لیتے ہیں۔ اور بعض کاموں کو بُرائی کا گھر خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ ہے "ضمیر" یا "اعلیٰ انا" (Super-ego) کا آغاز۔ جس کی پیدائش ہمیشہ بیرونی بالخصوص اجتماعی تعلقات کی بنا پر ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اگر والدین اپنے مذہب میں متعصّب یا بچّے کے حق میں بہت سخت ہوں۔ اور بات بات پر اسے ٹوکتے رہتے ہوں۔ تو یہ تعصّب یا سختی ضمیر کا حِصّہ بن جائے گی۔ لیکن اگر اس کے خلاف والدین نرم مزاج ہوں۔ اور نیکی اور بدی کے چنداں قایل نہ ہوں تو انکے بچّے کے ضمیر کا معیار بھی پست ہوگا۔ یہ ضمیر کوئی علیحدہ اور نئی ہستی نہیں۔ بلکہ جس طرح نفسِ امّارہ سے جدا ہو کر خودی کا آغاز ہوا تھا۔ اسی طرح خودی کا ایک حِصّہ نشو و نما کے لحاظ سے قدرے مختلف ہو کر "ضمیر" میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

"ضمیر" کی مخصوص صفات حسبِ ذیل ہیں:۔

۱- یہ "خودی" ہی کا ایک حصّہ ہے۔ اور خودی پر حکمرانی کرتا ہے۔ خودی اور نفسِ امّارہ کے باہمی تعلقات پر کڑی نگرانی رکھتا ہے۔
۲- خودی کی دسترس یہاں تک نہیں۔
۳- اس کا اکثر حِصّہ لاشعور ہی میں ہوتا ہے۔ کیونکہ کچھ حِصّہ شعوری بھی ہوتا ہے۔
۴- نفسِ امّارہ کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔
۵- ضمیر کی موجودگی سے خودی میں گناہ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اس احساس سے بچنے کی خاطر خاص طریقے استعمال کرتی ہے۔

افراد کو اجتماعی زندگی کا پابند بنانے کے لئے "ضمیر" ہی کو متحرک ہونا پڑتا ہے اگر ہم کسی ایسے شخص کا تصوّر کریں۔ جس کی پرورش ابتدا سے آخر تک کسی ایسے جنگل میں ہوئی ہے۔ جو اجتماعی اثرات سے بالکل بے نیاز ہو۔ اور جہاں اسے کسی اور انسان سے کبھی بھی واسطہ نہ پڑا ہو۔ تو اس فرضی انسان میں صرف "نفسِ امّارہ" اور "خودی" ہی کا وجود ہوگا۔ اِس مثال میں "ضمیر" کا ارتقا نہ ہوگا نفسِ امّارہ حیاتیاتی (Biological) ضروریات سے پیوستہ ہوتا ہے۔ اور خودی کا وجود طبیعی ماحول سے وابستہ ہوتا ہے۔ لیکن "ضمیر" واضح طور پر اجتماعی اور تمدّنی ماحول کے زیر اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ارتقا نسبتاً دیر سے ہوتا ہے۔ شکل (۱) ان تینوں حِصّوں کے باہمی رشتہ کو واضح کرتی ہے۔



پہاڑوں کا ایک سلسلہ اور وادی فرض کیجئے۔
بڑی پہاڑی کی موجودگی کے باعث سورج کی شعائیں وادی تک نہیں پہنچ سکتیں۔ پہاڑ کی دو چٹانوں پر سُورج کی شعاعیں پورے طور پر پڑتی ہیں۔ اس سے نیچے سُورج کی شعاعیں صرف دوپہر کو ہی پڑتی ہیں جس جگہ پر روشنی سب سے زیادہ پہنچتی ہے وہ "شعور" ہے۔ اس سے کم منور حصّہ "قبل شعور" ہے۔ اور وادی جہاں سورج کی شعاعیں بالکل نہیں پہنچ سکتیں "لاشعور" ہے۔ ان میں سے ایک چوٹی "خودی" ہے۔ اور دوسری "ضمیر"۔ باقیماندہ پہاڑی حصّہ "نفسِ امّارہ" ہے ضمیر اور خودی اپنا کام شعور اور قبل شعور میں انجام دے رہے ہیں لیکن ان دونوں کی بنیاد "لاشعور" ہی میں ہے "نفسِ امّارہ" کا تعلق صرف لاشعور ہی سے ہے۔ اس کی تمام قوتیں قبل شعور تک بھی نہیں پہنچ سکتیں۔

ضمیر۔ خودی اور نفسِ امّارہ کا نصب العین چونکہ مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے ان تینوں طاقتوں کے درمیان نزاع (Conflict) کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اسی نزاع سے بے شمار عصبی اور ذہنی نقائص پیدا ہوتے ہیں۔

خودی اور ضمیر کے باہمی تعلقات کو سمجھنے کے لئے "خودی" کو اپنی ذات کا ترجمان خیال کر لیجئے۔ اور ضمیر کو معاشرت کا نمائندہ۔ نفسِ امّارہ پر یہ دونوں طاقتیں اپنے اپنے نصب العینوں کے مطابق اثر انداز ہوتی رہیں گی۔ یہ تینوں تحریکات مختلف اقسام کی ہیں۔ اس لئے زمانۂ طفولیت ہی میں جُوں جُوں بچّوں کو اپنے ماحول سے واسطہ پڑتا جاتا ہے۔ نزاع پیدا کرنے والے حالات خود بخود پیدا ہوتے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا بحث پر دوبارہ غور کیجئے۔ ہم یہ نتیجہ نکالنے پر حق بجانب ہیں۔

کہ انسانی زندگی کا آغاز لاشعور اَور نفسِ امّارہ سے ہوتا ہے۔ اَور اصل چیز جس پر اکی بعد کی زندگی کا دار و مدار ہے نفسِ امّارہ ہی ہے۔ اسی نفس سے "خودی" پیدا ہوتی ہے۔ اَور بعد میں اس خودی سے "ضمیر" کا آغاز ہوتا ہے۔ ان دونوں طاقتوں کی خصوصی صفت "شعور" سے متصف ہونا ہے۔ یہ ہے نفس (Mind) کی مکمّل تصویر جس کے سمجھنے میں عُلمائے متقدمین نے عجیب غریب نظریات سے کام لیا ہے لیکن اِس ضمن میں یہ بھی یاد رکھیئے۔ کہ نفس اور اس کی تقسیم محض ضرورت اَور تشریح کی خاطر ہے۔ وگرنہ نفس کوئی جسمانی شئے نہیں۔ جسے مختلف حصّوں میں تقسیم کر کے ہر ایک حصّے کو مطالعے کی خاطر خوردبین کے نیچے رکھا جا سکے نفس کے تصوّر (جو محض ایک قسم کی قوت ہے) کے اس نظریئے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بیشمار تجربات اَور مشاہدات اس نظریئے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اپنی ذات کے مطالعہ اَور غور و فکر کے علاوہ کسی ایک وحشی اَور قدیم قبیلے کا مطالعہ کیجئے۔ تہذیب و تمدّن کے لحاظ سے وہ قبیلے مہذب دنیا سے جتنے پیچھے ہیں اسی نسبت سے نفس کے مختلف حصّے ان میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ان کی اخلاقی دنیا کا معیار "لذّت اَور درد" کے اصول پر مشتمل ہونا۔ اَور گناہ کے احساس کا قطعاً وجود نہ رکھنا وغیرہ سب اِس بات کی دلیل ہیں۔ کہ ان میں "خودی" کا نشوونما اپنے بلندترین مقام پر نہیں پہنچا۔ اسی طرح دیوانوں کے طریقِ عمل اَور ان کے غور و فکر کرنے یا استدلال کے عجیب و غریب طریقے۔ یا خود ہمارا جادو اَور تعویذ گنڈوں میں اعتقاد یا بعض رسموں اَور رواجات کی سختی سے پابندی۔ توہّم اَور مظاہر پرستی وغیرہ یہ سب مندرجہ بالا نظریئے کی تصدیق کرتے ہیں۔

آئرلینڈ میں تعلیم

(سال ۴۸-۱۹۴۷ء کی وہ مختصر روئداد جو گیارھویں بین اقوامی کانفرنس منعقدہ جنیوا جون ۱۹۴۸ء میں پیش کی گئی)

ابتدائی تعلیم: جہاں تک ابتدائی تعلیم کا تعلق ہے۔ ۴۸-۱۹۴۷ء کے تعلیمی سال میں اس نوع کی کوئی خاص نشوونما نہیں ہوئی جس کے متعلق کانفرنس کے معتمد یہ نے تین فصول یعنی

(۱) نظم و نسق مدرسہ

(۲) نصاب و طریق تعلیم اور

(۳) اساتذہ

کے تحت تعیین کی ہے۔ ہاں البتہ چوتھی فصل (الف) یعنی اطفال مدارس کی جسمانی تربیت اور حفظان صحت سے متعلق جدتوں کے تحت یہ چیز قابل ذکر ہے۔ کہ آئرش جونیئر ریڈ کراس ایسوسی ایشن کے تعاون سے، بچوں کی خاطر صحت کی باتوں پر مشتمل ایک مختصر سی کتاب تیار کی گئی ہے۔ اور اس کے نسخے ابتدائی مدارس کو بھیج دئے گئے ہیں۔ تاکہ بچے انہیں استعمال کریں۔ اور صحت کے عام امور سے آشنا ہوں۔

ثانوی تعلیم: ثانوی تعلیم کے سلسلے میں اس سال جو لطیف باتیں قابل ذکر ہیں، درج ذیل ہیں:-

(۱) نومبر ۱۹۴۷ء میں محکمہ تعلیم کی تحریک پر انگلینڈ، سکاٹ لینڈ، ویلز، شمالی آئرلینڈ

اور جنوبی آئرلینڈ کی نظارت مدارس کے نمائندوں کی ایک کانفرنس ڈبلن میں منعقد ہوئی۔ تعلیمی اور اجتماعی لحاظ سے یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی۔ مقامی اور بیرونی نمائندوں نے محسوس کیا کہ باہمی تبادلہ خیالات اور بحث و تمحیص سے انہوں نے ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھا اور اخذ کیا ہے۔ اس کانفرنس کی بے لاگ اور کھلی کھلی بحثوں میں بہت سی مشکلات حل ہوگئیں۔ باہر سے تشریف لانے والے حضرات نے ثانوی مدارس کا معائنہ کیا اور ان کے کام اور معیار پر بے حد مسرت کا اظہار کیا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس کانفرنس نے بہتر طور پر بین اقوامی مفاہمت کا سامان مہیا کیا۔

(۲) اس سال ثانوی مدارس میں سائنس کی تدریس اور سائنس کے معلموں میں مزید سامان و آلات کار مہیا کرنے کی خاطر سرکاری امدادی رقوم میں گرانقدر اضافے ہوئے۔ یہ اضافے اس بات کا بیّن ثبوت ہیں۔ کہ یہ ملک عصر حاضر کی دنیا میں جہاں سائنس روزافزوں اہمیت حاصل کئے جارہی ہے۔ سائنس کی مناسب تعلیم کی اہمیت و ضرورت سے پورے طور پر آگاہ ہے۔

(۳) اس سال یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ آئندہ محکمانہ امتحانات میں تجارتی زبانوں کے نمبر اور موسیقی کے نمبر ۳۰۰ سے ۴۰۰ تک بڑھا دئے جائیں۔ اس اقدام کی غرض و غایت یہ ہے کہ آئری مدارس میں طلبہ ان زبانوں کو اختیار کرنے کی طرف مائل و راغب ہوں۔ اور اس طرح بین اقوامی تصوّر و نظریہ میں وسعت پیدا ہو۔ موسیقی کے نمبروں میں اضافہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ تعلیم کے خالص ثقافتی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

(۴) مذکورہ بالا تین چیزیں بین اقوامی تعلیمی نظریئے سے متعلق ہیں۔ اس بڑے نظریئے کی خاطر اپنے ملک کی ممتاز تہذیب و ثقافت کو طاق نسیان میں نہیں رکھدیا گیا

یہ آثری زبان کو مقبول عام بنانے اور ترویج دینے کی خاطر باقاعدہ اہتمامات کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ محکمہ تعلیم کی سرپرستی میں آثری زبان ولہجہ میں چند تفریحی فلمیں تیار کی گئی ہیں۔ جنہیں بغیر معاوضہ کے اسکولوں کے لئے مہیا کیا جاتا ہے۔ ثانوی مدارس کی طرف سے ان فلموں کی مانگ کافی تسلی بخش رہی ہے۔

اس کے علاوہ حکومت نے یونیورسٹی کے لئے چند بیش قیمت وظائف بھی منظور کئے ہیں۔ جو مدرسہ چھوڑنے کے محکمانہ امتحانات کے نتیجے پر ان طلبہ کو دئے جائینگے جو آثری زبان کے ذریعے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کریں گے۔

فنی تعلیم: اس سال مدارس کے نظم ونسق میں تو کوئی خاص قابل ذکر بات نہیں۔ لیکن جہاں تک نصاب اور طریق تعلیم کا تعلق ہے۔ دیہاتی دستکاروں کی تربیت کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں دو قسم کے اقدامات کئے گئے ہیں۔ یعنی جہاں ممکن تھا۔ وہاں دیہاتیوں کے لئے مقامی تعلیم کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور جہاں یہ چیز ممکن نہ تھی وہاں انہیں ایک مرکزی درسگاہ پر جمع کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور اس مرکزی درسگاہ میں خاص فنی تربیت ومہارت حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر

مختلف علاقوں میں دیہی بیطاری (سلوتری) کے اسباق کا سلسلہ، تاکہ دیہاتی لوہار اس میں کسی حد تک خاص تربیت و مہارت حاصل کریں۔

نوجوان زارعین کے لئے لکڑی کے کام، دیہاتی سائنس اور ضمنی و ذیلی مضامین کا ایک مرکب سلسلۂ تدریس۔

نوجوان عورتوں کے لئے گھریلو صنعتوں، اور امور خانہ داری میں اسباق۔

موسم گرما میں لکڑی کا کام کرنے والی جماعتوں کے ضمیمے کے طور پر ایک مکمل تعمیری منصوبہ پر مشتمل دیہاتی تعمیرات کا ایک سلسلہ درس اور

مرکزی حیثیت سے مختلف ضلعوں کے خاص خاص منتخب لوہاروں کے لئے دھات کے کام کا ایک تعلیمی سلسلہ تاکہ وہ تربیت حاصل کر کے زراعتی مشینری کی اصلاح و ترمیم کرنے کے قابل ہو جائیں۔

دیہات کے مسائل کی طرف بھی پہلے سے زیادہ توجہ کی گئی ہے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ کہ درسگاہوں کے کام اور دیہاتی آبادی کی ضرورتوں اور دلچسپیوں کے درمیان زیادہ استوار رابطہ ہو۔ مثلاً دیہاتی سائنس میں تعلیم حاصل کرنے والے بالغوں کے لئے بحثی اجتماعات (مجالس مذاکرہ) کا ایک سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔ جس میں پہلے مختصر تجربی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس مظاہرہ کی تفصیلات پر آزادانہ بحث ہوتی ہے۔ اسی طرح لکڑی کے کام کی تدریس کو ایک عام ادنیٰ حیثیت کے کسان کی تعمیری ضروریات سے بہت حد تک مربوط کر دیا گیا ہے۔

تعلیم زبان میں بھی زیادہ حقیقت پسندانہ طرز و روشِ عمل اختیار کرنے کی کوشش جاری ہے۔ چنانچہ محکمانہ مخصوص نصاب میں تربیت یافتہ اساتذہ اب تصاویر و تمثیلات، تختۂ سیاہ، خاکے، مختصر ڈرامے، مکالمے، زبان کی کھیلیں، اور اسی قسم کی دوسری مناسب تدابیر پہلے سے زیادہ عمل تدریس میں استعمال کر رہے ہیں۔ فلمیں اور فلمی قطعے ان تدابیر میں شامل کئے جا رہے ہیں۔ اور اساتذہ کو فلمیں بنانے اور دکھانے میں تربیت دینے کے لئے چند اسباق کا سلسلہ بھی جاری کیا گیا ہے۔

دن کو فنی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے لئے پچھلے سال امتحانات کی ایک نئی سکیم جاری کی گئی تھی۔ اور باہم مربوط مضامین کے مندرجہ ذیل پانچ زمروں میں سے ہر ایک زمرے میں پاس ہونے والوں کو سندیں دی گئی تھیں۔

(۱) تجارت عمومی
(۲) تجارت (دفتری امور سے متعلق)
(۳) امور خانہ داری
(۴) دست کاری
(۵) دیہاتی سائنس

ہر ایک زمرے میں تین یا چار لازمی مضمون اور کچھ اختیاری مضامین تھے۔ اختیار کردہ مضامین کی اوسط تعداد پانچ تھی۔ امتحان مطلقاً طلبہ کی مرضی پر موقوف تھا۔ اور پہلے سال کے نتائج تسلّی بخش قرار دیئے گئے تھے ؛

اصطلاحی غور و فکر

(گذشتہ سے پیوستہ)

۱

اصطلاحات

(بسلسلۂ ماسبق)

51. Allowance

اِس کے لئے مندرجہ ذیل ترجمے موصول ہوئے ہیں :-

وظیفہ، الونس، امداد، واجبات، مشاہرہ، تنخواہ، حصّہ، راتب، روزینہ، بھتّہ،

اِن میں سے واجبات، مشاہرہ، تنخواہ اور راتب تو الاؤنس کے لئے بہت ناموزوں ہیں۔ظاہر ہے کہ الاؤنس مشاہرہ اور تنخواہ سے زائد چیز ہے۔ راتب تجویز کرنے والے محترم کو شائد یہ معلوم نہیں۔ کہ اول تو اس لفظ کا لفظی معنی روزانہ خوراک اور روزینہ ہے۔اور دوسرے یہ لفظ خاص طور پر ہاتھی، گھوڑے، کتّے اور بلّی وغیرہ کی روزانہ خوراک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور ہم جس اصطلاح کو زیرِ بحث لارہے ہیں۔اس کا اطلاق زیادہ تر انسانوں پر ہوتا ہے۔غیر ذوی العقول حیوانات پر نہیں روزینہ اور حصّہ سے الاؤنس کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا۔بھتّہ عام مستعمل ہے اِس کے اختیار کرنے میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں۔ اِس کے بعد لفظ "وظیفہ" موزوں ہے ؛

52. Discretion

اِس کے لئے بہت سے ترجمے موصول ہوئے ہیں۔

احتیاط، خبرداری، سمجھ، امتیاز، اختیار، اختیارِ تمیزی، تمیز، دُوراندیشی، شعور، قوتِ فیصلہ، حسبِ دِل خواہ، مرضی،

لیکن ان سب میں اختیارِ تمیزی، قوتِ فیصلہ اور مرضی .Discretion کے مفہوم کے زیادہ قریب ہیں۔ "مرضی" اور قوتِ فیصلہ .Discretion کے ایک پہلو کا مفہوم ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان میں وہ جامعیت نہیں۔ جو .Discretion میں ہے۔ "اختیارِ تمیزی" ان دونوں کے مقابلے میں زیادہ جامع اور اصل مفہوم پر حاوی معلوم ہوتا ہے۔ اِس کے اختیار کرنے میں کوئی دِقّت محسوس نہیں ہونی چاہیئے۔

53. Pension

اِس کے لئے پنشن، وظیفہ، امداد، راتب تجویز کئے گئے ہیں۔ راتب جیسا کہ .Allowance کے ماتحت تحریر کیا گیا ہے۔ غیر موزوں ہے۔ اس میں "جانوریت" ہے۔ "انسانیت" نہیں۔ باقی وظیفہ اور امداد کے مقابلے میں تو پنشن کا لفظ ہی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ رائج بھی ہے۔ اسے رواج دینے میں کوئی دِقّت نہیں ہونی چاہیئے بعض عوام ناخواندہ اگر "پنسل" کہتے ہیں۔ تو ہمیں اس کے لئے غیر جائز ہونے کا کوئی فتویٰ نہیں ملتا۔ رہا اِس کا انگریزی لفظ ہونا۔ تو اِس طرح کے کئی الفاظ اُردو نے اپنائے ہیں۔ جو جدید قسم کی چیزوں کے لئے وقف تھے۔

54. Cadre

مستقل عملہ، جمعیت، گروہ، سلسلہ، شعبہ، عملہ چھ الفاظ اس کے ترجمے کے لئے تجویز ہوئے ہیں۔ ان میں سے جمعیت اور گروہ تو مفہوم سے بہت بعید ہیں مستقل عملہ، سلسلہ، شعبہ اور عملہ میں سے شعبہ اور عملہ زیادہ موزوں اور مفہوم سے زیادہ اقرب معلوم ہوتے ہیں۔ عملہ کا لفظ تو اگر .Service کے لئے

مخصوص کردیا جائے تو اچھا ہوگا جیساکہ Subordinate Educational Service کے لئے "عملہ تعلیمی تحتانی" بہت جچتا ہے۔ Cadre کے لئے شعبہ کا لفظ مخصوص کردیا جائے۔ تو غیر موزوں نہیں ہوگا ،

55. Divisional Inspector

ناظر حلقہ، ناظر قسمت اور ناظر کمشنری میں سے ناظر قسمت سب سے زیادہ اچھا ہے۔ لیکن جیساکہ ہم .Inspector کی بحث میں تفصیل سے ذکر کرچکے ہیں۔ ناظر کے ساتھ اس کی نوعیت کا مذکور ضروری ہے چنانچہ اگر Divisional Inspector of Divisional Inspector of Schools Lahore. ہے اور اس سے مراد .Lahore ہے۔ تو ناظر مدارس قسمت لاہور کہا جائے ۔

56. Initial appointment.

ابتدائی ملازمت، ابتدائی تقرر، پہلی نامزدگی، ابتدائی اسامی، ابتدائی عہدہ میں سے کوئی بھی مفہوم کے اتنا قریب نہیں۔ جتنا "اوّلین تقرر" اور یہی قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے ۔

57. Initial Pay

اِس کے لئے مندرجہ ذیل ترجمے موصول ہوئے ہیں :۔

ابتدائی مشاہرہ ، ابتدائی تنخواہ ، اصلی تنخواہ ،

یہاں "مشاہرہ اولی" زیادہ جچتا ہے۔ اور مندرجہ بالا تینوں ترجموں کے مقابلے میں ترجیح کے قابل معلوم ہوتا ہے ۔

58. Earned leave

اِس کے لئے پانچ ترجمے موصول ہوئے ہیں :۔

میسّر شدہ رخصت، اکتسابی رخصت، حقی رخصت، استحقاقی رخصت ،

صل کردہ رخصت، اِن میں سے "استحقاقی رخصت" Earned leave کے مفہوم
کے قریب تر ہے۔

59. Deputy Director

ناظم معاون، نمائندہ ناظم، گماشتہ ناظم، وکیل ناظم، قائم مقام ناظم،
ب ناظم۔ اِن تمام میں سے ناظم معاون اور نائب ناظم مفہوم کے قریب ہیں
ن ناظم معاون کے مقابلے میں "نائب ناظم" بہتر ہے۔ معاون Assistant
کے لئے موزوں ہے۔

60. Probationary period

اس کے لئے بہت زیادہ ترجمے موصول ہوئے ہیں:۔
عرصہ زیر آزمائش، آزمائشی دور، امتحانی عرصہ، امیدوارانہ عرصہ،
رآموزانہ دور، زمانہ شاگردی، زمانہ امیدواری، زمانہ زیر امتحان،
مانہ زیر آزمائش، زمانہ نوآموزی۔
اِن تمام کے مقابلے میں "زمانہ آزمائش" زیادہ اچھا اور جچا ہوا
معلوم ہوتا ہے۔

(ب)

اصطلاحاتِ زیرِ غور

61. Qualification.
62. Terms of Service
63. Eligibility.
64. Gratuity.
65. Fellow of University.
66. Faculty of Arts.
67. Bachelor of Arts.
68. Master of Arts.

69. Degree. 70. Chancellor

71. Senate. 72. Dean.

73. Prospects. 74. Lecturer.

75. Public Service Commission.

76. Post. 77. Minimum.

78. Maximum. 79. Tentative.

80. Notes. 81. Proceedings.

82. Incumbent. 83. Relief.

84. Disciplinary action. 85. Enquiry Committee.

86. Contingent. 87. Emergency.

88. Efficiency. 89. Net Income.

90. Counter-Signed.

مجلس طلبائے قدیم سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور

سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے قدیم طلبہ کی مجلس کو جدید تشکیل دی جا رہی ہے اور اس بات کی سعی کی جا رہی ہے کہ یہ مجلس ہماری زندگی کے اس دورِ جدید میں وقت کی ضرورتوں کے مطابق مفید تعلیمی کام کر سکے۔ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے قدیم طلبہ سے توقع ہے کہ وہ اس اقدام کو نظرِ استحسان سے دیکھیں گے اور اس مجلس کی رکنیت اختیار کر کے اس کے لائحۂ عمل کو کامیاب بنانے میں ممد ثابت ہوں گے۔ اُن سے التماس ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، مجلس طلبائے قدیم سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے معتمد عمومی کو اپنے اپنے مستقل پتے سے اور اس مجلس کی رکنیت اختیار کرنے کی رضامندی سے مطلع فرمائیں۔

معتمد عمومی
مجلس طلبائے قدیم
سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور

سرکاری جریدہ کے اعلانات

سررشتہ تعلیم، مغربی پنجاب

صیغہ رجال —— شعبہ کالج

نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
م۔ محمد احمد خان ایم۔ اے (انگریزی)	لیکچرار انگریزی ڈی مونٹ مورینسی کالج سرگودھا۔	لیکچرار انگریزی گورنمنٹ کالج منٹگمری۔ بشاہرہ سابقہ۔	تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
م۔ عبدالسلام خاں ایم۔ ایس سی (کیمیا)، بی ٹی (۱۵۰-۳۵۰)	لیکچرار کیمیا گورنمنٹ کالج جھنگ	لیکچرار کیمیا گورنمنٹ کالج لائل پور۔ بشاہرہ سابقہ	″	″
ایم۔ عبدالمجید ایم۔ اے، بی ٹی (۹۰-۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول ڈیرہ غازیخان۔ حال عارضی معلم لارنس کالج گھوڑا گلی۔	قائم مقام لیکچرار ریاضی گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان۔ بشاہرہ ۱۵۰ روپے ماہوار	″	″ انکی تنخواہ میں پاکستان شاہرتی مجلس یا مغربی پنجاب کی مجلسِ تخفیف کی سفارشات کے ماتحت تغیر و تبدل ہوگا۔
م۔ رفیق احمد ایم۔ اے (انگریزی) II	لیکچرار ایمرسن کالج ملتان	لیکچرار گورنمنٹ کالج راولپنڈی بشاہرہ سابقہ	یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
س۔ م۔ انور ایم۔ اے (اقتصادیات) I	لیکچرار گورنمنٹ کالج منٹگمری	لیکچرار گورنمنٹ کالج راولپنڈی بشاہرہ سابقہ	″	″
م۔ فضل العین قریشی ایم۔ ایس سی (طبیعیات) I ایم۔ اے (عربی) II	قائم مقام لیکچرار ایمرسن کالج ملتان	قائم مقام لیکچرار گورنمنٹ کالج راولپنڈی بشاہرہ سابقہ	″	″

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۱ ستمبر ۴۸ء 18598-E	حافظ نسیم احمد - ایم اے (ج.ی) II	لیکچرار ڈی مونٹ مورنسی کالج سرگودھا	لیکچرار گورنمنٹ کالج راولپنڈی بشاہرہ سابقہ	یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جا[گہ]
"	م-منظور الحق ایم-اے	لیکچرار فارسی و اردو گورنمنٹ کالج منٹگمری	لیکچرار فارسی و اردو گورنمنٹ کالج راولپنڈی بشاہرہ سابقہ	"	"
"	محمد صدیق کلیم ایم-اے (انگریزی) II	لیکچرار انگریزی گورنمنٹ کالج منٹگمری	لیکچرار انگریزی گورنمنٹ کالج راولپنڈی بشاہرہ سابقہ	"	"
۲۳ ستمبر ۴۸ء 18707-E	م-نذیر احمد ایم - اے (فارسی و انگریزی) (۱۵۰--۳۵۰)	لیکچرار گورنمنٹ کالج - لاہور	لیکچرار ڈی مونٹ مورنسی کالج سرگودھا - بشاہرہ سابقہ	"	مرزا مقبول بیگ بدخشانی کی ج[گہ] جن کا تبادلہ گورنمنٹ کالج ا[...] کی طرف ہو چکا ہے -
"	م-محمد صدیق ملک ایم-اے (عربی) (۱۵۰-۳۵۰)	لیکچرار گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان -	لیکچرار گورنمنٹ کالج منٹگمری بشاہرہ سابقہ	"	ایک موجودہ اسامی کی جگہ -
"	م-محمد علی ایم-اے (فارسی)	لیکچرار گورنمنٹ کالج جھنگ	لیکچرار گورنمنٹ کالج منٹگمری بشاہرہ سابقہ	"	م-منظور الحق کی جگہ جن کا تبادلہ گو[رنمنٹ] کالج راولپنڈی کی طرف ہو چکا.
۲۳ ستمبر ۴۸ء 18709-E	م-محمد ابراہیم شمیم ایم-اے (نفسیات)	لیکچرار فلسفہ ایمرسن کالج ملتان (حال رخصتی بغرض تحصیل علم در ممالک مغربی)	لیکچرار فلسفہ گورنمنٹ کالج منٹگمری	"	ا-خرم علی کی جگہ جن کا تبادلہ راولپنڈی کی طرف ہو چکا ہے
۲۵ ستمبر ۴۸ء 18762-Z	ڈاکٹر رفیع محمد چودھری ایم ایس سی' پی ایچ ڈی		پروفیسر (طبیعیات) گورنمنٹ کالج - لاہور میزان درجہ اول علٰی فوقانی (۳۵۰-۱۲۰۰) بشاہرہ بارہ سو روپیہ ماہوار -	یکم ستمبر ۴۸ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
۲۵ ستمبر ۴۸ء 18765-Z	خواجہ منظور حسین ایم اے علیگ. بی-اے آنرز (آکسن)		پروفیسر انگریزی گورنمنٹ کالج لاہور بشاہرہ ۸۷۰ روپے ماہوار میزان درجہ اول علیٰ فوقانی (۳۵۰-۱۲۰۰)	۲۶ اگست ۴۸ء سے	"
۲۵ ستمبر ۴۸ء 1885.-E	م-حمید الدین ایم-اے (تاریخ) ایم-اے (فارسی)	قائم مقام لیکچرار تاریخ ڈی مونٹ مورنسی کالج سرگودھا	قائم مقام لیکچرار تاریخ گورنمنٹ کالج لاہور - بشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	"
۲۵ ستمبر ۴۸ء 18854-E	م- عبدالسلام ایم ایس سی (کیمیا) (۱۵۰-۳۵۰)	لیکچرار کیمیا گورنمنٹ کالج جھنگ	لیکچرار کیمیا گورنمنٹ کالج سرگودھا بشاہرہ سابقہ	"	م-محمد امین کی جگہ جنکا تبادلہ ہو چکا ہے اس حکم سے ایم- عبدالسلام کے جھنگ [...] لائل پور کی طرف تبادلے کے احکام مورخہ ۲۳ ستمبر ۴۸ء نمبر E-1894 منسوخ کئے جاتے ہیں -

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۵ ستمبر ۱۹۵۸ء 18854-E	م-محمد امین ایم-ایس سی (کیمیا) (۱۵۰-۳۵۰)	لیکچرار کیمیا ڈی مونٹ مورنسی کالج سرگودھا	لیکچرار کیمیا گورنمنٹ کالج لائلپور بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
۵ ستمبر ۱۹۵۸ء 18856-E	ڈاکٹر عطا محی الدین ایم اے پی ایچ ڈی۔	لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج منٹگمری	لیکچرار سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور	″	م-عبدالحمید کی جگہ جن کا تبادلہ ہوچکا ہے۔
۵ ستمبر ۱۹۵۸ء 18884-E	م-خورشید احمد ایم ایس سی (۱۵۰-۳۵۰)	لیکچرار گورنمنٹ کالج لائلپور	لیکچرار گورنمنٹ کالج کیمبلپور بمشاہرہ سابقہ	″	دلاور حسین کی جگہ جن کا تبادلہ ہوچکا ہے۔
″	م-دلاور حسین ایم ایس سی (۱۵۰-۳۵۰)	لیکچرار گورنمنٹ کالج کیمبلپور	لیکچرار گورنمنٹ کالج لائلپور بمشاہرہ سابقہ	″	م-خورشید احمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہوچکا ہے۔
۹ ستمبر ۱۹۵۸ء 19144-E	م-عاشق محمد بھٹی۔ ایم-اے (سیاسیات)	لیکچرار سیاسیات گورنمنٹ کالج کیمبلپور۔	لیکچرار سیاسیات گورنمنٹ کالج منٹگمری بمشاہرہ سابقہ	″	سید احمد سعید کی جگہ جن کا تبادلہ گورنمنٹ کالج کیمبلپور کی طرف ہوچکا ہے۔
″	سید احمد سعید- ایم اے (سیاسیات) ایم اے تاریخ ایل ایل بی	لیکچرار سیاسیات گورنمنٹ کالج منٹگمری	لیکچرار سیاسیات گورنمنٹ کالج کیمبلپور بمشاہرہ سابقہ	″	م-عاشق محمد بھٹی کی جگہ جنکا تبادلہ گورنمنٹ کالج منٹگمری کی طرف ہوچکا ہے۔
۱۳ ستمبر ۱۹۵۸ء 19201-E	خورشید احمد ایم ایس سی (۱۵۰-۳۵۰)	لیکچرار گورنمنٹ کالج لائلپور	لیکچرار ایمرسن کالج ملتان-بمشاہرہ سابقہ	″	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
۱۱ اکتوبر ۱۹۵۸ء 19940-E	م-محمد افضل ایم اے	لیکچرار گورنمنٹ کالج جھنگ	لیکچرار گورنمنٹ کالج منٹگمری-بمشاہرہ سابقہ	″	م-محمد ابراہیم شمیم کی جگہ جن کا تبادلہ گورنمنٹ کالج لاہور کی طرف ہوچکا ہے۔
″	م-اقبال حسین زیدی (فلسفہ) II	ایک امیدوار	قائم مقام لیکچرار فلسفہ گورنمنٹ کالج جھنگ بمشاہرہ ۱۵۰ روپے ماہوار	″	م-محمد افضل کی جگہ جن کا تبادلہ ہوچکا ہے اور م-حمیدالدین کی جگہ جو بغرض تحصیل علم بیرون پاکستان چلے گئے ہیں۔ اور جن کا حق منصب اب سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے گورنمنٹ کالج جھنگ کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔

۱۹ ستمبر ۱۹۵۸ء 19535-E دلاور حسین لیکچرار گورنمنٹ کالج کیمبلپور اور خورشید احمد لیکچرار گورنمنٹ کالج لائلپور کے تبادلے کے احکام نمبر 18884-E مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۵۸ء بذریعہ اعلان ہذا منسوخ کیے جاتے ہیں۔
۱۱ ستمبر ۱۹۵۸ء 19...-E م-محمد حسین بٹ ایم ایس سی ایس لیکچرار اعلیٰ گورنمنٹ کالج لائلپور کے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کی طرف تبدیلی کے احکام نمبر 15343-E مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۵۸ء منسوخ

صیغہ رجال ـــــــــ شعبہ سکول

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	کس درجہ پر تعین ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۹ ستمبر ۱۹۴۷ء E-17186	م۔ خورشید محمد ایچ پی، ایچ یو، او ٹی	معلم اُردو گورنمنٹ ہائی سکول حسن ابدال	درجہ سوم شعبہ کلاسیکل و ٹیکل ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰ ایک سال کی آزمائش پر	۲۲ ستمبر ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
"	م۔ عبدالمجید خاں ایس وی	معلم اُردو، گورنمنٹ پرائمری سکول چوبرجی گارڈنز لاہور	"	۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء سے	"
"	م۔ محمد سلیمان ایچ اے او ٹی	معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول علی پور	"	۱۹ دسمبر ۱۹۴۷ء سے	"
"	م۔ سلیم الدین، ایس وی	معلم زراعت، گورنمنٹ ہائی سکول علی پور	"	۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء سے	"
"	م۔ محمد خان، ایس وی	معلم اُردو، گورنمنٹ ہائی سکول چکوال	"	۲۱ جنوری ۱۹۴۸ء سے	"
"	م۔ محمد حسین، ایس وی	معلم اُردو، گورنمنٹ ہائی سکول باغبانپورہ	"	۲ فروری ۱۹۴۸ء سے	"
"	م۔ خیر محمد، ایس وی	معلم اُردو، گورنمنٹ ہائی سکول خانیوال	"	یکم مارچ ۱۹۴۸ء سے	"
"	م۔ ناصر علی	معلم آرٹس اینڈ کرافٹس سنٹرل ماڈل سکول لاہور	"	۳ مارچ ۱۹۴۸ء سے	"
"	چوہدری عبدالعزیز ایس وی، ایچ پی	معلم اُردو۔ گورنمنٹ ہائی سکول مٹھا ٹوانہ	"	۱۱ مارچ ۱۹۴۸ء سے	"
"	م۔ محمد افضل، ایس وی، ایچ پی	معلم اردو، گورنمنٹ ہائی سکول کھوڑہ (?)	"	۱۳ مارچ ۱۹۴۸ء سے	"
"	م۔ ذکی احمد۔ ایس وی ایچ یو	معلم اُردو گورنمنٹ ہائی سکول کھوڑہ (?)	"	۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء سے	"
"	م۔ عبدالرشید، ایس وی	معلم اُردو، گورنمنٹ ہائی سکول پنڈی گھیب	"	۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء سے	"
"	م۔ منظور الحق، ایس وی، ایچ پی، ایچ او (?)	معلم اُردو۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ	"	۳۰ مارچ (?) ۱۹۴۸ء سے	"

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ پر تعین ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۹ستمبر ۱۹۴۸ء 17196-E	م-گل محمد ہاشمی ایس وی، ایچ پی، ایچ ایل	معلم اُردو- گورنمنٹ ہائی سکول مٹھا ٹوانہ	درجہ سوم شعبہ کلاسیکل ورنیکلر ۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰ ایک سال کی آزمائش پر	یکم اپریل ۱۹۴۸ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
"	م-سیف الملک ایس وی	معلم اُردو- گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب	"	۷راپریل ۱۹۴۸ء سے	"
"	م-عبد الغفور ایس وی	معلم اُردو، گورنمنٹ پرائمری سکول چوہڑ جی گارڈنز لاہور	"	۲۰راپریل ۱۹۴۸ء سے	"
"	س، س، قاسم، نقوی	معلم ڈرائینگ-گورنمنٹ ہائی سکول-مٹھا ٹوانہ	"	۲۶راپریل ۱۹۴۸ء سے	"
"	م-شیر گل، ایس وی	معلم اُردو-گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال	"	یکم مئی ۱۹۴۸ء سے	"
"	م-نور محمد، ایس وی	معلم اُردو-گورنمنٹ ہائی سکول راجن پور-	"	۷رجولائی ۱۹۴۸ء سے	"
"	م-غوث محمد، ایس وی	معلم اردو-گورنمنٹ ہائی سکول جام پور-	"	تاریخ حاضری سے	"
"	م-ظہور احمد، ایس وی	معلم اُردو-گورنمنٹ ہائی سکول-کیمبلپور-	"	"	"
"	م-احمد علی، قریشی، ایس وی	معلم اُردو-گورنمنٹ ہائی سکول کیمبلپور	"	"	"
"	م-تصدق حسین ایس وی	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول پاکپتن	"	"	"
"	م-علی بہادر-ایس وی	معلم اُردو-گورنمنٹ ہائی سکول تلہ گنگ	"	"	"

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۴ستمبر ۱۹۴۸ء 19085-E	م-محمد خان، ایس وی (۵۰-۱۰۰)	معلم زراعت گورنمنٹ نارمل سکول-گجرات	معلم اُردو-گورنمنٹ ہائی سکول میانوالی، بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	م-عمر حیات کی جگہ جن کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول عیسیٰ خیل کی طرف ہو چکا ہے
۱۴ستمبر ۱۹۴۸ء 18409-E	م-عبد اللہ شاکر	نائب ناظر مدارس برائے تربیت جسمانی ضلع کیمبلپور-	نائب ناظر مدارس برائے تربیت جسمانی سیالکوٹ	۲۷مئی ۱۹۴۸ء قبل از دوپہر سے	م-عبد العظیم چوہان کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے-
"	م-عبد العظیم چوہان بی-ٹی-آنرز ڈی پی ای،	قائم مقام نائب ناظر مدارس برائے تربیت جسمانی سیالکوٹ	قائم مقام نائب ناظر مدارس برائے تربیت جسمانی کیمبلپور بمشاہرہ سابقہ	۲رجون ۱۹۴۸ء قبل دوپہر سے	م-عبد اللہ شاکر کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے-

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۱؍ستمبر سنہ ۴۸ء 18409-E	م۔ عبداللہ شاکر (۱۵۰--۲۲۰)	نائب ناظر مدارس برائے تربیت جسمانی سیالکوٹ	معلم تربیت جسمانی گورنمنٹ نارمل سکول لالہ موسیٰ ضلع گجرات بمشاہرہ سابقہ	۱۸؍جون سنہ ۴۸ء قبل از دوپہر سے	م۔ محمد سعید کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے، عبداللہ شاکر اپنی اسامی پر چلے گئے ہیں
〃	م۔ عبدالعظیم چوہان بی اے آنرز ڈی۔پی۔ای	نائب ناظر مدارس برائے تربیت جسمانی۔ کیمبلپور	نائب ناظر مدارس برائے تربیت جسمانی سیالکوٹ بمشاہرہ سابقہ	۱۶؍جون سنہ ۴۸ء قبل از دوپہر سے	م۔ عبداللہ شاکر کی جگہ جو تبدیل ہو چکے ہیں۔
۲۲؍ستمبر سنہ ۴۸ء 18502-E	س، شبیر حسین۔ (۱۴۰--۲۲۰)	معلم ڈرائینگ گورنمنٹ ہائی سکول پسرور	معلم ڈرائینگ سنٹرل ماڈل سکول لاہور۔ بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	س۔ حامد علی شاہ کی جگہ جو ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں
۲۳؍ستمبر سنہ ۴۸ء 18676-E	م۔ عبدالرحمٰن (۵۰--۱۰۰)	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول جام پور جن کے گورنمنٹ ہائی سکول راجنپور کی طرف تبادلے کے احکام صادر ہو چکے ہیں۔	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول شورکوٹ بمشاہرہ سابقہ	〃	م۔ غلام سرور ہاشمی کی جگہ جو تبدیل ہو چکے ہیں
〃	م۔ غلام سرور ہاشمی (۵۰--۱۰۰)	معلم عربی گورنمنٹ ہائی سکول شورکوٹ	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول خانیوال بمشاہرہ سابقہ	〃	گورنمنٹ ہائی سکول راجنپور کی ایک خالی اسامی کی جگہ جو اب گورنمنٹ ہائی سکول خانیوال کی طرف منتقل کی جا رہی ہے۔
۲۳؍ستمبر سنہ ۴۸ء 18705-E	م۔ محمد بشیر بی اے۔ بی ٹی (۹۰--۱۵۰)	قائم مقام معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول حضرو	قائم مقام زائد معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول مری (ضلع راولپنڈی) بمشاہرہ سابقہ	〃	وہ اپنی اسامی ساتھ لے جائیں گے۔
۲۸؍ستمبر سنہ ۴۸ء 18987-E	م۔ حاجی محمد۔ ایس وی (۵۰-۳-۸۰/۴-۱۰۰)	قائم مقام معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول کہروڑپکا (جو حقیر غلام حسین کی رخصت کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔)	قائم مقام معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول کہروڑپکا۔ بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار	۱۰؍ستمبر سنہ ۴۸ء سے	م۔ رحمت اللہ معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول کہروڑپکا کی جگہ جو ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔
۳۰؍ستمبر سنہ ۴۸ء 19204-E	صوبیدار محمد ابراہیم ایم ایس سی، بی ٹی (۱۵۰--۲۲۰)	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ (جو پاکستان فوجی تعلیمی سکول مری میں فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں)	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال بمشاہرہ سابقہ	۲۸؍جون سنہ ۴۸ء سے	بھائی بھگوان سنگھ کی جگہ جو مشرقی پنجاب چلے گئے ہیں۔
۱۸؍اکتوبر سنہ ۴۸ء 19734-E	چوہدری فقیر احمد بی اے ایس اے وی (۲۳۰--۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول کیمبلپور۔	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول منٹھا ٹوانہ بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	شیخ لال دین کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء 19724-E	شیخ لال دین بی اے بی ٹی (۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول مٹھا ٹوانہ	صدر معلم گورنمنٹ نارمل سکول گجرات بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	م۔ محمد نجیب اللہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے ۔
"	م۔ محمد نجیب اللہ ایم اے بی۔ٹی (۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ نارمل سکول گجرات ۔	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول کیمبلپور۔ بمشاہرہ سابقہ	"	چوہدری فقیر احمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے
۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء 19726-E	م۔ عبدالحمید بی اے بی ٹی (۲۳۰-۳۰۰)	ناظر مدارس ضلع مظفر گڑھ	ناظر مدارس ضلع جھنگ بمشاہرہ سابقہ	۱۳ر نومبر ۱۹۵۸ء یا اس کے بعد جس تاریخ سے وہ حاضر ہوں	پیر ولایت شاہ بی۔ اے۔ بی ٹی پی ای ایس کی جگہ جو ۱۳ر نومبر ۱۹۵۸ء سے ملازمت سے سبکدوش ہو رہے ہیں ۔
"	م۔ عبداللہ خان اخوند بی اے بی ٹی (۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول جام پور ضلع ڈیرہ غازیخان	ناظر مدارس ضلع مظفر گڑھ بمشاہرہ سابقہ	"	م۔ عبدالحمید بی۔ اے۔ بی ٹی کی جگہ جو تبدیل ہو گئے ہیں۔
۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۸ء 19890-E	م۔ غلام غوث (۵۰-۳-۸۰-۴/۱۰۰)	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول رنیالہ خورد ۔	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	سکول میں معلم پنجابی کی ایک خالی اسامی کی جگہ ۔
۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۸ء 19892-E	چوہدری فقیر احمد بی اے (۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول کیمبلپور۔	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول مٹھا ٹوانہ۔ بمشاہرہ سابقہ	"	شیخ لال دین کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے
"	شیخ لال دین بی اے بی ٹی (۲۳۰-۳۰۰)	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول مٹھا ٹوانہ ضلع شاہ پور	صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول کیمبلپور۔ بمشاہرہ سابقہ	"	چوہدری فقیر احمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے ۔
۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۸ء 19894-E	م۔ ذبیح اللہ (۵۰-۳-۸۰-۴/۱۰۰)	معلم اردو۔ گورنمنٹ ہائی سکول مظفر گڑھ	معلم اردو گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا۔ بمشاہرہ سابقہ	"	گورنمنٹ ہائی سکول پنڈ دادنخان میں ایک معلم اردو کی خالی اسامی کی جگہ جو اب گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا کی طرف منتقل کی جاتی ہے
۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۸ء 19896-E	شیخ کرامت علی بی اے بی ٹی (۹۰-۱۵۰)	نائب ناظر مدارس ضلع شاہ پور ۔	نائب ناظر مدارس ضلع شیخوپورہ بمشاہرہ سابقہ	"	م۔ محمد سعید خان کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے ۔
"	م۔ محمد سعید خان ایم اے بی ٹی (۹۰-۱۵۰)	نائب ناظر مدارس ضلع شیخوپورہ	نائب ناظر مدارس ضلع شاہ پور بمشاہرہ سابقہ	"	شیخ کرامت علی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے ۔
۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء 8368-E	م۔ محمد طفیل نمبر ۱۷۹ (۵۰-۱۰۰) عملہ تحتانی کلاسیکل ورنیکلر شعبہ	زائد معلم ڈرائنگ گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ	معلم اردو۔ گورنمنٹ پرائمری سکول ۔ چوبرجی گارڈنز ۔ لاہور	"	ایک زائد معلم اردو کی حیثیت سے کیونکہ گورنمنٹ پرائمری سکول چوبرجی گارڈنز لاہور میں طلبہ کی تعداد بڑھ گئی ہے ۔

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہؤا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۹ اکتوبر ۵۳ء 8593-E	ق۔ محمد دین ایس وی منشی فاضل نمبر ۶۱ (۵۰ — ۱۰۰) عملہ تحتانی شعبہ کلاسیکل ورنیکلر	معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی سکول ظفروال۔	معلم اردو۔ گورنمنٹ ہائی سکول سیالکوٹ	تاریخ حاضری سے	معلم اردو نثار قطب کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	س۔ نثار قطب ایس وی (۵۰ — ۱۰۰) عملہ تحتانی شعبہ کلاسیکل ورنیکلر	معلم اردو۔ گورنمنٹ ہائی سکول سیالکوٹ	معلم السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی سکول ظفروال۔	"	ق۔ محمد دین معلم السنہ شرقیہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۲۱۔ اکتوبر ۵۳ء 8635-E	عبداللطیف (۹۰ — ۱۵۰)	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول ظفروال	معلم انگریزی گورنمنٹ ہائی سکول۔ باغبانپورہ	"	م۔ سردار خاں کی جگہ جن کا تبادلہ بحیثیت صدر معلم ہو چکا ہے۔

صیغہ دفاتر

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہؤا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۶ ستمبر ۵۳ء 18115-Z	م۔ فتح محمد	مختصر نویس (سٹینوگرافر) دفتر ناظر مدارس قسمت ملتان	۱۰۰ – ۵ – ۱۵۰ عارضی	۱۰۰ – ۵ – ۱۵۰ مستقل	۱۵ اگست ۵۳ء سے	
"	م۔ محمد نصیر بٹ	مختصر نویس دفتر ناظر مدارس قسمت لاہور	"	"	"	

تاریخ اعلان وشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہؤا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۵ ستمبر ۵۳ء 18844-Z	م۔ محمد حسین (۵۰ — ۱۰۰)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ (قائم مقام)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول مظفرگڑھ (قائم مقام)	تاریخ حاضری سے	م۔ غلام حسین میٹرک III کی جگہ جنکی خدمات کی اب ضرورت نہیں۔
"	م۔ محمد علی میٹرک II	دفتر ناظر مدارس قسمت لاہور کا ایک مسلم امیدوار	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ (قائم مقام) بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار درجہ (۵۰–۳–۸۰–۴/۲–۱۰۰)	"	م۔ محمد حسین کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۲۵ ستمبر ۵۳ء 18846-Z	م۔ اللہ دتہ (۸۰ — ۱۵۰)	اعلیٰ محرر دفتر ناظر مدارس ضلع سرگودھا	اعلیٰ محرر دفتر ناظر مدارس قسمت راولپنڈی۔	"	م۔ علی محمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔

تاریخ اعلان بشمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۸ ستمبر ۴۸ء 18846-Z	م۔ علی محمد (۸۰۔۔۱۵۰)	اعلیٰ محرر دفتر ناظر مدارس قسمت راولپنڈی	اعلیٰ محرر دفتر گورنمنٹ گرلز نارمل اینڈ ہائی سکول جہلم	〃	م۔ عبدالرحمٰن کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔ عبدالرحمٰن (۸۰۔۔۱۵۰)	اعلیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول جہلم (رخصتی)	اعلیٰ محرر گورنمنٹ کالج فار وومن لائل پور	〃	م۔ محمد حسین کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔ محمد حسین (۸۰۔۔۱۵۰)	اعلیٰ محرر گورنمنٹ کالج فار وومن۔ لائل پور	اعلیٰ محرر دفتر ناظر مدارس ضلع سرگودھا۔	〃	م۔ اللہ دتہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۲۵ ستمبر ۴۸ء 18849-Z	م۔ قطب الدین (۸۰۔۔۱۵۰)	اعلیٰ محرر دفتر ناظر مدارس قسمت راولپنڈی جن کے گورنمنٹ کالج فار وومن ملتان کی طرف تبادلے احکام صادر ہو چکے ہیں۔	اعلیٰ محرر دفتر ناظر مدارس قسمت ملتان۔	یکم اکتوبر ۴۸ء سے	م۔ ولی محمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	م۔ ولی محمد (۸۰۔۔۱۵۰)	اعلیٰ محرر دفتر ناظر مدارس قسمت ملتان (قائم مقام)	اعلیٰ محرر گورنمنٹ کالج فار وومن ملتان (قائم مقام)	〃	م۔ قطب الدین کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۲۷ ستمبر ۴۸ء 19990-Z	م۔ رمضان علی شاہ	ادنیٰ محرر دفتر ناظر مدارس ضلع ملتان (قائم مقام)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج فار وومن ملتان (قائم مقام) بمشاہرہ سابقہ	〃	ایک نئی اسامی کی جگہ
〃	م۔ عبدالرشید	ادنیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائل پور۔ (قائم مقام)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ کالج فار وومن ملتان (قائم مقام) بمشاہرہ سابقہ	〃	〃
〃	م۔ رحیم بخش میٹرک II	ایک اُمیدوار	ادنیٰ محرر دفتر ناظرہ مدارس ضلع ملتان۔ (قائم مقام) بمشاہرہ ۵۰ روپے ماہوار سکیل (۲۵۔۔۸۰/۳-۱)	تاریخ حاضری سے	م۔ رمضان علی شاہ کی جگہ جو تبدیل ہو چکے ہیں۔
〃	م۔ محمد طفیل میٹرک II	〃	ادنیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائل پور۔	〃	م۔ عبدالرشید کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
یکم اکتوبر ۴۸ء 19375-Z	م۔ عبدالرحمٰن (۸۰۔۔۱۵۰)	اعلیٰ محرر گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول جہلم جن کے گورنمنٹ کالج فار وومن لائل پور کی طرف تبادلے کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔	اعلیٰ محرر دفتر ناظر مدارس ضلع سرگودھا	〃	م۔ اللہ دتہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے محمد حسن کے احکام تبادلہ نمبر 18846-Z مورخہ ۱۸ ستمبر ۴۸ء اس سے منسوخ کئے جاتے ہیں۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۱-اکتوبر ۱۹۴۸ء 19874-Z	م- خورشید احمد (۵۰ -- ۱۰۰)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ (قائم مقام)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ (قائم مقام)	تاریخ حاضری سے	م- محمد علی کی جگہ
؍؍	م- محمد علی (۵۰ -- ۱۰۰)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول شیخوپورہ (قائم مقام)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ (قائم مقام)	؍؍	م- خورشید احمد کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے
۷-اکتوبر ۱۹۴۸ء 8373-E	س- خورشید احمد صدیق (۵۰ -- ۱۰۰)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ (قائم مقام)	ادنیٰ محرر دفتر ناظر مدارس ضلع لاہور (قائم مقام)	؍؍	م- محمد حنیف کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
؍؍	م- محمد حنیف خان (۵۰ -- ۱۰۰)	ادنیٰ محرر دفتر ناظر مدارس ضلع لاہور (قائم مقام)	ادنیٰ محرر گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ (قائم مقام)	؍؍	س- خورشید احمد صدیق جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔

شعبہ نسواں

تاریخ احکام و شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۷-ستمبر ۱۹۴۸ء 18157-Z	آنسہ- ایس- قادری بی اے بی ٹی	ناظرہ مدارس ضلع لاہور جو اب پاکستان کے محکمہ مہاجرین میں کام کر رہی تھیں	پی ای ایس درجہ دوئم (شعبہ نسواں) ۲۶۰-۲۰-۵۰۰/۳۰-۶۵۰ قائم مقام	پی ای ایس درجہ دوئم شعبہ نسواں مستقل		۱۵-اگست ۱۹۴۷ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
۱۸-ستمبر ۱۹۴۸ء 18209-	آنسہ نثار فاطمہ گوندل بی اے وی نمبر ۲۰۶ (۷۰ -- ۱۵۰)	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازیخان			قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول میانوالی بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	رفاقت سلطانہ صدیقی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے
؍؍	رفاقت سلطانہ صدیقی بی اے وی نمبر ۵۲ (۷۰--۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول میانوالی			نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کیمبلپور بمشاہرہ سابقہ	؍؍	آنسہ اشرف سعید حسن کی جگہ جو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گوجرانوالہ میں ایک اسامی کی جگہ محکمہ مہاجرین سے واپس آنے پر تعینات ہوئی ہیں۔
۱۸-ستمبر ۱۹۴۸ء 18212	آنسہ ممتاز بیگم جے اے وی				قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول میانوالی بمشاہرہ ۷۰ روپے ماہوار	۱۴-اپریل ۱۹۴۸ء قبل از دوپہر سے	آنسہ اختر بیگم کی جگہ جن کا تبادلہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شرقپور میں ایک خالی اسامی کی جگہ ہوا ہے۔
[illegible] اکتوبر ۱۹۴۸ء [illegible]	مس ایس منظور بی اے بی ٹی نمبر ۱۱ (۷۰--۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ جو آپ نائب ناظرہ مدارس ضلع منٹگمری کا قائم مقام کام کر رہی ہیں اور رخصت پر ہیں	درجہ دوم معلمہ تحتانی خدمت نسواں (۱۵۰ -- ۲۲۰) قائم مقام	درجہ سوم (۷۰ -- ۱۵۰) خدمت نسواں	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ (رخصت)	یکم ستمبر ۱۹۴۸ء سے	اس اسامی کی جگہ جس پر اتفاق منصب تھا جبکہ وہ نائب ناظرہ مدارس ضلع منٹگمری کی حیثیت سے کام کر رہی تھیں۔

تاریخ احکام و نمبر شمارہ	نام	منصب	کس درجہ سے ترقی ہوئی	کس درجہ پر تعین ہوا	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۱۵ ستمبر ۱۹۴۸ء 18255-W	آنسہ خواجہ مشیرک بی اے وی				تا انتظام نگران گورنمنٹ کالج فار وومن لائلپور بمشاہرہ ۷۰ روپے ماہوار	تاریخ حاضری سے	۱۵۰-۲۵۰ مشاہرہ کی اسامی کی
۱۵ ستمبر ۱۹۴۸ء 18241-W	آنسہ ز۔ عبدالرحمن بی اے۔ بی۔ ٹی نمبر ۱۰ (۷۰--۱۵۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول مری۔ حال قائم مقام نائب ناظرہ مدارس ضلع جہلم۔ (۱۵۰--۲۲۰)	درجہ سوم (۷۰--۱۵۰)	درجہ دوم (۱۵۰--۲۲۰)	نائب ناظرہ مدارس ضلع جہلم (آزمائشی)	یکم مارچ ۱۹۴۷ء سے	۱۵۰-۲۲۰ کے مشاہرہ کی خالی اسامی
"	بیگم ب۔ منظور بی اے بی ٹی نمبر ۱۲۲ (۷۰--۱۵۰)	لیکچرار کوئین میری کالج لاہور۔ حال قائم مقام نائب ناظرہ مدارس ضلع گوجرانوالہ بمشاہرہ (۱۵۰--۲۲۰)	"	"	نائب ناظرہ مدارس ضلع گوجرانوالہ۔ (زیر آزمائش)	یکم اپریل ۱۹۴۸ء سے	"
"	آنسہ مقبول حسن بی اے بی ٹی	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول خوشاب حال قائم مقام نائب ناظرہ مدارس لائلپور مشاہرہ (۱۵۰--۲۲۰)	"	"	نائب ناظرہ مدارس ضلع لائلپور۔ (زیر آزمائش)	"	"
"	آنسہ ز۔ کریم بخش بی اے۔ بی ٹی	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سرگودھا۔ حال نائب ناظرہ مدارس ضلع لاہور۔	"	"	نائب ناظرہ مدارس ضلع لاہور (زیر آزمائش)	"	"
"	آنسہ ر۔ س۔ بٹ ایم اے (فارسی) بی ٹی نمبر ۱۷۵	قائم مقام نائب معلمہ گ۔ گ ہائی اینڈ نارمل سکول منٹگمری حال قائم مقام نائب ناظرہ مدارس ضلع راولپنڈی۔	درجہ سوم (۷۰--۱۵۰) قائم مقام	"	نائب ناظرہ مدارس ضلع راولپنڈی۔ زیر آزمائش	"	"
"	آنسہ اختر جہاں ضیاء الحق بی اے بی ٹی (۷۰--۱۵۰)	قائم مقام نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازیخان حال قائم مقام نائب ناظرہ مدارس گجرات (مشاہرہ ۱۵۰--۲۲۰)	"	"	نائب ناظرہ مدارس ضلع گجرات۔ (آزمائشی)	"	"
۱۵ ستمبر ۱۹۴۸ء 18785-W	خاتون زبیدہ خانم ایس وی نمبر ۲ (۵۰--۱۰۰)	معلمہ اردو۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول جہلم	درجہ سوم [illegible] (۵۰--۱۰۰)	درجہ دوم [illegible] (۷۰--۱۲۰)		۱۵ اگست ۱۹۴۸ء سے	حکومت مغربی پنجاب کی یادداشت نمبر 5877-W مورخہ ۱۹۴۸ء کے مطابق منظور شدہ ایک اسامی کی جگہ۔

تاریخ احکام و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
[illegible] 19786-W	خاتون اللہ رکھی ایس وی گھریلو سائنس۔ نمبر ۴۔ (۱۰۵-۱۴۰)	معلم اردو گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول منٹگمری	معلم اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول راوی روڈ لاہور بشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	خاتون ریاض فاطمہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	خاتون ریاض فاطمہ ایس وی نمبر ۷۵ (۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول راوی روڈ لاہور	معلمہ اردو۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گوجرانوالہ بشاہرہ سابقہ	"	ایک زائد معلمہ کی حیثیت سے۔
"	خاتون محمودہ بیگم ایس وی نمبر ۶۹ (۵۰-۱۰۰)	معلمہ اردو۔ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول شاہ پور صدر	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول منٹگمری بشاہرہ سابقہ	"	خاتون اللہ رکھی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
[illegible] 18895-W	خاتون اشرف سعید حسن ایف اے جے اے وی نمبر ۸۹ (۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کیمبلپور جو حال میں محکمہ مہاجرین میں کام کر رہی ہیں	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گوجرانوالہ۔ بشاہرہ سابقہ	۱۰ ستمبر ۱۹۴۸ء قبل از دوپہر	۷۰-۱۵۰ کی ایک خالی اسامی کی جگہ جو اب گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شیخوپورہ سے گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گوجرانوالہ کی طرف منتقل کی جاتی ہے۔
[illegible] 19054-W	آنسہ حسن آرا ملک بی اے بی ٹی نمبر ۱۰۸۔ (۷۰-۱۵۰)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول میانی چنوں (زیر آزمائش)	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول کوٹ ادو بشاہرہ سابقہ (زیر آزمائش)	تاریخ حاضری سے	آنسہ وزیر ا نجہا خاں کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	آنسہ شائستہ بیگم ایف اے جے اے وی۔ نمبر ۳۴ (۷۰-۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول منٹگمری	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول میاں چنوں بشاہرہ سابقہ	"	آنسہ حسن آرا ملک کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
"	آنسہ طفیل محمد بی اے بی ٹی نمبر ۴۶ (۱۵۰-۲۲۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سرگودھا	صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول خوشاب بشاہرہ سابقہ	"	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
[illegible] 19904-Z	مس ڈی فلپس ایم اے بی ٹی پی ای ایس۔ درجہ اول شعبہ نسواں	وائس پرنسپل لاہور کالج فار وومن لاہور	پرنسپل گورنمنٹ کالج فار وومن۔ ملتان	یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء سے	ایک موجودہ اسامی کی جگہ
[illegible] 18804-W	آنسہ زبیدہ خانم ایس وی	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول جہلم	درجہ مشاہرہ سوم (۳۵-۳-۵۰) عملہ تحتانی شعبہ نسواں کا کلیکل ذخیرہ کر یکم اپریل ۱۹۴۸ء سے اپنے عہدہ اور درجہ مشاہرہ میں مستقل قرار دی گئی ہیں		
[illegible] [illegible]-W	آنسہ ف محمود (بیگم مسعود احمد) بی اے بی ٹی نمبر ۱۵۳ (۷۰-۱۵۰) نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول راولپنڈی (زیر آزمائش) کا استعفیٰ ۲۷ جون ۱۹۴۸ء قبل از دوپہر سے منظور کر لیا گیا ہے۔				
[illegible] [illegible]-W	آنسہ کشور محمد اسمٰعیل بی اے بی ٹی (۷۰-۱۵۰) قائم مقام صدر معلمہ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول مری جو آنسہ ز۔ عبدالرحمٰن حالی نائب ناظرہ مدارس ضلع جہلم کے حق منصب میں کام کر رہی تھیں، کا استعفیٰ یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء قبل از دوپہر سے منظور کر لیا گیا ہے۔				

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
ستمبر ۵۲ء 3594/	آنسہ شاہجہان ملک بی جے اے وی۔ نمبر ۲ (۷۰--۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کیمبلپور	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول۔ راولپنڈی۔	تاریخ حاضری سے	بیگم ز۔خان جے اے وی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	بیگم ز۔خان جے اے وی نمبر ۱۷ (۷۰--۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول راولپنڈی۔	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول کیمبلپور۔	〃	بیگم شاہجہان ملک کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	خاتون فضل نور ایس وی نمبر ۱۱۱ (۵۰--۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول مری	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کیمبلپور۔	〃	خاتون گوہر بانو ایس وی کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	خاتون گوہر بانو ایس وی نمبر ۴۱ (۵۰--۱۰۰)	معلمہ اردو۔ گورنمنٹ گرلز سکول کیمبلپور	معلمہ اردو۔ گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پنڈی گھیب	〃	ایک موجودہ اسامی کی جگہ۔
〃	بیگم جے۔اے۔انصاری ایس وی، نمبر ۴۲ (۱۰۵--۱۴۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول شاہ پور صدر	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول منڈی بہاؤالدین۔	〃	〃
〃	خاتون نورجہان ایس وی نمبر ۷ (۵۰--۱۰۰)	معلمہ اردو۔ گورنمنٹ گرلز سکول سرگودھا	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول چکوال	〃	〃
〃	خاتون بی بی فاطمہ ایس وی نمبر ۱۰۵ (۵۰--۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول میانوالی	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول بھکر	〃	خاتون بی بی مریم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	خاتون بی بی مریم ایس وی نمبر ۱۳ (۵۰--۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول بھکر	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول میانوالی	〃	خاتون بی بی فاطمہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	خاتون مشرف بیگم ایس وی	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول پنڈی گھیب	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز سکول راولپنڈی	〃	خاتون کنور سلطان ایس وی نمبر ۸ (۵۰--۱۰۰) کی جگہ جن کا حق منصب پنڈی گھیب کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔
〃	مس این جوزف جے اے وی نمبر ۱۹ (۷۰--۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز سکول شاہ پور صدر	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سرگودھا	〃	آنسہ ممتاز ایچ بی، کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	آنسہ ممتاز ایچ بی، جے اے وی نمبر ۱۴۷ (۷۰--۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز سکول سرگودھا	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شاہ پور صدر۔	〃	مس این جوزف کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
〃	خاتون ہاشمی بیگم ایس وی نمبر ۳۲ (۵۰--۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول شاہ پور صدر	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سرگودھا	〃	آنسہ نورجہان کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔

تاریخ اعلان و شمارہ	نام	منصب	تبادلہ یا تقرر کہاں ہوا	کس تاریخ سے	کیفیت
۲۵ ستمبر ۴۸ء 3215-E	بیگم ز۔ عبید بی اے بی ٹی نمبر ۸۷ (۷۰ -- ۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائل پور۔	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول منٹگمری بمشاہرہ سابقہ	تاریخ حاضری سے	آنسہ رضیہ خاتون کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	آنسہ رضیہ خاتون بی اے بی ٹی نمبر ۱۶۳ (۷۰ -- ۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول منٹگمری	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائل پور بمشاہرہ سابقہ	″	بیگم ز۔ عبید کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	خاتون غلام زہرہ ایس وی نمبر ۳۵ (۵۰ — ۱۰۰)	معلمہ اردو۔ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازیخان	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول مظفرگڑھ۔ بمشاہرہ سابقہ	″	خاتون غلام جنت کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	خاتون غلام جنت ایس وی نمبر ۲۹ (۵۰ — ۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی اینڈ نارمل سکول مظفرگڑھ	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول لیہ بمشاہرہ سابقہ	″	خاتون اقبال بیگم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	خاتون اقبال بیگم ایس وی نمبر ۳۵ (۵۰ — ۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول لیہ	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ڈیرہ غازی خان بمشاہرہ سابقہ	″	خاتون غلام زہرہ کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	خاتون لطیف بیگم ایس وی نمبر ۱۱۲ (۵۰ — ۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ۔	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول گوجرہ بمشاہرہ سابقہ	″	خاتون حنیفہ بیگم کی جگہ جو فوت ہو گئی ہیں۔
″	خاتون ننھی بیگم ایس وی نمبر ۱۵۶ (۵۰ -- ۱۰۰)	معلمہ اردو (آزمائشی) گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائلپور	معلمہ اردو (آزمائشی) گورنمنٹ گرلز مڈل سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ بمشاہرہ سابقہ	″	خاتون لطیف بیگم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	خاتون راج بی بی ایس وی نمبر ۳۶ (۱۰۵ -- ۱۴۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول لائل پور۔	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول میاں چنوں بمشاہرہ سابقہ	″	رکمنی دیوی کی جگہ جو مشرقی پنجاب چلی گئی ہیں۔
″	خاتون نور بیگم ایس وی نمبر ۲۳ (۱۰۵ -- ۱۴۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ملتان	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ بمشاہرہ سابقہ	″	خاتون عزیزہ بیگم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
″	خاتون عزیزہ بیگم ایس وی نمبر ۱۱۷ (۵۰ -- ۱۰۰)	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز مڈل سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ	معلمہ اردو گورنمنٹ گرلز ہائی سکول ملتان بمشاہرہ سابقہ	″	خاتون نور بیگم کی جگہ جن کا تبادلہ ہو چکا ہے۔
۲ اکتوبر ۴۸ء 3883/E	خاتون ذی رتبہ غلام باری شیخ نمبر ۱۱۹ (۷۰ -- ۱۵۰)	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سرگودھا	نائب معلمہ گورنمنٹ گرلز ہائی سکول شاہ پور صدر	″	مس این جوزف کی جگہ جن کا تبادلہ بمطابق احکام نمبر 3597/E مورخہ ۱۸ ستمبر ۴۸ء سرگودھا کی طرف ہو چکا ہے۔

نقد و تبصرہ

کتابوں کے نام :- ۱- ابتدائی جغرافیہ ۲- غیر ملکوں کے بچے

۳- ہمارا صوبہ ۴- نیا جغرافیہ عالم حصہ اوّل

۵- نیا جغرافیہ عالم حصہ دوئم حصہ سوئم حصہ چہارم۔

مصنف :- محمد ناظر

ناشر :- ایسٹرن پبلشرز، ٹمپل روڈ، مزنگ لاہور

پہلی دو کتابیں اُن اساتذہ کی رہنمائی اور سہولتِ کار کیلئے لکھی گئی ہیں جو دوسری اور تیسری جماعتوں میں کام کرتے ہیں۔ اِنکی زبان نہایت سادہ ہے اور انمیں جغرافیائی امور کی تشریح کے لئے کافی تصاویر ہیں۔ دوسری میں مختلف ممالک کے بچوں کی تصویریں ہیں۔ زبان سہل اور عام فہم ہے اور طرزِ بیان دلکش اور جاذبِ توجہ ہے۔ ان کتابوں نے تعلیمی دنیا میں ایک زبردست خلا پُر کر دیا ہے۔ کیونکہ ابتک اساتذہ کے استعمال کے لئے بازار میں کوئی بھی کتاب اس نوعیت کی موجود نہ تھی۔

تیسری کتاب میں صوبے کا بیان سیاحت کے طریقے سے دیا گیا ہے اور بچے کو پورے صوبے کے مقامات، ریلوے سٹیشن وغیرہ حفظ کرانے کے پرانے فرسودہ طریق کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی زبان سادہ اور طرزِ بیان واضح ہے اسمیں درجن سے زائد نقشے ہیں اور وضاحت کی خاطر کافی تعداد میں تصاویر دی گئی ہیں۔

چوتھی کتاب میں پاکستان اور باقی دنیا کے جغرافیائی حالات مذکور ہیں۔ بری، بحری اور ہوائی سفر کے ذریعے حالات بیان کئے گئے ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ سیر و سیاحت کرتے ہوئے بچے کو مختلف مقامات کے کارخانوں کے حالات واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں اور بچے کی قوتِ مشاہدہ کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اُن مختلف ممالک کے طبعی حالات جنکی بچہ تصوّراتی سیر کرتا ہے مشاہدات کے ذریعے واضح کئے گئے ہیں۔ بنی نوع انسان کا باہمی احتیاج بھی سیاحت ہی کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تصویروں اور نقشوں سے بھرپور ہے۔

پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں کتاب میں براعظموں کا بیان اور جغرافیہ کے اصولوں کی بحث ہے۔ ان میں ابتداء سے آخر تک یہ کوشش کی گئی ہے کہ انسان اور جغرافیائی ماحول پر زور دیا جائے۔ واقعات کے ذریعہ جغرافیہ پڑھانے کا پورانا فرسودہ طریق چھوڑ دیا گیا ہے۔ علت و معلول کا رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ ہر باب کے ساتھ عملی مشقیں بھی ہیں۔ یہ کتابیں بچے کے حافظے پر نسبی دینے کی بجائے اس کی عقلی نشو و نما کے لئے بہت مفید ہیں۔

بحیثیتِ مجموعی یہ کتابیں تحریر، مادیہ، جلد اور تصاویر کے لحاظ سے بہت اچھی ہیں۔ تصاویر البتہ عام سیاہی میں ہیں۔ بظاہر اسکی وجہ طباعت اور بلاکوں پر بہت زیادہ لاگت معلوم ہوتی ہے۔

ان کتابوں میں جدید اصطلاحات بھی ہیں۔ جو مصنف کی وسیع اور تازہ ترین معلومات پر دلالت کرتی ہیں۔

[illegible] ٹرانسلیشن

حصہ اول تا سوم

مصنفہ سید [illegible] حسین صاحب ترمذی بی اے
ڈاکٹر نسابی ٹی ۔ ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول
بھاٹی گیٹ ۔ لاہور

حصہ اول ۔ حصہ دوم ۔ حصہ سوم ۸ر

[illegible] ریشین گرامر

یہ کتاب صوبہ سرحد کی منظور شدہ ہے اور پنجاب کے اکثر اسکولوں میں رائج ہے ۔ قیمت ۱۰ر

قوانین عربی

صوبہ سرحد کے محکمہ تعلیم نے اسے مڈل جماعتوں کے لئے منظور کیا ہوا ہے ۔ قواعد عربی کی بہترین اور لاجواب کتاب ہے ۔ قیمت ۱۲ر

اُردو گرامر جدید

مصنفہ مولوی محمد عبد اللہ صاحب قریشی

مدرسین مڈل اسکول انبالہ منظور کردہ پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی اور سررشتہ ہائے تعلیم پاکستانی بلوچستان احاطہ مدراس ۔ دہلی ۔

قیمت [illegible] ۔

حصہ اول چوتھی جماعت کے لئے ،
، دوم پانچویں اور چھٹی جماعت کیلئے [illegible]
، سوم ساتویں اور آٹھویں جماعت کیلئے [illegible]

مُعاون حساب اَلجبرا و ہندسہ مکمل

اُمیدواران امتحان مڈل ایس ۔ ڈی اور نارمل کیلئے نادر تحفہ

گزشتہ سال جبکہ فضا مکدر تھی باقاعدہ سکولوں میں باقاعدہ تعلیم تو درکنار بے قاعدہ تعلیم بھی تسلی بخش طریق پر نہ ہو سکتی تھی ۔ تو مڈل کلاسز کے طلباء اور طالبات کی آسانی اور سہولیت اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ مفید کتاب ایک تجربہ کار مہاجر ہیڈ ماسٹر سے تیار کرا کر شائع کی گئی تھی ۔ اور ہمیں خوشی ہے کہ بہت سے طلبہ کے لئے خضر راہ ثابت ہوئی ۔ اور انہوں نے اس سے اپنی توقعات سے بڑھ کر فائدہ اٹھایا ۔

اس کتاب میں حساب الجبرا اور جیومیٹری کے ہر قاعدے کے ہر ٹائپ کے سوالات کو حل کر دیا گیا ہو تاکہ کمزور سے کمزور طالب علم بھی فائدہ اٹھا سکیں ۔
مشق کیلئے ہر قاعدے کے مشقی سوالات بھی دیئے گئے ہیں تاکہ جہاں کمزور طلبہ تھوڑی سی توجہ کر کے امتحان پاس کر سکیں ۔ ہوشیار طلبہ اچھے نمبر اور اعلیٰ ڈویژن حاصل کر سکیں ۔ لکھائی چھپائی عمدہ اور دیدہ زیب ہے ۔ قیمت فی جلد عہ

ڈومسٹک اَرتھمیٹک اینڈ ہاؤس ہولڈ اکاؤنٹ

پاکستان کے اسکولوں کی ہائی کلاسز کے طلبہ اور طالبات کیلئے اس مضمون کی یہ واحد اور لاجواب کتاب ہے ۔
اس میں یونیورسٹی کے تمام سلیبس کو لیا گیا ہے ۔ اور ڈاکخانہ ٹیلیگراف اور بنکوں کے متعلق جملہ معلومات دی گئی ہیں ۔ زبان سادہ لکھائی چھپائی عمدہ ۔ اس مضمون پر یہ پہلی اسلامی تصنیف ہے مگر کامیاب ۔ قیمت فی جلد عہ

دیگر امدادی کتب کی فہرست مفت طلب کریں

پتہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز ایجوکیشنل پبلشرز

کشمیری بازار ۔ لاہور